بدروحوں کا دیس
ایم الیاس
myownurdubookz

بدروحوں کا دیس

ایم الیاس

القریش پبلی کیشنز
سرکلر روڈ چوک اُردو بازار لاہور
فون: 042-37652546 ، 042-37668958
www.alquraish.com E.mail:info@alquraish.com

خوب سے خوب تر کتابوں کی اشاعت
جدت اور معیار کے ساتھ

باہتمام......محمد علی قریشی

باراوّل.................. 2012ء
مطبع.................. نیئر اسد پریس لاہور
کمپوزنگ.................. کلاسکس گرافکس

بدرُوحوں کے اُس دیس کے نام......
جہاں انسانی جان کی کوئی
قیمت نہیں تھی۔

سروجا بڑی بے چینی اور وحشت کے عالم میں کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ جیسے اس کا اقرار بے رحم وقت کے ہاتھوں لٹ چکا ہو۔

کمرے کے ایک کونے میں ایک بڑی اور خوبصورت سی سنگھار میز تھی۔ کوئی خیال زہریلے سانپ کی طرح دل کے کسی کونے میں رینگتا تو وہ ایک لمحے کے لئے سنگھار میز کے قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہو جاتی اور بڑی ناقدانہ نظروں سے اپنے چہرے کو دیکھتی۔ آنکھوں کے نیچے بڑھتی ہوئی سیاہی اور عمر کی چغلی کھاتی ہوئی باریک جھریوں کو دیکھ کر اس کے دل پر ایک گھونسا سا لگتا۔ اس کے منہ سے ایک سرد آہ نکل جاتی۔ پھر اس کی وحشت اور اضطراب میں اضافہ ہو جاتا۔ اس کی بے چینی بڑھ جاتی اور دوبارہ وہ تیزی سے ٹہلنے لگتی۔

وہ شہر کے ایک معروف اور دولت مند شخص امرلعل کے مکان میں تھی۔ امرلعل سے اس کی ملاقات سٹیزن کلب میں ہوئی تھی' جو نائٹ کلب کے طور پر جانا جاتا تھا۔ اس کی رنگینیوں کی بڑی شہرت تھی۔ پھر ان کے درمیان جو اجنبیت کی دیوار تھی وہ گر گئی اور وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب اس تیزی سے آ گئے جیسے برسوں کے مراسم ہوں۔ انہوں نے قربتوں کی ساری منزلیں طے کر لی تھیں۔ اب وہ ایک ایسے دوراہے پر کھڑے تھے کہ جہاں انہیں فیصلہ کرنا تھا کہ ہمیشہ کیلئے ایک ہو جائیں' زندگی کا سفر جاری رکھیں یا پھر اپنی اپنی راہ لیں۔

امرلعل کوئی عام صورت و شکل کا شخص نہ تھا۔ وہ جتنا خوبصورت تھا' اتنا ہی وجیہ بھی۔ اس کے دراز قد و قامت نے اس کی وجاہت میں بے پناہ اضافہ کر دیا تھا اور پھر اس کی دوسری خوبی یہ تھی کہ وہ دولت مند تھا۔ سروجا کو دل و جان سے پسند تھا۔ اس لئے اس نے اشاروں میں اپنی خواہش کا اظہار کر دیا تھا۔ اب وہ اس کے جواب کی بے چینی سے منتظر تھی۔

وہ بڑے سپنے اور امیدیں لے کر امرلعل ولا پہنچی تھی۔ اسے اس بات کی بڑی امید تھی کہ اس موضوع پر امرلعل سے کھل کر بات کرے گی اور اس کا حتمی جواب حاصل کرے گی تاکہ

ذہنی کشمکش اور کرب سے' جو اس کے اندر اسے چین لینے نہیں دیتا تھا' خاتمہ ہو جائے۔ دل و دماغ کو ذہنی سکون میسر آئے' لیکن امر لعل اسے گھر پر نہیں ملا۔ اب وہ بڑی بے چینی سے اس کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔

ہوا میں خنکی بڑھ گئی تھی۔ بادل مغربی اور مشرقی افق سے لے کر شمال اور جنوب کے کناروں پر چھاتے' تیرتے اور منڈلاتے رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی بھی لمحے برس جائیں گے۔ پھر گرج اور چمک بھی شروع ہو گئی۔ بجلی کی چمک سے آسمان روشن ہو جاتا تھا۔ بادلوں کی دھمک مسلسل ہونے لگی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے بجلی کہیں گرنے والی ہے۔

یوں بھی دولت مندوں کی بستی دن کے ڈوبتے ہی ویران اور سنسان ہو جاتی تھی۔ بھلا ایسے سہانے اور خنک موسم میں کس کا دل باہر جانے کو چاہے گا۔ چنانچہ اس کالونی میں سناٹا سا چھا گیا۔ ویرانی بڑھتی گئی۔ امر لعل کے نوکر بھی تیزی سے کام نمٹا کر سرونٹ کوارٹر میں جا گھسے تھے۔ صرف ایک بوڑھا نوکر باورچی خانے میں بیٹھا مالک کے انتظار میں اونگھ رہا تھا۔

اُسے اپنے مالک کو کھانا کھلانا تھا۔ یہ اس کی ذمے داری تھی۔ سروجا اکثر شامیں اس کے ساتھ گزارتی تھی اور اس طرح قرب رہتا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ اس کا باورچی بہت اچھا کھانا پکاتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں جو ذائقہ تھا' وہ کسی عورت کے ہاتھ میں بھی نہ تھا۔ اس لئے امر لعل باہر کھانا' کھانا پسند نہیں کرتا تھا۔ بوڑھے باورچی کو یقین تھا کہ سروجا اس کے مالک کے ساتھ ہی کھانا کھائے گی۔ کھانا کھائے بغیر نہیں جائے گی۔ اس لئے اس نے اس کی پسندیدہ ڈش بنائی تھی۔ اسے سروجا سے کہیں زیادہ بے تابی سے اپنے مالک کا انتظار تھا کہ وہ جلدی سے کھانا کھلا کر اپنے گرم بستر میں جا گھسے چونکہ وہ بوڑھا ہو چکا تھا اس لئے اسے سردی کچھ زیادہ ہی محسوس ہوتی تھی۔

جب بھی کوئی گاڑی مکان کے سامنے والی سڑک سے گزرتی' سروجا لپک کر دروازے تک جاتی اور اس کا چہرہ مایوسی سے لٹک جاتا۔ گاڑی رکنے کے بجائے تیزی سے گزر جاتی۔ ایک بار تو ایک گاڑی بنگلے کے سامنے ہی رکی تھی۔ اسی وقت بادل بھی بڑے زور سے گرجے تھے۔ بجلی کی تیز چمک میں اس نے کسی کو گاڑی سے اترتے ہوئے دیکھا تھا' مگر دوسرے لمحے وہ گاڑی چل دی تھی۔ شاید وہ کوئی ٹیکسی تھی جس میں کوئی پڑوسی آیا تھا۔

وہ بیزار ہو کر بڑے صوفے کی طرف بڑھی۔ اس کا تھکن سے بھی برا حال ہو رہا تھا۔ وہ کسی کٹی پتنگ کی طرح نرم و گداز صوفے پر بکھر گئی۔ صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر اس نے

آنکھیں موند لیں تاکہ جسم کو آرام ملے۔ اسے یک لخت عجیب عجیب آوازوں کا احساس ہوا۔ ہوا کے جھکڑوں سے بجلی کے تار سنسنا رہے تھے۔ کسی کمرے کا ایک پٹ جو شاید کھلا رہ گیا تھا' دیوار سے ٹکرا کر ”کھٹ کھٹ“ کی آواز پیدا کر رہا تھا۔ بادل ابھی تک غضب ناک ہو کر گرج رہے تھے۔ بجلی کی چمک اتنی تیز تھی کہ تاحدِ نگاہ اس کی تیز روشنی آسمان کو برہنہ کئے دے رہی تھی۔

بادل کی دھمک کی گونج ایسی زوردار تھی کہ ایسا لگا جیسے کہیں بجلی گری ہو۔ پھر ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا کہ کمرے میں کپڑوں کی سرسراہٹ سی محسوس ہونے لگی۔ سروجا گھبرا اٹھی۔ اس کے جسم میں سنسنی' کسی بجلی کی رو کی طرح دوڑ گئی۔

کھڑکی بند تھی' چونکہ کنڈی نہیں لگی تھی۔ اس لئے تیز ہوا سے کھل گئی تھی اور پردہ کسی زخمی پرندے کی طرح پھڑ پھڑایا تھا۔ سروجا کھڑکی بند کرنے کے لئے اٹھی۔ اسی وقت ایک کڑک دار آواز کے ساتھ بڑے زور سے بجلی چمکی۔ سروجا کا دل ایک انجانے خوف سے دھڑکنے لگا۔ سینے میں وحشت سی بھر گئی۔ اسے اپنی تنہائی کا احساس بڑی شدت سے ہوا۔ اس نے سراسیمہ ہو کر بوڑھے نوکر کو آواز دی۔ جواب نہیں ملا تو اس نے دو مرتبہ پھر پکارا۔

”بابا!...... بابا! کہاں ہو؟ ذرا اوپر تو آؤ؟“

پھر اس نے جواب کے لئے کان لگا کر توقف کیا' لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ حالانکہ اس نے بڑے زور سے پکارا تھا۔

بجلی ایک مرتبہ پہلے کے مقابلے میں زور سے چمکی۔ تیز روشنی افق تا افق دوڑتی چلی گئی۔ سروجا کا سکون درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

بارش کی وجہ سے سردی بڑھ گئی تھی' لیکن اس کے باوجود اس نے اپنی پیشانی عرق آلود محسوس کی۔ پھر اپنے گردوپیش میں عجیب عجیب سائے سے لرزتے نظر آئے۔ تاروں کی سنسناہٹ سے اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے ہزاروں بدروحیں مل کر کوئی شیطانی دھن گنگنا رہی ہوں یا پھر چڑیلیں جشن منا رہی ہوں۔ ان کی بھونڈی' بے سری اور بے ہنگم آوازیں اس کا منہ چڑا رہی ہوں۔

سروجا نے ایک بار پھر اپنے حواس جمع کر کے ہذیانی انداز سے چیخ کر بوڑھے ملازم کو آواز دی' لیکن اسے اس مرتبہ بھی جواب نہیں ملا۔ اس کی آواز تیز بارش اور بجلی کی دھمک میں جیسے دب گئی تھی۔ پھر وہ بدحواس سی ہو کر باورچی خانے کی طرف لپکی۔ اس نے دہلیز پر رک کر

دیکھا۔ بوڑھا باورچی وہاں موجود تھا۔ وہ ایک سٹول پر دیوار کے سہارے بیٹھا تھا۔ اس کا سپاٹ چہرہ عجب بے جان سے انداز میں سینے پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے اپنی نتھنوں میں میٹھی میٹھی مگر عجیب سی بو محسوس کی جو باورچی خانے میں پھیل رہی تھی۔

''ارے بابا...... اٹھو......'' سروجا نے اس کا شانہ ہلاتے ہوئے کہا۔ ''یہ وقت سونے کا نہیں ہے۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ مجھے خوف آ رہا ہے۔''

بوڑھا ملازم آنکھیں کھولنے کے بجائے سروجا کی بانہوں میں جھول گیا۔ اس سے پہلے کہ اسے سنبھالتی وہ تیزی سے پھسلتا ہوا فرش پر دھم سے گر پڑا۔ سروجا پر بجلی سی گری۔ اس نے خوف و دہشت سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے بوڑھے ملازم کو دیکھا اور ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ لمحے تک اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اس پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔ دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔ بوڑھے ملازم کا جسم بے حس و حرکت پڑا تھا۔ سینے میں سانس بھی چلتی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

یک لخت اسے ہوش آیا تو وہ چونکی اور پھر چیختی ہوئی بدحواسی کے عالم میں باہر بھاگی۔ اس سے بھاگا نہیں جا رہا تھا۔ اس کے پیر منوں بھاری ہو گئے تھے۔ اسے ایسا لگا جیسے کوئی نادیدہ طاقت اس کے پیروں میں بیڑیاں ڈال رہی ہو پھر اس نے کسی طرح اپنے آپ کو گھسیٹتے ہوئے کمرے میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔ دہشت نے اسے بری طرح سہا دیا تھا۔ سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔

اس نے دوازہ بند کر کے سکون کا سانس لیا۔ پھر جیسے ہی صوفے کی جانب جانے کے لئے مڑی، اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ سر چکرایا اور دھندی سی چھا گئی۔ چند لمحوں تک اسے کچھ دکھائی نہ دیا۔

جب اس کی نظروں کے سامنے سے دھند چھٹی تو اس نے دیکھا صوفے پر بیٹھی ہوئی عجیب الخلقت مخلوق اسے دیکھ کر کھڑی ہو رہی تھی۔

ڈھیلے ڈھالے سیاہ لباس میں ملبوس وہ جسم اس لحاظ سے عجیب الخلقت تھا کہ اس کے شانوں پر سر نہیں تھا۔

سر بریدہ ہونے کے باوجود وہ کسی عام جسم کی طرح حرکت کر رہا تھا اور اس کے دائیں ہاتھ میں ایک کھوپڑی اور ایک رجسٹر تھا۔ لال جلد والی بڑی اور موٹی سی کتاب تھی، جس کے کھلے ہوئے اوراق ہوا سے اڑ رہے تھے۔ پھر وہ سر بریدہ جسم آہستہ آہستہ چلتا ہوا سروجا کے پاس آ گیا۔

دہشت سے اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اس کی حالت دگرگوں ہوئی جا رہی تھی۔ اس کا سر اس طرح بھاری لگ رہا تھا، جیسے کسی نے اس کے سر پر کوئی چٹان اٹھا کر رکھ دی ہو۔ اس نے باورچی خانے میں جو بو محسوس کی تھی، اب اسے اپنے چاروں طرف پھیلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ چیخنا چاہتی تھی۔ اسے لگا کہ اس کی زبان جیسے مفلوج ہو کر رہ گئی ہو۔

اس نے بھاگنے کے لئے اپنی طاقت اور حواس کو جمع کیا۔ صرف اس کا جسم ہی نہیں، بلکہ پاؤں بھی سن ہو گئے۔ اس کی ساری طاقت جیسے سلب کر لی گئی۔ بھاگنا تو درکنار، وہ اپنی جگہ سے مل بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ پتھر کی مورتی بن کر رہ گئی تھی۔

خوف و دہشت کے عالم میں بھاگنے کی کوشش میں معاً اس کی نگاہ غیر ارادی طور پر کتاب کے کھلے اوراق پر پڑی۔ اسے ہر ورق پر کھوپڑیاں بنی دکھائی دیں۔ خوفناک، بھیانک اور اس قدر کریہہ کہ ان کی طرف دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ ان کھوپڑیوں کے ساتھ کچھ الفاظ ہر کھوپڑی کے سامنے لکھے ہوئے تھے۔ وہ چمک رہے تھے۔

اس کا ماؤف ذہن کچھ بھی نہ پڑھ سکا، صرف اتنا اندازہ کر سکی کہ شاید یہ ان کھوپڑیوں کے نام ہوں۔ پھر کمرے کی پُرہیبت فضا میں سرسراتی ہوئی سی آواز گونجی۔

''کیا امر لعل جی گھر پر تشریف نہیں رکھتے؟''

اس وقت سروجا خوف و دہشت کی کیفیت میں تھی، حواس کام نہیں کر رہے تھے۔ بدن پر لرزہ طاری تھا، پھر بھی وہ سوگند کھا کر کہہ سکتی تھی کہ یہ سرسراتی ہوئی آواز اس کھوپڑی کے کھلے منہ سے نکلی تھی، جو اس سر بریدہ لاش کے دائیں ہاتھ میں تھی۔

دہشت کی ایک نئی لہر سروجا نے محسوس کی جس نے اس کے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ اس طرح لرزنے لگی جیسے لرزے کی مریض ہو۔ حالانکہ وہ بڑے مضبوط اعصاب کی مالک تھی۔ اس کی جگہ کتنا ہی مضبوط اعصاب کا کوئی مرد ہوتا تو وہ کب کا بے ہوش ہو چکا ہوتا۔ شاید اس کی جان ہی نکل جاتی، لیکن سروجا آخر کب تک خود کو قابو میں رکھ پاتی۔ وہ کسی ٹوٹے ہوئے دروازے کی طرح فرش پر گر کر بکھر گئی۔

سر بریدہ لاش چند لمحوں تک سروجا کے پاس کھڑی رہی۔ کھوپڑی اسے اس طرح دیکھتی رہی تھی، جیسے اس کی آنکھیں ہوں، آنکھوں میں گڑھے تھے۔ جب اس نے حرکت کی تو اس کا رخ بیرونی دروازے کی طرف تھا۔ اس کی رفتار کسی سنسناتے تیر کی مانند تھی۔

* * *

وشوانا تھ نے عقبی آئینے میں دیکھا۔ اپنا اطمینان کرنے کے بعد بڑی تیزی سے موڑ کاٹا اور اس گلی میں گھس گیا جو نہ صرف تاریک تھی بلکہ تنگ بھی تھی۔ وہ اس علاقے کے چپے چپے سے اس طرح واقف تھا' جیسے یہیں کھیل کود کر پلا بڑا ہوا ہو۔ اسے یقین تھا کہ وہ تعاقب کرنے والی پولیس جیپ کو آسانی سے چکمہ دے کر نکل جائے گا۔ وہ اس کی گرد بھی نہیں پا سکیں گے۔

پھر اس نے گلی ختم ہونے سے پہلے اپنی گاڑی ایک اور گلی میں موڑ لی' کیونکہ یہ گلی آگے جا کر بند ہو جاتی تھی۔ اس نے مڑتے وقت عقبی آئینے میں پولیس جیپ کو دیکھ لیا تھا۔ دونوں گاڑیوں کے درمیان فاصلہ پہلے سے کچھ زیادہ ہو گیا تھا۔ یہ امر اس کے لئے باعث اطمینان تھا۔

اس کا اندازہ درست ثابت ہوا تھا' کیونکہ جب وہ شہر کی مین روڈ پر آیا تو پولیس کی جیپ کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ اب وشوانا تھ کو ایک ہی پریشانی لاحق تھی کہ پولیس والے گاڑی کا نمبر اور میک ٹرانسمیٹر پر نشر نہ کرا دیں۔ ابھی تو صرف ایک پولیس گاڑی اس کے تعاقب میں تھی' پھر شہر میں جتنی پولیس موبائل گاڑیاں ہوں گی' وہ اس کی تلاش شروع کر دیں گی۔ اس طرح اسے اپنی جان بچانا مشکل ہو جائے گی۔ ہر سڑک اور چوراہے پر کھڑی پولیس گاڑیاں چوکنا ہو جائیں گی۔ وہ خونخوار شکاری کتوں کی طرح ہر گاڑی کی بو سونگھتے پھریں گے۔ نمبر پلیٹ تو خاصی دور سے ہی نظر آ جاتی ہے' ویسے بھی اس گاڑی کی نمبر پلیٹ فینسی قسم کی بڑی جاذب نظر تھی۔

اس گاڑی سے وہ جلد سے جلد چھٹکارا پانا چاہتا تھا۔ یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ اس طرح اسے پولیس کے عذاب سے نجات مل جاتی' لیکن دوسری سواری لینے میں بھی خطرہ تھا اور اس کی رہائش گاہ دور تھی۔ وہ کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہیں تھا۔

وہ جس رفتار سے گاڑی چلا رہا تھا' اس سے کہیں تیز رفتاری سے اس کا ذہن کام کر رہا تھا۔ اس کے اندازے کے مطابق اس کے ساتھی پولیس کی نظروں میں آئے بغیر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے ہوں گے۔ وہ خود بھی ان کی طرح صاف بچ نکلتا' کیونکہ اس نے جو منصوبہ بنایا تھا' اس میں کوئی عیب اور جھول نہیں تھا۔ ہر کام منصوبے کے تحت انجام پایا تھا۔ اس بات کا امکان نہ تھا کہ رنگ میں بھنگ پڑ جائے گا۔

اگر وہ بلا تامل اس پر گولی نہ چلا دیتا تو وہ دھر لیا جاتا۔ اس گارڈ نے گولی کھا کر دہشت

زدہ ہونے کے بجائے اسے بخشا نہیں تھا۔ اس کی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گیا تھا۔ اس کے سوا اب کوئی چارہ نہیں رہا تھا کہ اس پر تیسری گولی داغ دی جائے۔

اس نے اپنے ساتھیوں کو نوٹوں سے بھرے تھیلے پھینک کر بھاگتے دیکھا تھا۔ تیزی سے بھاگنے کے لئے یہ انتہائی ضروری تھا مگر اس کے ہاتھوں ایک قتل ہو چکا تھا اور وہ بلا معاوضہ اشتہاری مجرم بننے کے حق میں نہیں تھا کیونکہ اسے آئندہ کے غیر یقینی حالات سے نمٹنے کے لئے اسے ایک بڑی رقم کی اشد ضرورت تھی۔ رقم کے بغیر وہ ادھورا اور خالی ہاتھ رہ جاتا۔

اس لئے اس نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ لی تھی۔ نوٹوں سے بھرے تھیلے کو پھینکا نہیں' جیسے اس میں اس کی جان ہو' پھر وہ بجلی کی سرعت سے گاڑی تک آیا تھا۔ وہ نوٹوں کے تھیلے گاڑی میں ڈال کر سٹیئرنگ پر بیٹھا ہی تھا کہ کسی نے عقب سے اس پر حملہ کر دیا۔ اس مرتبہ اس کو دوبارہ ریوالور استعمال کرنے کی مہلت نہ مل سکی تھی اور پلٹ کر حملہ آور سے نمٹنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا تھا۔ اس ناگہانی افتاد سے چھٹکارا پانے کی جدوجہد میں اس کے چہرے سے وہ سیاہ کپڑا ہٹ گیا' جو اس نے نقاب کے طور پر پہن رکھا تھا۔ حملہ آور تو اس کے تابڑ توڑ حملوں کی تاب نہ لا کر فوراً ہی ڈھیر ہو گیا تھا لیکن اسے دس بارہ راہگیروں نے خوب اچھی طرح دیکھا تھا۔ وہ تو ان لوگوں کی بزدلی' مصلحت یا جان کی فکر نے اسے پکڑنے سے باز رکھا تھا۔ اگر وہ قریب آتے تو وہ ان کے ضرور قابو میں آ جاتا' پھر ان میں سے کسی نے اس کے ہاتھ سے ریوالور کو گرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اگر کسی نے دیکھ لیا ہوتا تو اس کی شامت آ جاتی اور وہ بزدلی کا مظاہرہ نہ کرتے۔ اس کا ریوالور قانونی تھا۔ اس کا لائسنس اس کے نام تھا۔ وہ ہرگز اسے چھوڑ کر فرار نہ ہوتا' لیکن کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کیسے اور کہاں گرا تھا؟ اسے کہیں نظر نہ آیا تھا اور پھر اس وقت اس کے پاس اتنا وقت کہاں تھا کہ وہ اسے تلاش کرتا۔

اب اس کے سوا کوئی اور صورت نہ تھی کہ ریوالور پر لعنت بھیج کر وہ اپنی جان کی فکر کر کے راہ فرار اختیار کرے۔

جب ایک مصیبت راہ میں آ جاتی ہے تو پھر دوسری مصیبت کے نازل ہونے میں دیر نہیں لگتی۔

اس کی مزید بدقسمتی تھی کہ پولیس کی ایک جیپ اس علاقے کی ایک گلی میں گشت پر تھی۔ فائرنگ کی آواز نے انہیں چونکا دیا اور وہ باخبر ہو گئے کہ قریب کے بینک میں کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ اس گاڑی نے فوراً ہی بینک کی جانب رخ کیا۔ وہ اُدھر تیزی سے آ گئے تھے۔

وشواناتھ اگر ان کے ہتھے چڑھنے سے بچا تھا' اس کی دو وجوہات تھیں۔
گاڑی تیز چلانے اور ذہن کو حاضر رکھنے کے باعث وہ پولیس کے ہاتھوں میں آنے سے رہ گیا تھا۔

وشواناتھ نے بڑی عجلت سے ان گزرے ہوئے لمحات کا جائزہ لیا۔ مستقبل قریب میں پیش آنے والے حادثات کے امکان کو نظر انداز کر کے خود فریبی میں مبتلا ہونا نہیں چاہتا تھا۔ چند لمحوں کی سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ کچھ عرصے کیلئے روپوش ہو جانا بہتر ہوگا۔ اس سے زیادہ بہتر اور مناسب تو یہ ہے کہ وہ اس شہر کو چھوڑ کر کسی اور شہر میں پناہ لے لے۔ اس طرح وہ بہت سارے جھنجٹوں اور پریشانیوں سے محفوظ رہے گا۔ پولیس اس کا پتا نہیں چلا سکے گی۔

وشواناتھ کا مکان زیادہ دور نہیں تھا۔ فاصلہ تیزی سے کم ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا کہ اسے پولیس سے نجات مل گئی' جو کسی عفریت سے کم نہیں ہوتی۔ اسے خوشی سی محسوس ہوئی' لیکن یہ خوشی عارضی ثابت ہوئی کیونکہ ایک نئی افتاد اچانک اور غیر متوقع اس کے استقبال کے لئے منتظر تھی۔

وہ ایک سنسان اور ویران گلی سے گزر رہا تھا کہ اچانک ایک قریبی عمارت سے ایک شخص اس طرح لڑکھڑاتا ہوا نکلا جیسے شراب کے نشے میں دھت ہو اور پھر دونوں ہاتھ پھیلاتا ہوا گاڑی روکنے کے انداز میں کھڑا ہو گیا۔

ایک مرتبہ پھر وشواناتھ کی ذہانت اور گاڑی چلانے کی مہارت کام آئی۔ اس نے تیز رفتار گاڑی کو بڑی چابک دستی اور مہارت سے بریک لگائے۔ گاڑی کو ذرا سا ایک طرف کاٹا۔ اس احتیاط اور مہارت کے باوجود وہ شخص گاڑی کی زد میں آنے سے بچ نہ سکا۔ اسے خاصا زوردار دھکا لگا' لیکن ضرب اتنی شدید نہیں تھی کہ وہ شدید زخمی ہو جاتا۔

اچانک بریک لگنے سے ٹائر سڑک پر رگڑتے چلے گئے۔ اتنی تیز آواز گونجی تھی کہ لوگوں کا متوجہ ہونا ضروری تھا' چونکہ موسم بے حد سرد تھا اور لوگ لحافوں اور کمبلوں میں دبکے ہوئے تھے' اس لئے فوراً ہی باہر نہیں آئے اور نہ ہی انہوں نے باہر جھانکنا پسند کیا۔ آرام طلبی نے انہیں باہر آنے سے باز رکھا تھا۔ اس بات کو وشواناتھ سمجھتا تھا' لیکن وہ کسی خطرے کا سامنا کرنے کو تیار نہ تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ جتنا جلد ہو سکے' وہ وہاں سے کھسک لے۔ اس بات کا بھی امکان تھا کہ شاید کوئی گھر سے نکل آئے۔ اس کی گاڑی کی زد میں جو شخص آیا تھا' وہ بے ہوش

نہیں ہوا تھا۔ وہ مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلا ہلا کر اپنی طرف بلا رہا تھا۔
وشواناتھ کو بڑا اچنبھا ہوا تھا کہ گاڑی سے ٹکرانے والا اجنبی شخص اپنی چوٹوں اور تکلیف کو بھول کر اسے اشارے سے اپنے قریب بلا رہا تھا۔ کہیں ہسپتال لے جانے کیلئے تو نہیں؟ تجسس' تمام اندیشوں اور خطرات پر حاوی آ گیا۔ یہ بات کچھ عجیب اور ناقابل یقین سی لگی۔ تھوڑی دیر گزرنے کے باوجود کوئی اپنے گھر سے باہر نہیں آیا اور پھر اس سنسان اور ویران گلی میں کسی کے آ جانے سے فوری طور پر کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اگر کوئی اپنے گھر سے جھانک کر دیکھتا تو زخمی آدمی کو دیکھ کر ایک معمولی سا حادثہ سمجھتا' پھر وہ شاید ہمدردی کے جذبے سے اس کی کوئی مدد کرتا یا پھر گھر میں گھس جاتا۔

وشواناتھ کے پاس اس بات کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ اس اجنبی شخص کی بات سن لے کہ وہ کیوں اور کس لئے بلا رہا ہے؟

پھر وہ گاڑی سے اتر کے اس شخص کے پاس گیا۔ "کیا بات ہے؟ آپ نے کیوں بلایا؟ کیا بہت زیادہ چوٹ آئی ہے؟"

اس شخص نے وشواناتھ کی بات کا جواب نہیں دیا' لیکن اس نے اندازہ کر لیا کہ یہ بوڑھا شخص آخری سانس لے رہا ہے۔

وہ سمجھ گیا تھا اس شخص کی جو جاں کنی کی سی حالت ہو رہی ہے' وہ اس کی گاڑی سے ٹکرانے سے نہیں' اس کا سبب کچھ اور ہے اور وہ اس حادثے سے قبل ہی شدید زخمی تھا۔ زخموں کی نوعیت سے وشواناتھ نے اندازہ لگایا کہ اس شخص پر کسی نے بڑی سفاکانہ طور پر چاقو کے وار کر کے اسے شدید زخمی کیا تھا۔

وہ شخص ادھیڑ عمر کا تھا۔ اس نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں رک رک کر کہا۔ "وہ...... وہ مجھ سے میرا سب کچھ چھین لینا چاہتے ہیں۔ وہ بڑے برے لوگ ہیں۔ تم...... تم سریتا کی حفاظت کرنا' ایشور...... تمہاری ہر مصیبت میں رکھشا کرے گا۔ سریتا کو ان سے ضرور بچانا ضرور......"

دم توڑنے سے پہلے اس اجنبی نے وشواناتھ سے کچھ اور بھی کہا تھا جو وشواناتھ کی سمجھ میں کچھ نہ آ سکا تھا۔ حالانکہ سناٹا تھا اور اس نے غور سے سننے کی کوشش کی تھی۔ آخری ہچکی لینے تک وہ بولتا رہا تھا' مگر ہونٹوں کی یہ جنبش آواز سے محروم تھی۔ صرف اس کے ہونٹ ہلتے رہے تھے۔ وشواناتھ نے بڑی کوشش کی تھی کہ ایک آدھ لفظ ہی اس کے پلے پڑ جائے۔

اس اجنبی نے موت کی آغوش میں جاتے ہوئے آخری لمحے میں بڑی دقت سے اپنی

تمام طاقت جمع کر کے اس طرح ہاتھ اٹھایا تھا' جیسے وہ دشوا ناتھ کو کچھ دینا چاہتا ہو' مگر اس کے ہاتھ کی حرکت سے پہلے ہی اس نے آخری سانس لی اور موت کی آغوش میں چلا گیا۔

اس کا اٹھا ہوا ہاتھ نعش پر بے جان ہو کر گر گیا۔ ہاتھ کی انگلیاں پھیل گئیں۔ دشوا ناتھ نے دیکھا کہ اس کی ہاتھ کی انگلیوں میں ایک پتھر دبا ہوا ہے' جو سرخ رنگ کا تھا۔ سڑک کے کنارے جو گڑھا تھا' وہ اس میں جا گرا تھا۔

دشوا ناتھ نے وہ پتھر اٹھا لیا۔ اسے ایک نظر دیکھا' پھر اسے سنبھال کر جیب میں احتیاط سے رکھ لیا۔

دشوا ناتھ نے اس اجنبی کی طرف قدرے تجسس سے دیکھا جو سڑک پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اس کی بے نور' بے جان اور منجمد آنکھوں میں عجیب سے تاثرات جم کر رہ گئے تھے۔

مردنی کے باوجود اس کی آنکھیں اسے بولتی محسوس ہوئی تھیں۔

ان میں کسی خواہش کے ادھورے رہ جانے کی حسرت تھی اور امید و بیم کی کیفیت تھی۔ وہ جو باوجود کوشش اور جدوجہد کے دل کی بات زبان پر نہ لا سکا تھا' وہ اپنی بات دل میں لئے اس جہاں سے رخصت ہو گیا تھا۔

دشوا ناتھ اس وقت تک ان تاثرات کو مکمل طور پر سمجھ نہ سکا تھا' لیکن جب بعد میں اس نے ان پر غور کیا تو وہ ان تاثرات کے پیچھے چھپے ہوئے کرب سے پوری طرح واقف ہوا تھا۔ وہ اجنبی جس طرح مرا تھا' اس کا دشوا ناتھ کو بہت دکھ ہوا تھا۔

دشوا ناتھ نے دیکھا' کچھ لوگ اپنے گھروں سے نکل کر اس کی سمت بڑھ رہے ہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ اس شخص کی جیبیں ٹٹول کر دیکھے جس میں شاید کوئی کارآمد چیز مل جائے اور اس بوڑھے کی شناخت ہو سکے' مگر اس کے لئے تنہائی کی ضرورت تھی۔ لوگوں کے آنے سے ان کی موجودگی میں ایسا کرنا انہیں مشکوک کرنے کے مترادف ہوتا۔

ان لوگوں کے قریب پہنچنے سے قبل ہی بوڑھے کی لاش کو دونوں ہاتھ میں اٹھا لیا تاکہ انہیں پتا نہ چل سکے کہ یہ بوڑھا شخص مر چکا ہے۔ لوگ اس پر شک کریں گے کہ اس کی موت گاڑی کی ٹکر سے واقع ہوئی ہے۔

ان لوگوں میں سے ایک شخص تیزی سے اس کے پاس آیا تو دشوا ناتھ نے اس سے کہا۔
"یہ بے ہوش ہو گئے ہیں' انہیں فوری طبی امداد کی ضرورت ہے' میں انہیں ہسپتال لے جاؤں گا' جلدی سے گاڑی کا دروازہ کھول دیں۔"

مزید کچھ کہے بنا ان لوگوں نے اس کی مدد کی۔ پھر اس نے ان کے تعاون سے چند لمحوں میں بوڑھے کو اگلی سیٹ پر پشت کے سہارے بٹھا دیا چونکہ لاش گرم تھی' اس لئے کسی نے اس بات کو محسوس نہیں کیا تھا کہ وہ مر چکا ہے۔ پھر اس نے اس خیال سے گاڑی فوراً چلا دی کہ کوئی شک نہ کر لے کہ بوڑھا زندہ نہیں ہے' بلکہ اس سنسار سے جا چکا ہے۔ ویسے اس نے ایک دو بندوں کی آنکھوں میں شکوک کی پرچھائیاں دیکھی تھیں۔ وہ آگے بڑھے بھی تھے کیونکہ لاش بائیں جانب کو جھک گئی تھی۔ دشوا ناتھ نے اٹھانے سے پہلے لاش کی آنکھیں بند کر دی تھیں۔ اگر وہ آنکھیں بند نہ کرتا تو لوگ بے ہوش آدمی کی منجمد آنکھوں سے اس کی موت کے بارے میں ضرور جان لیتے۔

ایک بار پھر دشوا ناتھ کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا' کیونکہ خوف و اندیشہ عفریت بن کر اسے نگل لینا چاہتا تھا۔

پولیس سے کس طرح محفوظ رہا جا سکتا ہے؟ پولیس کو غلط راہ پر ڈالنے کی ایک تدبیر اس کے ذہن میں آئی تو وہ منصوبہ بنانے لگا۔ وہ اس کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے لگا۔ اس نے تیزی سے اپنے اس منصوبے کو ترتیب دیا اور پھر وہ اپنی ذہانت پر عش عش کر اٹھا۔

مگر اس منصوبے کی کامیابی کے لئے اسے کسی ایسی جگہ اور علاقے کی ضرورت تھی جو یہاں سے زیادہ دور نہ ہو' مگر سنسان اور ویران ہو تاکہ وہ گاڑی ٹکرائے تو کسی کی نظر میں نہ آ سکے' کوئی عینی گواہ نہ ہو۔

سوچتے سوچتے اس نے فوراً ہی گاڑی کا رخ اس سمت موڑ دیا۔ اس نے جس جگہ کا انتخاب کیا تھا' وہ اس کے گھر سے زیادہ دور نہ تھی۔ وہ اس سڑک پر گاڑی لے آیا تھا جو دو فیکٹریوں کے درمیان سے گزرتی تھی۔ اب یہ سڑک اس لئے استعمال میں نہیں تھی کہ آگے جا کر اسے بند کر دیا گیا تھا۔ اس سڑک کا نعم البدل ایک دوسری سڑک تھی۔ یہ سڑک اب صرف ان دونوں فیکٹریوں کے لئے مخصوص ہو کر رہ گئی تھی۔ ان کارخانوں کے عقبی گیٹ جو اس سڑک کی طرف کھلتے تھے' وہ عموماً بند ہی رہتے تھے' کیونکہ ان کے بیرونی گیٹ دوسری سڑک پر کھلتے تھے۔

ایک روز دشوا ناتھ اس سڑک پر اس لئے آ گیا تھا کہ یہ راستہ ایک کالونی کی طرف جانے کا شارٹ کٹ تھا۔ وہ دو مہینے کے بعد اس کالونی کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک دیوار تعمیر کر کے سڑک بند کر دی گئی ہے۔ اسے گاڑی موڑنے میں بڑی دشواری ہوئی تھی'

اسے ڈیڑھ دو فرلانگ تک گاڑی ریورس کرنی پڑی تھی۔ شدید غصے کے عالم میں اس نے فیکٹریوں والوں کی شان میں نازیبا گالیاں ادا کردی تھیں۔

لیکن آج وہی گلی اس کے لئے نجات دہندہ ثابت ہورہی تھی۔ وہ دانستہ اس گلی میں آیا تھا۔ ہر لحاظ سے محفوظ تھا اور اس کا منصوبہ کامیابی سے ہمکنار ہوا تھا۔ اس نے کامیابی کے تصور سے اطمینان کا سانس لیا اور اس کے سارے بدن میں خوشی رقص کرنے لگی تھی۔

* * *

امرلعل نے ایک بار نہیں دو تین مرتبہ سروجا کو تشویش بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

رات جب وہ گھر لوٹا تو اسے یقین نہیں آیا تھا کہ سروجا بڑی خستہ حالت میں ملی تھی۔ اس پر ہسٹریائی کیفیت طاری تھی۔ وہ ہذیان بھی بک رہی تھی۔ "وہ دیکھو سر کٹی لاش آرہی ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں کھوپڑی ہے اور دوسرے ہاتھ میں کھوپڑیوں کی تصویروں والی کتاب...... اس کھوپڑی نے مجھ سے بات کی تھی۔ وہ تمہارے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ وہ تمہارا انتظار کرکے گئی ہے۔"

بوڑھا نوکر ہوش میں نہیں تھا' جو اس سے پوچھتا کہ آخر یہاں کیا ہوا تھا سروجا کے ساتھ؟ وہ ایک نارمل عورت تھی' کبھی اس پر ایسا کوئی دورہ نہیں پڑا تھا۔ سروجا اس حالت میں نہیں تھی کہ اس سے پوچھا جائے کہ ماجرا کیا ہے؟ وہ اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ جو واقعہ پیش آیا تھا' اسے بتاسکے۔

پھر اس نے ایک قریبی ہسپتال سے طبی امداد حاصل کی۔ طبی امداد سے بوڑھے ملازم کی طبیعت سنبھل گئی تھی۔ اس نے سروجا کی حالت دیکھ کر ہسپتال میں داخل کرانے کا مشورہ دیا تھا۔

سروجا کو ایک پرائیویٹ روم میں رکھا گیا اور ایک نرس کو مامور کردیا گیا۔ صبح جب وہ ہسپتال گیا تو سروجا کی حالت قدرے بہتر تھی۔

"اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟" نرس کے کمرے سے جانے کے بعد اس نے سروجا کے بالوں کو سہلاتے ہوئے پوچھا۔

"طبیعت تو بہت بہتر ہے۔" سروجا نے جواب دیا۔ "لیکن کل شام جو واقعہ پیش آیا' وہ انتہائی خوفناک اور ناقابل یقین ہے۔"

"کیسا واقعہ......؟" امرلعل کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔ "مجھے ذرا تفصیل سے بتاؤ۔"

رام لعل جس وقت کمرے میں آیا تھا اس نے ایک بات محسوس کی تھی' لیکن اس نے اسے سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔ دراصل اس وقت بھی سروجا کی آنکھوں سے ایک عجیب سی وحشت ٹپک رہی تھی۔ جو اس نے رات دیکھی تھی۔ وہ بار بار چونک کر دہشت زدہ انداز سے ادھر دیکھتی تھی۔ وہ اس کی کیفیت دیکھ کر سمجھا تھا کہ شاید وہ رات بھر ڈراؤنے خواب دیکھتی رہی ہے۔

سروجا نے امرلعل کو لرزیدہ آواز میں رک رک کر رات کے واقعات کو بڑی تفصیل سے سنایا۔

یہ واقعات اس لئے ناقابل فہم تھے۔ اسے لگا کہ سروجا نے اسے کوئی پراسرار کہانی سنائی ہے۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ وہ درمیان میں ایک لفظ بھی نہیں بولا۔ وہ درمیان میں کچھ کہتا تو اس کا تسلسل ٹوٹ جاتا۔ جب تمام واقعات سروجا بتا چکی تو اس نے بڑے غور سے اسے دیکھا۔ اسے سروجا کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا تھا۔

سروجا نے واقعات بتانے کے بعد دہشت زدہ نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ دروازہ کھلے گا اور وہ سربریدہ لاش ایک ہاتھ میں کھوپڑی اور دوسرے ہاتھ میں کتاب لے کر کمرے میں گھس آئے گی۔

"کیا تم نے باہوش وحواس دیکھا تھا کہ وہ سر کٹا ہوا جسم تھا؟" امرلعل نے سوال کیا تو اس کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

"ہاں...... ہاں...... اس کا سر غائب تھا' صرف جسم تھا۔" سروجا نے اثبات میں سر ہلایا۔ "تمہیں میری بات کا یقین نہیں آرہا ہے تو اپنے ملازم سے پوچھ کر دیکھو' وہ یقیناً اسے دیکھ کر ہی بے ہوش ہوا ہوگا۔" سروجا کے لہجے میں بڑا اعتماد تھا۔

"اس نے کچھ نہیں دیکھا' اگر دیکھا ہوتا تو وہ مجھے یقیناً بتاتا۔" امرلعل نے کہا۔ "یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی کہ وہ نہ بتاتا۔"

"پھر وہ کس لئے بے ہوش ہوگیا تھا؟ کیا ایک آدمی بیٹھے بٹھائے آپ ہی آپ بیہوش ہو جاتا ہے؟ ڈاکٹروں نے کیا کہا؟"

"ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اس کی بے ہوشی کا سبب کسی گیس کا اثر تھا۔" امرلعل نے جواب دیا۔

"میٹھی میٹھی بو تو مجھے بھی محسوس ہوئی تھی۔" سروجا نے ذہن پر زور دے کر کہا۔ "کسی

گیس کا کیا مطلب؟ کیا گیس کی بھی اقسام ہوتی ہیں؟''

''گیس...... ہاں مختلف اقسام کی ہوتی ہیں' ایک گیس سلنڈر میں ہوتی ہے' دوسری گٹر لائنوں میں بھی ہوتی ہے۔'' امرلعل کہنے لگا۔'' کہیں تم نے یہ سب کچھ خواب میں تو نہیں دیکھا؟ بعض اوقات نہ صرف عجیب وغریب بلکہ ڈراؤنے خواب بھی دکھائی دیتے ہیں۔'' امر لعل نے بے یقینی کی حالت میں کہا۔

''تم خواب کو اتنی اہمیت کیوں دے رہی ہو؟''

''نہیں......'' سروجا نے اس کی بات ختم ہوتے ہی فوراً کہا۔'' میں تمہیں کوئی خواب نہیں سنا رہی اور نہ ہی کوئی ماورائی کہانی۔ تمہیں میری بات کا یقین کیوں نہیں آ رہا؟ کیا میرا دماغی توازن درست نہیں ہے؟ اس نے امرلعل کے بارے میں پوچھا تھا۔''

''کیا تمہیں اچھی طرح یاد ہے کہ اس نے میرا ہی نام لیا تھا؟'' امرلعل نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔'' کوئی اور نام بھی تو ہو سکتا ہے۔''

''کسی اور کا نہیں' صرف اور صرف تمہارا۔'' سروجا نے بڑے یقین سے کہا۔'' خوف کی حالت کے باوجود تمہارا نام یاد رہا؟''

''اچھا۔'' امرلعل نے سر ہلایا۔ اس کے چہرے پر سوچ کی لکیریں ابھر آئیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ چلتے وقت اس نے دلاسہ دینے کے انداز میں کہا۔'' تم کسی بات کی چنتا نہ کرو اور پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بھوت پریت کسی کو بے ہوش کرنے کے لئے گیس استعمال نہیں کرتے۔ یہ کسی انسان کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔ میں نے پولیس میں اس نامعلوم شخص کے خلاف ایف آئی آر درج کروا دی ہے۔ پولیس نے کہا ہے کہ وہ جلد ہی اس کا پتا چلا کر اسے گرفتار کر لے گی' جس نے تمہیں دہشت زدہ کرنے کی کوشش کی تھی۔''

ہسپتال سے لوٹ کر امرلعل نے بڑی عجلت میں اپنی نشست گاہ کا رخ کیا' جہاں ٹیلی فون رکھا تھا۔

بوڑھا ملازم اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوا۔ امرلعل نے اس کی طبیعت پوچھی تو اس نے جواب دیا۔

''مالک! میں اب بالکل ٹھیک ہوں' آپ پریشان نہ ہوں۔''

''کوئی بات ہو تو تم ہسپتال جا کر ڈاکٹر ستیش مترا کو دکھا لینا۔'' امرلعل نے کہا۔'' اور

ہاں میرے لئے ایک کپ چائے لے آؤ۔''

جیسے ہی بوڑھا ملازم کمرے سے نکلا امرلعل نے ریسیور اٹھایا اور نمبر ملانے لگا۔ جس سے وہ رابطہ قائم کر رہا تھا' وہ شاید موجود نہیں تھا۔ اس لئے اس نے دو تین مرتبہ سلسلہ منقطع کر کے نمبر ملایا۔ اس میں دس بارہ منٹ لگ گئے۔

جب دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا تو اس نے بڑی بے صبری سے کہا۔'' ہیلو۔''

''ہیلو۔'' دوسری طرف سے جواب ملا۔'' میں سدھیر بول رہا ہوں۔''

''سدھیر! میں امرلعل بات کر رہا ہوں۔'' اس نے کہا۔'' میں کتنی دیر سے تمہارا نمبر ملا رہا ہوں' تم فون کیوں نہیں اٹھا رہے؟''

''میں واش روم میں تھا۔'' سدھیر نے جواب دیا۔'' خیریت تو ہے' تم نے اس وقت کیسے یاد کیا؟''

''خیریت ہی تو نہیں ہے اس لئے میں نے تمہیں فون کیا ہے۔'' امرلعل نے کہا۔

''بات کیا ہے بتاؤ؟'' سدھیر نے کہا۔

''میں تمہیں فون پر تفصیلات نہیں بتا سکتا۔'' امرلعل نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ ''میری بات غور سے سنو' تم جتنا جلد ہو سکے نرنجن کو لے کر میرے پاس آؤ' دیر بالکل نہیں کرنا' اس وقت لمحہ لمحہ بہت نازک ہے۔''

''خیریت۔ آخر بات کیا ہے؟'' سدھیر نے کہا۔'' تم بہت پریشان اور خوفزدہ معلوم ہو رہے ہو؟''

''ہم سب خطرے میں ہیں۔'' امرلعل کی آواز اور مدھم سی ہو گئی اور اس کے لہجے میں گھبراہٹ سی آ گئی۔

''پھر بھی کچھ تو پتہ چلے کہ خطرہ کس نوعیت کا ہے؟'' سدھیر نے پریشان ہو کر کہا۔ ''تاکہ میں نرنجن کو بھی بتا سکوں' تم بتاتے ہوئے ڈر کیوں رہے ہو؟ کیا کمرے میں کوئی موجود ہے؟ نہیں ہے تو بتانے میں کیا حرج ہے؟''

''سریتا کا دعویدار زندہ ہے۔'' امرلعل نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

اس کی بات سنتے ہی اسے لگا کہ جیسے سدھیر کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ چند ثانیے خاموشی رہی' پھر اس نے بے یقینی سے کہا۔'' امرلعل! یہ کیسے ممکن ہے؟ اس کا تو سر۔؟''

''سدھیر!'' امرلعل نے فوراً ہی تیزی سے درمیان میں کہا۔'' میں ٹیلی فون پر زیادہ

تفصیل سے بتانے سے قاصر ہوں' بتانا مناسب نہیں ہے۔ رات میری عدم موجودگی میں کوئی امرلعل کا نام لے کر پوچھتا ہوا آیا تھا' اس نے صرف اور صرف میرا نام لیا تھا' سن رہے ہو۔؟ اس نے واضح انداز میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا جس کا ذکر تم کرنا چاہتے ہو۔ تم یہ بات بہت اچھی طرح جانتے ہو کہ دشواناتھ سے صرف ہم لوگ واقف ہیں یا پھر وہ۔ تم میری بات سمجھے؟"

"کچھ کچھ۔ مجھے یقین نہیں آیا کہ شیام زندہ ہو سکتا ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ پھر فوراً ہی مزید کہا گیا۔ "کیا ایسا تو نہیں کہ رام داس شرارت اور دق کرنے پر آمادہ ہو گیا ہو' وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

"میں اس پر کوئی شک نہیں کر سکتا۔" امرلعل نے کہا۔ "اس پر سوچے سمجھے بغیر اور کسی ثبوت کے بنا الزام دھرنا مناسب نہیں ہے۔ تم آؤ تو پھر اس بات پر غور کیا جا سکتا ہے۔ میں سخت پریشان ہو گیا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ میں نرنجن کو ہمراہ لے کر آ رہا ہوں۔" سدھیر نے جواب دیا۔ "لیکن ہم کسی طرح بھی شام سے پہلے نہیں پہنچ سکیں گے کیونکہ مجھے دو ایک بہت ہی اہم کام نمٹانے ہیں' میں انہیں ادھورا چھوڑ کر آ نہیں سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر شام ہی کو سہی۔" امرلعل نے بے بسی سے کہا۔ پھر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اس نے سامنے سنگھار میز کے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو چونک پڑا۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے تشویش جھانک رہی تھی۔ وہ مریض سا دکھائی دے رہا تھا۔

* * *

دشواناتھ نے بیدار ہوتے ہی سب سے پہلے صبح کا اخبار دیکھا۔ پہلے صفحے پر ہی بینک ڈکیتی کی واردات کی خبر نمایاں طور پر شائع ہوئی تھی۔ سب کچھ اس کے منصوبے کے عین مطابق ہوا تھا۔

پولیس نے بند گلی میں اس کی جلی ہوئی گاڑی دیکھ کر فوری طور پر جو نتیجہ اخذ کیا تھا' وہی تھا جو اس نے سوچا تھا۔

اخبار نے لکھا تھا کہ ملزم نے فرار ہوتے وقت تیز رفتاری سے گلی میں موڑ کاٹا تھا۔ اس کا توازن قائم نہ رہ سکا تھا۔ گاڑی بجلی کے قریبی پول سے ٹکرا گئی اور شدید ٹکر کے سبب پٹرول کی ٹینکی میں آگ لگ گئی جس کی بنا پر ملزم شکیل اور بینک سے لوٹے گئے تمام نوٹ جل کر خاک

ہو گئے۔ پولیس کو دشواناتھ کے دوسرے ساتھیوں کی تلاش تھی۔ وہ اپنے اپنے نوٹوں سے بھرے تھیلے چھوڑ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ پولیس چونکہ ملزموں کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی' اس لئے ان میں سے کسی ایک کو بھی گرفتار نہ کر سکی تاہم پولیس بڑی سرگرمی سے دشواناتھ کے ساتھیوں کو تلاش کر رہی ہے' اس کی رہائش کی بھی تلاشی لے رہی ہے تاکہ سراغ مل سکے۔

دشواناتھ نے اپنا مکان چھوڑنے سے قبل اس بات کی کوشش کی تھی کہ پولیس کو اس کے ساتھیوں کے بارے میں کوئی سراغ نہ مل سکے۔ اس نے بہت سی چیزیں جوں کی توں چھوڑ دی تھیں۔ جو ضروری چیزیں اسے لینا تھیں' انہیں لے جاتے ہوئے اس نے اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ ان کی خالی جگہ پر کوئی نہ کوئی مناسب چیز رکھ دی جائے تاکہ پولیس کو یہ محسوس نہ ہو کہ کچھ ضروری چیزیں موجود نہیں ہیں۔ انہیں شک ہو سکتا تھا۔ اس بات کا امکان اور اندیشہ تھا کہ پولیس اس کے گھر کی ضرور تلاشی لے گی اور پھر اس نے اپنے بوڑھے ملازم کو اعتماد میں لے لیا تھا۔ وہ دیرینہ ملازم تھا' جہاندیدہ بھی تھا۔ اس لئے دشواناتھ کو اس پر بڑا بھروسا تھا۔

دشواناتھ کو اب اس بات کی ضرورت تھی کہ کوئی منصوبہ بندی کرے۔ اس نے آئندہ کے لئے بہت سوچ بچار کی' پھر اس نے ایک بھرپور اور جامع پروگرام بنایا' لیکن اس کی کامیابی اس صورت میں ممکن تھی کہ کوئی راستہ ملے۔ ایک مضمون نے اس کی مشکل حل کر دی تھی۔

کوئی بمل گپتا اپنے ذاتی سٹیمر میں دنیا کے گرد ایک چکر لگا کر حال ہی میں واپس لوٹے تھے۔ بمل گپتا صاحب مہم جو آدمی تھے' ان کا یہ سفر بہت دشوار گزار تھا لیکن انہیں اس وقت تک چین نہیں آیا جب تک انہوں نے دنیا کے گرد چکر نہیں لگا لیا۔ انہوں نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ سیر و سیاحت اور تفریح کی نذر کیا اور باقی ماندہ زندگی بھی اسی طرح گزارنا چاہتے تھے۔

اخبار میں اس کے متعلق جو مضمون شائع ہوا تھا' اس میں اور بھی تفصیل سے بہت کچھ لکھا ہوا تھا۔ اس مضمون کو پڑھتے ہی دشواناتھ کے ذہن میں شہر چھوڑنے کا خیال آیا تھا' پھر اس نے آئندہ پروگرام کے تانے بانے مکمل کر لئے تھے۔ یہ ایک ایسا سنہری موقع تھا کہ وہ اسے کسی قیمت پر ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا' کیونکہ ایسے مواقع بہت کم ملتے تھے جن سے استفادہ کیا جا سکے۔

لیکن ایک بات اس کے آڑے آ رہی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے ساتھی اس کے

منصوبے سے اتفاق کرلیں۔ ان کے تعاون کے بغیر بمل کے ساتھ سفر کا آغاز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ساتھیوں کو آمادہ کرنے سے پہلے یہ ضروری تھا کہ اس اجنبی بوڑھے کے ہاتھ سے جو پتھر لڑھک کر گڑھے میں گرا تھا' اس کے بارے میں معلوم کیا جائے کہ وہ قیمتی یا پھر ایک معمولی سا پتھر ہے۔ اگر وہ پتھر قیمتی نہ نکلا تو پھر سب کچھ بیکار تھا۔ اس پتھر کے قیمتی ہونے پر ہی بمل گپتا کا تعاون حاصل ہوسکتا تھا۔ ویسے اس کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ پتھر بڑا نادر اور قیمتی ہوگا۔

بمل گپتا کے تعاون کے بغیر وہ ایک قدم نہیں چل سکتا تھا۔ اس کا منصوبہ دھرا رہ جاتا اور پھر اس کے لئے مشکل حالات جنم لیتے۔ وہ بہت دیر تک سوچتا رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ کس طرح سے انہیں تعاون پر آمادہ کیا جا سکتا تھا۔ وشواناتھ نے اس مضمون کو پھر سے بڑے غور اور دھیان سے پڑھا تا کہ کچھ اور باتیں ذہن نشین کر سکے۔

پھر وہ اخبار لے کر باہر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ اس بوڑھے اجنبی شخص کی جیب سے ملنے والے کاغذات اس نے اپنی جیب میں رکھے۔ اس نے اجنبی شخص کے بے جان جسم کو سٹیئرنگ پر بٹھا کر گاڑی کو دھکا دے کر دیوار سے ٹکرانے اور آگ لگانے سے پہلے اس کی جامہ تلاشی لی تھی۔ اسے اچانک ہی تلاشی کا خیال آ گیا تھا۔ اس مکمل تلاشی کے نتیجے میں کاغذات اس کے ہاتھ لگے تھے۔ اسے اب تک ان کاغذات کے جائزہ لینے کا موقع نہیں ملا تھا۔

اس نے ہوٹل اشوکا میں کمرہ لیا ہوا تھا۔ کمرے میں گھستے ہی سب سے پہلے اس نے ان کاغذات کا جائزہ بڑے سکون اور اطمینان سے لیا۔ ان میں سے ایک کاغذ کے دیکھنے سے اسے معلوم ہوا کہ اجنبی کا نام گوپال تھا۔ وہ ایک بزنس مین تھا۔ تجارت کے لئے وہ ساری دنیا میں گھومتا رہتا تھا۔ پانچ برس قبل وہ ایک بحری جہاز میں تجارت کے سلسلے میں سفر کر رہا تھا کہ سمندر میں ایک زبردست طوفان آیا' بدقسمتی سے اس جہاز کا انجن فیل ہوگیا اور جہاز میں آگ لگ گئی چونکہ اس کی قسمت اچھی تھی اور اس کی موت نہیں لکھی ہوئی تھی اس لئے وہ معجزانہ طور پر بچ گیا تھا' لیکن اس کی زندگی پانچ برسوں میں جن صعوبتوں میں گزری تھی' یہ اس کا دل ہی جانتا تھا۔ وہ کس طرح اس مہذب دنیا میں واپس آیا تھا' یہ ایک لمبی کہانی تھی' جس کا اس نے ذکر نہیں کیا تھا۔ جب وہ اپنی دنیا میں پہنچا تو اس کی خواہش تھی کہ کسی مخلص و بے لوث اور قابل اعتماد نوجوان کو ہمراہ لے کر وہ ایک مرتبہ پھر اس جگہ جائے' جہاں حادثے سے دوچار ہونے

کے بعد سمندر کی لہریں اسے لے گئی تھیں۔ ایک تختہ اسے مل گیا تھا جس سے وہ جونک کی طرح چمٹ گیا تھا۔ اس جگہ وہ ایک خزانہ چھوڑ آیا تھا۔ اس کے اندازے کے مطابق وہ خزانہ مہذب دنیا میں ایک ارب مالیت سے کم کا نہ تھا بلکہ اس کی مالیت زیادہ بھی ہوسکتی تھی کیونکہ ان پانچ برسوں میں اس کی مالیت پانچ گنا بڑھ گئی تھی۔

اس خزانے کا حصول اتنا آسان نہ تھا۔ یہ کام بہت کٹھن اور دشوار گزار تھا۔ یہ جان جوکھوں کا کام تھا۔ لیکن دنیا میں کوئی بات ناممکن نہیں۔ اس کا حصول اس وقت ممکن تھا کہ باہمت اور حوصلہ مند اور نیک نیت نوجوان کا تعاون حاصل ہو جو خطرات کا مقابلہ کر سکتے ہوں' ایسا نہ ہو کہ بیچ راستے سے ہی واپس ہو جائیں۔ بے پناہ دولت کا حصول انہیں منزل تک لے جا سکتا تھا' کیونکہ دولت کی آج بھی سب کو ضرورت تھی' لیکن اسے ایسے نوجوانوں کی ضرورت تھی جن پر وہ آنکھ بند کر کے بھروسا کر سکے۔ ایسے تو سیکڑوں مل سکتے تھے جو ساتھ چلنے پر تیار ہو جاتے' لیکن یہ خطرہ لاحق ہوتا کہ خزانہ پانے کے بعد کہیں اسے موت کی نیند نہ سلا دیں۔ دولت کا لالچ کسی بری بلا سے کم نہیں ہوتا۔

گوپال نے اپنی قدرے مختصر سی آپ بیتی میں خزانے کے نمونے کا ذکر کیا تھا جو وہ اسے اس لئے ساتھ لایا تھا کہ اسے دکھا کر لوگوں کو یقین دلا سکتا تھا کہ جس خزانے کے بارے میں وہ بتا رہا ہے' یہ اس کا ثبوت ہے۔ وہ سچ کہہ رہا ہے۔ اس پتھر سے بڑی سچائی اور کیا ہوسکتی ہے۔

وشواناتھ کو یہ اندازہ لگانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی کہ خزانے کا نمونہ اور ثبوت وہ پتھر ہی ہوسکتا ہے جو بوڑھے گوپال کے ہاتھ سے نکل کر گر پڑا تھا۔ سرخ رنگ کے یہ پتھر کسی دور دراز علاقے میں آج بھی موجود تھے۔ اگر ہزار ہا خطرات مول لے کر ان تک پہنچا جائے تو گھاٹے کا سودا نہ تھا کیونکہ اتنی دولت خواب میں بھی نہیں مل سکتی تھی' ہر شخص کروڑ پتی بن سکتا تھا۔

لیکن ایسی خطرناک مہم تن تنہا انجام نہیں دی جا سکتی تھی۔ اس کے لئے قابل اعتماد ساتھیوں کی ضرورت تھی۔

اخبار پڑھتے ہوئے جب بمل گپتا کے متعلق مضمون نظر سے گزرا تو وہ حیرت اور خوشی سے اچھل پڑا تھا۔ اسے لگا جیسے کنواں خود پیاسے کے پاس آ گیا ہو۔

پھر اس نے یہ فیصلہ کرنے میں لمحے کی بھی دیر نہیں کی تھی کہ اس خطرناک اور کٹھن مہم

کیلئے بمل داس گپتا کے علاوہ کوئی اور شخص نہیں ہو سکتا۔

یہ گویا ایک پنتھ دو کاج والی بات تھی۔ ایک تو شیرانزی کے پاس دولت اور وسائل کی کوئی کمی نہیں تھی اور وہ اس خطرناک سفر میں ایک اچھا ساتھی ثابت ہو سکتا تھا۔ اس کی معیت میں سفر کرنے سے اس شہر اور پولیس سے نجات مل جاتی' سر سے بوجھ اتر جاتا۔

دشواناتھ اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھا کہ پولیس اس کی چال سے زیادہ عرصے تک بے خبر رہے گی۔ وہ پولیس سے خوب واقف تھا۔ اس کا فریب پولیس والوں پر اب تک اس لئے نہیں کھل سکا ہے کہ تحقیقات ابتدائی مرحلے میں تھی۔ رفتہ رفتہ کوئی نکتہ پولیس کے علم میں آ جائے گا۔ ابھی پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی نہیں آئی تھی۔ اس رپورٹ کے آتے ہی وہ اصل معاملے کی تہہ تک پہنچ جائیں گے۔

وہ چاہتا تھا کہ یہ نوبت آنے سے قبل اس مہم پر روانہ ہو جائے کیونکہ جلد ہی بڑے زور و شور سے اس کی تلاش شروع ہو جائے گی۔ اس لئے وہ چاہتا تھا کہ اپنے ساتھیوں اور فوراً ہی اس شہر کو خیر باد کہہ دے ورنہ معاملہ بگڑتے دیر کیا لگتی ہے۔

اب سوچنے کا وقت بالکل بھی نہیں رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مصیبت کہہ کر نہیں آتی اور نہ ہی کوئی مہلت دیتی ہے۔ اس لئے اب عملی قدم اٹھانے کا وقت تھا۔ اس میں دیر کرنا پیروں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ بمل گپتا کے پاس جانے سے پہلے پتھر کے بارے میں تو معلوم کرے۔

دشواناتھ نے صرافہ بازار کا رخ کیا۔ صرافہ بازار میں بڑی بڑی دکانیں تھیں اور کچھ چھوٹی بھی لیکن ان میں بہت کم ایماندار دکاندار تھے۔ وہ لٹیرے قسم کے تھے۔ وہ اپنے باپ کو بھی نہیں بخشتے تھے۔ وہ ایک دکانداروں نے بظاہر عدم دلچسپی ظاہر کی اور کم قیمت لگائی' پھر وہ ایک بڑے دکاندار کے پاس گیا جو معتبر تھا لیکن وہ پکا کاروباری تھا۔ اس نے وہ پتھر اس بیوپاری کے سامنے رکھ دیا۔ کچھ دیر بعد اس سے بات کر کے وہاں سے نکلا۔

وہ سیدھا پرساد کے ہاں پہنچا۔ اس کے کہنے پر پرساد نے رنجیت اور نریندرا سے فون پر کہا۔ ""جتنا جلد آ سکتے ہو آ جاؤ۔""

ان دونوں نے پرساد کے ہاں پہنچنے میں چنداں دیر نہیں کی۔ وہ چاروں سر جوڑ کے بیٹھ گئے۔

""کیا بات ہے؟"" رنجیت نے سوال کیا۔

''خیریت تو ہے نا؟ تم نے اتنا ارجنٹ کیوں بلایا ہے؟''

''بات بہت نازک' سنگین اور پیچیدہ ہے۔'' دشواناتھ نے جواب دیا۔'' خیریت ہوتی تو میں تم لوگوں کو بلاتا کیوں؟''

پھر دشواناتھ نے قدرے تفصیل سے تمام واقعات انہیں سنائے تو نریندرا نے کہا۔

''تمہارا فون آیا تو جان میں جان آئی کہ تم زندہ سلامت ہو۔ اخبار میں تمہارے متعلق خبر پڑھ کر مجھے کتنا دکھ ہوا' میں بتا نہیں سکتا۔ تم نے دکھ کو خوشی میں بدل دیا' تمہیں سامنے دیکھ کر کتنی خوشی ہو رہی ہے' اسے بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔''

''میرے بھی وہی جذبات ہیں جو نریندرا کے ہیں۔'' رنجیت نے کہا۔'' تمہاری موت کی خبر نے مجھے بہت غمزدہ کر دیا تھا۔ اب بہت خوشی ہو رہی ہے۔''

''یہ بھگوان کی بڑی کرپا ہے کہ دشواناتھ کی جگہ گوپال جل مرا۔ فی الحال تو ہم سب قانون کے ہاتھوں سے محفوظ ہیں۔ ہم کب تک پولیس کی نظروں سے بچے رہیں گے' بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی؟ یہی سوچنے کے لئے میں نے تم لوگوں کو بلایا ہے۔''

''اب تمہی بتاؤ کہ ہم کیا کریں؟'' پرساد نے کہا۔'' میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے' تم ہی ہماری رہنمائی کر سکتے ہو' تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہیں۔''

''میں یہ سوچ رہا ہوں کہ جتنا جلد ہو سکے ہم یہ شہر چھوڑ دیں۔'' دشواناتھ نے کہا۔'' اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے' ہم میں سے کوئی ایک بھی پولیس کے ہتھے چڑھ گیا تو سبھی گرفتار ہو جائیں گے۔ پولیس تشدد کر کے سب کچھ اگلوا لے گی۔ ان سے تو شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔''

''تم نے بڑی ذہانت سے کام لیا۔'' رنجیت نے سراہا۔'' ورنہ میں بڑا فکر مند تھا' یقیناً یہ جگہ ہمیں ہر صورت میں چھوڑ دینا ہوگی' لیکن ایک مسئلہ درپیش ہے۔''

''کیسا مسئلہ دوست؟'' دشواناتھ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔'' مجھے تو کوئی مسئلہ نظر نہیں آتا' کیونکہ بینک کی رقم میرے پاس محفوظ ہے اور میں اس میں سے تم لوگوں کو حصہ مساوی دوں گا' جیسا کہ ہم لوگوں کے درمیان آپس میں طے پایا تھا' میرے دل میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔''

''یہ بات نہیں ہے اور نہ ہی تمہاری نیت پر کوئی شک وشبہ ہے۔'' رنجیت نے کہا۔'' ہم حصے کی رقم سے زیادہ دن گزارہ نہیں کر سکتے۔ کاش! تھیلے چھوڑ کر ہم نہیں بھاگتے۔ تم نے بڑی جرأت اور بہادری دکھائی جو تھیلے سمیت فرار ہو گئے' ہمیں آئندہ کے لئے سوچنا ہوگا۔''

"کیوں نہ ہم کسی اور علاقے کے بینک یا کسی کروڑ پتی کے ہاں ڈاکا ماریں؟" پرساد نے تجویز پیش کی۔ "شاید اونچا ہاتھ لگ جائے؟"

"نہیں۔" وشواناتھ نے نفی میں سر ہلایا۔ "میرے پاس اس سے اچھی تجویز ہے' اس میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

وشواناتھ نے جیب سے سرخ پتھر نکال کر اپنے ساتھیوں کے سامنے رکھ دیا۔ سب اس پتھر کو حیرت اور غور سے دیکھنے لگے۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

"یہ سرخ پتھر کیا چیز ہے؟" پرساد نے اسے اٹھا کر الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر اس نے متعجب نظروں سے وشواناتھ کی طرف دیکھا۔

"یہ ایک بیش قیمت پتھر ہے۔" وشواناتھ نے جواب دیا۔

* * *

"کیا یہ تمہارا اندازہ ہے؟" رنجیت نے پوچھا۔ "کیا تم نے یہ پتھر کسی اچھے جیولر کو دکھایا تھا؟ وہ کیا کہتا ہے؟"

"ہاں۔ میں اس کا صحیح تخمینہ لگانے کے لئے دو تین سناروں کے پاس گیا تھا۔" وشواناتھ نے جواب دیا۔ "پھر میں امرلال' منوہر لال کی دکان پر بھی گیا تھا۔ امرلال اس کا صحیح تخمینہ لگانے کے لئے اپنے پاس رکھنے کے لئے کہہ رہا تھا' اس لئے کہ یہ قیمتی ہے مگر میرے لئے اتنا ہی جاننا کافی تھا کہ یہ قیمتی ہے۔ میں یہی معلوم کرنے کے لئے گیا تھا اور پھر میں ایک چھوٹے سے جیولر کے پاس بھی گیا تھا۔ اس کا مالک اچھا اور شریف آدمی تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ یہ پتھر نہ صرف نایاب بلکہ قیمتی بھی ہے اور گوپال نے نقشے میں اس جگہ کی نشاندہی کی ہے' جہاں اس جیسے لاتعداد پتھر مل سکیں گے۔"

"واقعی......؟" پرساد نے تحیرزدہ لہجے میں کہا۔ رنجیت اور نریندرا کے چہرے بھی دمک اٹھے اور ان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

نریندرا نے کہا۔ "ڈاکے مارنے سے کہیں بہتر ہے کہ ان پتھروں کے خزانے کو ڈھونڈا جائے' پھر ہم سب کروڑ پتی بن جائیں گے۔ ہماری کایا پلٹ جائے گی۔"

"تو تم لوگ میرے ساتھ اس پرُخطر مہم کو سر کرنے کے لئے تیار ہو؟" وشواناتھ نے کہا۔ "بے پناہ دولت ہماری منتظر ہے' لکشمی دیوی۔"

"کیوں نہیں' کیوں نہیں۔" ان تینوں نے سر ہلاتے ہوئے پرُجوش لہجے میں کہا۔

"کب اور کس وقت؟" پرساد نے دریافت کیا۔ "کیسے جائیں گے؟"

"تم لوگوں کی نظر سے بمل گپتا کا مضمون گزرا؟" اپنے سٹیمر میں دنیا کے گرد ایک چکر لگا کر آیا ہے۔" وشواناتھ بولا۔ "وہ مضمون آج کے اخبار میں چھپا ہے۔"

"ہاں۔ میں نے وہ مضمون پڑھا ہے۔" رنجیت نے کہا۔ "اس کے پاس اپنا سٹیمر ہے'

اگر وہ تیار ہو گیا تو بڑی مشکل حل ہو جائے گی۔ اس کے سٹیمر میں ہم خزانہ چھپا کر لا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس شہر سے بھی نکل کر جا سکتے ہیں۔ ایک پنتھ دو کاج ہو جائیں گے۔ یہ سنہری موقع ہے۔"

"اس شبھ کام میں پھر دیر نہیں ہونی چاہئے۔" پرساد نے کہا۔ "میرا مشورہ ہے کہ آج ہی جا کر بمل گپتا سے ملو اور دیکھو کہ وہ کیا کہتا ہے؟"

شام کے وقت وشواناتھ اپنے ہمراہ رنجیت کو لے کر اس کے گھر پہنچا۔ بمل گپتا اس وقت گھر پر ہی موجود تھا۔

وشواناتھ نے بمل گپتا کے متعلق جو مضمون پڑھا تھا' اس کے ذہن میں ایک بوڑھے خرانٹ دولت مند کا نقشہ تھا' جو بے حد چڑچڑا اور مغرور قسم کا ہو گا' لیکن وہ ان کی سوچ کے برعکس نکلا۔ اس کی عمر پینتیس اور چالیس برس کے درمیان ہو گی۔ وہ سنکی تھا اور نہ ہی مغرور قسم کا معلوم ہوتا تھا۔ اس عمر میں بھی وہ نوجوانوں کی طرح چاق و چوبند تھا۔ وہ ٹھنڈے مزاج کا آدمی لگتا تھا۔ وہ خوش پوشاک بھی تھا۔ اس کی شخصیت نے ان دونوں کو متاثر کیا تھا۔

تھوڑی دیر کی گفتگو سے بمل گپتا کے بارے میں وشواناتھ کو اندازہ ہو گیا' وہ نہ صرف بے حد سلجھا ہوا ہے بلکہ تیز اور ہوشیار قسم کا بھی ہے۔ وشواناتھ نے اپنی آمد کا مقصد اس پر واضح الفاظ میں ظاہر کر دیا۔ اس نے چھپانا بہتر نہیں سمجھا۔ اس نے اپنی تجویز اس لئے اس کے سامنے پیش کی تھی کہ اسے اعتماد میں لیا جائے' لیکن اس نے گوپال کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتایا۔

پھر اس نے سرخ پتھر بمل گپتا کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ یہ سمجھ لیں کہ ایسے قیمتی اور نایاب پتھر سیکڑوں میں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں وہاں موجود ہیں' بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ ہوں۔ صاف بات یہ ہے کہ اس کا حصول آسان نہیں ہے' ہمیں آپ کے ہمراہ۔ راہ کی دشواریوں اور خطروں کا مقابلہ کرنا ہے جو آپ کے تعاون کے بغیر ناممکن ہے۔ سیاحت اور نگری نگری دیکھ کر جو تجربہ برسوں کے بعد آپ نے حاصل کیا ہے' وہ ہماری منزل مراد ہے' اس لئے ہم حاضر۔" وشواناتھ نے دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا تاکہ اس کا ردعمل دیکھے کہ وہ کیا کہتا ہے۔

بمل گپتا نے اس سرخ پتھر کو کسی جوہری کی طرح اٹھا کر اسے الٹ پلٹ کر بڑے غور اور ناقدانہ نظروں سے دیکھا۔ ادھر وشواناتھ اس کا چہرہ پڑھ رہا تھا جس پر مختلف تاثرات ابھر

رہے تھے۔ اس کی آنکھوں کو بھی دیکھ رہا تھا۔ اس نے چہرے کے تاثرات اور آنکھوں میں دلچسپی کی چمک دیکھ کر محسوس کر لیا کہ بمل گپتا تعاون کے لئے ذہنی طور پر آمادہ ہو رہا ہے۔ وشواناتھ کو امید سی بندھ چلی۔

چند لمحوں کے بعد بمل گپتا نے پتھر لوٹاتے ہوئے کسی قدر سپاٹ اور جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔ "مسٹر وشواناتھ۔ بات یہ ہے کہ میں نے خزانوں کی تلاش میں کئی سفر کئے۔ جو سیر و سیاحت برسوں سے کرتا چلا آ رہا ہوں' اس کا پس منظر یہی ہے لیکن مجھے ہر بار ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ میں نے دو ایک جزیروں کے باشندوں سے ہیرے اور موتی خریدے' مجھے ان سے اتنا منافع ملا کہ سفر کے اخراجات نکل آئے اور اتنی رقم بس اتنا ہو گئی کہ دوبارہ سیاحت پر جا سکوں' لیکن اس کے باوجود میں کافی نقصان اٹھا چکا ہوں۔ میرا نہ صرف وقت ضائع ہوا بلکہ کاروبار بھی متاثر ہوا۔ اب مزید نقصان اٹھانے کے لئے کسی قیمت پر تیار نہیں ہوں اور یہ کہ میں ایسے لمبے اور دشوار گزار سفر سے لوٹا ہوں' ابھی تو میری تھکن بھی نہیں اتری ہے اور میں کاروبار کی جانب توجہ بھی نہیں دے پایا ہوں۔"

وشواناتھ کا اندازہ یکسر غلط ثابت ہوا۔ اسے بڑی مایوسی ہوئی' لیکن وہ حوصلہ ہارنے والوں میں سے نہ تھا۔ اس نے جواب دیا۔

"آپ کا کوئی مالی نقصان نہیں ہو گا' کیونکہ سفر کے تمام اخراجات ہم اٹھائیں گے اور آپ کو ایک پیسہ بھی خرچ کرنے نہیں دیں گے' تاہم آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ نہ صرف جہاز رانی کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں بلکہ بہت سارے مقامات اور جزیروں کا بھی علم رکھتے ہیں۔ ہم آپ کو ساتھ چلنے پر مجبور نہیں کریں گے۔ آپ اگر تیار نہ ہوئے تو پھر ہم خود ہی پتے خزانے کی تلاش میں نکل پڑیں گے۔"

بمل گپتا اس کا آخری جملہ سن کر چونکا۔ اس نے گہری نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے مشکوک لہجے میں پوچھا۔ "کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آخر اس قدر رعایت کس لئے؟ کیا کوئی ایسی بات ہے جو مجھ سے پوشیدہ اور راز میں رکھی جا رہی ہے؟ بہرحال جو بات بھی ہو' مجھے صاف صاف بتائیں' میں ایک صاف گو آدمی ہوں اور صاف گوئی کو بہت پسند کرتا ہوں۔"

"ہم جلد بازی نہیں کر رہے ہیں۔" رنجیت نے جواب دیا۔ "ہم بہت پہلے سے ہی اس کی تیاری کرتے چلے آ رہے ہیں۔ آج اتفاق سے اخبار میں آپ کا لکھا ہوا مضمون نظر سے گزرا تو آپ کا خیال آیا کہ آپ اس مہم جوئی میں بہت مفید ثابت ہو سکتے ہیں' بس اتنی سی

بات ہے۔"

"تو گویا آپ کے سفری کاغذات، پاسپورٹ اور ویزہ وغیرہ تیار ہے؟" بمل گپتا نے رسمی انداز میں دریافت کیا۔ پھر اسے جیسے کچھ یاد آیا تو اس نے سوال کیا۔ "آپ نے یہ نہیں بتایا کہ جانا کہاں ہے؟ منزل کون سی ہے؟"

وشواناتھ ذہنی طور پر اس سوال کے لئے تیار نہ تھا اور نہ ہی اس کے بارے میں اس نے سوچا تھا کہ بمل گپتا یہ سوال کرے گا۔ یہ ایک اہم نوعیت کا سوال تھا۔ وہ گڑبڑا سا گیا تھا، لیکن اس نے خود کو فوراً ہی سنبھالا۔ اس نے رنجیت کو اشارہ کیا کہ وہ جواب دے۔

"تفصیلات میں جانے سے قبل یہ ضروری ہے کہ چند ابتدائی اور اصولی باتیں آپس میں طے کرلی جائیں۔" رنجیت نے نپے تلے الفاظ میں جواب دیا۔

"مثلاً آپ کیا معاملات طے کرنا چاہتے ہیں؟"

"مثلاً سب سے پہلے یہ بات طے کرلی جائے کہ آپ ہمارے ساتھ اس مہم پر چلنے کے لئے تیار ہیں کہ نہیں؟ اگر آپ ساتھ چلنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں تو پھر آخر تک ہمارا ساتھ دینا ہوگا۔ جب یہ معاملات طے ہو جائیں تب ہی ہم تفصیل سے بات کرنے کی پوزیشن میں ہوں گے۔ ہم اسی وقت آپ کو اعتماد میں لے کر بتائیں گے کہ کہاں چلنا ہوگا۔ یہ بہت ہی اہم معاملہ ہے، آپ کیا کہتے ہیں؟"

بمل گپتا نے رنجیت کی بات کو بڑے غور اور توجہ سے سنا، پھر اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"آپ کی بات نہایت معقول ہے۔ میں اس سے انکار نہیں کروں گا، مگر مشکل یہ ہے کہ جب تک مجھے تمام تفصیلات کا علم نہ ہو، میں اس بات کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا کہ یہ مہم فائدہ مند ثابت ہوگی کہ نہیں۔ میں گھاٹے کا سودا کرنے کا قائل نہیں ہوں۔"

وشواناتھ نے پھر رنجیت کی طرف دیکھا۔ وہ بڑا ذہین تھا، اسے گفتگو کا فن اور انسانی نفسیات کا بڑا تجربہ تھا۔ اس نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "کیوں نہ ہم اس مہم جوئی کے معاملات پر اس طرح سے سوچیں اور غور کریں کہ ہم آپ کی ماہرانہ خدمات حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ہمیں ایک دور دراز علاقے کا سفر درپیش ہے لہٰذا آپ اپنے تجربے اور وسائل سے کام لیتے ہوئے ہمیں اس علاقے تک پہنچانے کی ذمہ داری قبول کرلیں، جہاں یہ کروڑوں کی مالیت کا خزانہ موجود ہے۔ اس کے عوض آپ جملہ اخراجات کے علاوہ اپنی خدمات کے سلسلے

میں جو معاوضہ بھی وصول کرنا چاہتے ہیں، وہ بغیر کسی جھجک کے صاف صاف بتا دیں، ہم نہیں چاہتے کہ آپ کے ساتھ ناانصافی یا کوئی زیادتی ہو۔"

بمل گپتا اس کی بات سے بڑا متاثر ہوا۔ پھر اس نے رنجیت کی طرف تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نہیں جانتا کہ مجھے کتنا فائدہ ہوگا؟ کتنا نقصان؟ میں نے آپ کی باتوں سے یہ محسوس کیا ہے کہ آپ کے دلوں میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ آپ کی باتوں میں خلوص اور سچائی ہے۔ آپ لوگ نیک نیتی کے جذبے سے آئے ہیں۔" بمل گپتا نے سانس لینے کے لئے چند لمحے توقف کیا، پھر اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ "چونکہ اس مہم جوئی کے نتیجے میں ایک بڑا خزانہ ہاتھ آنے کی امید ہے، اس لئے میں چاہوں گا کہ مجھے بھی اس خزانے میں حصہ دار بنا لیا جائے۔ ایک مقررہ رقم کے عوض میں اپنے حصے سے دستبردار ہونا پسند نہیں کروں گا۔ میں انصاف کی بات کر رہا ہوں۔"

رنجیت کو بمل گپتا کی بات بڑی ناگوار لگی۔ اس کے چہرے پر جھنجلاہٹ کے آثار پیدا ہوئے وشواناتھ نے محسوس کرلیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بات خراب ہو۔ بمل گپتا کا لہجہ خالص کاروباری تھا۔ وشواناتھ کو بھی تلخ محسوس ہوا تھا، اس لئے وہ قدرے تیز لہجے میں بولا۔

"اگر ہم کسی فریب کا شکار ہو رہے ہیں تو دوسری بات ہے۔ کیا آپ کو ہماری باتوں سے اندازہ نہیں ہوا کہ ہم ریاکاری اور منافقت سے کام نہیں لے رہے۔ میرے ساتھی نے آپ کو جو پیشکش کی ہے، اس پر شک نہیں کرنا چاہئے۔ آپ بتائیں کہ ہم اپنی نیک نیتی کی کیا ضمانت پیش کریں؟"

"آپ میرے اس کاروباری لہجے پر ناراض نہ ہوں۔" بمل گپتا نے ہنس کر کہا۔

"میں چونکہ ایک کاروباری شخص ہوں، اس لئے جو بھی کام کرتا ہوں تو نفع اور نقصان کو پیش نظر رکھتا ہوں، پھر اس کام کو شروع کرتا ہوں۔ دراصل میں نے اپنی بات پوری نہیں کی۔ میں آپ کی پیشکش کو ذرا سی تبدیلی کے ساتھ قبول کرنا چاہتا ہوں۔ آپ میرے بینک اکاؤنٹ میں پچاس ہزار کی رقم جمع کرا دیں۔ یہ ایک طرح سے زر ضمانت ہوگا۔ اگر ہم بامراد لوٹے تو آپ کو یہ رقم لوٹا دوں گا، یہ ایک طرح سے امانت ہوگی، لیکن میں یہ بات بتا دوں کہ اس خزانے میں برابر کا حصہ دار ہوں گا۔"

"ہمیں منظور ہے۔" رنجیت نے اثبات میں سر ہلایا۔ "لیکن میں بھی آپ کو ایک بات بتا دوں کہ ہم کل چار ساتھی ہیں، جو کچھ ہاتھ لگے گا، وہ مساوی طور پر پانچ حصے داروں میں تقسیم

ہوگا' کسی کے ساتھ حصے میں کمی بیشی نہیں ہوگی۔ اب آپ کیا فرماتے ہیں؟''

''پانچ میں نہیں' چھ حصوں میں۔'' بمل گپتا نے فوراً درمیان میں کہا۔'' کیونکہ میرا بھی ایک ساتھی ہے' اسے بھی حصہ ملنا چاہئے۔''

''ٹھیک ہے۔'' وشواناتھ اور رنجیت نے رضامندی کا اظہار کیا۔

''ایک اور بہت ہی اہم اور ضروری بات ہے۔'' بمل گپتا نے سنجیدگی سے کہا۔'' ایک دوسرے پر بھروسا اور باہمی تعاون لازمی ہوگا ورنہ ہم کامیاب نہ ہوسکیں گے۔''

وشواناتھ اور رنجیت نے اثبات میں سر ہلایا' پھر وشواناتھ نے گوپال سے حاصل ہونے والے کاغذات بمل گپتا کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔'' یہ وہ کاغذات ہیں جو ہمیں منزل تک پہنچانے میں رہنمائی کریں گے۔ ہم ان کے بغیر سفر کا آغاز نہیں کرسکتے' آپ انہیں دیکھ لیں۔''

بمل گپتا نے ان کاغذات پر ایک چٹتی سی نگاہ ڈالی' پھر وہ چند لمحوں کے بعد ان کاغذات کو لے کر کھڑا ہوگیا اور بولا۔'' بغیر چشمہ کے صاف نظر نہیں آرہا ہے۔ ایک منٹ' میں ذرا اپنا چشمہ لے آؤں۔'' اس سے پہلے کہ وشواناتھ یا رنجیت اس سے کچھ کہتے' وہ تیزی سے لپکتا ہوا عمارت کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ ایک منٹ میں واپس آرہا ہے لیکن اس کی واپسی ایک منٹ کیا' پانچ منٹ میں بھی نہیں ہوئی۔

رنجیت نے بے قراری سے پہلو بدلا' پھر اس نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔'' کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ ہمیں چکما دے کر عقبی راستے سے نکل گیا۔ کیوں نہ ہم چل کر دیکھ لیں؟ چلو اٹھو۔''

وشواناتھ نے اسے تسلی دی۔'' کہاں جائے گا؟ تم فکرمند اور پریشان مت ہو' میرے پاس ان کاغذات کے فوٹو اسٹیٹ ہیں۔''

لیکن جب بمل گپتا کی غیر حاضری کا وقفہ طویل ہونے لگا تو وشواناتھ کو بھی فکر لاحق ہونے لگی۔'' پتا نہیں کیا گڑبڑ ہوگئی ہے؟''

ان دونوں میں سرگوشیوں میں باتیں ہو رہی تھیں کہ اسی وقت بمل گپتا اندر سے آیا۔ اس نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔'' معاف کیجئے گا کہ میں بھول گیا تھا کہ میں نے چشمہ کہاں رکھا تھا؟ تلاش کرنے میں تھوڑی دیر ہوگئی۔ آپ مجھ پر شک تو نہیں کرنے لگے تھے؟''

''نہیں تو۔'' وشواناتھ نے نفی میں سر ہلا دیا۔'' ہمیں آپ پر اعتماد ہے' بداعتمادی کی کوئی

وجہ نہیں۔''

بمل گپتا نے اپنی آنکھوں پر چشمہ چڑھا کر اس کاغذ کو بڑے غور سے دیکھا جس پر گوپال نے نقشے کی شکل میں اس جگہ کی نشاندہی کی تھی جہاں انہیں جانا تھا اور جہاں خزانہ محفوظ تھا۔ گوپال نے نقشہ بنانے میں بڑی مہارت دکھائی تھی۔

بمل گپتا کے چہرے سے انتہائی دلچسپی کا اظہار ہو رہا تھا۔ چند لمحوں تک وہ اس طرح کھو گیا جیسے وہ وہاں اس مقام پر پہنچ گیا ہو۔ وہ تھوڑی دیر تک دنیاو مافیہا سے بے نیاز ہوگیا۔ اسے وشواناتھ اور رنجیت کی موجودگی کا احساس ہی نہیں رہا۔

جب اس نے نقشہ تپائی پر رکھا تو اس کا چہرہ دبے دبے جوش سے سرخ ہو رہا تھا۔ رنجیت نے اس سے سوال کیا۔

''کیا آپ کو اس نقشے سے کچھ اندازہ ہوا کہ یہ جگہ کون سی ہے اور کہاں پر واقع ہے اور یہ مہم کیسی رہے گی؟''

''انتہائی دلچسپ مہم ثابت ہوگی۔'' بمل گپتا نے لرزیدہ سی آواز میں جواب دیا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم منزل پر بآسانی پہنچ جائیں گے۔'' وشواناتھ نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں۔'' بمل گپتا نے ناک پر چشمہ درست کرتے ہوئے کہا۔'' آپ اس خود فریبی میں مبتلا نہ ہوں۔''

''وہ کیوں۔؟'' وشواناتھ کے چہرے پر حیرت چھا گئی۔'' پھر دلچسپ مہم سے کیا مراد لی جاسکتی ہے؟''

''دراصل میں نے اپنی بات پوری نہیں کی۔'' بمل نے کہا۔'' یہ مہم اس لئے دلچسپ ہے کہ اس میں خطرات بھی ہیں اور سنسنی خیزی بھی۔''

''وہ کیسے۔؟'' رنجیت نے سوال کیا۔'' آپ کی بات میری کچھ سمجھ میں نہیں آئی' زحمت نہ ہو تو وضاحت سے بتائیں۔''

''یہ جگہ دنیا کے گنجان ترین جنگل میں ہے۔'' بمل گپتا نے جواب دیا۔'' جہاں سے زندہ واپس آنا کسی معجزے سے کم نہیں ہوگا' جو کوئی ادھر بھولے بھٹکے گیا' وہ واپس نہیں آیا۔ اس لئے میں آپ لوگوں کو ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں۔''

''کیسا مشورہ۔؟'' رنجیت نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میرا مشورہ ہے کہ آپ وہاں جانے کا خیال دل سے نکال دیں۔" بمل گپتا نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ تو بزدلی کی بات ہوئی۔" وشواناتھ نے کہا۔ "کروڑوں بلکہ اربوں کی مالیت کے خزانے سے موت کے ڈر سے دستبردار ہو جائیں۔ اتنی ساری دولت تو خواب میں بھی نہیں مل سکتی۔ ہم اور آپ اس سے اپنا مستقبل تابناک بنا سکتے ہیں۔"

"آپ دولت کے حصول کے اندھے جنون میں کسی اور انداز سے سوچ رہے ہیں۔" بمل گپتا نے کہا۔ "آپ لوگ ایک نہیں، دو تین مرتبہ اچھی طرح غور کر لیں، کیونکہ دنیا کا کوئی خزانہ زندگی جیسی انمول دولت کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔ دولت کے لئے جذباتی ہونا اور اس کے خواب دیکھنا۔"

"ہم ان میں سے نہیں ہیں جو موت اور مشکلات کے خوف سے بزدلوں کی طرح بھاگ کھڑے ہوں۔" وشواناتھ نے برا سا منہ بنایا تھا، کیونکہ اسے بمل گپتا کا ناصحانہ مشورہ بہت برا لگا تھا۔ "موت سے کھیلنا ہمارے لئے ایسا ہی ہے جیسے فٹ بال کھیلنا۔"

"مشکلات پر قابو پایا جا سکتا ہے؟" بمل گپتا نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "کیا آپ کو وادی آمیزن کے جنگلات کے بارے میں کچھ علم ہے؟"

"نہیں زیادہ علم نہیں ہے۔" رنجیت نے نفی میں سر ہلایا۔ "کیا آپ اس کے بارے میں جانتے ہیں؟ کیا وہاں سے گزرے ہیں؟"

"وہ نہایت عجیب و غریب، پُراسرار اور طلسماتی وادی ہے۔" بمل گپتا بتانے لگا۔ "بہت سارے بحری جہاز بلکہ ہوائی جہاز بھی اس کی حدود میں جا کر پراسرار طور پر لاپتا ہو گئے ہیں۔ اسے مسٹری زون کہا جاتا ہے جو سمندر پر مشتمل ہے۔ کیا یہ باعث حیرت اور ناقابل یقین نہیں ہے کہ جو چیز اس کی حدود میں آ جاتی ہے، وہ کسی گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو جاتی ہے، پھر اس کا نام و نشان نہیں ملتا۔ اب تک سیکڑوں ہوائی اور بحری جہاز غائب ہو چکے ہیں کہ ان کا کوئی سراغ اور نام و نشان تک نہ مل سکا اور نہ ہی کسی قسم کی کوئی معلومات ان کے متعلق مل سکی ہیں کہ ان پر کیا گزری۔ برمودا ٹرائنگل کے آس پاس برمودا جزائر ہیں۔ دنیا کے بہت سے سائنسدان اور محقق اس پُراسرار اور حیرت انگیز مسئلے کو حل کرنے کی سوچ بچار میں کافی عرصے سے مصروف ہیں اور کئی صدیوں کی کوششوں کے باوجود انہیں کوئی کامیابی نصیب نہیں ہو سکی۔ پہلے تو سمندر میں اس حدود سے گزرنے والے بحری جہاز غائب ہو جاتے

تھے، لیکن بعد میں جو جہاز بھی اس حدود کے اوپر سے پرواز کرتا ہوا گیا، وہ بھی غائب ہو گیا۔

بحری جہازوں میں کئی لاکھ ٹن تیل موجود ہوتا ہے اور تیل پانی میں ملتا نہیں بلکہ پانی کے اوپر تیرنے لگتا ہے، لیکن کبھی کسی جہاز کا تیل پانی کے اوپر نظر نہیں آیا اور نہ ہی جہاز کی کسی اور چیز کا نام و نشان ملا۔ برمودا جزائر کے پاس سمندر کے اس علاقے میں اس طرح سیکڑوں جہازوں کے گم ہو جانے کے سلسلے میں مختلف توجیہات پیش کی گئیں، لیکن یہ سب مختلف اور متضاد تھیں۔ کوئی بات اب تک حتمی طور پر معلوم نہیں کی جا سکی اور یہ قدرت کا ایک سربستہ راز بن گیا ہے کہ جس پر آج ساری دنیا حیران ہے۔ اس قدر سائنسی ترقی، سیٹلائٹ، ریڈار سسٹم اور جدید ترین ٹیکنالوجی بھی ناکارہ ہو کر رہ گئی ہے۔ کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ انسان چاند پر پہنچ گیا، مریخ کے اسرار پتا چل گئے لیکن جدید کمپیوٹر کے دور میں بھی اس راز اور پُراسراریت سے پردہ نہیں اٹھ سکا۔ میں نے تمام باتیں بتا دیں۔ اس روشنی میں آپ لوگ فیصلہ کریں۔"

"آپ نے یہ کہانی اس لئے سنائی ہے کہ ہم آپ کی طرح خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ جائیں۔" وشواناتھ نے کہا۔ "ہم خوفزدہ بالکل نہیں ہیں۔"

"نہیں، یہ بات نہیں بلکہ خطرات سے کھیلنا خود میری کمزوری، شوق اور جنون رہا ہے۔" بمل گپتا نے کہا۔ "میں آپ لوگوں کے ساتھ کوئی فریب کرنا نہیں چاہتا، میں نے تمام باتیں اس لئے وضاحت سے بیان کی ہیں کہ آپ لوگ خطرات سے آگاہ ہو جائیں۔ یہ جگہ مسٹری زون کے قریب ہے۔ ہمیں مسٹری زون کے سمندر سے ہٹ کر گزرنا ہوگا۔ آپ ان تمام باتوں کے باوجود پھر بھی چلنے کے لئے تیار ہیں تو مجھے بہت خوشی ہوگی کیونکہ وہ لوگ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں جو موت سے نہیں ڈرتے اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مردانہ وار اس سے لڑتے ہیں۔"

"اچھا یہ بتائیں آپ نے جو دنیا کے گرد ایک چکر لگایا ہے، کسی اور بھی عجیب و غریب جگہ کے بارے میں معلوم ہوا؟" رنجیت نے تجسس سے پوچھا۔

"ہاں۔" بمل گپتا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "یہ جان کر بڑی حیرانی ہوگی کہ ہونولولو سے پچھتر میل کے فاصلے پر واقع ساحل کے ساتھ کوئی نصف میل تک ایسی ریت پائی جاتی ہے جس میں سے کتوں کے بھونکنے جیسی آوازیں نکلتی ہیں۔ اس ریت پر چلا جائے یا اسے دو مٹھیوں میں لے کر رگڑا جائے یا اگر تیز ہوا چل رہی ہو تو اس میں سے یہ مخصوص آواز سنائی دیتی ہے۔ اس آواز کا انحصار درجہ حرارت یا ریت کی خشکی اور رگڑ کی قوت پر ہے۔ جتنی زیادہ

ریت خشک ہوگی' اتنی ہی تیز آواز پیدا کرے گی۔ جزیرے میں اس مخصوص ریت کے اونچے ٹیلے بھی موجود ہیں۔ ایسی ریت دنیا کے کئی اور علاقوں میں بھی پائی جاتی ہے اور ہر جگہ اسے مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ مثلاً افغانستان میں اسے بجنے والی ریت' جنوبی افریقہ میں چیخنے والی ریت' جزائر ہوائی میں بھونکنے والی ریت بعض جگہ اسے گانے والی ریت بھی کہا جاتا ہے۔ سائنسدان ابھی تک یہ معلوم نہیں کر سکے کہ اس ریت سے یہ عجیب وغریب آوازیں کیوں جنم لیتی ہیں۔ بہر حال اب تک جو تحقیقات ہوئی ہیں اس کے مطابق یہ آواز ان ہواؤں سے پیدا ہوتی ہے جو ریت کی سطح پر جم جاتی ہیں یا جذب ہو جاتی ہیں۔ ہوا کی اس تہہ کی وجہ سے ارتعاش پیدا ہوتا ہے اور مخصوص قسم کی آوازیں سنائی دینے لگتی ہیں۔ آواز کا انحصار ریت کی قسم' بناوٹ اور اس کی سطح پر ہے۔"

"یہ عجیب وغریب باتیں سن کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دنیا میں عجائبات کی کوئی کمی نہیں ہے۔" رنجیت نے کہا۔

"اگر کوئی اور بات پوچھنا یا سوال کر کے تسلی کرنا ہے تو بتائیں۔" بمل گپتا نے کہا۔ "میں ہر بات کا جواب دینے کے لئے تیار ہوں۔"

"اب تو تقریباً سارے معاملات طے ہو گئے ہیں۔ ہم کل ہی پہلی فرصت میں زر ضمانت جمع کرائے دیتے ہیں۔ آپ اپنا اکاؤنٹ نمبر اور بینک کا نام بتائیں۔ رقم جمع کرنے کے بعد آپ کو ڈیپازٹ سلپ دے دی جائے گی۔" رنجیت نے بات ختم کرنے کی غرض سے کہا۔

وشواناتھ نے کاغذات بمل گپتا کے ہاتھ سے لے لئے' پھر رنجیت نے اس سے اکاؤنٹ نمبر اور بینک کا نام پوچھا اور وہ جانے کیلئے کھڑے ہو گئے۔

رخصت ہونے سے قبل وشواناتھ نے بمل گپتا سے آخری بار پوچھا۔ "روانگی کب اور کیسے ہوگی؟ یہ ابھی بتا دیا جائے تا کہ تیاری کر سکیں۔"

"اگر آپ کے سفری کاغذات تیار ہیں تو دیر سے روانہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" بمل گپتا نے کہا۔ "دو دن بعد کسی بھی وقت ہم روانہ ہو سکتے ہیں۔ سفر کی تیاری' منصوبہ بندی اور تفصیلات طے کرنے میں کچھ وقت لگے گا لہٰذا کل کسی وقت مجھ سے مل لیں تو بہتر ہوگا۔"

باہر آتے ہی وشواناتھ نے رنجیت سے پوچھا۔ "اس آدمی سے ملنے اور بات کرنے کے

بعد تم نے کیا رائے قائم کی' کیسا آدمی لگا؟"

"تیز آدمی ہے۔" رنجیت نے چند لمحے سوچنے کے بعد جواب دیا۔ "اس لئے ہمیں ہوشیار اور محتاط رہنا ہوگا' اس پر مکمل بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔"

خود وشواناتھ کی بھی بمل گپتا کے بارے میں یہی رائے تھی۔ اس لئے وہ تائیدی انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید کام نکلنے کے بعد بمل گپتا سے فوری چھٹکارا پانا ضروری ہو جائے گا ورنہ پھر وہ شاید ان سے نجات پانے کی کوشش کرے گا۔

وشواناتھ نے رنجیت کو اپنے اور ساتھیوں کے سفری کاغذات تیار کرنے کا کام سونپ دیا تھا۔ رنجیت جعلسازوں سے خوب واقف تھا جو بہت کم وقت میں جعلی پاسپورٹ اور کسی بھی ملک کے ویزے کا کام چند گھنٹوں میں کر دیتے تھے' لیکن انہیں منہ مانگا معاوضہ دینا پڑتا تھا۔ یہ جعلساز بھروسے کے تھے' پیسے لیتے تھے مگر کام وقت پر کر دیتے تھے۔

پھر وشواناتھ اور رنجیت رات کا کھانا کھانے ایک قریبی ریسٹورنٹ میں چلے گئے۔ کھانے کے دوران بھی وہ تبادلہ خیال کرتے رہے تھے۔

ریسٹورنٹ میں ڈنر سے فراغت پا کر دونوں باہر آئے۔ رنجیت نے اپنی راہ لی اور وہ اپنے ہوٹل آ گیا۔ جب اس نے اپنے کمرے میں قدم رکھا تو ایک نئی افتاد ناگہانی اس کی بے چینی سے منتظر تھی۔

اس نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کیا اور سوئچ آن کر کے روشنی کی تو سامنے نظر پڑتے ہی وہ ٹھٹک گیا۔

اس کے بستر پر پشتے سے ٹیک لگائے ایک بھاری بھرکم آدمی نیم دراز تھا۔ بیڈ کے قریب رکھی ہوئی کرسی پر ایک اور شخص بڑے اطمینان سے براجمان تھا۔ جس کے گھٹنوں پر ایک لمبی نال والا ریوالور رکھا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر سفاکی تھی۔

اس نے روشنی ہوتے اور وشواناتھ کو دیکھتے ہی ریوالور اٹھا کر اس پر ہاتھ کی گرفت سخت کر لی تھی اور لبلبی پر انگلی رکھ دی۔

پھر دوسرے لمحے وہ ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے ریوالور وشواناتھ پر اس طرح سے تان لیا جیسے وہ اسے بغیر کسی تامل کے شوٹ کر دے گا۔

دیوار سے لگا ایک اور شخص کھڑا تھا۔ یہ تیسرا شخص تھا۔ اس کے ہاتھ میں خطرناک چاقو تھا۔ اس کا پھل اتنا خوفناک تھا کہ وہ روشنی میں چمک رہا تھا۔ اس نے وشواناتھ کو دیکھ

کر جارحانہ انداز سے چاقو لہرایا۔

وشواناتھ کو اس شاندار استقبال کی توقع نہیں تھی۔ ایک آدمی مسلح ہوتا تو اسے فکر نہ ہوتی اور نہ ہی وہ پریشان ہوتا۔ اس کے مقابلے میں ایک نہیں' تین تھے۔ ان میں سے دو ریوالور اور چاقو سے مسلح تھے۔ ان کے ارادے کیا تھا؟ وہ ان کی آنکھوں سے صاف جھانک رہے تھے۔

وہ نہتا تھا۔ نہتا بھی نہ ہوتا تو بیک وقت تین آدمیوں سے کیسے مقابلہ کرتا۔ یہ کھلی جگہ نہ تھی' ایک بند کمرہ تھا اور یہ بدمعاش اسے چیخنے کی مہلت بھی نہ دیتے۔ وہ صورتحال کا جائزہ لینے لگا۔

''آیئے' آیئے۔ تشریف لایئے۔ شری وشواناتھ جی۔ ہم آپ کا بڑی دیر سے انتظار کر رہے ہیں۔ آخر آپ تشریف لے ہی آئے؟'' اتنا کہہ کر وہ بھاری بھرکم شخص سیدھا ہو کر بستر سے پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔ اس کا لہجہ بڑا استہزائیہ تھا۔ آنکھوں میں وحشیانہ چمک تھی۔

''میرا خیال ہے کہ میں اپنا تعارف کرا دوں؟'' اس نے وشواناتھ کو خاموش پا کر کہا۔

''اور اپنے ساتھیوں کا بھی تا کہ ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی نہ رہیں۔ میرا نام رام داس ہے' یہ میرا ساتھی جس کے ہاتھ میں ریوالور ہے' اس کا نام لالو پرساد ہے' لیکن یہ صرف اپنے آپ کو لالو کہتا ہے اور یہ جس کے ہاتھ میں تیز دھار چاقو ہے اس کا نام اجو ہے۔ اس کے چاقو کی خوبی یہ ہے کہ نہ صرف سبزی ترکاری اور پھل کاٹ سکتا ہے' بلکہ انسان اور شیر کی گردن بھی کسی گاجر' مولی کی طرح کاٹ سکتا ہے۔ کاش یہاں کوئی جانور ہوتا تو اجو اس کی گردن تن سے جدا کر کے دکھاتا۔'' وہ بکواس کئے جا رہا تھا۔ تب اس دوران لالو نے جیب سے سائلنسر نکال کر نال پر نصب کر لیا۔

''یہ ریوالور روسی ساخت کا ہے۔'' رام داس کی بکواس جاری تھی۔ ''اس کی ایک گولی سے نہ صرف شیر بلکہ گینڈا اور تینڈوا بھی مر جاتا ہے۔ لالو ایک شیر' ایک چیتا اور تیندوے کے علاوہ اژدھے کو مار چکا ہے۔ وہ اتنے آدمیوں کو مار چکا ہے کہ اسے خود ان کی تعداد یاد نہیں ہے۔ آدمی کے لئے یہ گولی انتہائی مہلک ہے۔ میرے خیال میں اتنا کافی ہے وشواناتھ جی۔''

وشواناتھ نے مڑ کے دروازے کی طرف دیکھا۔ اس نے دروازہ صرف بند کیا تھا' اندر سے چٹخنی نہیں لگائی تھی۔ دروازہ کھول کر نکل بھاگنے میں اسے صرف چند لمحے ہی لگتے۔ چند لمحے کیا' ایک لمحے کی کوشش بھی بے سود تھی' کیونکہ دشمن کے لئے ایک لحہ اسے نشانہ بنانے کے لئے بہت تھا۔ اسے ایک لمحے کی مہلت بھی نہ ملتی۔ دونوں مسلح بدمعاش اپنے اپنے اسلحہ کے

استعمال میں ماہر معلوم ہوتے تھے۔ ان کے انداز سے ہی پتا چلتا تھا۔

''وشواناتھ صاحب! ہم آپ کے دوست ہیں' آپ ہم سے بچ کر نکلنے کی حماقت نہ کریں' کیونکہ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے بلکہ ہم اسے اپنی بے عزتی اور ذلت محسوس کریں گے۔ اس لئے کہ ہم مہمان ہیں آپ کے۔ کیا مہمانوں کا اس طرح سے سواگت کیا جاتا ہے۔ مہمانوں کی عزت کرنی چاہئے' اگر ہم آپ کے دشمن ہوتے تو اِدھر آنے کی زحمت نہ کرتے' بلکہ سیدھے پولیس کی خدمات حاصل کرتے۔ پولیس کو صرف آپ کا نام اور یہاں کا پتہ دے دینا ہی کافی ہوتا۔ کیوں شری وشواناتھ جی۔ کیا میں غلط عرض کر رہا ہوں؟''

وشواناتھ نے بھاگنے کا ارادہ ملتوی کر دیا' کیونکہ وہ تین بدمعاشوں کے نرغے میں تھا۔ دروازہ کھول کر نکلنے کی کوشش موت کو دعوت دینے کے مترادف تھی۔ اگر اسے فرار ہونے میں کامیاب ہونے کی ایک فیصد امید بھی ہوتی تو وہ اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنے سے دریغ نہ کرتا۔ وہ دروازے کی طرف لپکتا' اس کے پیر میں بلا تامل گولی مار دی جاتی۔ ریوالور پر سائلنسر نصب تھا' ریوالور چلنے کی آواز بھی نہ گونجتی۔ بھاگنا تو دور وہ اپنی جگہ سے جنبش تک کرنے نہیں دیتے۔ اس کی سلامتی اسی میں تھی کہ وہ جہاں اور جس طرح کھڑا تھا' کھڑا رہے۔

''میں اپنے بن بلائے معزز مہمانوں کی کیا سیوا کر سکتا ہوں؟'' وشواناتھ نے بے بسی سے کہا' لیکن اس کے لہجے میں تمسخر کا سا انداز تھا۔ ''حکم دوستو۔!''

''حکم نہیں بلکہ آپ سے ایک استدعا ہے کہ ہماری ایک امانت آپ کے پاس رکھی ہوئی ہے۔'' رام داس نے کہا۔ ''اگر آپ اسے لوٹا دیں تو ہم دوستوں کی طرح پیار و محبت سے رخصت ہو جائیں گے۔''

''امانت؟ کیسی امانت؟'' وشواناتھ نے انجان بن کر رام داس کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''میں آپ کی بات سمجھا نہیں۔''

وشواناتھ کا ذہن فوراً ہی اس کی بات کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔ گوپال سے جو کاغذات حاصل ہوئے تھے' اسے ان کا خیال آیا تھا۔ گوپال کسی سے جھگڑا کر کے اور اپنی جان بچا کر بھاگا تھا۔ گوپال کو زخمی کرنے والا اجو کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا تھا' کیونکہ وہ چاقو زنی کا ماہر معلوم ہوتا تھا۔

''وہ شخص جسے تم نے جلا دیا تھا' وہ میری کچھ چیزیں لے کر بھاگا تھا۔ یقیناً وہ چیزیں اب تمہارے پاس ہوں گی۔'' رام داس نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"تم سراسر غلط بیانی کر رہے ہو۔" وشواناتھ نے تیز لہجے میں کہا۔ "مجھے اس کی موت کا الزام مت دو کیونکہ اس کی موت تمہارے لگائے ہوئے زخموں سے واقع ہوئی تھی۔ میں نے محض اس کی لاش کو ٹھکانے لگایا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک قیمتی پتھر ضرور تھا' مگر وہ اتنا قیمتی بھی نہیں کہ میں اس کی خاطر مصیبت اور دشمنیاں مول لیتا پھروں' مجھے اپنی زندگی بہت عزیز ہے' اس لئے کہ وہ دولت سے کہیں قیمتی ہے۔"

وشواناتھ نے بڑی تیزی سے فیصلہ کیا تھا۔ وہ کسی بھی قیمت پر گوپال کی جیب سے برآمد ہونے والا نقشہ رام داس کو دینا نہیں چاہتا تھا' لیکن اس نقشے کو رام داس سے بچانا بھی مشکل نظر آ رہا تھا۔ سرخ پتھر بآسانی رام داس کے حوالے کر کے اس پر نفسیاتی حربہ استعمال کرنا چاہتا تھا' چونکہ اس نے سرخ پتھر کو قیمتی اس لئے ظاہر کیا تھا کہ شاید رام داس پتھر کو لے کر نکل جائے۔

وشواناتھ نے جیب سے پتھر نکال کر رام داس کی طرف اچھا دیا۔ "یہ دیکھ لو' یہ وہی قیمتی پتھر ہے جو مجھے اس کے ہاتھ میں دبا ہوا ملا تھا۔"

رام داس نے پتھر پکڑ کر اسے ایک جوہری کے انداز میں دیکھا' پھر اسے بے پروائی سے اس کی طرف اچھال کر بولا۔ "اس پتھر کو تم اپنے پاس ہی رکھو جسے تم بہت قیمتی سمجھ رہے ہو۔ یہ شاید تمہارا مستقبل تابناک بنا دے۔ سنو مجھے بے قوف مت بناؤ' مجھے وہ نقشہ چاہئے جو مرنے والے کی جیب میں محفوظ تھا' ہاتھ میں نہیں تھا' وہی نقشہ جس کی حفاظت کے لئے اس نے اپنی زندگی قربان کر دی۔ میرا خیال ہے کہ تم اپنی زندگی شاید قربان کرنا پسند نہ کرو گے' اس لئے کہ تم نے ابھی ابھی کہا ہے کہ مجھے اپنی زندگی بہت عزیز ہے کیونکہ وہ دولت سے کہیں زیادہ عزیز ہے۔ یہی بات مرنے والے سے بھی کہی گئی تھی' لیکن اس احمق نے دولت کو اہمیت دی' نتیجہ سامنے ہے۔ میرے خیال میں تم اس احمق کے نقش قدم پر چلنا پسند نہیں کرو گے۔ لاؤ وہ نقشہ میرے حوالے کر دو۔"

وشواناتھ نے اس کی بات بڑے غور سے سنی تھی۔ وہ دل میں سوچ رہا تھا کہ کاش کسی کام سے رنجیت اِدھر آ جائے تاکہ وہ دونوں مل کر ان بدمعاشوں پر قابو پا لیں' لیکن اس کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔

اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی' پھر وہ سفاکانہ لہجے میں بولا۔ "اگر ایسی بات ہے تو مجھے بہت افسوس ہے کہ تمہاری مطلوبہ چیز اس کے ساتھ نذر آتش ہو گئی' دراصل اس وقت صورتحال

کچھ ایسی تھی' دماغ ماؤف تھا کیونکہ پولیس میرے تعاقب میں تھی اور پھر مجھے اس کی جیبوں کی تلاشی لینے کا خیال اس لئے بھی نہ آ سکا کہ وہ زخموں کی تاب نہ لا کر مر چکا تھا۔ اس کی جیبوں میں جو کچھ تھا' وہ جل کر راکھ بن چکا ہوگا۔ اب تم صبر کرو' اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں رہا۔"

"رام داس جو دنیا کو بے وقوف بناتا آیا ہے' تم اس کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہو؟" رام داس اپنی گھنی نوکیلی مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا بولا اور پھر اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ "شاید تم نے ابھی تک اس بات پر غور کرنے کی زحمت نہیں کی کہ آخر میں تمہاری اس نئی قیام گاہ پر کیسے پہنچ گیا جبکہ اس کا پتا تمہارے فرشتوں کو بھی نہیں ہوگا۔ کیوں دوست' کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

وشواناتھ چونک گیا۔ حیرت کی بات تھی۔ اس نے واقعی اس بات کی طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ اسے سوچنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ دراصل یہ بدمعاش جو اچانک اور غیر متوقع اس کی سواگت کیلئے کمرے میں موجود تھے۔ اس بات نے اس کا دماغ الٹ دیا تھا۔ رام داس کے کہنے پر یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ رام داس کے کسی ساتھی غالباً اجو نے گوپال سے ملاقات کے وقت ہی سے اس پر نظر رکھی ہوئی تھی بلکہ مستقل اس کے تعاقب میں رہا تھا۔ بند گلی میں جو کارروائی ہوئی تھی' اس نے چھپ کر دیکھی ہوگی۔

"میرے پاس ایک اور بھی ثبوت ہے جسے تم کسی صورت میں جھٹلا نہیں سکتے۔" رام داس نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"کیسا ثبوت؟ کس بات کا ثبوت؟" وشواناتھ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کس ثبوت کی بات کر رہا ہے۔

"ابھی پیش کرتا ہوں سرکار۔!" رام داس کا لہجہ اہانت آمیز ہو گیا۔ اس نے تکیے کے نیچے ہاتھ ڈال کر ٹٹولا۔

جب اس کا ہاتھ تکیے کے نیچے سے باہر آیا تو اس کی انگلیوں سے لٹکتا ہوا چابیوں کا ایک گچھا تھا۔ وہ وشواناتھ کا منہ چڑا رہا تھا اور رام داس کے ہونٹوں پر تمسخر تھا' آنکھوں میں فاتحانہ چمک تھی۔

"یہ اس بات کا ثبوت ہے وشواناتھ صاحب؟" رام داس نے طنزیہ لہجے میں دریافت کیا۔

"رام داس کے ہاتھ میں دراصل چابیوں کا گچھا نہیں کوئی زہریلا سانپ تھا جو وشواناتھ

کو ڈستا ہوا محسوس ہوا تھا۔ وہ گھورتا رہ گیا تھا۔

"یہ اس مرنے والی کی جیب میں تھا۔" رام داس ہنسا۔ "کیا تمہارے خیال میں اس کی آتما دے گئی ہوگی؟ اس نے جیب میں نقشہ اور چابیاں ایک ساتھ رکھی تھیں۔ نقشہ اس طرح غائب ہو گیا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ آتما نقشہ کیوں لے جانے لگی۔ تم نے گاڑی دیوار سے ٹکرائی اور فوراً ہی اس خیال سے آگ لگا کر بھاگ نکلے کہ کوئی تمہیں دیکھ نہ لے چونکہ ہمیں نقشے کی ضرورت تھی اور اجو نے اسے جیب میں رکھتے ہوئے دیکھا تھا' اس لئے اس نے اپنی جان کی پروا نہ کرتے ہوئے جلتی گاڑی میں اس کی تلاشی لی' صرف چابیوں کا گچھا ہاتھ لگا۔"

"یہ لو بیٹے اجو!" رام داس نے چابیوں کا گچھا اس کی طرف اچھال دیا۔ "یہ تمہاری بہادری کا انعام ہے۔ مرنے والے کی گاڑی جو بالکل نئی ہے' وہ میرے ہوٹل کے سامنے کھڑی ہے' نیلے رنگ کی فیٹ۔ اب یہ تمہاری ملکیت ہے' عیش کرو۔ اس کے اچھے دام مل جائیں گے۔"

"شکریہ استاد!" اجو نے ہوا میں چابیوں کا گچھا پکڑتے ہوئے جواب دیا۔ "تم بڑے دریا دل ہو' ہمیشہ انعام سے نوازتے رہتے ہو۔"

وشواناتھ نے اس موقع کو غنیمت جانا کیونکہ اس لمحے اجو نے چاقو میز پر رکھ دیا تھا۔ وہ گاڑی کی چابیوں کا گچھا تھام کر بہت خوش ہو رہا تھا۔ لالو سے اسے نفرت و حسد بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا اور رام داس بھی اس کی طرف متوجہ تھا۔

وشواناتھ نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ کسی قیمت پر نقشہ رام داس کو نہیں دے گا۔ ان کی لحہ بھر کی غفلت نے اسے فرار کا ایک منصوبہ فراہم کیا تھا۔ وہ اس سنہری موقع کو ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتا تھا۔ اسے پوری امید تھی کہ کام بن جائے گا۔ اس نے بجلی کی سی سرعت سے لپک کر دروازہ کھولا۔ دشمن اس سے کہیں تیز' ہوشیار اور محتاط تھا۔ رام داس اسے مسکرا کر دیکھنے لگا۔ وشواناتھ نے جیسے ہی باہر قدم رکھا' باہر سے کسی نے اسے بڑے زور سے دھکا دیا' وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا' دھڑام سے فرش پر گر کر بکھر گیا' پھر جلد ہی سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔

وشواناتھ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ رام داس ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت آیا تھا۔ وہ کچی گولیاں کھیلا ہوا شخص نہ تھا۔ اسے اندازہ نہ تھا کہ وہ اس قدر چالاک' شاطر' بدمعاش ہو گا۔ جس شخص نے اسے دھکا دیا تھا' اندر آ کر وہ دروازے پر جم گیا۔ اس کے ہاتھ میں بھی چاقو

تھا۔ اس نے چاقو کو ایک جھٹکے سے کھول لیا تھا۔ اب وشواناتھ نے جان لیا تھا کہ اس کے فرار کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہوگی۔

"وشواناتھ جی!" رام داس نے اسے تضحیک آمیز لہجے میں مخاطب کیا۔ "اب بھی آپ کا دماغ درست نہیں ہوا؟ آپ کیا چاہتے ہیں؟ کیا ہم مہمان' میزبان کی خاطر مدارات کریں؟ جبکہ میں نے عرض کیا تھا کہ نقشہ ہمیں دے دیں ہم شرافت سے چلے جائیں گے۔ نقصان نہیں پہنچائیں گے' لیکن آپ لاتوں کے بھوت معلوم ہوتے ہیں جو باتوں سے نہیں مانتے۔ کیا آپ لاتیں کھانے کا بہت شوق رکھتے ہیں؟"

"کیا اس نے نقشہ کہیں چھپا کر رکھا ہوا ہے؟" دروازے پر کھڑے شخص نے رام داس سے پوچھا۔

"نقشہ اس کے پاس نہ ہوتا تو وہ آرام سے کھڑا رہتا۔"

"کیا میں اس کی تلاشی لے کر دیکھوں۔ ایک منٹ میں نقشہ کیا' اس کا بھیجا بھی باہر آ جائے گا۔"

"سنو! ہم صرف نقشہ حاصل کرنے آئے ہیں' اس کا بھیجا نکالنے نہیں۔" رام داس بولا۔ "اگر یہ شرافت سے تلاشی نہ دے تو پھر تمہیں تشدد کرنے کا اختیار ہے' لیکن اس سے پہلے اس کے منہ پر ٹیپ چپکا دینا' کہیں یہ شیر خوار بچے کی طرح "غوں غاں" کر کے ہوٹل والوں کو باخبر نہ کر دے۔"

وہ بدمعاش چاقو لہراتا ہوا وشواناتھ کی تلاشی لینے بڑھا۔ وشواناتھ اس کے ہاتھ میں چاقو اور آنکھوں میں درندگی دیکھ کر تیزی سے ایک قدم پیچھے ہٹا تو کرسی سے ٹکرا کر فرش پر گر گیا۔ وہ بدمعاش اس کے پاس آ گیا اور اس کے سینے پر چاقو کی نوک رکھ کر اٹھنے کی مہلت نہیں دی۔

"دیکھو!" وہ غرایا۔ "تم ہماری شرافت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھاؤ' اب تک تمہارے ساتھ شریفانہ سلوک ہوا' اب نہیں ہو گا۔"

وہ بدمعاش اس کی تلاشی لینے لگا۔ وشواناتھ اندر ہی اندر کھولتا ہوا اسے اور رام داس کو دیکھنے لگا۔ اس بدمعاش نے اس کی جیب سے نقشہ اور کاغذات نکال لئے۔ رام داس کے چہرے اور آنکھوں میں فاتحانہ چمک ابھر آئی۔ وہ بہت خوش تھا۔

"اچھا دوست! ہم چلتے ہیں۔" رام داس نے استہزائیہ سے لہجے میں کہا۔ "تم نے ہماری جو مہمان نوازی کی ہے' اس کے بدلے میں تمہیں ایک ناچیز تحفہ پیش کر رہے ہیں۔ یہ

ایک روایت ہے کہ جب کسی کے ہاں کوئی مہمان یا دوست پہلی بار جاتا ہے تو خالی ہاتھ نہیں جاتا اور پھر جاتے وقت ایک دوسرے کو ایسا کوئی تحفہ دیتے ہیں جو یادگار ہوتا ہے' اس طرح یہ تحفہ بھی تمہیں میری یاد دلاتا رہے گا۔ تم کبھی بھول نہ سکو گے اور پھر تم نے جو نقشہ اور کاغذات کا تحفہ دیا ہے' وہ بڑا نادر اور قیمتی ہے۔ میں اسے کبھی فراموش نہ کروں گا' اسے سینے سے لگا کر تمہیں یاد کرتا رہوں گا۔ اچھا اجازت دو' مجھ میں یہ بہت بڑی خرابی ہے کہ میں بہت بکواس کرنے لگ جاتا ہوں۔''

رام داس نے باہر نکلتے وقت اپنے جس تحفے کا ذکر کیا تھا' وہ سرخ پتھر تھا جو اس کے قریب فرش پر پڑا تھا۔ وہ غصے سے اسے گھورنے لگا تھا۔

وشواناتھ پر مایوسی اور جھنجلاہٹ سوار ہوگئی کہ اس نے نقشہ اور کاغذات بمل گپتا کے پاس کیوں نہیں چھوڑ دیئے۔ اس پر اعتبار کیوں نہ کیا؟ گو کہ اس نے فوٹو اسٹیٹ بنا لئے تھے جو اس نے غسل خانے میں چھپا کر رکھے تھے' فلیش کی ٹینکی میں۔ وہ ٹینکی خالی پڑی تھی۔ اب جو جا کر دیکھا تو وہ کاغذات پانی میں تیر رہے تھے۔ اس نے بے دھیانی میں فلیش کا کنکشن کھول دیا تھا۔

بمل گپتا نے بڑے غور اور توجہ سے نقشہ دیکھا تھا۔ کیا اس نے تفصیلات کو ذہن نشین کر لیا ہوگا۔ اگر اس کا حافظہ کمزور ہوا تو؟

* * *

سدھیر پستہ قد اور کمزور سے جسم کا ایک بدشکل اور بدوضع شخص تھا۔ اس کی فطرت' عادت و اطوار اس کے جسم کی طرح غیر پسندیدہ تھے۔ وہ ایک خبیث قسم کا شخص تھا۔ چالاکی اور مکاری کی بنا پر اسے زندگی کی ہر آسائش حاصل تھی۔ اس میں شاطرانہ صلاحیت تھی جس سے ہر موقع پر اس نے خوب فائدہ اٹھایا تھا' چونکہ خودغرض اور لالچی طبیعت کا تھا' اسی لئے وہ کبھی گھاٹے کا سودا نہیں کرتا تھا۔ وہ پائی پائی پر کسی کنجوس کی طرح جان دیتا تھا۔

اس کے جاننے اور ملنے والے اس کے پیٹھ پیچھے اسے کالا سانپ کہتے تھے۔ یہ لقب اس پر پورا اترتا تھا' کیونکہ اس کی فطرت سانپ کی سی تھی۔ وہ ایک طرح سے مار آستین ہی تھا۔ اسے سانپ کا لقب ایک دوست نے دیا تھا' کیونکہ اس کی نہ صرف فطرت بلکہ مشابہت بھی سانپ جیسی تھی۔

اس کے مقابلے میں نرنجن انتہائی سیدھا سادا اور بدھو سا دکھائی دیتا تھا' حالانکہ وہ اتنا

سیدھا نہ تھا' جتنا ظاہر کرتا تھا۔ وہ اپنے چہرے سے ٹپکنے والے بدھو پن سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا فن جانتا تھا۔ ایسی صلاحیت ہر کسی میں نہیں ہوتی ہے۔ اس طرح وہ ایک فنکار آدمی تھا۔

اس کے باپ کی ایک چھوٹی سی پرچون کی دکان تھی۔ جب اس کا باپ مرا تو اس نے دکان سنبھال لی۔ پھر اس نے دیکھتے ہی دیکھتے صرف چند برسوں میں اس دکان کی جگہ ایک بڑی جدید طرز کی شاندار قسم کی سپر مارکیٹ کھڑی کر ڈالی تھی' جو ہرگز ایک بدھو قسم کے شخص کا کارنامہ نہیں ہوسکتا تھا۔ اس نے کیا مہارت دکھائی تھی' کیسے اور کہاں سے اتنی دولت پیدا کی' یہ اس کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا اور نہ ہی یہ گر اس نے کسی کو بتایا تھا۔

نرنجن اور سدھیر کو چلنے میں دیر ہوگئی تھی۔ انہیں بتا دیا گیا کہ چونکہ تلاشی لے کر اور تحقیقات کر کے پولیس جا چکی ہے' اس لئے اب وہاں کچھ دنوں تک اس کے آنے کا امکان نہیں ہے۔ پولیس نے امرلعل کے بنگلے کی تلاشی لی تھی' کیونکہ وہ وشواناتھ کے دوستوں میں سے تھا۔ جب وہ امرلعل کے بنگلے پر پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ شفق کی سرخی سیاہی میں گھل رہی تھی۔ سیاہی کی آغوش میں معدوم ہوتی ہوئی روشنی تاریکی کی بانہوں میں عجیب سحر انگیز دکھائی دی تھی۔

وہ ایک دم سے ٹھٹک کے رک گئے جیسے کسی نادیدہ طاقت نے ان کے قدموں کو پکڑ لیا ہو۔ انہیں چند لمحے تک اپنی جگہ سے حرکت کرنا یاد نہیں رہا۔

ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف خوف کی سی حالت میں دیکھا۔ نرنجن نے سدھیر سے سرگوشی میں پوچھا۔ ''سدھیر! تم امرلعل کے گھر کو دیکھ کر کیا محسوس کر رہے ہو؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ میرا واہمہ ہو اور مجھے کسی وجہ سے ایسا محسوس ہو رہا ہو؟''

''تم کیا محسوس کر رہے ہو؟'' سدھیر نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''میں جو محسوس کر رہا ہوں' شاید تم بھی وہی محسوس کر رہے ہو۔''

''کیا بنگلے پر ایک پُراسراری وحشت اور نامعلوم سی افسردگی محسوس نہیں ہو رہی' جس نے مجھے خوفزدہ کر دیا ہے۔'' نرنجن نے جواب دیا۔

''ہاں۔'' سدھیر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''میں نے بھی وہی محسوس کیا ہے جو تم کر رہے ہو۔'' سدھیر کی آواز لرزیدہ سی تھی۔

''کہیں ایسا تو نہیں کہ سمٹتی ہوئی روشنی اور پھیلتے ہوئے اندھیرے کا اثر ہو؟'' نرنجن نے

کہا۔ "ہمارے دل میں تو وہم جنم لے رہا ہے' کیوں؟"

"ہاں شاید یہ اس لئے کہ پورا بنگلہ ویران ویران اور اندھیرے میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا ہے۔" سدھیر نے تائید کی۔ "کہیں روشنی بھی تو نظر نہیں آ رہی ہے۔"

"فضا پر مکمل خاموشی کا راج ہے۔"

نرنجن کہنے لگا۔ "ایک نہ ٹوٹنے والا سکوت آسیب کی طرح مسلط ہے اور پھر ہولناک سناٹے کی سی کیفیت طاری ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے امرلعل کے بنگلے میں ایک لمبے عرصے سے کسی ذی روح کا گزر نہ ہوا۔"

"اس کے بنگلے میں نہ صرف ایک بوڑھا ملازم رہتا ہے' بلکہ سروجا بھی تو بلاناغہ ہر شام اس کے ہاں ملنے اور رات کا کھانا کھانے آتی رہتی ہے۔" سدھیر نے کہا۔ "کسی دن وہ رک بھی جاتی ہے' اس لئے کہ وہ اس کی خوبصورتی' وجاہت ہی پر نہیں بلکہ دولت پر مرمٹی ہے۔"

"یہی بات میں بھی سوچ رہا ہوں۔" نرنجن نے کہا۔ "شاید وہ دونوں اندر کے کسی کمرے میں ہوں' اس لئے انہوں نے اندھیرا کیا ہوا ہے کہ ہم۔"

"نہیں' یہ بات نہیں۔" سدھیر نے نفی میں سر ہلایا۔ "ہم اس سے اس وقت بھی مل چکے ہیں جب سروجا ہوتی تھی اور پھر اس نے ہمیں خاص طور پر بلایا ہے۔"

"پھر کیا بات ہو سکتی ہے؟" نرنجن نے تشویشناک لہجے میں پوچھا۔ "یہ اندھیرا' سناٹا اور گہری خاموشی کیوں ہے؟"

"میرے خیال میں یقیناً کچھ گڑبڑ ہے۔" سدھیر نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ "اسی لئے ہمیں ایک انجانا سا خوف محسوس ہو رہا ہے۔"

"کیسی گڑبڑ۔؟" نرنجن نے ہونق ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ "میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے' طرح طرح کے برے خیالات آ رہے ہیں۔"

"معلوم نہیں' چلو اندر چل کر دیکھتے ہیں۔" سدھیر نے سرگوشی کے انداز میں اس کی ہمت بندھائی۔ "ڈرو نہیں' میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔"

وہ بنگلے کے احاطے میں داخل ہوئے۔ پورٹیکو میں امرلعل کی گاڑی کھڑی تھی۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ امرلعل گھر میں موجود تھا۔ اسے موجود ہونا بھی چاہئے تھا۔ اس لئے کہ بات اہم نوعیت کی تھی۔ اس موضوع پر بات کرنا اشد ضروری تھا۔ اس میں ایک دن کی تاخیر نہیں کی جا سکتی تھی۔

"آخر یہ تاریکی کیوں اور کس لئے ہے؟ خاموشی کیوں ہے؟" سدھیر کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔ "کیا نوکروں کو بھی سانپ سونگھ گیا ہے؟ اتنی رات تو نہیں ہوئی کہ نوکر سرونٹ کوارٹر میں جا کر سو جائیں۔ مجھے یاد ہے کہ وہ رات دس بجے ہی سرونٹ کوارٹر میں گھستے ہیں۔"

"ہاں یار! مجھے بھی غصہ آ رہا ہے کہ امرلعل کے نوکر کہاں مر گئے؟" نرنجن بولا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ انہوں نے فلم دیکھنے کے لئے چھٹی کر لی ہو یا پھر امرلعل نے انہیں چھٹی دے دی ہو' کیونکہ ہم جس موضوع پر بات کریں گے' نوکروں کے کانوں میں اس کی بھنک نہ پڑے۔"

"اس امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا۔" سدھیر نے کہا۔ "چلو آگے بڑھو۔ کیا معلوم اندر ہمارے انتظار میں وہ سو گیا ہو' کیونکہ ہمیں دیر ہو گئی ہے۔"

سکوت کچھ اور گہرا اور پُراسرار سا ہو گیا تھا۔ انہیں اپنے قدموں کی دھمک' ساعت پر ہتھوڑے کی طرح پڑتی محسوس ہو رہی تھی۔ ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ سدھیر نے جو نرنجن کا ہاتھ تھاما ہوا تھا' وہ اسے سرد سا محسوس ہو رہا تھا۔

"کوئی بھی تو آواز نہیں سنائی دے رہی ہے۔" سدھیر نے سکوت کو توڑنے اور اپنا خوف کم کرنے کے خیال سے کہا۔ "آخر معاملہ کیا ہے؟"

"کیا سناٹے کا بوجھ برداشت سے باہر نہیں ہو رہا ہے؟" نرنجن کی آواز حلق میں اٹک رہی تھی۔ "شاید امرلعل اندر نہ ہو۔"

"بہرحال جو بھی معاملہ ہے' وہ سامنے آ جائے گا۔" سدھیر نے دل مضبوط کر کے کہا۔ "پریشان نہ ہو' امرلعل شاید سو گیا ہو گا' اس کی گاڑی اس کی موجودگی کا احساس دلا رہی ہے۔"

سدھیر نے نرنجن کا ہاتھ چھوڑ کر اور آگے بڑھ کر سامنے والے دروازے کو دھکا دیا۔ چونکہ دروازہ بھڑا ہوا تھا' اس لئے ذرا سا دباؤ پڑتے ہی کھل گیا۔ دروازے کے پاس ہی سوئچ بورڈ تھا' اس نے ٹٹول کر سوئچ آن کیا تو روشنی ہو گئی۔ دونوں اِدھر دیکھنے لگے۔

نرنجن کے ہونٹوں سے ایک تحیّر زدہ چیخ نکل گئی۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں' کیونکہ فرش پر ایک ملازم اوندھا پڑا ہوا تھا۔

سدھیر نے فوراً ہی ناک سکیڑی۔ فضا میں ایک عجیب اور نامانوس سی بو پھیلی ہوئی تھی' جو اسے بہت ناگوار لگی۔

* * *

نرجن نے پوچھا۔ ”یہ کیسی بو ہے؟ سر چکرا رہا ہے' یہ پورے کمرے میں پھیلی ہوئی ہے۔“

سدھیر نے فوراً ہی نرجن کا ہاتھ پکڑا اور پھر اسے باہر کی طرف تیزی سے کھینچتا ہوا لے گیا۔

”بھاگو۔ بھاگو۔ یہاں کوئی زہریلی گیس پھیلی ہوئی ہے' کہیں یہ جان نہ لے لے۔“ سدھیر نے تیزی سے کہا۔

انہوں نے دروازے پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ عمارت کے اندرونی حصے سے کسی کے ہذیانی انداز سے زور سے چیخنے کی آواز سنائی دی۔

کمرے سے باہر آتے ہی دونوں ٹھٹک کر رک گئے۔ ان کی سانسیں اس طرح پھولنے لگی تھیں' جیسے وہ بہت دور سے بھاگتے ہوئے آئے ہوں۔

”شاید امرلعل خطرے میں ہے۔“ سدھیر چونک کر اور سانس پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

”شاید اسی لئے اس نے چیخ ماری ہے؟“

سدھیر نے فوراً ہی جیب سے رومال نکال کر ناک پر رکھا اور ایک ہاتھ سے اسے دباتا ہوا عمارت کے اندرونی حصوں کی سمت بجلی کی سی سرعت سے لپکا۔ نرجن بھی خوف کی سی حالت میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ اس کی سانس ابھی تک قابو میں نہیں آئی تھی۔

گھر کے اندر کے تمام کمروں کے دروازے کھلے ہوئے تھے' جیسے انہیں دانستہ کسی وجہ سے کھلا رکھا گیا تھا۔ امرلعل کا کمرہ اندر تھا۔ وہ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں ہوتے ہوئے امرلعل کی خواب گاہ میں گھس گئے۔ اس کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔

ایک مرتبہ پھر وہ ٹھٹک کر رہ گئے۔ ان کی نس نس میں کوئی چیز زن زن کرتی ہوئی اُترتی چلی گئی اور وہ بت بنے رہ گئے۔

ان کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ نرجن کے گلے سے گھٹی گھٹی چیخیں نکلنے لگیں۔ اس کی حالت غیر ہونے لگی۔

ان کے سامنے ایک ایسا دل خراش منظر تھا کہ ان دونوں کی سٹی گم ہو گئی تھی۔ نظریں تھیں کہ ہٹنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

امرلعل کی خواب گاہ میں نائٹ بلب کی مدھم نیلگوں روشنی پھیلی ہوئی تھی جس نے اس منظر کو اور بھیانک اور روح فرسا بنا دیا تھا۔

بستر کے دوسری طرف دیوار سے ٹیک لگائے امرلعل کھڑا تھا' مگر نہیں۔ اسے امرلعل کا لاشہ کہنا زیادہ بہتر تھا' کیونکہ امرلعل کا سر اس کی گردن پر موجود نہیں تھا۔ اس کا ایک ہاتھ پیٹ کی طرف مڑا ہوا تھا۔ اس ہاتھ کی ہتھیلی پر امرلعل کا سر رکھا ہوا تھا۔ ہتھیلی خون سے تر ہو رہی تھی اور گردن سے تازہ تازہ خون ٹپک کر لباس کو تر کر رہا تھا۔ خون تھا کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

کمرے کے گہرے سکوت میں ایک سنسناتی ہوئی سی آواز گونجی۔

”دوستو! تم نے آنے میں بہت دیر کر دی' میں کب سے کس قدر بے چینی اور بے تابی سے انتظار کر رہا تھا' ویسے فکر نہ کرو میرے پیارے دوستو! تم چاہو تو میرے پاس ابھی اور اسی وقت آ سکتے ہو' مجھے تم لوگوں سے مل کر بڑی خوشی ہو گی کیونکہ ہم سدا پرلوک میں ساتھ ساتھ رہیں گے۔ میری یہ آرزو پوری کرنے کے لئے انتظار کی زحمت کر لو۔ رک جاؤ کیونکہ چند لمحوں کے بعد یہ کمرے ملبے کا ڈھیر بن جائے گا۔ کیا تم لوگ فوراً میرے پاس آ رہے ہو؟“

سدھیر نے اس سنسناتی ہوئی آواز سے زیادہ اپنی چھٹی حس کا کہا مانا جو اسے ایک انجانے اور خوفناک خطرے کا احساس دلا رہی تھی۔

وہ اس آواز کے ختم ہونے سے پہلے ہی پلٹا۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ وہ آواز غلط بیانی سے کام نہیں لے رہی تھی۔ پھر اس نے فوراً ہی مضبوطی سے نرجن کا ہاتھ پکڑ لیا اور تیزی سے باہر کی طرف کوندا بن کر لپکا۔ اسے لگا تھا بس کسی بھی لمحے کمرہ ملبے کا ڈھیر بننے والا ہے۔

راستے میں ملازم کے بے حس و حرکت جسم سے ٹکرا کر ان کا توازن بگڑا تھا' کیونکہ ایک تو اندھیرا تھا اور وہ اندھا دھند بھاگ رہے تھے۔ انہوں نے ملازم کی سلامتی کے بارے میں بھی نہیں سوچا تھا۔ ان پر خودغرضی طاری تھی۔ ایک لمحے کی تاخیر ان کی موت کا پیش خیمہ بن سکتی تھی۔ ملازم کو گھسیٹ کر باہر لے جانے تک موت ان کا گلا دبوچ لیتی۔ اس لئے وہ رکے اور

دم لئے بغیر بھاگتے ہی چلے گئے کیونکہ موت ان کے تعاقب میں لپکتی ہوئی آ رہی تھی۔

ان دونوں نے بمشکل بیرونی گیٹ سے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ فضا دفعتاً ایک زوردار دھماکے سے لرز اٹھی۔

نرنجن نے دھماکے کی آواز کے ختم ہو جانے پر رک کر پلٹ کر دیکھنا چاہا' مگر سدھیر نے اسے کھینچ لیا۔ "بھاگو۔ کس لئے اور کیا دیکھنا چاہتے ہو؟"

وہ اب اپنی گاڑی کی طرف سراسیمگی کی حالت میں بھاگا جا رہا تھا۔ نرنجن بھی بدحواس تھا۔ سدھیر کی یہ کوشش تھی کہ پڑوسیوں کی بھیڑ لگنے سے پہلے اپنی گاڑی میں بیٹھ کر فرار ہو جائیں۔ پڑوسی انہیں اور گاڑی کو دیکھ نہ پائیں ورنہ وہ پولیس کے چکر میں پھنس سکتے تھے۔ پڑوسیوں کی گواہی سے ایک نئی افتاد نازل ہو سکتی تھی۔

دوسری بات یہ تھی کہ سدھیر کو احساس تھا کہ امر لعل جس بلا کا شکار ہوا تھا' اب وہ بلا ان کے تعاقب میں ہو گی۔ اپنا سر اپنے کندھوں پر رکھنے کے لئے انہیں بہت کچھ کرنا تھا' اسی لئے سدھیر کے نزدیک ایک ایک لحظہ جان کی طرح قیمتی تھا۔

ان قیمتی لمحوں کو سمیٹنے کیلئے سدھیر نے گاڑی میں سوار ہوتے ہی چابی گھمائی اور اندھا دھند گاڑی دوڑاتا ہوا اس منحوس علاقے سے نکل آیا تھا اور پھر اس نے اسی تیزی سے شہر کا رخ کیا تھا۔ خاصی دیر گزر جانے کے بعد اس نے یہ سوچ کر اطمینان کا سانس لیا کہ بلا سے نجات مل گئی ہے۔

* * *

وشواناتھ نے زر ضمانت بمل گپتا کے بینک اکاؤنٹ میں جمع کرانے سے پہلے اسے فون کر لینا مناسب سمجھا تھا۔

کیونکہ بمل گپتا اگر نقشے کو پوری طرح سمجھا نہیں ہے تو پھر اس مہم پر روانہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ رقم ضائع کرنا بے وقوفی تھی۔

جب اس نے نمبر ملایا تو دوسری طرف سے ریسیور اٹھا کر بمل گپتا نے کہا۔ "میں بمل گپتا بول رہا ہوں' آپ کون صاحب بول رہے ہیں؟"

"بمل گپتا صاحب! میں وشواناتھ بول رہا ہوں۔" وشواناتھ نے جواب دیا۔ "سویرے سویرے زحمت دینے پر معذرت خواہ ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" بمل گپتا نے کہا۔ "ویسے خیریت تو ہے نا؟ آپ نے اتنے

سویرے کیسے یاد کیا؟ کیا رقم کا بندوبست نہیں ہو سکا؟"

"خیریت نہیں ہے' اس لئے آپ کو فون کیا۔ میں تو رات ہی کو کرنے والا تھا۔" وشواناتھ نے جواب دیا۔ "مسئلہ رقم کا نہیں بلکہ کچھ اور معاملہ ہے۔"

"معاملہ کیا ہے' آپ مجھے کسی پس و پیش کے بغیر بتائیں؟" بمل گپتا نے کہا۔ "جو بھی مسئلہ ہو گا' اسے آسانی سے حل کر لیا جائے گا۔"

وشواناتھ نے مختصراً رات کا واقعہ سنایا کہ کس طرح رام داس اور اس کے آدمی گن پوائنٹ پر اس سے نقشہ چھین کر لے گئے ہیں۔

"آپ اتنی سی بات کے لئے اس قدر فکرمند اور پریشان ہو رہے ہیں؟" بمل گپتا نے ہنس کر کہا۔

"آپ پریشان نہ ہوں مسٹر وشواناتھ۔"

"جب نقشہ ہی نہیں تو ہم مہم پر جا کر کیا کریں گے؟" وشواناتھ بولا۔ "اس لئے میں نے سوچا کہ روانگی ملتوی کر دی جائے۔"

"آپ فکر کیوں کرتے ہیں؟" بمل گپتا نے دلاسا دیا۔ "میں نے ذہن میں اس نقشے کی ایک ایک لکیر کی فوٹو اسٹیٹ کر لی ہے۔"

"جی نہیں۔" وشواناتھ نے حیرت سے کہا۔

"آپ خیال نہ کریں' مجھے آپ کی بات کا یقین نہیں آیا' ایسا کیونکر ممکن ہے؟"

"ارے بھائی! کیا کچھ ممکن نہیں ہے' آپ کو یقین نہیں آیا ہے نا؟" بمل گپتا نے کہا۔

"آپ یوں کریں بینک سے ہوتے ہوئے سیدھے میرے غریب خانے پر آ جائیں' میں اتنی دیر میں نقشے کی کاپی تیار کر کے رکھتا ہوں' اسے دیکھ کر آپ کو یقین آ جائے گا۔"

وشواناتھ نے اس کی بات کا یقین کرتے ہوئے گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ بمل گپتا کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی آخر؟

لیکن وشواناتھ تحیر زدہ ضرور تھا کہ یہ کیسے ممکن ہے کیونکہ نقشہ ہاتھ سے بنا ہوا تھا' اس پر ایک دو نہیں بے شمار لکیریں تھیں اور کچھ نشانات بھی تھے' پھر بھی بمل گپتا نے چند لمحوں میں اسے اس طرح سے ذہن نشین کر لیا تھا کہ اس کی ایک ایک لکیر محفوظ ہو گئی تھی اور تمام نشانات بھی۔ وہ دوبارہ کاغذ پر اتار کر اسے یقین دلا سکتا تھا کہ نقشہ محفوظ ہے' اسے دیکھ کر اپنی تسلی کر لیں۔

پھر وشواناتھ کو یاد آیا کہ بمل گپتا نقشہ ہاتھ میں لے کر اپنا چشمہ ڈھونڈنے کے بہانے اندر گیا تھا۔ وہ کوئی چھ سات منٹ ان کی نظروں سے اوجھل رہا تھا۔ کسی بھی کاغذ کی تصویر بنانے یا اسے کسی کاغذ پر کاربن سے ٹریس کرنے کیلئے چند لمحے لگتے ہیں۔ اگر کیمرہ ہو تو اس کی تصویر اتارنے کیلئے ایک منٹ بھی کافی ہوتا ہے۔

وشواناتھ کو یقین آ گیا تھا کہ کچھ اسی طرح کی بات رہی ہوگی۔ اس نے کاربن کی مدد سے نقشہ اتارا ہوگا یا پھر ڈیجیٹل کیمرے سے یا عام کیمرے سے۔ اگر اس کا یہ اندازہ درست تھا تو اس کا مطلب تھا کہ بمل گپتا اس کی توقع سے کہیں زیادہ ذہین آدمی تھا۔ رنجیت نے بھی بمل گپتا کے بارے میں یہی کہا تھا اور اس سے محتاط رہنے پر زور بھی دیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آگے چل کر خطرناک ثابت ہو' اس لئے اس پر اندھا اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

وشواناتھ نے بینک کا وقت ختم ہونے سے پیشتر ہی بمل گپتا کے اکاؤنٹ میں پچاس ہزار کی رقم جمع کرا دی۔ پھر وہ سیدھا بمل گپتا کے گھر پہنچا۔ جب اس نے بمل گپتا سے ملاقات کی تو اس کا بمل گپتا کے متعلق جو اندازہ تھا' وہ درست نکلا۔

"میں بہت محتاط آدمی ہوں اور میرے اپنے کچھ اصول ہیں۔" بمل گپتا کہنے لگا۔

"نقشہ دیکھتے ہی میں نے جان لیا تھا کہ سفر نہ صرف بہت دلچسپ مگر بہت دشوار اور کٹھن ثابت ہوگا' اس لئے نقشے کی ضرورت ہر قدم پر پڑنے کی توقع تھی' پھر بھلا اتنی اہم دستاویز کیسے غیر محفوظ چھوڑ دی جائے۔ اگر یہ گم اور چوری ہو جاتی ہے تو پھر ہمارا سفر بے مقصد ہو جاتا۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ آپ اس نقشے کو اس طرح لئے ہوئے پھر رہے ہیں جیسے یہ دس کا نوٹ ہو' اسی لئے میں نے کیمرے سے اس کی دو تین تصویریں بنالیں۔ مجھے اس بات کی اُمید نہیں تھی کہ آپ اس کی تصویر اتارنے کی اجازت دیں گے اور اگر اجازت مانگی تو ضرور شک میں مبتلا ہو جائیں گے' اس لئے آپ کے علم میں لائے بغیر تصویر بنا لی' اب دیکھئے نا یہ میری احتیاط کتنے کام آئی' اگر تصویر نہ ہوتی تو ہم بے بس اور خالی ہاتھ رہ جاتے۔"

بمل گپتا کی بات بالکل درست تھی اور اس کا اندازہ بھی۔ وشواناتھ نے اعتراف کیا کہ وہ بمل گپتا کو نقشے کی کاپی بنانے کی اجازت ہرگز نہ دیتے اور پھر اس طرح نقشے کے بغیر ان کی مہم شروع ہونے سے پہلے ختم ہو جاتی اور ان کے خواب ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتے۔

"اس نقشے کی مدد سے رام داس اور اس کے ساتھی خزانے کے حصول کیلئے نکل پڑیں گے۔" وشواناتھ نے کہا۔ "ہمیں ان سے پہلے پہنچنا ہوگا۔"

"جی ہاں۔" بمل گپتا بڑی سنجیدگی سے کہنے لگا۔ "رام داس اور اس کے ساتھیوں سے سفر کے کسی نہ کسی موڑ پر ٹکراؤ یقینی ہے۔ اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا' کیونکہ منزل ایک ہی ہے' اس لئے نہایت ضروری ہے کہ ہم ایک دوسرے پر مکمل بھروسہ کریں ورنہ اس کے بغیر کامیابی کے امکانات صفر ہو کر رہ جائیں گے۔ بداعتمادی سے ہمارے درمیان فاصلے بڑھ جائیں گے' یہ بات مدنظر رکھیں۔"

"آپ چاہتے کیا ہیں؟" وشواناتھ نے اظہار خیال کیا۔ "ہم کو کیونکہ آپ پر بھروسہ ہے' اسی لئے آپ کی خدمات حاصل کی ہیں۔"

"میں یہ چاہتا ہوں کہ کسی ایک کو اتفاق رائے سے لیڈر مان لیا جائے۔" بمل گپتا نے تجویز پیش کی۔

"اگر آپ لوگ میرا انتخاب کریں تو آپ پر یہ لازم ہوگا' میری ہر بات بخوشی مانیں اور اس پر عمل کریں کیونکہ آپس میں انتشار ہوگا تو اس سے رام داس اور اس کے ساتھیوں کو فائدہ ہوگا۔ میں نہیں چاہتا کہ ہماری مہم پر پانی پھر جائے' وقت اور پیسہ ضائع ہو' دشمن کو کبھی کمزور یا بے وقوف نہیں سمجھنا چاہئے۔"

وشواناتھ چند لمحوں تک اس کی تجویز کے پہلوؤں پر غور کرتا رہا۔ یہ ضروری تھا کہ کوئی ایک سردار ہو۔ پھر وہ کہنے لگا۔ "جہاں تک سفری معاملات ہیں آپ کی ہر بات اور فیصلے کو ماننا ہمارے لئے ضروری ہوگا کیونکہ ہم آپ کی رہنمائی کے بغیر شاید ہی سفر کر سکیں۔ ہم نے کبھی بحری سفر نہیں کیا اور نہ ہی اس کا کوئی تجربہ ہے لیکن آپ سے ایک درخواست ہے جب بھی آپ دوسرے کسی معاملے میں کوئی فیصلہ کریں تو ہم سے مشورہ ضرور کریں گے۔"

"مجھے آپ کی یہ شرط منظور ہے۔" بمل گپتا نے کہا۔ "رام داس کے میدان میں آ جانے کی بنا پر میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں مہم کا آغاز کرنے کی بنا پر میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں مہم کا آغاز کرنے میں بالکل دیر نہیں کرنی چاہئے۔ ہم یقیناً یہ نہیں چاہیں گے کہ وہ لوگ ہم سے بازی لے جائیں اور ہم منہ دیکھتے رہ جائیں اگر وہ لوگ ہم سے پہلے پہنچ جاتے ہیں تو ہمارے پاس صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا' اس لئے کہ ہم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔"

بمل گپتا کی سوچ احمقانہ حد تک سادگی پر مبنی تھی۔ وشواناتھ کو اندازہ نہ تھا کہ وہ کم ہمتی کی بات کرے گا لیکن کٹھن منزلوں سے گزرنے کے بعد وشواناتھ محض اس بنا پر شکست تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا۔ شکست کو فتح میں بدلنے کے لئے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کرتا تھا۔ یہ

بعد کی بات تھی کہ دوسری پارٹی زیادہ تیز اور ہوشیار ثابت ہوتی ہے یا نہیں' اس لئے وشوا ناتھ نے فیصلہ کیا کہ جلد سے جلد صرف یہ شہر ہی نہیں ملک بھی چھوڑ دینا چاہئے' اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ اب اس نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تو بمل گپتا نے تائید کی۔ وہ خود بھی اس مہم پر جلد سے جلد روانہ ہونا چاہتا تھا۔

اگلے دو دن ان لوگوں نے سفر کی تیاریوں میں صرف کئے۔ بمل گپتا ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔ اس نے ہر ایک کے لئے مختصر مگر ضروری سامان کی فہرست بنادی تھی۔ اس سامان کا کچھ حصہ انہیں وہیں سے خریدنا تھا اور باقی جنگل میں داخل ہونے سے پہلے خریدا جاتا۔ خرید و فروخت کا کام سب نے آپس میں بانٹ لیا۔

رنجیت کے ذمے جو کام سونپا گیا تھا' وہ کاغذات کا تھا۔ اس نے اس کام کو پورا کر لیا تھا۔ جعلی پاسپورٹوں پر نام بھی فرضی تھے لیکن پاسپورٹ ہر لحاظ سے مکمل تھے۔ ان میں ضروری ویزے کا اندراج کرایا جا چکا تھا۔ کچھ اصلی اور نقلی۔ پیسہ خرچ کیا جائے تو کون سا کام نہیں ہو سکتا۔ جن لوگوں نے یہ کام سرانجام دیئے تھے' وہ اس میں بڑے ماہر تھے۔ ان کا پیشہ ہی یہ تھا۔ وہ اپنے فن کی اچھی قیمت وصول کرتے تھے۔

بمل گپتا نے ان سے صاف کہہ دیا تھا کہ سٹیمر سے نہیں جایا جا سکتا۔ اس طرح بہت دن لگ جائیں گے چونکہ رام داس کی پارٹی روانہ ہونے والی ہے اس لئے تاخیر کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا۔ اس لئے طے پایا کہ وادی آمیزن کے اس حصے تک پہنچنے کے لئے جس کا راستہ نقشے میں دکھایا گیا تھا ایکویڈور تک ہوائی جہاز سے جایا جائے' پھر کیٹو کے لئے بس پکڑی جائے۔

کیٹو سے چند میل گھنے اور گنجان جنگلوں میں پیدل چلنا تھا اور ایک طرح سے یہی سفر کا کٹھن ترین مرحلہ تھا۔

* * *

ایئر پورٹ کی عمارت میں قدم رکھتے ہی وشوا ناتھ کا دل دھڑک اٹھا تھا۔ وہ بے حد خوفزدہ ہو گیا تھا۔ اسے اس بات کا خوف تھا کہ اگر پولیس کو اس کے زندہ رہنے کی سن گن مل گئی ہو گی تو شاید ایئر پورٹ سکیورٹی شاف کو اس کا حلیہ بتا کر اسے روکنے کے احکامات جاری کر دیئے گئے ہوں گے۔ اگر ایسا ہوا تو پھر سارا معاملہ چوپٹ ہو کر رہ جائے گا۔

اس نے ان دنوں ہر اخبار کا باریک بینی کے ساتھ مطالعہ کیا تھا' لیکن اس کی نظر کسی ایسی

خبر پر نہیں پڑی تھی جس سے اندازہ لگایا جا سکتا کہ پولیس صحیح راہ پر لگ چکی ہے۔ دوسرے اسے رام داس کی طرف سے بھی دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں وہ پولیس کو اس کی مخبری نہ کر دے' مگر اب اسے رام داس کی طرف سے اطمینان ہو گیا تھا کہ اس نے پولیس کو کوئی اشارہ نہیں دیا ہے۔ کیونکہ اگر اس نے پولیس کو کچھ بتا دیا ہوتا تو پولیس اس کی مخبری پر اسے ہوٹل بدلنے سے پہلے ہی دھر لیتی' کیونکہ ہوٹل بدلنے کا خیال اسے دیر سے آیا تھا' جبکہ اسے رام داس کے جاتے ہی رات ہی کو ہوٹل بدل لینا چاہئے تھا۔ ایک طرح سے رام داس نے اس پر احسان کیا تھا کہ اس کی روپوشی کے مقام کی خبر پولیس کو نہیں کی تھی۔ شاید اس لئے کہ رام داس کو نقشہ بغیر کسی خون خرابے کے مل گیا تھا۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ وشوا ناتھ اشتہاری مفرور ملزم ہے۔

ایک طے شدہ منصوبے کے تحت احتیاطاً وشوا ناتھ اور اس کے ساتھی ایک دوسرے سے الگ تھلگ اور بے نیاز رہے تھے تا کہ کسی ایک وجہ سے دوسرے ساتھی پولیس کے ہتھے نہ چڑھ جائیں۔ بمل گپتا کو اعتماد میں نہیں لیا گیا جب وشوا ناتھ نے اسے ہوائی سفر کی تجویز پیش کی تو وہ نہ صرف حیران ہوا تھا' بلکہ اس نے سخت اعتراض کیا تھا کہ آخر چوروں اور مجرموں کی طرح جانا کیوں ضروری ہے۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

رنجیت بے حد ذہین آدمی تھا۔ اس نے بمل گپتا سے کہا تھا کہ چونکہ ان میں سے کسی کے پاس پاسپورٹ نہیں ہے اور جلد روانہ ہونا تھا۔ اگر اصل پاسپورٹ بنوانے کے چکر میں پڑ جاتا تو اس میں کئی دنوں کی تاخیر کا اندیشہ تھا۔ اس طرح اس بات کا بھی خدشہ تھا کہ کہیں رام داس کی پارٹی ان سے پہلے روانہ نہ ہو جائے' اس لئے جعلی پاسپورٹ اور سفری کاغذات تیار کروانے پڑے تھے۔

بمل گپتا اس وضاحت پر کسی حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔ پھر اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔ اسے آم کھانے سے مطلب تھا' پیڑ گننے سے نہیں۔ وہ یہ بات جانتا تھا کہ جن لوگوں نے جعلی پاسپورٹ اور کاغذات تیار کر کے دیئے ہیں وہ انتہائی ماہر ہیں۔ پولیس اور امیگریشن والے انہیں پکڑ نہیں سکتے تھے تاہم اس نے بھی احتیاط برتی تھی کہ وشوا ناتھ اور اس کے ساتھی سے کوئی بات نہ کرے۔

ایئر پورٹ پر وشوا ناتھ کو پہلی دفعہ بمل گپتا کے آدمی کو دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ بمل گپتا نے اس سے پہلے اپنے ساتھی سے نہیں ملایا تھا۔

وشواناتھ اسے دیکھ کر ہراساں ہو گیا تھا۔ وہ تشویش سے سوچنے لگا کہ اس شخص کے بارے میں وہ کیا رائے قائم کرے؟ آیا یہ شخص مخلص اور ان کا مددگار ثابت ہو گا؟ یا پھر ان کے لئے مصیبت یا راستے کا پتھر بن جائے گا؟ وسوسوں اور اندیشوں کے پھنکارتے سانپ اسے ڈسنے لگے۔ بمل گپتا نے پہلے کیوں اس سے نہیں ملایا تھا؟ اصولی طور پر ملانا چاہئے تھا' شاید اس لئے نہیں ملایا ہو گا کہ وہ اعتراض نہ کرے۔ نہ ملانے کی تہہ میں یقیناً کوئی بات پوشیدہ ہے' پھر وہ بوجھ بھی بن سکتا تھا۔

اس لئے بوجھ بن سکتا تھا کہ وہ نہ صرف بدصورت بلکہ کبڑا آدمی تھا اور پہلی ہی نظر میں اچھا تاثر نہیں چھوڑتا تھا' بلکہ معذور دکھائی دیتا تھا۔

اسے دیکھ کر وشواناتھ کے دل میں جو خیال آیا' وہ یہ تھا کہ اسے چلنے پھرنے کے لئے بھی دوسروں کے سہارے کی ضرورت ہو گی اور شاید اسے گود میں اٹھانا پڑ جائے جبکہ یہ مہم کٹھن' صبر آزما اور جان لیوا تھی۔ جس اذیت سے گزرنا ہو گا' اسے اندازہ تھا۔ ایسے سفر میں بمل گپتا نے اس مصیبت کو ساتھ کیوں لے لیا تھا؟ آخر اس میں ایسی کون سی خوبی اور صلاحیت ہے جس نے بمل گپتا کو متاثر کیا؟

لیکن کچھ ہی دیر بعد وشواناتھ کے سارے اندازے ایک ایک کر کے غلط ثابت ہو گئے اور اس نے اس شخص کے بارے میں جو رائے قائم کی تھی' اسے بدلنا پڑی۔

بمل گپتا نے اپنے ساتھی کا نام سوامی بتایا تھا۔ اس نے بمل گپتا کو ہلنے بھی نہیں دیا تھا۔ وہ اُچک اُچک کر بڑے مضحکہ خیز انداز میں چلتا تھا' ایسا لگتا تھا جیسے وہ کوئی بندر ہے۔ اس میں بڑی مستعدی تھی' وہ اردگرد کی پروا کئے بغیر ہر کام تیزی سے کر لیتا تھا۔ ایئرپورٹ پر طیارے تک بیٹھنے کی ساری کارروائی اس نے مکمل کروائی تھی۔ جس وقت وہ امیگریشن اور ٹکٹ کاؤنٹر پر مصروف تھا' تب بمل گپتا ڈپارچر لاؤنج کے ایک صوفے پر بیٹھا اطمینان سے آنکھیں بند کئے آہستہ آہستہ پائپ کے کش لیتا رہا تھا۔

صرف وشواناتھ ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھی بھی اس کبڑے سوامی کی حرکات و سکنات کو بڑے غور اور حیرت بھری نظروں سے دیکھتے رہے تھے۔ اس کی مستعدی کا انہیں جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ تعلیم یافتہ بھی محسوس ہوا اور پھر اس میں بات چیت کرنے کی صلاحیت بھی موجود تھی۔

ان کے تمام وسوسے اور اندیشے غلط ثابت ہوئے تھے۔ ان کے دل اندر ہی اندر بری

طرح دھڑک رہے تھے کیونکہ امیگریشن افسر انتہائی خرانٹ اور کسی شکاری کتے کی طرح بو سونگھتا محسوس ہوا تھا۔ اس کے سوالات بھی دل ہلانے والے تھے' وہ مہذب تھا اور نہ ہی مسکرانا جانتا تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود ضابطے کی کارروائیوں کی تکمیل کے کسی مرحلے پر انہیں کسی پریشانی کا سامنا کرنا نہیں پڑا تھا اور پھر وہ دونوں ایجنٹ جن سے رنجیت نے کام کرایا تھا' اس بات کی ضمانت دی تھی کہ کوئی گڑبڑ ہو گئی تو وہ سنبھال لیں گے' وہ موجود رہیں گے جبکہ عموماً ایسا ہوتا نہیں تھا۔ وہ دونوں ایجنٹ موجود تھے اور ایک طرف کھڑے ساری کارروائی دیکھتے رہے تھے۔ گو دل کو ڈھارس تھی' لیکن وشواناتھ یہ بات جانتا تھا کہ پکڑے جانے کی صورت وہ دونوں ایجنٹ گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو جائیں گے' پھر ان کا کوئی پرسان حال نہ ہو گا۔

جب تمام کارروائی مکمل ہو گئی تو انہیں طیارے میں سوار ہونے کے لئے بورڈنگ کارڈ دے دیا گیا۔

جب تک وشواناتھ نے طیارے میں قدم رکھ کر اپنی نشست نہیں سنبھالی' اس وقت تک اس کا دل تیزی سے دھڑکتا رہا تھا' پھر اس نے سکون و اطمینان کا گہرا سانس لیا۔

قسمت کی دیوی اس پر مہربان ہو گئی تھی۔ ورنہ وہ دھر لیا جاتا۔ ایک تو رام داس کی مہربانی اور احسان' دوسرا جعلی پاسپورٹ اور سفری کاغذات جس کی شناخت امیگریشن افسر بھی نہ کر سکا تھا۔ پولیس اسے سرگرمی سے تلاش کرنے کے باوجود گرفتار نہ کر سکی تھی۔ بہر حال وہ پولیس کی نظروں اور ان کے چنگل سے نکل آیا تھا۔ وہ صرف ڈکیت ہی نہیں' بلکہ قاتل بھی بن گیا تھا۔ اس نے گوپال کو جس طرح نذر آتش کیا تھا' وہ بھی ایک سنگین جرم تھا۔ اس نے اپنے آپ کو بچانے اور اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے جو کچھ کیا تھا' وہ قانون اور انسانیت کی نظروں میں قابل معافی نہ تھا۔

وشواناتھ نے ایک لمبی مدت تک باہر رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس بات کی پوری اُمید تھی کہ ان کی مہم کامیاب رہے گی اور وہ اتنی دولت حاصل کر لے گا کہ فکر معاش سے آزاد ہو جائے اور پرتعیش زندگی کسی داسی کی طرح اس کی سیوا کرتی رہے گی۔ وہ کسی ایسی جگہ اور کسی ایسے ملک چلا جائے گا جو پرفضا اور تفریحی مقامات سے بھرا ہو' جہاں ہر قسم کی تفریحات میسر ہوں۔ شراب' ہوٹل اور رقص گاہیں ہوں' زندگی کا لطف اور ایک آدمی کے رنگین سپنے یہی تو ہیں۔ دولت کس لئے حاصل کی جاتی ہے؟ بینک ڈکیتی کی واردات کامیاب ہو جاتی تو سات

کروڑ کی رقم ہاتھ لگ جاتی' لیکن اس کے ساتھیوں نے جان بچانے اور گرفتاری سے بچنے کیلئے تھیلے بینک میں پھینک دیئے تھے۔ صرف وہ اپنا تھیلا لے جاسکا تھا۔ ہندوستان میں جو بڑے بڑے شہر اور پُرفضا مقامات تھے' وہاں ہر قسم کی تفریحات موجود تھیں۔ دو تین برس عیش کی زندگی مزے اور آسودگی سے گزاری جاسکتی تھی۔ اب جو حصہ ملے گا' اس خزانے سے سو برس تک عیش کیا جاسکتا تھا۔

تابناک مستقبل کا دارومدار اس خزانے کو حاصل کرنے پر تھا۔ اسے سو فیصد مہم کی کامیابی کی امید تھی۔ بمل گپتا اور اس نے جو منصوبہ بنایا تھا' وہ ناکام نہیں ہوسکتا تھا۔

وہ ان سوچوں میں گم تھا کہ بمل گپتا کے برابر والی نشست پر آ بیٹھا جو خالی تھی۔ اس پر کوئی مسافر نہ تھا۔

بمل گپتا کی دانست میں جہاز پر سوار ہونے اور ہندوستان سے نکل جانے کی صورت میں تمام ممکنہ خطرات ٹل گئے تھے۔ کم از کم ایکویڈور پہنچنے تک وہ محفوظ تھے۔ اب دوسری چیکنگ ان کاغذات کی وہیں ہونی تھی۔ بمل گپتا کے خیال میں وہاں اتنی سخت چیکنگ نہیں ہوتی تھی' جتنی ہندوستان میں ہوتی تھی۔ بمل گپتا کی یہ بات سن کر وشوا ناتھ کے دل کو مزید تقویت پہنچی تھی۔

''یہ فلائٹ براہ راست ایکویڈور کے لئے نہیں ہے؟'' بمل گپتا نے کہا۔ ''میں یہ بات تمہیں پہلے ہی بتاچکا ہوں۔''

''کیا ہمیں جہاز بدلنا ہوگا؟'' وشوا ناتھ نے سوال کیا۔ ''اگر ایسا ہے تو اس ٹریول ایجنٹ نے نہیں بتایا' صرف اس نے رنجیت کو ٹکٹ تھما دیئے تھے۔''

''لندن میں جہاز بدلنا ہوگا۔'' بمل گپتا نے جواب دیا۔ ''ہماری پہلی منزل لندن ہوگی لیکن ہم وہاں صرف ایک گھنٹہ قیام کریں گے۔ اس ایک گھنٹے میں ہم لندن شہر دیکھ سکتے ہیں اور نہ جاسکتے ہیں' کیونکہ ہمارے پاس ٹرانزٹ ویزا نہیں ہے لندن کا۔''

''یہ تو بہت برا ہوا۔'' وشوا ناتھ کے پسینے چھوٹ گئے۔

''آخر کس لئے برا ہوا؟'' بمل گپتا نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''اس لئے کہ لندن ایئرپورٹ پر سنا ہے کہ کاغذات اور پاسپورٹ کی بڑی سخت چیکنگ ہوتی ہے۔'' وشوا ناتھ پھنسی پھنسی آواز میں کہنے لگا۔ ''وہاں ایسے ماہر افسر ہوتے ہیں کہ صرف ایک نگاہ میں جعلی پاسپورٹ اور کاغذات کا پتہ لگالیتے ہیں۔ ان کے پاس جدید ترین کمپیوٹر

سسٹم ہے جس کی مدد سے وہ ہندوستان کے پاسپورٹ آفس سے معلومات حاصل کرلیتے ہیں۔ یہ تو ہم بڑے بُرے پھنسے بمل گپتا۔''

''نہیں۔'' بمل گپتا مسکرادیا۔ ''شانتی رکھو' اس چیکنگ کی نوبت نہیں آئے گی۔ تمہارا ڈر' خوف اور اندیشہ غلط ہے' اسے دل سے نکال دو۔''

''آخر چیکنگ کی نوبت کیوں نہیں آئے گی؟''

وشوا ناتھ نے ٹشو پیپر سے عرق آلود پیشانی صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

''اس لئے کہ جن مسافروں کو لندن ایئرپورٹ سے جہاز بدلنا ہوتا ہے' انہیں ذرا دیر بعد اس طیارے سے اتار کر دوسرے طیارے میں سوار کرا دیا جاتا ہے۔'' بمل گپتا اسے بتانے لگا۔ ''انہیں صرف ٹرانزٹ لاؤنج تک لے جایا جاتا ہے' وہاں کسی قسم کی چیکنگ نہیں کی جاتی ہے۔''

''اوہ بھگوان۔'' یہ سن کر اس نے گہرا سانس لیا۔ ''میری تو حالت خراب ہوگئی تھی۔''

''لیکن میں ایک انتہائی تشویشناک اور پریشان کن بات بتانا بھول گیا۔'' بمل گپتا نے کہا۔ ''مصروفیت ہی کچھ ایسی تھی اور پھر اس بات کا علم روانگی سے تھوڑی دیر پہلے ہوا تھا۔ ایک دو گھنٹے پہلے بھی ہوجاتا تو بتا چکا ہوتا۔''

''آخر ایسی کیا تشویشناک اور پریشان کن بات ہے؟'' وشوا ناتھ کا دل کسی انجانے خوف سے دھڑکنے لگا۔

''رام داس ایئر فرانس کی صبح والی فلائٹ سے اپنے تین ساتھیوں کے ہمراہ ایکویڈور گیا ہے۔'' بمل گپتا سرگوشی میں کہنے لگا۔ اس کا روٹ مختلف ہے اور شارٹ بھی ہے' وہ ہم سے پہلے پہنچے گا شاید اسے ہمارے بارے میں بھنک مل گئی ہوگی' اس لئے وہ جلد روانہ ہوگیا۔''

''لیکن اس کا علم آپ کو کیسے اور کیونکر ہوا؟'' رنجیت نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔ ''رام داس بہت ہی شاطر قسم کی چیز ہے۔''

''میں دشمن کو بے وقوف سمجھتا ہوں اور نہ ہی اس سے غافل رہتا ہوں۔'' بمل گپتا نے جواب دیا۔ ''جب رام داس نے وشوا ناتھ سے نقشہ حاصل کیا تھا' تب سے وشوا ناتھ کو نہ صرف ہوشیار ہوجانا تھا بلکہ اپنی آنکھیں بھی کھلی رکھنا تھیں۔ انہوں نے نہیں رکھیں لیکن میں نے کھلی رکھیں۔ رام داس نے نقشہ اس لئے تو حاصل نہیں کیا تھا کہ اس کا تعویذ گنڈا بنالے۔ میں نے سوامی کو گزشتہ تین دن سے ایئرپورٹ کی نگرانی پر مامور کیا ہوا تھا۔ اس نے تمام انٹرنیشنل

فلائٹس چیک کی تھیں۔ میں نے اسے رام داس اور اس کے ساتھیوں کے حلیئے بتا دیئے تھے‘ میں ان سب سے خوب واقف تھا۔‘‘

’’کیا ایسا ممکن نہیں کہ سوامی ملتے جلتے حلیوں کی وجہ سے دھوکا کھا گیا ہو؟‘‘ وشواناتھ نے اپنا شبہ ظاہر کیا۔’’کیا وہ انہیں ذاتی طور پر جانتا تھا؟‘‘

’’میں جتنا سوامی کو جانتا ہوں شاید ہی کوئی اسے اتنا جانتا ہو۔ سوامی کو دھوکا دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کی آنکھوں میں دھول جھونکی جا سکتی ہے۔‘‘ بمل گپتا بڑے اعتماد سے کہنے لگا۔’’اس کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ اسے کیسا ہی کوئی کام سونپیں‘ وہ اسے ادھورا نہیں چھوڑتا۔ جب میں نے اسے پارٹی لیڈر رام داس کا نام بتایا تو اس نے اطمینان کرنے کے لئے معلومات حاصل کیں۔ وہ رام داس ہی کی پارٹی تھی۔ رام داس اور اس کے ساتھیوں کو نام بدلنے اور جعلی پاسپورٹ اور کاغذات بنانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔‘‘

بمل گپتا کے لہجے میں ہلکے سے طنز کی جھلک وشواناتھ نے صاف محسوس کی تھی‘ مگر وہ سنی اَن سنی کرنے کے سوا اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ رنجیت بھی خاموش رہا۔

پھر بمل گپتا نے سوامی کا ان سے رسمی تعارف کرایا تو وشواناتھ نے بھی اسے پرساد اور نریندرا سے ملوایا۔

پھر تھوڑی دیر میں وہ سب ایک دوسرے سے بے تکلف ہو گئے اور گپ شپ کرنے لگے۔ ان کے درمیان اجنبیت کی دیوار نہیں رہی۔

وشواناتھ نے محسوس کیا کہ سوامی تھوڑی دیر بعد ہی غیر محسوس انداز سے ان سے الگ ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد اس کی جیسے ہی غیر حاضری محسوس ہوئی تو اس نے سوامی کو تلاش کیا تو وہ نظر آ گیا۔ وہ ان سے کچھ دور ایک خالی نشست پر بیٹھا کسی رسالے کی ورق گردانی کرتا دکھائی دیا۔ ہوائی جہاز میں خاصی نشستیں خالی پڑی تھیں۔ وشواناتھ کو سوامی کی یہ حرکت ناگوار اور غیر فطری لگی۔ وہ وہاں بیٹھا کسی مکروہ صورت کے بندر کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔

وشواناتھ کو بمل گپتا کی یہ بات یاد آئی کہ آدمی کو ہمیشہ اپنی آنکھیں کھلی رکھنے میں غافل نہیں ہونا چاہئے‘ پھر اس نے دل میں فیصلہ کیا کہ وہ سوامی کو نظر انداز نہیں کرے گا‘ اپنی آنکھیں کھلی رکھے گا کیونکہ وہ نہ صرف بندر کی طرح ہے بلکہ اس کی فطرت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔

ایکویڈور میں ان کے پاسپورٹ‘ سفری کاغذات اور سامان کا رسمی انداز سے جائزہ لیا

گیا چونکہ وہ ہندوستانی مسافر تھے اور ہندوستان کے اس ملک سے بڑے خوشگوار تعلقات تھے۔ اس لئے انہیں بڑی گرم جوشی سے خوش آمدید کہہ کر فارغ کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے وہاں ایک دن آرام کیا۔ دراصل اس لمبے سفر نے انہیں بہت تھکا دیا تھا۔ آرام کرنا بے حد ضروری ہو گیا تھا۔

زرمبادلہ کی انہیں کوئی کمی نہیں تھی‘ کیونکہ وشواناتھ اپنی ساری پونجی ڈالر میں تبدیل کروا کر لے آیا تھا۔ مقامی کرنسی کی بھی ضرورت تھی جو ڈالر کے عوض باآسانی حاصل کر لی گئی تھی۔ مقامی کرنسی کی ضرورت اس لئے تھی کہ وہ چھوٹے موٹے اخراجات اور بخشش دینے کے کام آئے۔

ایکویڈور‘ لاطینی امریکہ کا چھوٹا سا ملک تھا‘ جو ان میں سے کسی کو پسند نہیں آیا تھا۔ اس کی وجہ یہاں کا گرم موسم اور حبس تھا۔ وہ کسی سرد ملک سے نہیں آئے تھے۔ ہندوستان میں بھی سخت گرمی پڑتی تھی‘ لیکن ایسا واہیات موسم وہاں نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے وہ جلد ہی پریشان ہو گئے تھے۔

حیرت کی بات تھی کہ سوامی انہیں کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ اچانک گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو گیا تھا۔ اس کا اچانک اور پُراسرار طور پر غائب ہو جانا اس کے اور رنجیت کے لئے تشویشناک تھا۔ انہیں وسوسے اور اندیشے ڈسنے لگے تھے۔ بمل گپتا نے بھی نہیں بتایا کہ وہ کہاں اور کیوں چلا گیا ہے؟ رنجیت نے بمل گپتا سے پوچھنا چاہا تو وشواناتھ نے کسی مصلحت کے پیش نظر اسے منع کر دیا۔ وہ بمل گپتا سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔

پھر وہ ان سے اس وقت ملا تھا‘ جب وہ کیٹو کے لئے بس میں سوار ہو رہے تھے۔

وشواناتھ کی آنکھوں میں شکوک دیکھ کر بمل گپتا نے وضاحت کی۔’’سوامی کو رام داس پارٹی کے سلسلے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے الگ رہنا پڑا تھا۔ یہ ضروری تھا کہ ان کے بارے میں جانکاری حاصل کریں۔‘‘

’’وہ کیا کچھ معلوم کر کے آیا ہے؟‘‘ وشواناتھ نے پوچھا۔’’میرا خیال تھا کہ شاید رام داس کی پارٹی سے مڈبھیڑ ہو جائے گی۔ یہ ایک طرح سے اچھا ہی ہوا۔‘‘

’’ایسا ہونے والا تھا۔‘‘ بمل گپتا کہنے لگا۔’’رام داس بڑا ہوشیار اور کائیاں ہے‘ اس نے ہمیں دیکھ لیا ہوگا جس کی ہمیں خبر نہ ہو سکی‘ اس لئے وہ پہلی بس سے کیٹو روانہ ہو چکا ہے اور اب جنگل میں گھسنے کی تیاری کر رہا ہوگا۔ اس کی اس بات سے پتا چلتا ہے کہ اسے لمبے سفر کا

تجربہ ضرور ہے۔ اگر میں تنہا ہوتا تو وہی کرتا جو رام داس نے کیا ہے' وہ جو کچھ کر رہا ہے' اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ صحیح سمت جا رہا ہے۔''

* * *

بس کا یہ سفر نہ صرف بہت طویل بلکہ اذیت ناک محسوس ہوا۔ انہیں ایسا لگ رہا تھا کہ یہ سفر کبھی ختم نہ ہوگا۔ لحہ لحہ کربناک بن گیا تھا۔

سفر کے دوران نریندرا پر ملیریا کا حملہ ہوا۔ راستے میں مچھروں کی بہتات تھی۔ جب وہ کیٹو پہنچے تو نریندرا تیز بخار سے ہلکان ہو رہا تھا۔

ایسی صورت میں نریندرا کو آرام دینا اور اس کا علاج کرنا بھی ضروری تھا۔ اس لئے مجبوراً انہیں دو دن ایک سرائے میں بسر کرنے کے لئے رکنا پڑا۔ وہ سرائے کسی بھی لحاظ سے آرام دہ نہ تھی' پر مجبوری تھی۔ ان کے سامان میں ہر قسم کے بخار اور زخموں کی ادویات اور انجکشن موجود تھے۔ اس وقت بھی بمل گپتا کا تجربہ کام آیا' وہ کسی ڈاکٹر سے کم نہیں تھا' جس نے بڑی کامیابی سے نریندرا کا علاج کیا۔

سوامی جو پُراسرار طور پر پھر اچانک غائب ہو گیا تھا' جب واپس آیا تو اس کے پاس چونکا دینے والی اطلاع دی۔

''رام داس کی پارٹی جو جنگل میں گھسی تھی' وہ راستہ بھول گئی۔'' سوامی نے بتایا۔

''یہ بات تمہیں کیسے اور کس سے معلوم ہوئی؟'' وشواناتھ نے سوال کیا۔ ''کیا تم نے جنگل میں گھس کر اس کا تعاقب کیا تھا؟''

''جی نہیں۔'' سوامی نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں کیوں ان کے تعاقب میں جاتا؟ رام داس نے کچھ مقامی لوگوں کو ساتھ لے جانے کیلئے ان کی خدمات حاصل کی تھیں۔ اس کی پارٹی میں جو لوگ شامل تھے' ان میں سے چند خستہ حال واپس پہنچے ہیں۔ ایک نے مجھے بتایا ہے کہ رام داس اور اس کا ایک ساتھی جنگل میں کہیں کھو گئے ہیں۔ ایک ساتھی کو دلدل نے شکار کر لیا ہے اور ایک کو زہریلے سانپ نے ڈس لیا ہے۔''

سوامی نے بڑی سنجیدگی سے یہ تمام باتیں بتائی تھیں۔ بمل گپتا نے تاسف سے یہ ساری باتیں سنی تھیں۔

وشواناتھ اور اس کے ساتھیوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے تھے' جنہیں بمل گپتا نے بھی محسوس کیا ہوگا' کیونکہ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی ناگواری ابھر آئی تھی۔ لیکن اس کی

آنکھیں سپاٹ اور ہر قسم کے جذبات سے عاری رہی تھیں۔

''اب رام داس اور اس کی پارٹی کو مردہ ہی سمجھو۔'' بمل گپتا نے ترش روئی سے کہا۔

''وہاں زہریلے سانپ بہت ہوتے ہیں۔ رام داس بھی کسی سانپ کا شکار ہو سکتا ہے یا پھر دلدل اسے اپنی آغوش میں لے سکتی ہے۔''

''خس کم جہاں پاک۔'' نریندرا نے سرشاری سے کہا۔ ''اب ہمارا راستہ صاف ہو گیا' راستے کا بہت بڑا پتھر ہٹ گیا' جس کی ہمیں امید نہیں تھی۔''

''رام داس کو بڑی جلدی تھی۔'' رنجیت نے کہا۔ ''میرے خیال میں اس نے کوئی منصوبہ بندی نہیں کی تھی' جس کی وجہ سے اسے ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ ایسی مہم کے لئے بمل گپتا جیسی منصوبہ بندی کی ضرورت ہوتی ہے' ناکہ منہ اٹھائے چل دیئے۔''

''ہاں۔'' وشواناتھ نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''مجھے اندازہ نہ تھا کہ رام داس سے ایسی حماقت سرزد ہوگی' وہ تو بڑا ہوشیار تھا۔''

وشواناتھ نے اپنی بات ختم کی تو اس کی نگاہ معاً سوامی پر پڑی' جو اسے اور اس کے ساتھیوں کو عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔

پتا نہیں اس کی نظروں میں کیا تھا کہ وشواناتھ نے اپنے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑتی محسوس کی۔

* * *

سدھیر بڑے مضطربانہ انداز میں ٹہل رہا تھا۔ بے چینی کی حالت میں بار بار گھڑی بھی دیکھتا جا رہا تھا۔ اس کی بے چینی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ اس بات سے نرنجن نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ اسے کسی کا انتظار ہے۔ یہ بات طے تھی کہ وہ کوئی عورت نہ تھی' بلکہ ایسی شخصیت تھی جس سے ملنے کے لئے وہ اس قدر بے قرار ہو رہا تھا۔ اس نے سدھیر میں کبھی ایسی بے تابی دیکھی اور نہ محسوس کی تھی۔ وہ کونسی شخصیت ہے' وہ نہیں جانتا تھا۔

امرلعل کے خونیں حادثے کو پورا ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ یہ ہفتہ دونوں نے ساتھ ہی گزارا تھا۔ وہ ایک دن کیا ایک گھنٹے کیلئے سدھیر سے الگ نہیں رہا تھا۔

جب نرنجن کی نظروں میں وہ بھیانک اور خونیں نظارہ گھوم جاتا۔ سربریدہ لاش۔ گردن سے خون کی بوندیں ٹپ ٹپ گر کر جو امرلعل کے کپڑوں کو تر کر رہی تھیں۔ یہ یاد کر کے نہ صرف اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے' بلکہ اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ اس کی عقل کام نہیں

کرتی تھی کہ امر لعل کا ایسا بھیانک انجام کیوں اور کس لئے ہو؟ وہ بلا بھی ان کا وہی انجام کرتی
جو امر لعل کا کر چکی تھی۔ سدھیر کی حاضر دماغی اور چھٹی حس نے انہیں بچا لیا تھا۔ صرف ایک
لمحے کی بات تھی۔ ان کی لاشیں ملبے کے ڈھیر سے ملتیں یا پھر انہیں بلا مزے لے لے کر کھا
جاتی۔ امر لعل کے ہاں سے واپسی پر انہوں نے فوری طور پر احتیاطی تدابیر کی تھیں۔

پہلی بات انہوں نے یہ طے کی تھی کہ جب تک امر لعل کا قاتل ہاتھ نہیں آ جاتا' وہ زیادہ
سے زیادہ وقت ساتھ گزاریں گے۔

دوسری بات یہ تھی کہ فوری طور پر قیام گاہ کی تبدیلی ضروری ہے' اس لئے انہوں نے اپنی
ضرورت کا سامان جلدی جلدی سمیٹا اور ایک ہوٹل میں جا ٹھہرے تھے۔ یہ ہوٹل شہر کے گنجان
اور بارونق علاقے میں واقع تھا۔ ہر وقت مسافروں سے بھرا رہتا تھا۔ ہوٹل میں کمرہ لینے سے
انہیں بڑا ذہنی سکون ملا تھا۔ پرانی قیام گاہ پر ان کے لئے ایک رات کیا ایک گھنٹہ گزارنا عذاب
بن جاتا۔ اس بات کا خوف و خدشہ تھا کہ وہ بلا یہاں نہ پہنچ جائے۔

پھر یہ بات بھی طے پائی تھی کہ بزدلوں کی طرح یا چوہوں کی طرح بلوں میں گھس کر نہیں
بیٹھیں گے۔ آخر خوف و دہشت اور خانہ بدوشی کی زندگی کتنے دن گزاری جا سکتی ہے۔ گھٹ
گھٹ کر مرنے سے بہتر ہے کہ کھلے میدان میں مقابلہ کریں۔ یہ خطرہ جو موت کی طرح سر پر
منڈلاتا رہے گا' اس کا سدباب کرنے کے لئے ہاتھ' پیر مارنے ہوں گے ورنہ اس سے بہتر تھا
کہ خودکشی ہی کر لی جائے۔

سدھیر کو یہ بات معلوم تھی کہ یہ ساری شرارت اس بدمعاش رام داس کی ہے۔ اس نے
امر لعل کو انتہائی درندگی کے ذریعے موت کی نیند سلایا ہے۔

اس کے علاوہ کون تھا جو ماضی میں گزرے ہوئے واقعات کی ایک ایک تفصیل سے
واقف تھا' اس کے سوا کون تھا' جسے ان سے ذاتی پرخاش تھی' ایسی پرخاش جو انتہائی اقدام پر
رک سکتی تھی۔ وہ ایک ظالم اور بے رحم اور سفاک شخص تھا۔

صرف ایک بات ایسی تھی' جس سے قدرے شک گزرتا تھا کہ یہ حرکت رام داس کی نہیں
ہو سکتی۔ اور یہ بات تھی کہ آخری ملاقات پر انہوں نے رام داس کو جس حالت میں چھوڑا تھا' وہ
ایسی نہیں تھی کہ وہ کسی کی مدد کے بغیر چند قدم بھی چل سکتا۔ دنیا کا ماہر سے ماہر سرجن بھی کچھ
نہیں کر سکتا تھا۔ لاکھوں کیا کروڑوں روپے بھی خرچ کرنے کے باوجود اسے چلنے کے قابل
نہیں بنا سکتا تھا۔

لیکن ایسی حالت میں بھی رام داس ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر جل دے گیا
تھا۔ اس لئے وہ رام داس کی طرف سے ہر قسم کی کارروائی کی توقع رکھنے میں حق بجانب تھا۔
سدھیر یہ سب کچھ سوچ رہا تھا اور اس کی رگوں میں لہو ابلنے لگا تھا۔

"کیا کسی کا انتظار ہے؟" نرنجن سے برداشت نہ ہو سکا' بالآخر اس نے سدھیر سے پوچھ
ہی لیا۔

"ہاں۔ مجھے امید ہے کہ آج رام داس کا پتا چل جائے گا۔" سدھیر نے اس کے پاس
بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"کیسے۔؟" نرنجن کا چہرہ کھل اٹھا اور اسے یہ سن کر بڑی خوشی سی محسوس ہوئی تھی۔ "ذرا
وضاحت سے بتاؤ۔"

"کل تمہیں میں شاپنگ کرانے کے لئے نہیں نکلا تھا؟" سدھیر نے منہ بنایا۔ اس کے
چہرے پر ناگواری پھیل گئی' جیسے نرنجن کا سوال کھل گیا ہو۔ اصل بات یہ تھی کہ ہوٹل کی زندگی
سے وہ تنگ آ گیا تھا' اسے ہوٹل کا ماحول بڑا پراگندہ سا لگا تھا۔ کمروں میں شراب' لڑکیاں اور
عورتیں لائی جاتی تھیں۔ وہ کس قسم کی تھیں' ان کی وضع قطع اور چہروں مہروں سے یہ بات
صاف ظاہر ہوتی تھی۔ دوسرے کمروں میں جواء ہوتا تھا۔ نشہ کرنے والوں نے کمرہ لیا ہوا تھا۔
اسے کبھی شراب سے دلچسپی رہی تھی اور نہ ہی عورت سے اور نہ ہی نشے اور جوئے سے۔ ورنہ
غلط راستوں پر چلنے والوں کی طرح اسے بھی ان سے لگاؤ' شوق اور دلچسپی ہو جاتی۔

سدھیر اس کے اعتراض پر ہوٹل بدل لیتا تھا' لیکن اس کی دوڑ نچلے درجے کے اس قسم
کے ہوٹلوں تک محدود تھی۔ شروع میں تو اس نے دلچسپی لی تھی' کیونکہ دل بستگی اور نظروں کی
پیاس بجھانے اور وقت گزاری کا سامان تھا' لیکن سدھیر جس قسم کے لوگوں سے ملاقاتیں کر رہا
تھا' وہ اسے ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے۔ وہ ان سے کتراتا تھا' اسے ان کی صورت دیکھنا گوارا
نہ تھی۔ وہ ان سے کیا بات کرتا۔ سدھیر اس بات کو محسوس کرنے لگا۔ کل تو اس نے گاڑی سے
اترتے ہوئے نرنجن کی صورت دیکھی تھی' جب نرنجن نے منہ بنا لیا تھا تو سدھیر نے اسے اس
ناگواری کی وجہ سے گاڑی میں ہی چھوڑ دیا تھا۔

وہ خوف جو ایک ہفتے سے اس کے اعصاب کو اپنے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھا' اب
خواب کی بات معلوم ہونے لگا تھا اور خوف کی گرفت کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ اعصاب بھی
قدرے ہلکے ہوتے جا رہے تھے۔ اب اسے آزادی سی محسوس ہو رہی تھی۔

"تو تمہیں کل کوئی کامیابی حاصل ہوئی تھی؟"

نرنجن نے خجالت آمیز لہجے میں پوچھا۔ "اب تم نے کیا سوچا؟ تمہارے کیا ارادے ہیں؟"

"ہاں۔ گھپ اندھیرے میں ایک امید کی کرن نظر آئی تھی۔" سدھیر نے جواب دیا۔ "کل ایک شخص نے رام داس سے واقفیت اور جان پہچان کا اظہار کیا تھا۔ گزشتہ پانچ برس پہلے جو ناکامی ہوئی تھی' اس کے بارے میں سوچا تو احساس ہوا کہ اس کا سبب یہ تھا کہ ہماری کسی کوشش میں کوئی جان نہیں تھی۔ جو کام بھی کیا' وہ ایک لحاظ سے ادھورا ہی رہا تھا اور پھر رام داس نے روپوشی اختیار کر رکھی تھی' لیکن اس وقت بھی ہماری سوچ درست تھی اور آج بھی درست ہے۔ رام داس کو ہوٹل اور ریسٹورنٹ کا وسیع تجربہ تھا۔ وہ وہاں مل سکتا تھا۔

تب میں نے بہت سوچا کہ رام داس کو تلاش کرنے کیلئے کیا تدبیر کرنی چاہئے؟ پھر مجھے ایک آدمی کا خیال آیا۔ میں نے اس سے رابطہ کیا' اس آدمی کا کام سمگل کی ہوئی شراب ہوٹلوں میں سپلائی کرنا تھا۔ کل ایک بڑی رقم کے لالچ میں اس نے مجھے رام داس کا پتا دینے کا وعدہ کیا تھا۔ میں اس کا انتظار کر رہا ہوں' مجھے امید ہے کہ وہ بس آتا ہی ہوگا۔" سدھیر نے بڑی تفصیل سے نرنجن کو بتایا۔

"اگر وہ شخص نہیں آیا تو؟" نرنجن کے چہرے پر استعجاب سا چھا گیا۔ "پھر تم کیا کرو گے؟ کیا تم نے یہ بات سوچی ہوئی ہے؟"

"اس کے نہ آنے کا کوئی جواز ہی نہیں ہے۔" سدھیر نے جواب دیا۔ "کیوں نہیں آئے گا؟ اس کا باپ بھی کسی کتے کی طرح دم ہلاتا ہوا آئے گا۔"

"یہ بات تم اتنے وثوق سے کس بنا پر کہہ رہے ہو؟" نرنجن نے پوچھا۔ "مجھے اس کے آنے کی امید نہیں ہے۔ تم کتنی دیر سے اس کے انتظار میں بیتاب اور بے قرار ہو رہے ہو۔ اسے آنا ہوتا تو کب کا آ چکا ہوتا۔"

"اس بنا پر کہ روپے پیسے کا لالچ جتنا برا ہوتا ہے' اتنا کوئی اور نہیں۔" سدھیر نے تیز لہجے میں جواب دیا۔ "دولت کے لئے بیوی' ماں اور بہن کو بیچ دیا جاتا ہے بلکہ دھرم تک۔ وہ شخص کوئی اوتار نہیں ہے۔ وہ اپنا ضمیر بیچتا ہے' ضرورت مند ہے کیونکہ وہ بری عادتوں کا شکار ہے' شراب کے لئے اسے رقم کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔"

"تمہاری بات میری سمجھ میں آ گئی ہے۔" نرنجن نے کہا۔ پھر وہ سدھیر کو غور سے دیکھتے

ہوئے بولا۔ "پتا معلوم ہو جانے کے بعد تمہارا کیا پروگرام ہوگا۔؟"

"فی الحال صرف ملاقات۔ پھر وہ خود ہی طے کرنے میں ہماری مدد کرے گا کہ ہم اس کا کیا کریں؟" سدھیر نے دھیمے لہجے میں کہا۔ اس کے لہجے میں سفاکی بولنے لگی تھی' جو اس کی سوچ کی غماز تھی۔ اس کی آنکھوں میں سرخی نمایاں ہو گئی تھی۔

نرنجن نے ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی کی لہر چاقو کی نوک کی طرح اترتی محسوس کی' مگر اس کے ساتھ ہی اس نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ اس کے دل کو شانتی سی محسوس ہوئی۔ اسے یہ خیال فرحت بخش لگا کہ وہ جلد ہی ہوٹل کی بوجھل فضا سے نجات پا کر اس رنگین دنیا میں لوٹ آئے گا' جس کا وہ عادی ہو گیا تھا۔ گو ہوٹلوں میں ہر قسم کی رنگینی تھی' لیکن اسے کسی وجہ سے بھائی نہیں تھی۔ ہوٹل کا کمرہ جیل کی کال کوٹھری سے بھی گراں اور بھاری محسوس ہوتا تھا' آزادی کا تصور اس کے لئے کسی نعمت سے کم نہیں تھا۔

اس اذیت ناک انتظار کی گھڑیاں تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ختم ہوئیں۔ نرنجن کا خیال تھا کہ سدھیر کا ملاقاتی خوبصورت نہ سہی' وجیہہ ضرور ہوگا' جسمانی طور پر مضبوط اور قدرے دراز قد بھی ہوگا' چہرے پر سختی اور سفاکی ہوگی' لیکن وہ اس کے برعکس نکلا۔ اس کا ملاقاتی شکستہ اعصاب کا ایک کمزور اور مجہول سا آدمی تھا۔ وہ بدمعاش کے بجائے برسوں کا مریض معلوم ہوتا تھا۔

"تم نے بہت دیر انتظار کرایا۔" سدھیر نے شکایتی لہجے میں کہا۔ "میں ناامید ہو گیا تھا' تم نے اتنی دیر کیوں کر دی؟"

اس نے جواب دینے سے پہلے نرنجن کو مشکوک نظروں سے گھورا پھر اس نے سدھیر کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"مجھے دیر اس لئے ہوئی کہ میں اچھی طرح اپنا اطمینان اور تصدیق چاہتا تھا کہ رام داس اس وقت کہاں ہوگا؟ میں جھوٹ بولنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"تو کیا تصدیق ہو گئی اس کمینے اور ذلیل شخص کے بارے میں؟" سدھیر نے نفرت بھرے لہجے میں بے تابی سے پوچھا۔

"وہ کئی دنوں سے نظر نہیں آیا۔" اس نے جواب دیا۔ "لگتا ہے کہ وہ کسی وجہ سے خوفزدہ ہو کر روپوش ہو گیا ہے۔ آخری مرتبہ اسے جس آدمی نے دیکھا تھا' اس کا کہنا ہے کہ وہ بہت گھبرایا ہوا اور ہراساں دکھائی دیتا تھا۔ ہر کسی کو مشکوک نظروں سے دیکھتا تھا۔"

"ایسا ہونا بھی چاہئے۔" سدھیر نے دانت پیستے ہوئے زہریلے لہجے میں کہا۔ "اس لئے کہ اس نے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اس کا پتا چلانے میں ناکام رہے۔" سدھیر کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"کیا تم صرف یہی بتانے کیلئے آئے تھے؟"

"میں ناکام نہیں ہوا۔" وہ بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ رام داس اپنی ہی کوٹھی میں کسی چوہے کی طرح چھپا ہوا ہے۔"

"اس یقین کی وجہ؟"

سدھیر نے اسے بے یقینی سے گھورا۔

"آج ہی ہوٹل کے بعض مسائل کے بارے میں اس نے اپنے جنرل منیجر کو فون کیا تھا۔ وہ بعض معاملات میں فون پر ہی رابطہ کرتا ہے۔" وہ بولا۔

"لیکن اس بات کا تمہیں کیسے علم ہوا؟"

سدھیر نے پوچھا۔

"تم نے کس طرح سن لیا؟"

"آپ مجھے اپنی بات پوری کرنے دیں۔"

اس نے جواب دیا۔

"ان کے درمیان صرف چند منٹ تک بات ہوئی تھی۔ سوئچ بورڈ کے آپریٹر سے میری بہت پرانی شناسائی ہے۔ میں نے اس سے کہہ رکھا تھا کہ مجھے رام داس کا کھوج لگانا ہے' اس لئے اس نے مجھے فوراً اطلاع دی کہ رام داس کا فون آیا تھا۔ میں نے ایک آدمی کو اس کی کوٹھی کی طرف دوڑایا۔ اس نے آ کر رپورٹ دی کہ اس کوٹھی کے ملازمین کے کہنے کے مطابق رام داس کوٹھی میں نہیں ہے' لیکن اندازے اس بات کی تصدیق کرتے ہیں وہ کوٹھی میں ہی چھپا بیٹھا ہے۔"

سدھیر نے کہا۔

"اندازے قائم کرنا سب سے آسان کام ہے۔ کیا تم مجھے صرف اندازوں کے بارے میں بتانے آئے ہو؟"

"سوچنے کی بات ہے کہ اس کی کوٹھی پر چار عدد پہریدار کیوں مامور کیے گئے ہیں؟" اس نے کہا۔

"جبکہ پہلے صرف ایک گورکھا چوکیدار پہرا دیا کرتا تھا۔ اس نے اپنی حفاظت کے لئے آخر چار گارڈز کیوں رکھے ہیں؟ کیا یہ سوچنے اور غور کرنے کی بات نہیں ہے؟"

سدھیر کی آنکھوں میں بجلی کی سی ایک تیز چمک کوند گئی۔ اس نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔

"بے وقوف آدمی' تم کہتے ہو کہ رام داس کے ہونے کی تصدیق نہیں ہو سکی؟ تمہارے خیال میں تصدیق کیا ہوتی ہے؟ کیا اس سے مل کر اور مصافحہ کر کے آنے کی تصدیق کہا جائے گا؟ آخر اب تم کس قسم کی مزید تصدیق کرنا چاہتے ہو؟"

ملاقاتی کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس نے اپنا سر کھجایا۔ سدھیر کی بات سن کر وہ خوش ہو گیا تھا تاہم اس نے معذرت بھرے انداز میں کہا۔ "دراصل میں یہ چاہتا تھا کہ میں خود یا میرا ساتھی رام داس کو دیکھ کر تصدیق کرتا۔ ہم چاہتے تھے کہ کم از کم اس کی ایک جھلک تو دکھائی دے۔"

* * *

"چلو کوئی بات نہیں" سدھیر نے کہا۔ "جو کچھ تم نے معلوم کیا وہ میرے لئے کافی ہے
۔ ویسے تم اس کی کھوج میں ضرور رہنا۔ جیسے ہی کچھ معلوم ہو۔ اس کی اطلاع دینا۔ میں اس کا
انعام تمہیں الگ سے دوں گا۔ تم پیسوں کی فکر نہ کرنا۔ اطلاع لے کر میرے پاس چلے آنا۔"
سدھیر نے اوپر والی جیب میں رکھی ہوئی رقم نکالی جو اس نے ملاقاتی کو دینے کیلئے پہلے
ہی الگ کر لی تھی۔ اس نے ملاقاتی کی جیب میں نوٹ ٹھونس کر اسے رخصت کر دیا۔ شاید یہ رقم
اس کی توقع سے کچھ زیادہ تھی۔ رقم کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہو گیا تھا۔
"کیا اس کی باتوں سے تمہارا اطمینان ہو گیا؟" زنجن نے اسے سوالیہ نظروں سے
دیکھا۔ "کیا اس نے جو کچھ کہا ہے وہ صحیح ہے؟"
"ہاں۔" سدھیر نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اس لئے میں نے اسے رقم دی ہے اگر میرا
اطمینان نہ ہوتا تو میں اسے ایک کوڑی بھی نہ دیتا۔"
ملاقاتی کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ہی سدھیر نے زنجن کو تیار ہونے کا اشارہ کیا۔ "چلو
!اب مہم پر چلنے کی تیاری کرو۔ شبھ کام میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔"
تیاری کیا تھی۔ انہیں کوئی بہروپ تو بھرنا نہیں تھا۔ انہوں نے اپنا اپنا ریوالور اٹھا کر
گولیوں سے بھرا اور گاڑی میں جا بیٹھے تھے۔
سدھیر نے چونکہ اس ملاقاتی سے رام داس کی دیہی کوٹھی کا پتا اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ اسی
لئے راستے میں انہیں کسی سے رام داس کی کوٹھی کا پتا پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ وہ
باآسانی وہاں پہنچ گئے تھے۔ وہ نیلے رنگ کی کوٹھی انہیں دور سے ہی نظر آ گئی تھی۔
پھلوں کے ایک مختصر سے باغ کے درمیان ایک خوبصورت حویلی نما پرشکوہ عمارت تھی جو
درختوں کے جھرمٹ میں چھپی ہوئی تھی۔ احاطے کی دیوار کی منڈیر پر حفاظت کے لئے شیشے
کے نوکیلے ٹکڑے لگے ہوئے تھے۔ عام طور پر چوکیدار بیٹھے بیٹھے زندگی سے بےزار نظر آتے

ہیں، لیکن ایسا کوئی منظر یہاں نہیں تھا۔ گیٹ پر خطرناک صورت والے چوکیدار بندوقوں سے
مسلح، مستعد تھے، جیسے انہیں خطرہ ہو کہ دشمن دھاوا بولنے والا ہو۔ وہ بہت ہوشیار، مستعد اور
چوکنا ادھر ادھر ٹہلتے نظر آئے۔
دور سے ہی ان کی گاڑی کو دیکھ لیا گیا تھا۔ اس کے قریب پہنچتے ہی وہ نہ صرف ان کی
طرف متوجہ ہو گئے تھے، بلکہ ان میں سے ایک نے اپنے کندھے سے بندوق اتار لی اور ان کی
طرف تیزی سے آگے بڑھا۔
"کیا بات ہے؟" اس نے ان دونوں کو اوپر سے نیچے دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں
پوچھا۔ "یہاں کیوں آئے ہو؟ کون ہو تم لوگ؟"
"بات۔؟" سدھیر نے زنجن کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا، پھر وہ بڑی نرمی اور
شوخ سے لہجے میں بولا۔ "تم نے آتے ہی باتوں کی گولیاں چلا دیں۔ بات کچھ نہیں ہے
صرف اتنی سی ہے کہ ہم تمہارے مالک رام داس کے درشن کرنے آئے ہیں۔ ہم کون لوگ
ہیں؟ ہم انسان ہیں اور شہر سے آ رہے ہیں۔ اگر کوئی اور بات پوچھنا چاہتے ہو پوچھ سکتے ہو۔
ہم ہر بات کا جواب دیں گے۔"
"وہ صاب یہاں نہیں رہتا ہے۔" اس نے اکھڑ لہجے میں جواب دیا۔ "تم لوگ یہاں
سے کلٹی ہو جاؤ۔ تم سے یہی بات کہنی تھی کوئی اور بات نہیں کہنی۔"
"ارے بھائی! اس قدر ناراض کیوں ہو رہے ہو؟"
سدھیر مسکرایا۔ "وہ کہاں رہتے ہیں۔ ان سے ابھی اور اسی وقت ملنا بہت ضروری ہے۔
اس لئے ہم ان کے درشن کئے بغیر جا نہیں سکتے۔ انہیں بتا دو کہ ہم شہر سے۔"
"شہر میں۔ رانی پور میں ان کا ایک بنگلہ ہے، وہاں جاؤ۔" اس نے پھر تند لہجے میں کہا۔
"وہ وہیں رہتے ہیں یہاں نہیں آتے۔"
"ہمیں ان کے ہوٹل کے جنرل منیجر ایچ آتما نے بھیجا ہے۔" سدھیر بولا۔ "تھوڑی
دیر پہلے صاحب نے فون کیا تھا۔ اسی لئے یہاں آئے ہیں۔"
"کیا ہو گا۔ تمہیں غلط فہمی ہوا ہے کہ یہاں سے صاب نے فون کیا تھا۔" وہ بگڑ گیا۔ "تم
لوگ جاتے ہو کہ نہیں؟ یہاں کسی کو بھی کھڑے ہونے کی اجازت نہیں ہے۔"
"کھڑا ہونا منع ہے تو ہم بیٹھ جاتے ہیں۔" سدھیر نے شوخی سے کہا اور پھر چوکیدار کے
لہجے کی نقل اتارتے ہوئے بولا۔ "چندا۔ ناراض نہ ہو۔ ہم اندر بیٹھ کر ان کا انتظار کر لیتے

ہیں۔"

"ہم نے کیا کہا' کیا سنا نہیں؟ کیا تم لوگ بہرا ہے؟" چوکیدار کو غصہ آ گیا۔"ہم نے کہا تمہیں کہ صاب کی اجازت نہیں ہے کہ یہاں کوئی کھڑا ہو۔ اگر انتظار کرنا ہے تو باغ سے باہر جا کر سڑک پر انتظار کرو۔ صاب اس سڑک سے ہی ادھر آئے گا۔"

سدھیر نے کوٹھی کی سمت دیکھا۔ اندر جو پہریدار کھڑے تھے۔ انہوں نے ان دونوں کو چوکیدار سے الجھتے دیکھا تو وہ اپنی بندوقیں سنبھالتے ہوئے آگے آ گئے۔

سدھیر نے ان پہرے داروں کو غصے کی حالت میں دیکھا تو تیزی سے کچھ سوچا۔ پھر اس نے تیز لہجے میں چوکیدار سے کہا۔"سنو! میرا ایک پیغام رام داس صاحب کو دے دینا۔ ان سے کہنا کہ چار عدد کیا، بارہ بندوقیں بھی ہمیں ان سے دور رکھنے پر باز نہیں رکھ سکتیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ تمہارا صاب چوہے کی طرح کوٹھی میں چھپا ہوا ہے۔ ہم دوبارہ آئیں گے۔ ایسے نہیں بلکہ تیاری سے آئیں گے۔ کرائے کے بدمعاشوں اور کرائے کی بندوقوں سے ہمیں روکنا ممکن نہیں ہوگا۔ ہم جلد ہی آ کر ان کے چوکھٹے کا دیدار حاصل کریں گے۔"

چوکیدار کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ غالباً اس قسم کی باتیں سننا اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

سدھیر نے اس کے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ گاڑی اسٹارٹ کی اور تیزی سے پیچھے موڑا۔ پھر چند لمحوں کے بعد وہ باغ کی پتلی سڑک چھوڑ کر مین روڈ پر آ گئے جو سنسان پڑی تھی۔

تب نرنجن نے اس سے کہا۔"سدھیر! یہ تم نے بہت برا کیا وہ اس کے نام پیغام چھوڑ دیا۔ اگر رام داس نے واقعی خطرہ محسوس کیا اور وہاں سے بھاگ نکلا تو پھر شکار ہاتھ سے گیا۔"

سدھیر نے اس کی بات کا فوری جواب نہیں دیا۔ وہ گاڑی گلی میں بیک کرنے لگا۔ یہ گلی ایسی نہیں تھی' جس میں گاڑیوں کی آمد و رفت عام طور پر ہوتی ہے۔ اسی لئے سدھیر نے گلی بند ہونے کا خیال کئے بغیر گاڑی اس طرح سے کھڑی کر دی کہ اس کا آدھا حصہ اندر اور آدھا حصہ باہر تھا۔

"میں تم سے سو نہیں بلکہ دو سو فیصد اتفاق کرتا ہوں۔" سدھیر نے بڑے اطمینان سے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالتے ہوئے جواب دیا۔"تم نے ٹھیک سوچا نرنجن۔"

یکایک نرنجن کی سمجھ میں سدھیر کی ترکیب آ گئی۔ فوراً ہی اس نے دبے دبے جوش کے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"تم بڑے گھاگ شکاری ہو۔ میں تمہاری چال سمجھ

گیا ہوں کہ چوہے کے باہر آتے ہی بلی کی طرح جھپٹ کر اسے شکار کر لو۔ لاجواب تدبیر ہے تمہاری۔"

"شاباش بیٹے۔" سدھیر نے مسکرا کر سر ہلایا۔ پھر سگریٹ جلا کر اس کا لمبا کش لے کر رام داس کی کوٹھی کی طرف دیکھنے لگا۔"تم نام روشن کرو گے میرا۔"

انہیں طویل انتظار کرنا ہوتا تو وہ کرتے' کیونکہ انتظار کے سوا کوئی اور کام بھی نہیں تھا ان کے پاس۔ سدھیر کسی قیمت پر شکار ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے طے کیا ہوا تھا کہ وہ ہر قیمت پر آج ہی رام داس سے دو دو ہاتھ کر کے رہے گا۔ اسے بخشے گا نہیں۔

"اگر وہ رات تک باہر نہیں آیا تو؟" نرنجن نے قدرے اکتا کر تھوڑی دیر بعد کہا۔"کیا اس کے انتظار میں ساری رات غارت کرنی ہوگی؟"

"وہ کیا اس کا باپ بھی آئے گا۔" سدھیر نے دوسرا سگریٹ سلگایا۔ "تم ذرا صبر سے کام لو۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔"

"ساری رات غارت کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔" نرنجن نے کہا۔"یہ سوچو کہ رات کی تاریکی سے کیا ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟"

"کیوں نہیں۔" سدھیر نے سگریٹ کا کش لے کر دھواں فضا میں چھوڑتے ہوئے کہا۔ "میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اگر وہ رات میں بھی باہر نہیں نکلا تو کیا ہم اس کے انتظار میں خوار ہوتے رہیں گے؟ میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی ہے۔ رات بارہ بجے ہم یہاں سے نکلیں گے۔ میں گاڑی یہیں چھوڑ دونگا۔ ہم دونوں باغ میں جائیں گے۔ ایک کونے میں جو مالی کی کوٹھری ہے تم اس کی کھڑکی سے اس گیٹ پر اس وقت فائر کرنا۔ جب میں کوٹھی کے عقب میں پہنچ جاؤں گا۔ وہ چاروں اس کوٹھری کی طرف لپک کر آئیں گے۔ میں اس سے فائدہ اٹھا کر اندر گھس جاؤں گا۔ جب وہ تمہیں قابو میں کر لیں گے تو تم ان سے کہنا کہ خبردار اگر تم نے مجھے کچھ نقصان پہنچایا۔ میرا دوست اندر پہنچ چکا ہے۔ مجھے نقصان پہنچانے کی صورت میں تمہارے مالک کی خیر نہیں۔ مجھے اپنے صاحب کے سامنے لے چلو۔ اس طرح سے رام داس کو ہم قابو میں کر لیں گے۔ ہمارا بال تک بیکا نہیں ہوگا تم سمجھ گئے نا۔؟"

"ہاں میں سمجھ گیا۔" نرنجن خوش ہو کر بولا۔"یہ تدبیر زیادہ کارگر ثابت ہوگی۔ ابھی رات ہونے میں خاصی دیر ہے۔"

وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ انہیں باغ کی پتلی سڑک پر ایک سفید گاڑی تیزی سے

دوڑتی دکھائی دی۔ جب وہ گاڑی ان کے سامنے سے گزری تو انہوں نے رام داس کی ایک جھلک دیکھ لی جو مڑ مڑ کے اپنے عقب میں دیکھ رہا تھا کہ کہیں کوئی اس کے تعاقب میں تو نہیں ہے؟

جب رام داس کی گاڑی تھوڑی دور نکل گئی تو سدھیر نے اپنی گاڑی اسٹارٹ کی۔ اسے مین روڈ پر لا کر رام داس کی گاڑی کے تعاقب میں لگا دیا' جو زیادہ دور نہیں گئی تھی۔ وہ غیر محسوس انداز میں تعاقب کرنے لگا تا کہ رام داس کو شبہ نہ ہو کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔

"اب تم اپنا ریوالور نکال لو۔" سدھیر نے نرنجن کی طرف سڑک سے نظریں ہٹا کر دیکھا۔ پھر وہ رام داس کی گاڑی کو دیکھنے لگا۔

"کیا میں ریوالور نکال کر اس کی گاڑی پر فائر کردوں؟" نرنجن نے پوچھا۔ "کیا اس طرح فائر کرنے سے جوابی فائرنگ شروع نہیں ہو جائے گی؟"

"نہیں۔" سدھیر نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "جب گاڑی جیسے ہی ریلوے کراسنگ سے گزرے تم ایک ٹائر پنکچر کر دینا۔ باقی میں خود نمٹ لوں گا۔"

نرنجن نے سر ہلاتے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ ریوالور کی نال پر سائلنسر فٹ تھا۔ سدھیر کا خیال تھا کہ رام داس کے ڈرائیور کو پتا بھی نہیں چلے گا کہ اچانک پڑنے والی افتاد قدرتی تھی یا کسی کی شرارت؟ اس کا بوکھلا جانا یقینی ہوگا۔

چند لمحوں کے بعد سدھیر نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔ ریلوے کراسنگ ابھی دور تھی۔ رام داس کی گاڑی کی رفتار بھی تیز تھی جیسے کوئی عفریت اس کے تعاقب میں ہو۔ درمیانی فاصلہ کم کرنے کیلئے سدھیر کو نہ صرف اپنی مہارت دکھانی تھی' بلکہ تیز رفتاری کے عالمی ریکارڈ توڑنے تھے' ورنہ رام داس کی گاڑی نظروں سے اوجھل ہو جاتی۔ اتفاق تھا یا خوش قسمتی' سڑک پر چونکہ کوئی گاڑی نہیں تھی اس لئے انہیں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

سدھیر کو وقت اور فاصلے کا صحیح اندازہ تھا۔ ریلوے کراسنگ سے گزرتے وقت دونوں گاڑیوں کا فاصلہ قدرے کم ہو چکا تھا۔ نرنجن نے جب دیکھا کہ اب موقع ہے تو اس نے کھڑکی سے ہاتھ باہر کیا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے لبلبی پر دو مرتبہ دباؤ ڈالا۔ وہ ماہر نشانہ باز تھا۔ اس کا نشانہ خطا نہیں ہوتا تھا۔

فوراً ہی اگلی گاڑی خطرناک طریقے پر دائیں بائیں لہرانے لگی۔ ڈرائیور نے گاڑی کو بڑی چابک دستی سے سنبھالا ورنہ گاڑی ٹکرا کے الٹ جاتی' پھر ڈرائیور نے اسے ایک طرف

لے جا کر کھڑی کر دی تھی۔ اس کے دونوں پچھلے ٹائر بیکار ہو گئے تھے۔

بائیں ہاتھ سے بے داغ نشانہ لگانا نرنجن کیلئے مسئلہ نہ تھا' کیونکہ دایاں ہاتھ ٹھیک ہونے کے باوجود وہ بائیں ہاتھ سے کام کرنے کا عادی تھا۔

سدھیر نے فوراً ہی اپنی گاڑی رام کی گاڑی سے ذرا آگے لے جا کر روک دی تا کہ اس کی گاڑی آڑ میں رہے۔ پھر وہ تیزی سے اپنا ریوالور اور سنبھالتا ہوا گاڑی سے اترا اور رام داس کی گاڑی کی طرف کوندا بن کر لپکا۔

دوسری گاڑی میں بیٹھے ہوئے افراد اس حادثے کی نوعیت کو سمجھ نہیں پائے تھے۔ رام داس ڈرائیور سے پوچھ رہا تھا۔ "یہ کیا ہوا؟"

سدھیر گاڑی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس کے ریوالور کی نال کھڑکی سے رام داس کے سینے کو کسی موت کے فرشتے کی طرح گھورنے لگی۔

"باس۔" رام داس کے پہلو میں بیٹھے ہوئے باڈی گارڈ نے اپنی رائفل سیدھی کرنے کی کوشش کی۔

"نہیں۔" رام داس نے ہاتھ بڑھا کر اسے روک دیا۔

"تم خاموش بیٹھے رہو۔"

"رام داس تم نے بڑی عقلمندی کا ثبوت دیا ہے۔"

سدھیر نے کہا۔ "مجھے آج پتا چلا کہ تم واقعی عقلمند ہو۔"

"عقل سے کام لیتا تو کوٹھی سے باہر ہی نہیں نکلتا۔" رام داس نے جواب دیا۔

"بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ عقل کام نہیں کرتی۔ اس پر پردہ پڑ جاتا ہے۔" رام داس نے اتنا کہہ کر گہرا سانس لیا۔

"کاش! تم نے عقل سے کام لیا ہوتا۔" سدھیر بولا۔

"آج اس کا احساس بڑی شدت سے ہو رہا ہے۔ شاید میں بے وقوفوں سے بھی گیا گزرا ہوں" رام داس بولا۔

"کاش! تم ہمیں چھیڑنے کی غلطی نہ کرتے۔" سدھیر نے تیز لہجے میں کہا۔

"میں نے کسی کو نہیں چھیڑا۔" رام داس نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔

"تم نے نہیں چھیڑا؟ اتنا بڑا جھوٹ؟" سدھیر نے سخت لہجے میں کہا۔

"میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ میں اس کا قائل ہوں۔" رام داس نے تکرار کی۔

"اگر ایسی بات ہے تو چوہوں کی طرح بھاگتے کیوں پھر رہے ہو؟" سدھیر نے طنزیہ انداز سے کہا۔ "بہادر آدمی جھوٹ بولتا ہے اور نہ ہی ڈرپوک بن جاتا ہے۔ تمہارا اس طرح سے بھاگنا کیا اس بات کا ثبوت نہیں کہ تم نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا وہ اچھا نہیں کیا۔"

"اصل بات یہ ہے کہ مجھے تمہارے پاگل پن سے ڈر لگتا ہے۔" رام داس نے کہا۔

"کتا پاگل ہو جائے یا آدمی۔ ان دونوں میں ذرا برابر بھی فرق نہیں ہوتا۔ دونوں کے کاٹے کا کوئی علاج نہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ خطرناک انسان ہے۔ جب وہ پاگل ہو جاتا ہے تو پاگل کتے سے کہیں خطرناک بن جاتا ہے۔ مجھے بھی تم کسی پاگل کتے سے کہیں خطرناک معلوم ہوئے۔"

"میں نے کیا پاگل پن کیا جو تم مجھے مورد الزام ٹھہرا رہے ہو؟" سدھیر نے بگڑ کر کہا۔

"مجھے تو پاگل تم نظر آتے ہو۔"

"اخبار میں امر لعل کے بھیانک قتل کا پڑھ کر مجھے یقین ہو گیا تھا کہ تم مجھ پر شک کر کے میرے تعاقب میں آؤ گے۔" رام داس نے کہا۔ "میرا یہ خیال غلط نہیں نکلا اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ امر لعل کے قتل میں' میں ملوث نہیں ہوں۔ میں بے گناہ ہوں۔ مجھے دوش نہ دینا۔"

"تم جھوٹ بول کر یہ سمجھتے ہو کہ اپنی جان بچا لو گے۔ یہ مشکل ہے۔" سدھیر بھڑک اٹھا۔ "میں تمہاری باتوں میں آنے والا نہیں ہوں۔ سمجھے۔"

"آخر تم میرے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گئے ہو۔؟"

رام داس کسمسایا اور اس کے چہرے پر ناگواری اور تندی کی لہر دوڑ گئی۔ "میں تمہیں کس طرح سے یقین دلاؤں کہ امر لعل کے معاملے میں میرے ہاتھ بالکل صاف ہیں۔ مجھے امر لعل سے کبھی دشمنی نہیں رہی۔ اس نے کبھی مجھے تکلیف نہیں پہنچائی۔"

"امر لعل کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا ہے اس کے ذمے دار صرف تم ہو۔" سدھیر نے برہمی سے کہا۔ "یہ کام تمہارے سوا کسی اور کا نہیں ہو سکتا۔ کیا ہم کبھی یہ بات بھول سکتے ہیں کہ تمہیں ہم سے کتنی نفرت اور دشمنی ہے۔ تم نے اپنی دشمنی نکالی ہے۔"

"میرے پاس شک کا علاج نہیں۔" رام داس نے کہا۔ "اگر ہوتا تو میں کہتا کہ تم اپنا علاج کروا کے میرے پاس آؤ اور پھر بات کرو۔ تمہیں تو کسی بات کا احساس اور خیال ہی نہیں۔"

پھر رام داس نے سیٹ سے لٹکی ہوئی اپنی پتلون کے خالی پانچوں پر ایک حسرت بھری نظر ڈالی اور کربناک لہجے میں بولا۔ "تم ٹھیک کہہ رہے ہو تم نے میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کے بعد میں کس طرح سے تم لوگوں کو معاف کر سکتا ہوں۔ نریندرا کی موت کا بدلہ لیتے ہوئے مجھے زندگی بھر کے لئے اپاہج بنا دیا ہے۔ میں اسے کیسے بھول سکتا ہوں۔ میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو وہ بھی نہیں بھولتا۔ ایک اپاہج آدمی کی زندگی بڑی بھیانک اور اذیت ناک ہوتی ہے چونکہ میرے پاس دولت ہے اس لئے میں اسے سہتا آ رہا ہوں۔ اگر میرے دونوں پیر سلامت ہوتے تو پانچ برس پہلے ہی تم سے بھڑ چکا ہوتا۔ میری ٹانگیں۔ جب بھی اس کے بارے میں سوچتا ہوں تو دل میں خنجر سا اتر جاتا ہے۔ ہاں ایک اپاہج آدمی صرف ایک کام کر سکتا ہے۔ صبر اور میں پانچ برسوں سے صبر کے سوا کچھ نہیں کر سکا اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ ان پانچ برسوں میں مجھ پر کیا بیتی' یہ صرف میں جانتا ہوں۔ آج بھی ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا ہوں۔ زندگی کی آخری سانس تک تڑپتا رہوں گا۔" اس کی آواز گلے میں پھنس گئی تھی۔ وہ جذباتی سا ہو رہا تھا۔

رام داس کی جذباتی انداز گفتگو میں سدھیر کو سچائی کی جھلک نظر آئی۔ آدمی جھوٹ بولے تو لہجہ چغلی کھا جاتا ہے۔ لہجے سے سامنے والے کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے یا سچ۔ جھوٹ سچ صاف عیاں ہو جاتا ہے۔

اس نے رام داس کے خالی پانچوں کی طرف دیکھا تو اس کے دل میں چند لمحوں کے لئے تاسف سے بھرے جذبات ابھرے۔ وہ ایک سنگدل آدمی تھا۔ جذباتی ہونا جانتا نہیں تھا۔ اس نے کبھی کسی کی جذباتی باتوں کا اثر نہ لیا تھا لیکن رام داس نے اسے جیسے متاثر کر دیا تھا۔

سدھیر چند لمحوں کیلئے نرم دل بن کر جذباتی ہوا تھا' لیکن یہ کیفیت زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔ وہ تیز لہجے میں بولا۔ "اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو یہ بتاؤ کہ وہ کون ہے جس نے امر لعل کا گلا کاٹا تھا۔"

رام داس کی آنکھوں میں ایک عجیب اور خوفناک قسم کی جنونی کیفیت سمٹ آئی اور اس کا چہرہ سرخ ہو کر تمتمانے لگا تھا۔ اس نے ہذیانی انداز میں ایک زوردار قہقہہ لگایا جس میں مسرت کی جھلک تھی۔ بے پناہ مسرت۔ اس مسرت کی تیز روشنی نے اس کی آنکھوں کے چراغ جلا دیئے تھے۔

* * *

جنگل میں گھسنے سے پہلے انہوں نے کچھ مقامی لوگوں کو رہنمائی اور بار برداری کے لئے ساتھ لے لیا تھا۔ بمل گپتا نے پھر ایک مرتبہ آنے والے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے دشوانا تھ اور دوسرے ساتھیوں کو ایک دوسرے سے مکمل تعاون برتنے' ایک دوسرے کی حتی الامکان مدد کرنے اور باہمی اعتماد پر زور دیا تھا۔

اس نے نہ صرف ہر لمحے آنکھیں کھلی رکھنے اور ناگہانی خطرات سے نمٹنے کیلئے ہمہ وقت تیار اور چوکنا رہنے کی سختی سے تاکید کی تھی بلکہ یہ ہدایت بھی کی تھی کہ سفر کے دوران زہریلے سانپوں کو نظر انداز نہ کریں۔ بعض سانپ درختوں کی شاخوں پر بھی ہوتے ہیں۔ اس نے سب کو یہ بات بھی جتا دی تھی کہ معمولی سے معمولی غلطی' ذرا سی بھی غفلت اور کوتاہی انہیں اس انجام کی طرف لے جاسکتی ہے' جو رام داس پارٹی کو لے گئی تھی۔ اس بات نے انہیں ایک طرح سے خوفزدہ کیا تھا' لیکن خزانے کے حصول کی خواہش نے جلد ہی ان کا خوف دور کر دیا۔

''ایک اور بات اچھی طرح سے یاد رکھیں۔'' بمل گپتا نے اپنی بات کہہ کر ساتھیوں کی طرف دیکھا جو بڑے انہماک سے اس کی باتیں سن رہے تھے اور یوں اپنا سر ہلا رہے تھے جیسے انہیں بمل گپتا کی ایک ایک بات سے کلی طور پر اتفاق ہو۔

ان سب کو خاموش پا کر بمل گپتا نے کہا۔ ''کوئی سوال کرنا اور جنگل کے متعلق کچھ پوچھنا ہے تو ابھی دریافت کر لیا جائے کیونکہ سفر کے دوران مزید باتیں بتائی جاسکتی ہیں اور نہ ہدایت دی جاسکتی ہے۔ قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہے۔''

* * *

جلد ہی انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ بمل گپتا نے انہیں جن خطرات کے بارے میں بتایا۔ وہ حقیقت پر مبنی تھے۔ اس کی باتوں سے انہیں ایسا لگا تھا کہ جیسے بمل گپتا اس جنگل سے کئی دفعہ گزر چکا ہو۔ جنگل ہر لحہ دشوار اور گھنا ہوتا جا رہا تھا۔ اندھیرا ابھی آغوش میں لینے کیلئے آگے بڑھتا نظر آتا تھا۔ خودرو جھاڑیوں کی بہتات ان کے قدموں میں جیسے بیڑیاں ڈالنے لگی تھی اور ان کے لباس پر حملہ آور ہو رہی تھیں۔ ان کے کانٹے بڑے لمبے اور نوکیلے تھے۔

ان کے راہبر نے تیز پھل والا چاپڑ سنبھال رکھا تھا۔ اس کی دھار اس قدر تیز تھی کہ ایک ہی وار سے جانور کی گردن تن سے جدا کی جاسکتی تھی۔ وہ اس کی مدد سے پیچ دار بیلوں اور کانٹے دار جھاڑیوں کو صاف کر کے راستہ بناتا جا رہا تھا۔ انہوں نے ابتدائی چند گھنٹوں میں کئی سانپ مارے اور کئی اژدھوں کو درختوں سے لپٹے ہوئے دیکھا۔

جھاڑیوں میں پر اسرار سرسراہٹوں کی آوازیں کتنے ہی حشرات الارض کی موجودگی کا پتا دے رہی تھیں۔ ان میں سے جانے کتنے زہریلے رہے ہوں گے۔ اگر وہ لمبے لمبے چرمی بوٹ پہنے ہوئے نہ ہوتے تو ان میں سے کوئی بھی ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ پاتا۔ موٹے اور سخت چمڑے کے لمبے بوٹ ان حشرات الارض کے خلاف مؤثر ڈھال ثابت ہو رہے تھے اور وہ ان کے تلے روندے جا رہے تھے۔

دشوانا تھ اور اس کے ساتھیوں کو اندازہ نہ تھا کہ جنگل اتنا دشوار' پرخطر اور گھنا ہوگا حالانکہ بمل گپتا نے بتا دیا تھا' لیکن انہوں نے سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔ ہولی وڈ کی مہماتی فلموں میں وہ ایسے جنگل دیکھ چکے تھے۔ پھر بھی انہوں نے کچھ خیال نہیں کیا تھا۔ اب چونکہ واپسی مشکل تھی اس لئے وہ چلنے پر مجبور تھے اور پھر دولت کی ہوس انہیں کشاں کشاں آگے لئے جا رہی تھی۔

شروع شروع میں تو لٹکتی اور جھولتی ہر بیل انہیں سانپ ہی نظر آتی تھی' مگر آہستہ آہستہ وہ اس ماحول سے مانوس ہوتے گئے۔ اب انہیں اپنے راہبر کی صلاحیتوں پر بھی اعتماد ہو گیا تھا' جو انہیں ہر ممکنہ خطرے سے بچاتا ہوا لے جا رہا تھا۔ ان کا باڈی گارڈ بھی بنا ہوا تھا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو شاید وہ بچ بھی نہ پاتے۔ اس کی آنکھیں بہت تیز تھیں' جو دور ہی سے لٹکی ہوئی بیلوں' سانپوں اور گھنی جھاڑیوں کا جائزہ لے لیتی تھیں۔ راستے میں جھاڑیاں حائل ہو جاتیں تو وہ چاپڑ سے کاٹ کر راستہ بنا دیتا تھا۔

گرمی' تھکن اور دشوار گزار مسافت سے شام تک ان کا برا حال ہو گیا۔ ان کیلئے ایک ایک قدم اٹھانا دوبھر ہوتا جا رہا تھا۔ بمل گپتا خود بھی تھک گیا تھا' لیکن اس کے باوجود وہ چاہتا تھا کہ راستہ جتنا کٹ جائے اتنا اچھا ہے' مگر ساتھیوں کی خستہ حالی دیکھ کر اسے ایک جگہ پڑاؤ ڈالنا پڑا۔

قریب ہی ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ مقامی لوگوں نے جب اس قافلے کو دیکھا تو وہ اپنے گھروں سے نکل آئے۔ ان لوگوں نے بڑی مدد کی۔ ایک کھلے اور ہموار قطعے کو صاف کر کے ان کی چھولداریاں کھڑی کر دیں۔

پڑاؤ کے وسط میں سوکھی لکڑیاں جمع کر کے آگ جلا دی گئی۔ راستے میں انہوں نے مرغابیاں اور تیتر بٹیر جھیل کے کنارے شکار کئے تھے' انہیں مقامی لوگوں کو دیا تو وہ انہیں ذبح اور صاف کر کے لے آئے۔ بمل گپتا نے ساتھ لایا ہوا مسالا لگا کر بھونا۔ اس گاؤں کے لوگوں

نے ایک بچھڑا بھی لاکر بھون دیا۔ وہ خود بھی اس ڈنر میں شریک رہے۔ کھانے کی مقدار اتنی تھی
کہ خوب سیر ہو کر کھانے کے باوجود بچ گیا۔

تھکے ہوئے جسم آرام کے طلب گار تھے۔ وہ اپنے تھیلے نما بستروں میں گھس گئے اور
تھوڑی ہی دیر میں جنگل سے ابھرتی ہوئی مختلف آوازوں' سرسراہٹوں اور درندوں کی خوفناک
چنگھاڑوں سے بے نیاز ہو کر گہری نیند سو گئے۔

بمل گپتا نے رات کے پہلے پہر میں جاگنے کا ذمہ لیا تھا۔ بعد میں اس نے وشواناتھ کو
اٹھا دیا تھا۔ باری باری انہوں نے کیمپ کے باہر پہرا دیا تھا۔ یہ ضروری تھا۔ وشواناتھ اور بمل
گپتا نے محسوس کیا کہ مقامی لوگوں پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔

یہ حقیقت بھی تھی کہ وہ مقامی لوگوں پر بھروسا نہیں کر سکتے تھے کہ کب غافل پا کر ان کا
تمام ساز و سامان' ہتھیار اور رسد لوٹ کر جنگل میں کہیں روپوش ہو جائیں۔ ان لوگوں کو
ہتھیاروں کی اشد ضرورت ہوتی تھی' کیونکہ وہ جنگل میں رہتے تھے اور انہیں دن رات درندوں
سے واسطہ پڑتا تھا۔

بمل گپتا کے علم میں یہ بات تھی کہ جنگل میں جو لوگ آباد ہیں وہ لٹیرے بھی ہوتے ہیں
اور پھر کوئی درندہ بھی انسانی بو پا کر ادھر آ سکتا تھا۔ اس لئے کسی ایک کا پہرا دینا ضروری تھا اور
پھر بمل گپتا نے یہ بھی وشواناتھ کو بتایا تھا کہ جنگل میں بدروحیں بھی ہوتی ہیں۔ جادوگر اور
جادوگرنیاں بھی ہوتی ہیں۔ رات کو پہرہ دیتے وقت اگر کوئی بدروح نظر آئے یا کوئی حسین و
جمیل لڑکی اگر اشارے سے بلائے۔ انجانی دعوت دے تو وہ اس کے فریب میں نہ آئے کہیں
وہ جادو کے ذریعے نظر بندی کر کے تمام مال و اسباب نہ لے جائے۔ وشواناتھ نے فیصلہ کر لیا
تھا کہ وہ کسی جادو کے فریب میں نہیں آئے گا۔

بمل گپتا نے جو کچھ کہا تھا وہ غلط نہ تھا۔ جب وہ خیمے کے باہر پہرا دے رہا تھا تب
نصف شب گزر چکی تھی۔ قدرے فاصلے پر جو گھنے درخت تھے ان کے درمیان جھیل تھی۔ اس
وقت چاند نکلا ہوا تھا۔ اس کی دودھیا چاندنی پھیلی ہوئی تھی اور ان درختوں سے چھن چھن کر
آ رہی تھی۔

تب اس نے ایک حسین نظارہ دیکھا۔ ایک درخت کی آڑ سے سولہ سترہ برس کی نہایت
حسین لڑکی نمودار ہوئی۔ وہ کوئی ساحرہ معلوم ہوتی تھی۔ اس حسن مجسم کو دیکھ کر وہ مسحور سا ہوا
تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں کبھی اتنی پرکشش لڑکی نہیں دیکھی تھی۔ وہ اتنی حسین لڑکی کا تصور بھی

نہیں کر سکتا تھا۔ وہ نہ صرف حسین تھی بلکہ اس کی مسکراہٹ بھی دلفریب تھی۔ اس کی بڑی بڑی
حسین سیاہ آنکھیں' بال بھی لمبے ریشمی اور سیاہ تھے۔

اس لڑکی نے ایک ادائے ناز سے اشارے سے بلایا۔ "آؤ معزز مہمان' میرے پاس
آؤ' میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔"

اس وقت وشواناتھ کو ہوش کہاں تھا۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر اسے دیکھے جا رہا
تھا۔ بت بنا ہوا تھا۔ اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ لڑکی کیا کہہ رہی ہے' لیکن اس کی آواز خاموش فضا
میں کسی سر کی طرح بکھر گئی تھی۔ ایسی دلکش آواز اس نے پہلی بار سنی تھی۔

وشواناتھ کے جسم میں حرکت نہ ہوئی تو وہ لڑکی سبک خرامی سے چلتی ہوئی اس کی طرف
بڑھی۔ "کیا سوچ رہے ہو میرے من کے راجہ؟"

وشواناتھ جیسے خواب شیریں سے جاگا۔ لڑکی کے قرب کی خوشبو نے اسے مہکا دیا تھا۔
وشواناتھ اس وقت بھول گیا تھا کہ بمل گپتا نے اس سے کیا کہا تھا۔ اس نے لڑکی کو محبت بھری
نظروں سے دیکھا اور پوچھا۔

"تم کون ہوں؟ کیا تم اس جنگل میں رہتی ہو؟"

"میں اس جنگل کی رانی ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ "میں اسی جنگل میں رہتی ہوں۔
میں کب سے تمہاری راہ دیکھ رہی تھی۔ چلو میرے سنگ۔"

"کہاں چلوں؟ کیوں چلوں؟" وشواناتھ نے خواب کی سی حالت میں پوچھا۔ "کیا تم
مجھے جنگل میں لے جانا چاہتی ہو؟"

"اپنے محل میں۔" اس نے جواب دیا۔ "میں تمہاری سیوا کروں گی۔ ساری زندگی داسی
بن کر تمہارے چرنوں میں زندگی گزار دوں گی۔"

"تمہارا محل کہاں ہے؟" وشواناتھ نے پوچھا۔ "یہاں آتے ہوئے تو دکھائی نہیں دیا۔
محل ہے یا کوئی چھوٹا سا گھر ہے؟"

"میرا محل ان درختوں کے عقب میں ہے۔" اس نے مخالف سمت اشارہ کیا۔ "محل
چھوٹے نہیں ہوتے۔ وہ حویلی سے بھی بڑا ہے۔"

"تم کتنی سندر ہو۔" وشواناتھ نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا پھر ایک دم چونک پڑا۔
اس کے پیر تو ساڑی کی فال میں چھپے ہوئے تھے۔ اس کے پنجے نہ صرف مڑے ہوئے تھے
بلکہ بہت بڑے اور بڑے بدصورت تھے۔ اس کے ایک پنجے میں دس انگلیاں تھیں۔ وہ سمجھ گیا

کہ یہ عورت چڑیل ہے۔ایک حسین لڑکی کا روپ دھار کر آئی ہے تاکہ اسے ورغلا کر لے جائے اور اس کا خون پی جائے۔ اس نے سنا تھا کہ چڑیلیں حسین عورتیں بن کر مردوں کو فریب دے کر ان کا خون پی جاتی ہیں۔ ''تم رانی ہو یا جنگل کی چڑیل؟''

''یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ میں چڑیل ہوں۔'' وہ ایک دم گھبرا کر بولی۔ ''چڑیل خوبصورت نہیں ہوتی۔ میں تو خوبصورت ہوں۔''

''یہ تمہارے پیر بتا رہے ہیں کہ تم۔تم چڑیل ہو اور حسین عورت کا روپ دھار کر مجھے بہکانے اور فریب دینے آئی ہو۔'' وشوا ناتھ نے کہا۔

یہ کہنے کی دیر تھی کہ وہ ایک دم سے نظروں سے غائب ہوگئی۔

جب اس نے بمل گپتا کو صبح کے وقت یہ واقعہ سنایا تو وہ بولا۔ ''بستی میں سے کسی نے چڑیل کو بھیجا ہوگا کہ وہ حسین لڑکی کا روپ بھر کے جائے اور تمہیں ورغلا کر دور لے جائے۔اتنی دیر میں وہ مال و اسباب پر ہاتھ صاف کر لیں' چونکہ تم نے اس کی شناخت پیروں سے کر لی۔ اسی لئے وہ غائب ہوگئی۔تم نے اچھا کیا اسے پہچان لیا۔''

وشوا ناتھ کو یہ سب خواب لگا تھا۔ وہ اسے خواب ہی سمجھتا۔ اگر اسے صبح کی روشنی میں چڑیل کے پنجوں کے نشان دکھائی نہ دیتے۔

* * *

صبح ناشتے سے فراغت پانے کے بعد بمل گپتا نے رہبر کو نقشہ دکھایا۔ یوں تو ایک طرح سے بمل گپتا بھی رہنما تھا چونکہ وہ مقامی تھا اس لئے اسے دکھایا تھا۔

وہ دونوں کسی لمبی بحث میں الجھ گئے تھے۔ وہ دونوں آپس میں مقامی زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ اس لئے وشوا ناتھ اور اس کے ساتھی حیرت سے بمل گپتا کو تکتے رہ گئے تھے۔ انہیں یقین آیا تھا کہ بمل گپتا مقامی بولی بھی جانتا ہے۔ یہ ایک انکشاف تھا کہ شہری آدمی اس دورافتادہ علاقے کی بولی جانتا تھا۔ یہ علاقہ ہندوستان سے ہزاروں میل دور تھا۔ ہندوستان میں ہوتا تو زبان کا جاننا تعجب کی بات نہ ہوتی۔

وشوا ناتھ نے سوامی کے چہرے کی طرف دیکھا جو ایک طرف خاموش کھڑا ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ اس کے بشرے سے ایسا لگتا تھا کہ وہ جیسے ساری گفتگو سمجھ رہا ہو' لیکن اس نے اس میں اپنی دلچسپی نہیں دکھائی تھی وہ لاتعلق سا ایک طرف کھڑا تھا۔

جب ان کے درمیان بحث و تکرار ختم ہوگئی تو وشوا ناتھ نے بمل گپتا کے پاس جا کر

سرگوشی میں پوچھا۔ ''یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟ کیا مزید رقم طلب کر رہا ہے؟''

''وہ رقم نہیں مانگ رہا ہے' بلکہ وہ کہہ رہا ہے کہ شام تک ایک جگہ پہنچ کر واپس ہو جائے گا۔'' بمل گپتا نے کہا۔ ''میں نے اسے مزید سو ڈالر دینے کی پیشکش کی لیکن وہ کہتا ہے کہ بیس ہزار ڈالر بھی دیں گے تو وہ آگے نہیں جائے گا کیونکہ اسے اپنی زندگی عزیز ہے۔''

''آخر وہ کیوں وہاں سے واپس آجانا چاہتا ہے؟'' وشوا ناتھ نے سوال کیا۔ ''اس کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی؟''

''گائیڈ کا کہنا ہے کہ ہم شام تک موت کی وادی کے پاس پہنچ جائیں گے۔'' بمل گپتا نے جواب دیا۔ ''وہ وہاں سے دس قدم بھی آگے جانے کیلئے تیار نہیں۔''

''کیوں؟ اور یہ موت کی وادی کیا ہے جو وہ اس قدر خوفزدہ ہو رہا ہے؟'' وشوا ناتھ نے پوچھا۔ ''جبکہ آپ نے اس سے روانگی سے پہلے تمام معاملات طے کر لئے تھے وہ کیا واقعی خوفزدہ ہو رہا ہے یا نخرے دکھا رہا ہے؟ آپ نے اس کی باتوں سے کیا محسوس کیا؟''

''دراصل ہماری منزل پہاڑی چٹانوں سے گھری ہوئی وادی ہے جس میں داخل ہونے کا راستہ ہے نہ باہر آنے کا۔'' بمل گپتا بولا۔

''بس اتنی سی بات پر وہ خوف و ہراس میں مبتلا ہوگیا۔'' وشوا ناتھ نے کہا۔ ''آخر ہم لوگ جو ساتھ ہیں جس طرح ہم اس میں داخل ہوں گے اسی طرح نکل بھی آئیں گے۔ یہ بات آپ اسے سمجھا دیں۔ اس سے کہیں کہ مزید ایک ہزار ڈالر لے لے۔ زیادہ لالچ نہ کرے۔''

''یہ لوگ اسے موت کی وادی کہتے ہیں کیونکہ جو کوئی بھی اس وادی کی طرف گیا وہ لوٹ کر نہیں آیا۔'' بمل گپتا نے بتایا۔

''اگر داخل ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے تو ہم کیسے جا سکیں گے؟'' رنجیت نے الجھتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو ہم عجیب مصیبت میں گرفتار ہو گئے۔''

''گائیڈ کو چاہئے تھا کہ وہ یہ بات پہلے بتا دیتا۔'' پرساد جو اب تک خاموشی سے بیٹھا سن رہا تھا وہ بول پڑا۔ ''اب کیوں بتایا جا رہا ہے؟''

''گوپال جس راستے سے اس موت کی وادی سے باہر آیا تھا۔ نقشے میں اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں وہ راستہ تلاش کر لوں گا۔'' بمل گپتا نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔ ''اس لئے فکر مند اور پریشان ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔'' اس نے انہیں دلاسا دیا۔

"اگر ایسی بات ہے تو پھر یہ کوئی مسئلہ نہیں۔" رنجیت نے کہا۔ "ہم لوگ تو ان کے سہارے ہی اس مہم پر نکلے ہیں' وہی جان چھڑا رہے ہیں۔ کیسی عجیب بات ہے؟"

"نگراں کی مدد سے کام آسان ہو جاتا ہے۔"

پرساد نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ "انہیں موت کی وادی سے خوف تھا تو وہ پہلے ہی بتا دیتے۔"

"دیکھو' میں اس سے اس کی بولی میں بات کر کے آمادہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔" بمل گپتا نے کہا۔ "شاید وہ تیار ہو جائے۔ امید تو ہے کہ۔"

بمل گپتا نے دوبارہ گائیڈ سے بات کی اور جلد ہی وہ لوگ سامان سمیٹ کر موت کی وادی کی سمت روانہ ہو گئے۔ بمل گپتا چاہتا تھا کہ جتنا زیادہ سے زیادہ راستہ طے ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔

گزشتہ دن کے مقابلے میں آج کے دن انہیں زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آج انہیں دلدلی علاقوں سے گزرنا پڑا تھا۔ کبھی وہ کیچڑ میں پاؤں رکھتے اور کبھی کبھی گھٹنے گھٹنے پانی میں چلنا پڑتا۔ ہر لمحے دلدل میں پھنس گیا تھا جبکہ وہ سب سے زیادہ محتاط ہو کر چل رہا تھا۔ اس کی مدد کو پہنچنے میں سوامی پیش پیش تھا۔ اپنی جسمانی کمزوریوں کے باوجود وہ تمام ساتھیوں سے زیادہ ہوشیار اور چاق و چوبند تھا۔ اس میں ایک بندر کی سی پھرتی تھی وہ اس وقت کسی نوجوان کی طرح تیزی سے چل رہا تھا۔

گائیڈ کو بچانے کیلئے اس نے جو تیزی دکھائی تھی اس نے گائیڈ کو ایک نئی زندگی دی تھی۔

اگر وہ تیزی نہ دکھاتا تو گائیڈ دلدل میں غرق ہو جاتا۔ اس نے جیسے ہی گائیڈ کو دلدل میں دھنستا ہوا دیکھا تو ایک پل کی بھی تاخیر نہیں کی اور نہ کسی سے مدد کے لئے کہا۔ اس نے فوراً ہی اچک کر ایک جھولتی شاخ کو کاٹا اور اس کا موٹا حصہ گائیڈ کی طرف بڑھایا جو گائیڈ نے فوراً تھام لیا۔

پھر بمل گپتا نے ایک مزدور کے ساتھ مل کر گائیڈ کو اس دلدل سے کھینچ کر باہر نکالا۔

وہ دن اس واقعے کے بعد اسے کئی حادثات سے گزر کر تمام ہوا۔ پر خطر راستہ تھا لہٰذا پر خطر واقعات رونما ہوتے رہے تھے۔

ایک مزدور کو کسی زہریلے کیڑے نے کاٹ لیا تھا اور فرسٹ ایڈ کی تمام تدابیر کے باوجود وہ چلنے سے معذور ہو گیا لہٰذا اس کے نئے بانسوں اور ترپال سے اسٹریچر بنایا گیا۔ اس طرح اب وہ دو مزدوروں کا بوجھ بن گیا تھا۔

"دیکھو دوستو!" بمل گپتا نے کہا۔ "اپنے آپ کو کیڑوں اور سانپوں سے بچاتے رہو۔ اس لئے کہ یہ جنگل ہے۔ شہر یا گاؤں نہیں جہاں ہسپتال یا کلینک ہو۔ ہمارے پاس صرف فرسٹ ایڈ ہے۔"

ایک جگہ انہیں گھڑیالوں سے واسطہ پڑا۔ وہ لقمہ اجل بنتے بنتے رہ گئے تھے اور انہیں ایک لمبا چکر کاٹ کر آنا پڑا تھا۔

مگر شاید ابھی ان کے مصائب کا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اور بڑے محتاط انداز سے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ شام سے پہلے وہ افسوسناک واقعہ پیش آیا جس میں ان کے ایک ساتھی کو اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا تھا جس کی انہیں امید نہیں تھی۔

درختوں کے جھنڈ سے نکل کر اچانک وہ ایک کھلی جگہ میں آ گئے تھے۔ تازہ ہوا نے ان سب کے جسموں میں ایک عجیب سی فرحت دوڑا دی جس نے ان کی ساری تھکن اتار دی۔ گھنے جنگل میں بڑا حبس اور گھٹن تھی۔ ہوا کے جھونکوں نے ان کا پسینہ خشک کر دیا تھا۔ وہ تازہ دم ہو گئے تھے۔

انہوں نے چند قدموں کی مسافت طے کی ہوگی کہ ایک سمت سے انہیں ایک زوردار ہذیانی قہقہہ سنائی دیا۔

یہ قہقہہ اتنا خوفناک تھا کہ ہر شخص اپنی جگہ دم بخود رہ گیا تھا اور ان کی رگوں میں لہو منجمد ہو گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ قہقہہ کس کا تھا۔ کسی بدروح یا پھر اس چڑیل کا تو نہیں جو کل رات ایک حسین عورت کے روپ میں ورغلانے آئی تھی؟

"کیا یہ کسی بدروح کا قہقہہ ہے؟" وشواناتھ نے گائیڈ سے دریافت کیا جو یہ قہقہہ سن کر خود بھی پریشان اور سراسیمہ ہو رہا تھا۔

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" گائیڈ نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ "جنگل میں بدروحیں منڈلاتی رہتی ہیں' لیکن میں نے کبھی انہیں اس طرح قہقہہ لگاتے نہیں سنا البتہ وہ حسین لڑکیوں کا روپ بھر کر مردوں کو ورغلاتی ہیں تاکہ موقع پا کر ان کا خون پی جائیں۔"

"کیا چڑیلیں خون پی جاتی ہیں؟" پرساد نے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا۔ اس کے چہرے پر پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔ "یقین نہیں آتا۔"

"ہاں۔" گائیڈ نے سر ہلا دیا۔ "یہ ان کی مرغوب ترین غذا ہوتی ہے۔ انسانی خون وہ

کسی مشروب کی طرح پی جاتی ہیں۔"

ابھی ان کے درمیان یہ باتیں ہو رہی تھیں دوڑتے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ اس کے ساتھ ہی گولی چلنے کی آواز آئی۔ وہ سب اچھل پڑے۔

فائرنگ کی گونج ختم ہوئی تو وحشت ناک قہقہے بلند ہوئے۔ ایک مرتبہ اور پھر گولی چلی۔ ایسا لگتا تھا جیسے دشمنوں میں ٹھن گئی ہو۔ ان میں سے ایک پاگلوں کی طرح ہیجانی انداز سے قہقہے لگا رہا تھا۔ دوسرا شاید اپنی جان بچا کر بھاگتا پھر رہا تھا اور وہ دونوں میں آپس میں گولی چلا رہے تھے۔ جنگل کے سناٹے میں گولی کی گونج بڑی ہیبت پیدا کر رہی تھی۔

"یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں؟" وشواناتھ نے بمل گپتا سے سوال کیا۔ "کہیں مقامی لوگ کسی بات پر آپس میں لڑ تو نہیں رہے ہیں"

"مقامی لوگ آپس میں اس طرح نہیں لڑتے ہیں۔" اس کے بجائے گائیڈ نے جواب دیا۔ "اس لئے کہ گولیاں ان کے لئے بہت قیمتی ہوتی ہیں وہ صرف درندوں پر چلاتے ہیں لیکن جب آپس میں لڑتے ہیں تو پھر نیزوں' تیر کمانوں اور اپنے بنائے ہوئے ہتھیاروں سے لڑتے ہیں۔"

بمل گپتا بھی کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتا۔ سامنے درختوں کی آڑ سے ایک آدمی بھاگتا ہوا نمودار ہوا۔ انہیں دیکھ کر ٹھٹکا پھر وہ تیزی سے ان کے قریب اس طرح آ گیا جیسے ان کی پناہ میں آنا اور انہیں ڈھال بنانا چاہتا ہو۔

"میرا ساتھی پاگل ہو رہا ہے۔" اس کی شخص کی آواز اور سانسیں قابو میں نہیں تھیں۔ وہ اٹک اٹک کر بول رہا تھا۔ "وہ ادھر ہی آ رہا ہے۔"

"کیوں؟" گائیڈ نے پوچھا۔ "کیا اسے کسی پاگل کتے نے کاٹ لیا ہے۔ جنگل میں پاگل کتے ہوتے ہیں۔ جب وہ کسی کو کاٹ لیتے ہیں تو آدمی پاگل ہو جاتا ہے۔ کہاں ہے وہ آدمی؟ اسے رسی سے باندھ کر رکھنا ہوگا۔ تم پریشان نہ ہو۔"

"وہ۔ وہ۔ میرے تعاقب میں تھا۔" اس نے سانسوں کے درمیان کہا۔ "بس اب وہ ادھر آتا ہی ہوگا۔ آتے ہی اسے پکڑ لینا۔"

وشواناتھ کو یہ آواز بڑی جانی پہچانی سی معلوم ہوئی۔ وہ ایک مرتبہ کسی کی آواز سنتا تو بھولتا نہیں تھا۔ وشواناتھ نے اس شخص کو بڑے غور سے دیکھا۔ اس کی داڑھی بے تحاشا بڑھی ہوئی تھی وہ بے حد لاغر دکھائی دیتا تھا۔

وشواناتھ نے اسے دوسرے لمحے پہچان لیا۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ "رام داس۔ تم؟"

رام داس نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے خوفزدہ نظروں سے مخالف سمت دیکھا اور تیزی سے بولا۔ "زمین پر لیٹ جاؤ یا پھر درخت کی آڑ لے لو۔ اس لئے کہ تمہاری جانوں کو بھی خطرہ ہے۔"

رام داس نے ان لوگوں کو آنے والے خطرے سے آگاہ کیا اور خود تیزی سے زمین پر لیٹ گیا۔ اس کی دیکھا دیکھی وہ سب بھی زمین پر گر گئے لیکن فوراً ہی نریندرا سانپ۔ سانپ چلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کی یہ اضطراری حرکت' اس کی زندگی کی آخری حرکت ثابت ہوئی۔

اسی لمحے سامنے کے درختوں سے لالو باہر آیا جو رام داس کا ساتھی تھا۔ اس نے نریندرا کو گھورا' رائفل سیدھی کی اور اس کا نشانہ لے کر اس پر فائر کر دیا۔ اس نے بہت تیزی سے گولی چلائی تھی' ورنہ شاید نریندرا کی زندگی بچ جاتی کیونکہ رام داس نے اسی وقت فائر کیا تھا' مگر اسے چند لمحوں کی تاخیر ہو گئی تھی۔ اگر لالو' رام داس کی طرف متوجہ ہو جاتا اور اسے نشانہ لیتے ہوئے دیکھتا تو اس پر بھی فائر جھونک دیتا۔

نریندرا اور لالو کے مرتے ہی سبھی کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ رام داس اور سوامی کے سوا سب ہی نریندرا کی طرف سرعت سے لپکے مگر وہ مر چکا تھا۔ بمل گپتا نے اس کی نبض دیکھی اور سینے پر دل کی جگہ کان بھی رکھ کر دیکھا۔ اس میں زندگی کی رمق نہیں تھی۔ پھر رام داس اپنے ساتھی لالو کی طرف لپکا تھا' جو اس کی گولی کا نشانہ بن کر موت کی آغوش میں ابدی نیند سو رہا تھا۔ اس کی آتما آسمان پر پہنچ چکی تھی۔

نریندرا نے جسے سانپ سمجھا تھا وہ ایک قریبی درخت کی ایک گول سی سیاہ مائل سی جڑ تھی جو اس زمین سے اس طرح نکل ہوئی تھی جیسے سانپ بل کھا کر اپنے بل سے باہر آ رہا ہو چونکہ وہ بہت ہراساں اور سراسیمہ ہو رہا تھا۔ اسی لئے وہ جڑ سانپ محسوس ہوئی تھی۔

رنجیت نے رام داس پر بندوق تان رکھی تھی۔ وہ اپنے ساتھی کی موت کا بدلہ رام داس سے لینا چاہتا تھا۔ اگر بمل گپتا' رنجیت کے پاس کھڑا نہ ہوتا تو وہ رنجیت کے ہاتھوں موت کی نیند سو جاتا۔ بمل گپتا نے رنجیت کے تیور سے اندازہ لگا لیا تھا' اسی لئے بمل گپتا نے رنجیت کی بندوق پر ہاتھ مارا تھا۔ بندوق اس کی ہاتھوں سے نکل کر دور جا پڑی تھی۔ رام دس کی موت جو

سر پر کھڑی تھی وہ ٹل گئی تھی۔

رنجیت جھلا کر تیزی سے بمل گپتا کی طرف پلٹا تھا۔ ایک لمحے کیلئے اسے ایسا لگا تھا کہ وہ بمل گپتا پر حملہ کر دے گا' مگر اس نے ہاتھ کے اشارے سے رنجیت کو روکا۔ "سنو! جذباتی نہ بنو اور غصے کو قابو میں رکھو۔ میری بات سنو۔ میں۔"

"کیا خاک سنوں۔"

رنجیت نے برہمی سے کہا۔

"اس کمینے رام داس کے آدمی نے میرے آدمی کو مار دیا۔ میں رام داس کو چھوڑوں گا نہیں۔"

"بلاضرورت مجھے کسی کا خون بہانا پسند نہیں۔"

بمل گپتا نے تیز لہجے میں کہا۔

"تم غصے میں اندھے ہو رہے ہو۔ کیا رام داس نے آتے ہی سب کو تنبیہ نہیں کر دی تھی؟ یہ نریندرا کی بدقسمتی تھی کہ وہ سانپ کے خوف سے کھڑا ہو گیا اور رام داس نے اوروں کو بچانے کیلئے انتہائی ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے خود اپنے ساتھی پر گولی چلا دی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا اس وقت دو تین لاشیں خون میں نہا رہی ہوتیں۔"

رنجیت نے خود کو سنبھال لیا۔ وہ بات آگے بڑھانا نہیں چاہتا تھا' لیکن وہ بدستور رام داس کو نفرت اور حقارت سے گھورے جا رہا تھا۔ اگر بمل گپتا درمیان میں نہ آتا تو وہ رام داس کو بھون چکا ہوتا۔ اسے نریندرا کی موت سے گہرا صدمہ ہوا تھا۔

"اس نے کون سا احسان کیا؟" وشواناتھ نے منہ بنا کر بمل گپتا نے کہا۔ "وہ دونوں ہی غصے میں تھے اور جانی دشمن بنے ہوئے تھے۔ رام داس پہلے ہی اپنے ساتھی پر فائر کر رہا تھا' مگر انہوں نے اپنا غصہ نریندرا پر اتار دیا۔ آپ بلاوجہ رام داس کی حمایت کر رہے ہیں۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔"

بمل گپتا نے کہا۔ "ورنہ تم یہ بات نہیں کہتے۔"

"کیسی غلط فہمی؟" وشواناتھ نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس کے دل میں ناگواری کی لہر اٹھی تھی۔

"رام داس غصے میں نہیں تھا۔" بمل گپتا نے جواب دیا۔ "وہ اپنے ساتھی کے لئے فکر مند تھا' اگر اس نے گولی چلائی بھی تھی تو اپنے ساتھی کو خوفزدہ کرنے کیلئے۔ اس نے شاید ہوائی

فائر کیا تھا۔ بدقسمتی سے لالو نے نریندرا کو مار دیا اور لالو۔ رام داس کے ہاتھوں مارا گیا۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

رام داس نے بمل گپتا کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"میں بتاتا ہوں کہ اصل بات کیا ہے۔ سفر کے دوران لالو کو ایک کالی زہریلی مکھی نے کاٹ لیا تھا جس سے اسے تیز بخار چڑھ آیا تھا اور پھر وہ بھوک سے نڈھال ہو رہا تھا۔ پہلے تو اس کا بخار اتارنے کی کوشش کی گئی' اسے بخار کی دو تین گولیاں دی گئیں۔ افاقہ نہ ہوا۔ اس سے بھوک برداشت نہ ہوئی تو اس نے زہریلا پھل کھانا چاہا۔ میں نے اسے سمجھایا کہ یہ پھل بہت زہریلا ہے تم کھاؤ گے تو مر جاؤ گے اس نے ایک نہ سنی اس کا دماغ غصے سے الٹ گیا اور وحشیانہ انداز سے مجھ پر حملہ کر دیا۔"

* * *

رام داس نے ایک لمحے کا توقف کیا۔ پھر بولا۔

"چونکہ وہ بھوک سے بے حال ہو رہا تھا اس لئے میں نے اسے دھکا دے کر گرا دیا اور اپنی جان بچا کر بھاگ نکلا۔ اس نے جو زہریلا پھل درخت سے توڑا تھا میں نے اس کے ہاتھ سے چھین کر دلدل میں پھینک دیا تھا۔ اس بات نے اسے سخت مشتعل کیا تھا۔ وہ میری جان لینے پر تل گیا تھا۔"

رام داس نے ایک مرتبہ پھر چند لمحے توقف کیا۔ اس نے پھر اپنی بات جاری رکھی۔

"اس نے فوراً بندوق اٹھالی تھی۔ میں اس کے ہاتھ میں بندوق دیکھ کر بھاگ نکلا۔ وہ ہذیانی انداز میں چیختا چلاتا میرے پیچھے بھاگتا رہا۔ درختوں اور جھاڑیوں نے مجھے اس کے ہاتھوں مرنے سے بچالیا۔ ایک جگہ اس نے مجھ پر گولی بھی چلا دی تھی۔ میں چاہتا تو اسے با آسانی موت کی نیند سلا سکتا تھا' لیکن میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ میں نے جوابی ہوائی فائر کئے تا کہ وہ خوفزدہ ہو کر رک جائے۔ وہ چونکہ مکھی کے کاٹنے اور بخار سے پاگل ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ میری جان لینے کے درپے ہو گیا اور اس نے نریندرا پر اس لئے گولی چلا دی کہ وہ سمجھا کہ یہ میں ہوں۔ غلط فہمی میں میرے بجائے نریندرا مارا گیا۔ بہر حال اس خونی حادثے پر مجھے سخت افسوس ہے۔ کاش! میں نے چند لمحے پہلے ہی فائر کر دیا ہوتا تو آپ لوگوں کا ساتھی ہمارے ساتھ ہوتا۔ ہم اپنے اپنے ساتھی سے محروم ہو گئے۔"

"یہ تو قسمت کے کھیل ہوتے ہیں۔" بمل گپتا نے کہا۔ "ان کی موت جنگل میں لکھی تھی۔ اس لئے اس نے ان دونوں کو شکار کر لیا۔ موت سے بھلا کون بچ سکتا ہے۔"

"وشوا ناتھ۔" رام داس نے بڑی عاجزی سے کہا۔ "میں تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے نہ صرف بہت شرمندہ ہوں بلکہ معافی بھی چاہتا ہوں۔ جو کچھ ہوا۔ وہ دانستہ نہیں ہوا ہے۔ میری التجا ہے کہ مجھے بھی ساتھ لے چلو۔ میں تنہا ہو گیا ہوں میری بے بسی پر رحم کھاؤ۔"

"نہیں۔" رنجیت نے سخت لہجے میں کہا۔ "تم کسی رعایت اور رحم کے مستحق نہیں ہو۔ تمہیں معاف کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم آستین کے سانپ ہو۔"

رنجیت نے کیونکہ رام داس کی درخواست رد کر دی تھی۔ اس لئے بمل گپتا کو ایک مرتبہ پھر دخل دینا پڑا۔ اس نے نرمی سے کہا۔ "اس خطرناک جنگل میں جہاں قدم قدم پر موت اپنا منہ کھولے کھڑی ہے۔ رام داس کو اس حالت میں چھوڑ دینا قطعی غیر انسانی فعل ہے۔ میرے نزدیک یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کے سینے پر بندوق کی نال رکھ کر گولی چلا دینا۔ اسے موت کی نیند سلا دینا اکیلے چھوڑ دینے سے بہتر ہوگا۔ اس طرح رام داس تمام مصیبتوں سے فوراً چھٹکارا پالے گا۔ ذرا سوچو کیا انسان ہونے کے ناتے یہ بات ہمیں زیب دیتی ہے؟"

"آپ کچھ بھی کہہ لیں۔ ہم اس شیطان کو کسی قیمت پر اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے۔" رنجیت اور وشوا ناتھ نے بیک زبان کہا۔

"ہماری منزل اب زیادہ دور نہیں ہے۔" بمل گپتا نے ان دونوں کو سمجھایا۔ "رام داس کو ہم صرف اس جگہ تک لے جائیں گے جہاں سے ہمارا گائیڈ مزدوروں کے ساتھ واپس لوٹے گا۔ وہ رام داس کو کیٹو تک پہنچا دیں گے۔ ورنہ جنگل میں وہ سانپ یا کسی موذی جانور کا نشانہ بن جائے گا۔"

تھوڑی دیر بحث و تکرار کرنے کے بعد وشوا ناتھ اور رنجیت نے بمل گپتا کی بات مان لی' مگر ان کے چہروں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ انہوں نے مجبوراً اس کی بات مانی ہے۔ اس معاملے میں بمل گپتا کو قائد بنا کر یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کی ہر بات مانیں گے تا کہ سفر خوشگوار اور باہمی اعتماد سے طے ہو۔ اگر بمل گپتا کا حکم ماننا مجبوری نہ ہوتا تو وہ اپنی ضد پر اڑ جاتے۔

رام داس نے ان دونوں کو ساتھ لے جانے کی ہامی بھرتے دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا ورنہ وہ ناامید ہو چکا تھا۔ اب اس کی جان میں جان آ گئی تھی۔

وہ آگے چلنے کے بجائے ٹھہر گئے۔ روانگی ملتوی دیکھ کر وشوا ناتھ کو حیرت ہوئی۔ اس لئے وہ بمل گپتا سے پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"اب کس لئے آپ یہاں سے روانہ ہونا نہیں چاہتے؟ شام ہونے والی ہے۔ بہتر ہوگا کہ ہم کسی مناسب جگہ چل کر ٹھہر جائیں گے۔"

"یہ دلدلی علاقہ ہے۔" بمل گپتا نے جواب دیا۔ "اس دلدلی علاقے میں کوئی مناسب مقام پڑاؤ کے لئے نہیں مل سکے گا چونکہ سہ پہر ہو چکی ہے۔ اس لئے شام کے دھندلکے میں

ہمیں وہ مقام ملنا دشوار ہو جائے گا۔ جہاں سے گوپال کے نقشے کے مطابق موت کی وادی میں داخلہ ممکن تھا۔ اس لئے ہم کوئی خطرہ کیوں مول لیں۔ کہیں اندھیرے میں دلدل کی نذر نہ ہو جائیں۔ اس لئے میں روانگی ملتوی کر رہا ہوں۔ گائیڈ نے بھی مجھے یہی مشورہ دیا ہے۔ تم گائیڈ سے پوچھ لو۔ اسے اس علاقے کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے۔"

رنجیت اس کی بات کی تہہ میں پہنچ گیا۔ بمل گپتا دراصل رام داس کی خستہ حالی کے سبب وہاں پڑاؤ ڈال رہا تھا۔

وشواناتھ نہیں چاہتا تھا کہ قائد کی باتوں کی تصدیق گائیڈ سے کرے۔ اس سے کچھ حاصل نہ تھا کیونکہ بمل گپتا نے گائیڈ سے اس کی زبان میں بات کر کے اسے ہمنوا بنا لیا ہوگا۔ وشواناتھ نے اس اندازے کی تائید رنجیت نے کی تھی۔ انہوں نے خاموشی میں بہتری سمجھی تھی۔

سونے کیلئے وہ چھولداریوں میں پہنچے تو رنجیت' پرساد اور وشواناتھ نے نریندرا کی کمی شدت سے محسوس کی تھی۔ انہوں نے اس کی چتا جلانے کے بجائے ایک گڑھے میں دفن کر دی تھی۔ لالو کی لاش بھی دوسرے گڑھے میں دبا کر اس پر مٹی اور پتھر ڈال دیئے تھے۔ رنجیت اور پرساد' وشواناتھ کے بستر پر بیٹھ گئے تو وشواناتھ نے رام داس کا ذکر چھیڑ دیا۔

"کیا تمہیں اس بات کی خبر ہے جب بمل گپتا نے تمہیں رام داس پر فائر کرنے سے روکا تھا۔ اس وقت کیا ہوا تھا؟" وشواناتھ نے رنجیت سے پوچھا۔

"نہیں۔" رنجیت نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں تو اس وقت رام داس کو ختم کرنے پر تلا ہوا تھا۔ تب میں نے کچھ بھی محسوس نہیں کیا تھا۔"

"میں اس وقت سوامی کو دیکھ رہا تھا۔" وشواناتھ نے جواب دیا۔ "اس نے تم پر بندوق تان لی تھی۔ اگر تم نے خود کو بمل گپتا کی بات مان کر روک لیا نہ ہوتا تو تمہارے ہاتھ سے بندوق چھوٹ گر کر پڑی ہوتی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تمہیں بلا تامل گولی مار دیتا۔ اس کے تیور ہی ایسے تھے۔"

رنجیت نے جھرجھری سی لی۔ اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی تھی۔ چند لمحوں کے بعد اس نے سرگوشی میں پرساد سے کہا۔ "سوامی بہت خطرناک آدمی ہے وہ کسی سانپ کی طرح زہریلا ہے۔ اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا یہ تمہاری مستقل ڈیوٹی ہوگی کہ تم اس پر کڑی نظر رکھو۔ غیر محسوس انداز سے تاکہ اسے شک نہ ہو سکے کہ اس پر نظر رکھی جا رہی ہے۔"

"ہاں۔ اب میں کل سے اس کی حرکات و سکنات پر نظر رکھوں گا۔" پرساد نے کہا۔

"اسے ایک لمحے کیلئے بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دونگا۔"

"اگر آئندہ ایسا کوئی موقع آئے تو تمہارا فرض ہوگا کہ اسے کچھ کرنے سے پہلے ہی ختم کر دو۔" رنجیت نے کہا۔ "ورنہ وہ ہمیں ختم کر دے گا۔"

"کیا بمل گپتا اس بات کو برداشت کرے گا؟" پرساد نے پوچھا۔

"وہ سوامی کو نہ صرف پسند کرتا بلکہ اس پر جان چھڑکتا ہے۔"

"بمل گپتا سے میں نمٹ لوں گا۔" وشواناتھ بولا۔ "اس نے زیادہ گڑبڑ کی تو میں اسے موت سے ہمکنار کر دوں گا ہمیں اپنی جان عزیز ہے۔"

"ہم یہ معاملہ ختم کریں گے؟" رنجیت نے کہا۔ "میں رام داس سے نریندرا کی موت کا بدلہ لے کر رہوں گا۔ کیونکہ نریندرا ہمارے بچپن کا دوست تھا۔ رام داس کے خلاف میرے سینے میں جو نفرت اور انتقام کی آگ سلگ رہی ہے وہ رام داس کے خون سے ہی بجھے گی۔"

"ہاں۔" پرساد نے تائید کی۔ "تمہاری ذمے داری رام داس کو ختم کرنا ہے اور میری ذمے داری سوامی پر نظر رکھنی ہے۔"

* * *

گائیڈ جس کا نام گوتم تھا۔ اس نے اپنے دوست اور ساتھی رندھیر کو ایک گوشے میں لے جا کر سرگوشی کی۔

"سنو۔ اس سے پہلے کہ ہم اور آگے جائیں میں نے فرار کا منصوبہ بنایا ہے۔ کیا تم تیار ہو؟"

رندھیر کے چہرے پر استعجاب سا چھا گیا۔ اسے گوتم کی بات کا یقین نہ آیا۔ اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

"وہ کیوں اور کس لئے۔؟ میں کچھ سمجھا نہیں۔ ہم اس پارٹی کے قیدی نہیں ہیں۔ تم گائیڈ اور ہم۔"

"اس لئے کہ ہم دونوں ان لوگوں سے پہلے وہاں پہنچ کر سونا نکال لے جائیں۔" گوتم نے اس کی بات کاٹی۔

"لیکن تم نے مجھے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی؟" رندھیر حیرت سے بولا۔ یہ تمہیں اس کا اچانک خیال کیوں آیا؟"

"ان کی باتیں سن کر۔" گوتم نے جواب دیا۔ "ان کی جو منزل ہے وہ سونے کی کان ہے۔ سونے کی کان سے کتنا سونا حاصل کیا جا سکتا ہے یہ تو تم جانتے ہو۔ ہم سونا حاصل کرنے کے بعد دنیا کے امیر ترین آدمی بن جائیں گے۔ اس لئے تو یہ لوگ اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر موت کا سفر کر رہے ہیں۔ قدم قدم پر موت اپنا منہ کھولے کھڑی ہے۔"

"اگر وہ ہمارے پیچھے پیچھے پہنچ گئے تو۔؟" رندھیر نے سوالیہ نظروں سے دیکھا اور اپنا خدشہ ظاہر کیا۔ "وہ ایک مٹھی سونا بھی نہیں لے جانے دیں گے۔ ہمیں جان سے مار دیں گے۔ کیا تم نے یہ بات سوچی ہے؟ اس پہلو پر بھی غور کیا؟"

"دو دن پہلے مجھے اچانک خیال آیا۔ میں نے انہیں اس خیال کے آتے ہی غلط راستے

پر ڈال دیا ہے۔ ایک ایسے راستے پر جو نہ صرف لمبا اور کٹھن ہے بلکہ انہیں وہاں پہنچنے میں پندرہ سے بیس دن لگ جائیں گے۔" گوتم نے کہا۔ "یہ بھٹک گئے تو ڈیڑھ ماہ بھی لگ سکتا ہے۔"

"لیکن ہمیں کتنے دن لگیں گے؟" رندھیر نے پوچھا۔

"زیادہ سے زیادہ دو دن۔" گوتم نے جواب دیا۔ "یہ ایک شارٹ کٹ راستہ ہے۔ میں نے انہیں اس لئے نہیں بتایا کہ وہ معاوضہ کم دیتے۔ لمبا اور دشوار گزار راستے کے باعث تو انہوں نے منہ مانگا معاوضہ دیا ہے۔"

"وہاں جانے کے بعد اتفاق سے ان سے مڈبھیڑ ہو گئی تو اس صورت میں ہم کیا کریں گے؟" رندھیر نے کہا۔

"مڈبھیڑ کیوں ہو گی؟" گوتم نے متعجب لہجے میں کہا۔ "میں نے تم سے کہا نا کہ انہیں غلط راستے پر ڈال دیا ہے۔"

"اس لئے کہ ان کے پاس نقشہ ہے۔ وہ اس کی مدد سے وہاں پہنچ گئے تو وہ ہمیں چھوڑ دیں گے؟" رندھیر نے خیال ظاہر کیا۔

"وہ ہمیں دور سے ہی آتے دکھائی دیں گے۔" گوتم نے کہا۔ "ہم چھپ کر انہیں قتل کر دیں گے۔ آخر رائفلیں کس لئے ہوں گی؟"

"کیا ہم اتنے سارے لوگوں کو بے رحمی سے موت کی نیند سلا دیں؟" رندھیر نے حیرت اور خوف سے کہا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" گوتم مسکرایا۔ "ساری دنیا میں جو کشت و خون' دہشت گردی اور ظلم و ستم کس لئے ہو رہا ہے۔؟ صرف دولت کے لئے۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو یہ کون سا پاپ ہو گا۔ تم جذباتی ہو کر نہ سوچو۔"

"گوتم کیا یہ دھوکا اور فریب نہیں ہے۔" رندھیر بولا۔ "ایک تو انہوں نے نہ صرف منہ مانگا معاوضہ دیا ہے بلکہ انہوں نے اس بات کا بھی وعدہ کیا کہ موت کی وادی میں پہنچ کر کچھ سونا بھی دیں گے۔"

"اس بات کی کوئی ضمانت نہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنا کام نکالنے کے لئے جھوٹا وعدہ کیا تھا۔" گوتم نے کہا۔ "یہ لوگ قابل بھروسا نہیں ہیں۔"

"ہمیں سونے کی کان سے سونا نکالنے میں کتنے دن لگ جائیں گے۔؟ کیا تمہیں اس کا اندازہ ہے؟" رندھیر نے دریافت کیا۔

"دو تین دن۔" گوتم نے جواب دیا۔ "ہمیں اتنا سونا مل جائے گا کہ ہماری سات پشتیں عیش کریں گی۔ ہمارے گھروں میں سونا ہی سونا ہوگا۔ زندگی کا ہر دن اور رات خواب ناک ہو گی۔"

"یہ جو مزدور ہیں کیا ہم انہیں بھی ساتھ لے جائیں گے؟" رندھیر نے خوش ہو کر سوال کیا۔

"نہیں۔" گوتم نے نفی میں سر ہلایا۔ "اگر انہیں ساتھ لے گئے تو انہیں بھی سونا دینا ہو گا۔ وہ کل پانچ عدد ہیں۔ ان کا بھی کوئی بھروسا نہیں۔ سونا دیکھ کر ان کی نیت میں فرق آ سکتا ہے اور وہ ہمیں راستے سے ہٹا سکتے ہیں۔ انہیں لے جانے کا خطرہ مول کیوں لیں؟"

"کیا اب وہ ہمارے ساتھ فرار ہونے کے لئے آمادہ ہو جائیں گے؟" اگر انہوں نے انکار کر دیا تو تم کیا کرو گے؟"

"میں ان سے کہوں گا کہ وہاں جان جانے کا شدید خطرہ ہے اس لئے ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہئے۔ وہ تیار ہو جائیں گے۔ میں صبح سویرے انہیں کچھ رقم دے کر رخصت کر دوں گا اور ان سے کہوں گا کہ تمہارے اور میرے گھر جا کر کہہ دیں گے ہم شہر کی طرف کسی کام سے جا رہے ہیں۔ کچھ دنوں میں واپسی ہو گی۔ یوں بھی یہ میری ہر بات اور ہر حکم مانتے ہیں۔ ان کی مجال نہیں کہ وہ فرار ہونے سے انکار کر دیں۔"

"لیکن اس وقت ہمارا فرار ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔" رندھیر نے کہا۔ "کسی کی نظروں میں آ سکتے ہیں۔"

"مشکل کیوں ہے۔؟" گوتم نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "وہ دن بھر کی مسافت سے تھکے ہوئے ہیں اور گہری نیند سو رہے ہیں۔"

"اس لئے کہ ان کا ایک ساتھی پہرا دے رہا ہے۔" رندھیر نے بتایا۔ "وہ رائفل لئے چوکنا بیٹھا ہوا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی اور بھی جاگ رہا ہو۔ وہ آہٹ سن کر مشکوک ہو کر خیمے سے باہر بھی آ سکتا ہے۔"

"تم اس بات کی چنتا نہ کرو۔" گوتم نے مسکراتے ہوئے اسے دلاسا دیا۔ "میرے پاس ایک نشہ آور جڑی بوٹی ہے جو بڑی عجیب قسم کی ہے۔ اس کی دھونی سے اس کا دھواں اور عجیب سی بو جس کی ناک میں پہنچتی ہے وہ لمحوں میں بے ہوش ہو جاتا ہے اور اسے دنیا و مافیہا کی کوئی خبر نہیں رہتی ہے۔ یہ بڑے کمال کی چیز ہے۔ اتفاق سے میرے پاس اس وقت اتنی مقدار میں

موجود ہے کہ ان سب کو آسانی سے بے ہوشی کی دنیا میں پہنچا کر ہماری مشکل دور کر سکتی ہے۔"

"یہ جڑی بوٹی تمہارے پاس آئی کہاں سے۔؟" رندھیر نے کہا۔ "تم نے کبھی اس جڑی بوٹی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔"

"یہ ایک افریقی سیاح نے مجھے دی تھی۔ یہ وہاں بکثرت پائی جاتی ہے۔" گوتم نے بتایا۔ "وہ اس کی بو سے درندوں اور جانوروں کو بے ہوش کر دیتے تھے۔ یہ عموماً وہاں لوبان کی طرح انگیٹھی میں ڈال کر استعمال کی جاتی ہے' جہاں رات کے وقت خطرناک درندوں کے گھروں پر حملہ کا خدشہ ہوتا ہے۔ میں نے اس لئے نہیں بتایا کہ اس کا موقع نہیں ملا تھا۔"

گوتم اس کونے کی طرف بڑھ گیا جہاں مزدور گہری نیند میں غرق تھے۔ اس نے ایک ایک کر کے جگایا۔ انہیں بتایا کہ وہ یہاں سے فرار ہو رہے ہیں کیوں کہ جو بھی موت کی وادی میں گیا وہ واپس نہیں آیا۔ یہ سنتے ہی مزدور خوش ہو گئے۔ پھر اس نے ان سب سے کہا کہ وہ اپنے منہ اور ناک پر کپڑا باندھ لیں تاکہ بو ان کی ناک اور منہ کے راستے دماغ میں نہ گھس جائے۔ جب انہوں نے اور رندھیر نے اپنی ناکوں اور منہ پہ کپڑا باندھ لیا تاکہ یہ بو ان کی ناک اور منہ کے راستے دماغ میں نہ گھس جائے۔ تو اس نے مٹی کے ایک دیے میں آگ جلائی۔ پھر اس نے وہ جڑی بوٹی اس میں ڈال دی تو اس کی عجیب و غریب بو پھیلنے لگی۔ پھر وہ پیالہ لے کر پرساد کے پاس گیا' جو پہرا دیتے ہوئے اونگھ رہا تھا۔ پھر وہ اس خیمے میں جا کر اس میں جڑی بوٹی کی دھونی دے آیا جہاں سب سو رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جا کر اس نے ایک ایک کو ہلا کر تسلی کی۔ سبھی بے ہوشی کی آغوش میں سوئے ہوئے تھے۔ اب ان سے کسی بات کا ڈر اور خوف نہیں رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوگ ایک قافلہ کی صورت میں گوتم کی رہنمائی میں گھپ اندھیرے میں چل پڑے۔ سارا راستہ گوتم اور رندھیر سونے کے خزانے کا خواب دیکھتے رہے لیکن انہوں نے اس موضوع پر آپس میں اس لئے بات نہیں کی کہ مزدور ساتھ تھے۔

گوتم خزانے کا خواب دیکھتے دیکھتے ایک اور خواب دیکھنے لگا۔ وہ تھا رندھیر کی بیوی کا۔ رندھیر کی بیوی نہایت حسین وجمیل تھی۔ جتنی حسین تھی اس سے کہیں غیر معمولی پرکشش تھی۔ دو بچوں کی ماں بننے کے بعد عورت کا جسم قدرے ڈھل جاتا اور بے کشش سا ہو جاتا تھا۔ اس لئے کہ وہ اس کے بجائے بچوں پر توجہ دیتی تھیں۔ حالانکہ اس کی بیوی نے کبھی بھی جسم پر توجہ نہیں دی تھی۔ اس کا پرشباب بدن ایسا گداز ہو گیا تھا کہ وہ مردوں پر بجلی بن کر گرتا تھا۔ مرد

ٹھنڈی آہیں بھر کر رہ جاتے تھے۔

گوتم نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس سفر کے دوران جب سونا لے کر واپسی ہو گی تب وہ موقع پا کر رندھیر کو قتل کر دے گا۔ اگر وہ کامیاب نہ ہو سکا تو پہلے تو وہ اس بات کی کوشش کرے گا کہ وہ سونے کے عوض رندھیر اپنی بیوی کو فروخت کر دے۔ اس بات کا امکان تھا کہ رندھیر سونے کے لالچ میں اسے فروخت بھی کر دے کیوں کہ وہ برسوں سے اس عورت کے ساتھ زندگی گزار رہا ہے۔ آدمی ایک کھلونا سے کتنا کھیل سکتا ہے۔ جی بھر جاتا ہے۔ اکتا جاتا اور بیزار بھی ہو جاتا ہے۔ گاؤں میں نوجوان اور حسین لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ اگر وہ کسی وجہ سے اپنی بیوی کو اس کے ہاتھ نہیں بیچتا ہے تو وہ خود ایک منصوبہ بنا کر رندھیر کو راستے سے ہٹا دے گا۔ پھر وہ رندھیر کی بیوی سے شادی کر لے گا۔ اس کی بیوی بچوں کے ودھوا ہونے کے بعد سہارے کی ضرورت ہو گی اور بچوں کا مستقبل بھی ہو گا اس لئے اس سے شادی کر لے گی۔

جس وقت پو پھٹ رہی تھی تب وہ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں سے ان کا گاؤں بہت دور تھا۔ جب صبح کا اجالا پھیلنے لگا تب گوتم نے ان مزدوروں کو کچھ رقم دے کر رخصت کر دیا۔ اس سے پہلے مزدوروں نے تین مرغابیاں راستے میں شکار کی تھیں جنہیں بھون کر ناشتہ کیا گیا تھا۔ مزدوروں کے جانے کے بعد ایک گھنے درخت کے نیچے نرم نرم گھاس پر لیٹ کر گہری نیند میں غرق ہو گئے۔

بیدار ہونے کے بعد رندھیر نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ وہ ساری رات چل کر جو یہاں پہنچے تھے گھنے اور تاریک اور بڑے بڑے جنگلات سے۔ رندھیر کے پاس بھی ٹارچ تھی اور گوتم کے پاس بھی اور مزدوروں کے پاس بھی۔ دو بندوقیں بھی تھیں۔ یہ دونوں بندوقیں گوتم کی تھیں۔ رندھیر کو شکار کا شوق تھا۔ گوتم اسے متعدد بار شکار کھیلنے لے گیا تھا' لیکن رندھیر کسی دور دراز کے جنگلوں میں شکار کھیلنے گیا تھا۔ گوتم چوں کہ شکاری بھی تھا اور گائیڈ بھی۔ وہ شکاری جماعتوں کے ساتھ شکار کھیلنے اور ایک گائیڈ کی حیثیت سے ان کی رہنمائی کرتا تھا۔ اسے ان جنگلات کے بارے میں زیادہ علم نہ تھا۔

جب گوتم بیدار ہوا تو رندھیر نے اس سے پوچھا۔

"ہم اس وقت کہاں پر ہیں اور یہاں سے موت کی وادی کتنی دور واقع ہے؟ کون سا راستہ اس سمت جاتا ہے؟"

"میں اس راستے پر صرف ایک بار آیا تھا اور موت کی وادی کے قریب جا کر لوٹ آیا

تھا۔ کیوں کہ غیر ملکی شکاریوں کی جماعت وہاں نہیں گئی تھی۔ اس لئے کہ یہ بات کسی کے علم میں نہیں تھی کہ موت کی وادی میں سونے کی کان بھی ہے۔" گوتم نے کہا۔

"تم تو اس علاقے کے چپے چپے سے واقف ہو گے؟" رندھیر نے کہا۔ "تم نے یہ نہیں بتایا کہ موت کی وادی کتنی دور ہے؟"

"یہاں سے چھ میل کے فاصلے پر ایک دریا بہتا ہے۔" گوتم کہنے لگا۔ "یہ دریا بارہ میل دور دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اس حصے میں ایک وسیع و عریض پہاڑوں سے گھری ہوئی وادی ہے۔ اس وادی کے اندر بہت سارے قدرتی غار ہیں اور پورا علاقہ گھنے جنگلات سے پٹا پڑا ہے۔ ان جنگلات میں قبائلیوں کی بستیاں بھی آباد ہیں' جو تہذیب و تمدن سے نا آشنا ہیں۔ وہ ننگ دھڑنگ ہوتے ہیں۔ کچھ بستیاں ایسی بھی ہیں جن کے باشندے نیم برہنہ رہتے ہیں۔ قدرتی غار ایسے ہیں کہ اس میں تین چار سے سات آٹھ افراد تک رہ سکتے ہیں اور پھر ایک بستی ایسی ہے جہاں سے ہمیں کشتی کرائے پر مل سکتی ہے۔ اس کشتی سے ہم موت کی وادی کے کنارے جا سکتے ہیں۔ کنارے سے دس میل اندر جانا ہو گا۔ یہ موت کی وادی کا عقبی حصہ اور راستہ ہے۔ اس راستے جانے سے ہم موت کی وادی بغیر کسی رکاوٹ اور دشواری سے شام تک پہنچ جائیں گے۔"

"کیا تمہیں ان بستیوں میں جانے اور ان بستیوں کے باشندوں سے بھی واسطہ پڑا ہے؟" رندھیر نے کہا۔ "وہ وحشی ہوتے ہوں گے۔"

"اس علاقے میں جو بستیاں ہیں وہ دور افتادہ مقامات پر ہیں۔ چوں کہ یہ شہروں سے میلوں اندر ہیں اس لئے وہاں آمد و رفت نہیں ہوتی ہے۔ یہ جنگلی اور وحشی ہوتے ہیں۔ اجنبیوں کے بدترین دشمن ہوتے ہیں اور انسانوں کا گوشت انہیں بے حد مرغوب ہوتا ہے۔ وہ انسانوں کو بھون کر کھا جاتے ہیں۔"

"لیکن ایسے آدم خور جنگلی تو سنا ہے کہ افریقہ میں ہوتے ہیں۔" رندھیر نے کہا اور پوچھا۔ "یہاں تو ایسا نہیں ہوتا ہو گا؟"

"دنیا کے کسی بھی خطے کا جنگلی کیوں نہ ہو وہ وحشی اور درندہ صفت ہوتا ہے۔" گوتم نے کہا۔ "اب تک کسی ایسے جنگلی سے واسطہ نہیں پڑا اور نہ ہی سنا ہے' لیکن ایسے آدم خور ہو سکتے ہیں۔"

"بھیا! میری مانو واپس چلے چلو۔" رندھیر نے قدرے سہم کر کہا۔ "سفر تو موت کا سفر

بن جائے گا۔ ایسا خزانہ کس کام کا؟"

"یار رندھیر! تم بڑے ڈرپوک اور بزدل نکلے۔ میں تو تمہیں ایسا نہیں سمجھتا تھا۔" گوتم ہنس کر بولا۔ "ہمارے پاس جدید ترین بندوقیں' گولیاں اور میگزین بھی ہیں۔ یہ جو جنگلی قبائل ہوتے ہیں تو ان کے پاس نیزے اور تیر کمان ہوتے ہیں۔ تم ایک ماہر نشانہ باز ہو۔ پھر ان سے ڈر خوف کس بات کا۔ میں نے سنا ہے کہ بندوق کی گولی سے بہت خوف کھاتے ہیں۔"

"اچھا اب چل پڑو۔" رندھیر کہنے لگا۔ "تاکہ ہم دن ڈوبنے سے پہلے پہنچ جائیں کیوں کہ جنگل بہت ہی بڑا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری بو سونگھ کر کوئی وحشی آ جائے۔ ہماری گولی کا نشانہ بن جائے اور ہم کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔"

گوتم نے تھیلا سنبھالا جس میں شکاری چاقو اور ضرورت کی چیزیں اور فرسٹ ایڈ کا سامان بھی تھا۔ دونوں چل پڑے۔ جنگل گھنا اور تاریک تھا' لیکن سورج کی روشنی چھن چھن کر آ رہی تھی۔ تاہم وہ دونوں بڑے محتاط ہو کر اور سنبھل سنبھل کر چل رہے تھے۔

دفعتاً گوتم پاگلوں کی طرح چیخنے اور چلانے لگا اور اس کی آواز نے جنگل کے سکوت میں ارتعاش پیدا کر دیا۔

اگر رندھیر بجلی کی سی سرعت ایک طرف ہٹ نہ جاتا تو وہ موذی اس کا کام تمام کر جاتا۔ رندھیر اس کی چیخیں سن کر سمجھ گیا تھا کہ گوتم اسے کسی ناگہانی خطرے سے آگاہ کر رہا ہے۔ ورنہ وہ اس بری طرح چیختا نہیں۔

یہ کالے رنگ کا ایک ہیبت ناک ناگ تھا جو درخت کے اوپر سے گرا تھا۔ وہ بڑی موٹی جسامت کا تھا۔ کوئی دس فٹ لمبا بھی تھا۔ وہ اپنا پھن پھیلائے اپنی زرد زرد آنکھوں سے گوتم کو گھور رہا تھا۔ وہ رندھیر کے ہٹ جانے سے اس ناگ کے مقابل آ گیا تھا۔ اس کی لمبی سرخ زبان نہایت سرعت سے بار بار باہر نکلتی۔ اس کے اور گوتم کے درمیان فاصلہ کوئی ایک گز کا ہو گا۔ ناگ کے تیور انتہائی خطرناک تھے۔ اس نے اپنے اوسان بحال کئے' جسم کو حرکت دیئے بغیر چیخ کر رندھیر سے کہا۔

"یہ تم کھڑے کھڑے شکل کیا دیکھ رہے ہو۔ اگر میں نے بندوق اٹھائی تو چشم زدن میں مجھے ڈس لے گا۔"

رندھیر نے شکار میں کئی درندوں کو ہلاک کیا تھا اور پھر اس سے دو قتل بھی ہو چکے تھے۔ یہ قتل غیر ارادی طور پر ہوئے تھے۔ ایک قتل اس نے اپنے ایک دیرینہ دشمن کا کیا تھا جس نے

اس کے پتاجی کو کسی تنازع پر قتل کیا تھا۔ دوسرا قتل اس نے اپنی عزت کی عزت محفوظ رکھنے کے لئے کیا تھا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ قانون کے آہنی ہاتھوں سے بچ گیا۔ قانون اس کا سراغ نہ لگا سکا تھا۔ ناگ کو دیکھتے ہی وہ پتھر کا بن گیا تھا اور پھر وہ کبھی پھٹی نظروں سے ناگ کو دیکھتا اور کبھی گوتم کو۔ اس کے ہاتھوں میں جان ہی نہیں رہی تھی۔ موت کا سایہ اس کے قریب ہو رہا تھا۔ گوتم کو ایسا لگ رہا تھا اس کی نظروں کے سامنے موت کا فرشتہ کھڑا ہوا ہے۔

گوتم نے دوسری مرتبہ چلا کر رندھیر سے فائر کرنے کے لئے کہا۔ "یہ تم کھڑے میری اور اس کی شکل کیا دیکھ رہے ہو؟"

اس مرتبہ رندھیر کو ہوش سا آیا۔ گوتم نے دیکھ اور محسوس کر لیا تھا کہ رندھیر کے ہاتھ تھر تھر کانپ رہے ہیں۔

گوتم نے سمجھ لیا کہ اب وہ موت کے منہ سے بچ نہیں سکتا۔ موت اسے اتنی مہلت نہ دیتی کہ وہ بندوق اٹھا کر ناگ کو نشانہ بنا دے۔ اس کے جسم اور ہاتھ میں حرکت ہوتے ہی کالا ناگ اس پر حملہ آور ہو کر اسے ڈس لیتا۔

اس وقت رندھیر نے دل میں کہا۔ "گوتم تم بھی تو ناگ ہو اور تمہارے سامنے بھی تو ناگ ہے۔"

لیکن تم اس کے مقابلے میں زیادہ مہلک اور زہریلے ہو۔ ناقابل معافی ہو۔

ایک پل کے ہزارویں حصے میں رندھیر سوچنے لگا۔ کیا وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کالا ناگ کو شوٹ نہ کرے کیوں کہ گوتم نے اس کی بیوی کے ساتھ جو کچھ کیا' اس میں اور ناگ میں کوئی فرق نہیں رہا۔ وہ اس کی بیوی کو ایک ناگ کی طرح ڈستا رہا۔ گوتم کی حرکتوں کے بارے میں اس کی بیوی نے کو بتایا نہیں تھا' لیکن اسے اندازہ تھا کیوں کہ ایک دن وہ دفتر سے جلد گھر آیا تو اس نے اپنی بیوی کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔ نہ صرف لباس بے ترتیب تھا بلکہ بستر کی چادر کی ان گنت شکنیں گزرے لمحات کا فسانہ سنا رہی تھیں۔ اس کی مجبوری یہ تھی کہ وہ گوتم کا گریبان پکڑ نہیں سکتا تھا۔ اس لئے کہ اس کے ماں باپ گوتم کے تین چار برسوں سے مقروض تھے۔ یہ رقم انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی پر لی تھی۔ ابھی تک وہ رقم ادا نہیں کر سکے۔ یہ رقم سود پر دی ہوئی تھی۔ وہ یہ سود اس کی بیوی سے بستر کی زینت بنا کر وقتاً فوقتاً وصول کرتا رہتا تھا۔

اسے اس بات کا شک تھا اور پھر یہ کہ اس کی بیوی اپنے ماں باپ سے بے انتہا محبت کرتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی ہو گی گوتم اس کے ماں باپ کو ذلیل اور رسوا کرے۔ پریشان نہ کرے۔ ان کی

عزت کی خاطر وہ اپنی عزت کی پروا نہیں کرتی تھی۔ قرض اتنا ادا تھا کہ رندھیر کے لئے بھی ادا کرنا بہت مشکل تھا۔ چوں کہ وہ اس دن اچانک اور غیر متوقع آ گیا تھا اس لئے یہ بات اس کے علم میں آ گئی تھی۔ شاید یہ سلسلہ عرصہ سے چل رہا تھا۔ چوں کہ اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا کہ گوتم سود اور قرض کے بہانے اس کی بیوی سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اس لئے وہ نفرت اور غصے سے خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا تھا۔ کتنی مرتبہ اس نے گھر کی نگرانی کی اور پھر بیوی سے گھما پھرا کر پوچھا تھا' لیکن ایک عورت اپنی بے آبرو کی کہانی کیسے اور کیوں کر سنا سکتی تھی۔ ویسے جب کبھی بھی گوتم کا کسی بات پر ذکر آتا تو اس کی بیوی کے چہرے پر غصہ اور آنکھوں میں نفرت اور حقارت پھیل جاتی تھی۔

اسے اپنی بیوی سے بے انتہا محبت تھی۔ وہ اس کے محلے کی تھی۔ ان دونوں کی محبت کی شادی تھی۔ اس کی بیوی نہایت حسین وجمیل اور جاذبیت سے بھری ہوئی تھی۔ اتنی حسین لڑکی اس کے محلے میں نہ تھی۔ وہ ایک پر جوش محبت کرنے والی بیوی تھی۔ ان کی شادی کو چار برس کا عرصہ گزر چکا تھا۔ وہ دو بچوں کی ماں بن کر اور حسین اور پر کشش ہو گئی تھی۔ اس کے پر شباب گداز بدن میں بجلیاں بھری ہوئی تھیں۔ راہ چلتے لوگ نہ صرف اسے ندیدی نظروں سے گھورتے تھے بلکہ مرد آہیں بھرتے تھے۔ اسے اس وقت تک دیکھتے رہتے تھے جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو جاتی۔ وہ یہ سب کچھ دیکھ اور دل مسوس کر رہ جاتا تھا۔

جب سے اس کی زندگی میں بہار بن کر آئی تھی تب سے ہر رات سہاگ کی پہلی رات کی طرح تھی۔ وہ اسے ہر وقت خوش کرنا اور رکھنا اپنا دھرم سمجھتی تھی۔ بڑی محبت اور گرم جوشی سے پیش آتی تھی۔ کبھی بھی کسی بات سے انکار نہیں کرتی تھی۔ اس کی سیوا ایسی تھی کہ وہ ایک مثالی بیوی بن گئی تھی۔ وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ گوتم اس کی بیوی کے شریر کو میلا کر چکا ہے' زندگی گزار رہا تھا۔ وہ یہ بات بھی جانتا تھا کہ اس میں اس کی بیوی کا کوئی دوش نہیں۔ اس کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھایا گیا۔ اس نے گوتم سے اس لئے دوستی رکھی ہوئی تھی کہ کسی دن موقع پا کر گوتم کو راستے سے ہٹا دے گا۔ اسے اب تک کوئی موقع نہیں ملا تھا۔ دراصل وہ اس طرح سے گوتم کو موت کی نیند سلانا چاہتا تھا کہ قانون کی زد میں نہ آئے۔

اس نے اس لمحے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اس بات کی کوشش کرے گا گوتم کو بے رحمی اور درندگی سے قتل کر دے۔ جبھی اس کے کلیجے میں جو نفرت اور انتقام کی آگ جل رہی ہے وہ ٹھنڈی ہو سکتی ہے۔ سونا پانے کے بعد کسی دن موقع پا کر فرار ہو کر اپنی بیوی اور بچوں کے پاس

چلا جائے گا۔ جاتے جاتے یہاں سے ہیرے جواہرات اور جتنا سونا لے جا سکتا ہے لے جائے گا۔ ادھر گوتم نے بھی بہت کچھ سوچ لیا اور فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ بہت دن پہلے کی بات تھی۔

وہ کسی صورت میں رندھیر کو زندہ رہنے نہیں دے گا بلکہ معذور بھی نہیں کرے گا۔ موت کی نیند سلا دے گا۔ وہ رندھیر کی بیوی کی نوجوانی کے آغاز سے اس کے خواب دیکھ رہا تھا' لیکن رندھیر اسے لے اڑا تھا۔ وہ رندھیر کا مقدر بن گئی تھی۔ گوتم کی سیاحوں اور شکاریوں سے بہت آمدنی ہوتی تھی۔ اسے مقرر کردہ رقم کے علاوہ جو ٹپ ملتی تھی غیر ملکی کرنسی میں اس لئے اس کے پاس دولت کی ریل پیل تھی۔ وہ سود خور بھی تھا۔ سود در سود پر قرض دیتا تھا۔ اس نے رندھیر کے ساس سسر کو بھی بیٹی کی شادی کے لئے قرض دیا ہوا تھا۔ شادی کے تین ماہ تک ان لوگوں نے سود برابر ادا کیا۔ پھر چھ ماہ کا وقفہ ہو گیا۔ رندھیر کی بیوی کا باپ اکثر بیمار رہنے لگا۔ وہ ایک باعزت شخص تھا۔ چوں کہ وہ بیمار رہنے لگا تھا۔ جس سے اس کی آمدنی بڑی متاثر ہو رہی تھی۔

ایک روز اس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ سود کے بہانے رندھیر کی بیوی سے فائدہ اٹھائے۔ وہ اکیلی گھر میں رہتی ہے۔ ایک روز رندھیر کی غیر موجودگی میں اس کے گھر گھس گیا۔ اس وقت رندھیر کی بیوی شیاما نہا کر دھوپ میں بال سکھا رہی تھی۔ اس وقت اس کا حسن وشباب دو آتشہ بنا ہوا تھا۔ گوتم کے دل پر بجلی سی آ گری تھی۔

شیاما نے اس کی آنکھوں میں میلا پن دیکھا تو چونک اور پریشان ہو کر بولی۔

"تم اس وقت کس لئے آئے ہو۔ وہ دفتر گئے ہوئے ہیں۔"

"میں رندھیر سے نہیں بلکہ تم سے ایک ضروری بات کرنے آیا ہوں۔" وہ بولا۔

"کون سی ضروری بات کرنے آئے ہو؟" شیاما نے حیران ہو کر پوچھا۔

"تمہارے باپ نے تمہاری شادی کے موقع پر جو قرض لیا تھا وہ اس کا سود ادا نہیں کر رہا ہے۔"

"قرض میرے پتا جی نے لیا ہے میں نے نہیں۔ تم ان سے بات کرو۔ مجھ سے کیوں کر رہے ہو؟" وہ تنک کر بولی۔

"میں جب بھی تمہارے پتا جی کے پاس جاتا ہوں وہ بیماری کے حیلے بہانے کر دیتا ہے۔" گوتم نے کہا۔

"یہ بات پورا محلہ جانتا ہے۔ اس میں ذرا برابر جھوٹ نہیں ہے۔" شیاما بولی۔

"جھوٹ ہے یا سچ ہے۔ مجھے اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ مجھے تو قرض اور سود سے واسطہ

ہے۔'' گوتم کاروباری لہجے میں کہنے لگا۔
''وہ قرض ادا نہیں کر سکے۔ کوئی بات نہیں۔ سود ادا کرتے رہیں۔ جب سہولت ہو جائے تب قرض ادا کر دیں۔''
''کیا تم نے یہ بات میرے پتا جی سے کہی تھی۔؟'' شیاما نے کہا۔ ''وہ شاید سود دیتے رہیں۔''
''میں جب بھی ان سے سود وصول کرنے جاتا ہوں ان سے یہ بات کہتا ہوں' لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آتا ہے۔''
''تم انہیں مہلت دیا کرو۔ تم سود در سود پر قرض دیتے ہو۔ کیا یہ زیادتی نہیں ہے؟''
''میں جس کو قرض دیتا ہوں اس سے صاف کہہ دیتا ہوں اور لکھوا بھی لیتا ہوں کہ یہ سود در سود ہے۔ اس میں ایک کوڑی کی بھی رعایت نہیں ہے۔ تمہارے پتا جی نے جو کاغذ لکھا ہے انہوں نے میری شرط منظور کی ہے۔''
''ان پر کتنا سود چڑھا ہوا ہے۔؟'' شیاما نے پوچھا۔ ''کیا تم مجھے بتانا پسند کرو گے؟''
''بیس ہزار روپے۔'' اس نے بتایا۔ ''وہ تو بیس روپے بھی ادا نہیں کر پاتے ہیں۔'' وہ بولا۔
''بیس ہزار روپے۔'' شیاما کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ ''یہ بہت بڑی رقم ہے۔ اگر قرض اور سود ادا نہ کیا جا سکے تو تم کیا لو گے؟''
''میرے پاس مکان کے کاغذات ہیں اور اسٹامپ پیپر پر معاہدہ لکھا ہے۔'' گوتم نے کہا۔ ''میں قانونی کارروائی کروں گا۔ نہ صرف مکان بلکہ دکان بھی نیلام کر دی جائے گی۔ جو رقم وصول ہو گی میں اس سے اپنا قرض اور سود وصول کروں گا۔ باقی رقم جو بچے گی اس سے کیا ہو گا۔؟ اور پھر تمہارے پتا جی کی عزت دو کوڑی کی ہو کر رہ جائے گی۔ پھر رہیں گے کہاں؟''
شیاما خوف زدہ اور پریشان ہو گئی۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی۔
''کیا ایسی کوئی صورت نہیں ہو سکتی جس سے میرے والدین کا گھر اور عزت محفوظ رہ سکے۔''
''ہاں ہے۔ کیوں نہیں ہے۔'' گوتم عیاری سے بولا۔ ''نہ صرف بقایا سود ادا ہو جائے اور ہر ماہ کے سود سے وہ بچ جائیں گے۔''

''وہ کس طرح۔؟'' شیاما نے ایک دم سے خوش ہو کر معصومیت سے سوال کیا۔
''سود تم ہر ماہ ادا کر سکتی ہو؟'' گوتم نے جواب دیا۔ ''اس کی ادائیگی کرنا تمہارے بس میں ہے۔''
''لیکن تم جانتے ہو کہ میرے پتی کی تنخواہ اتنی نہیں ہے کہ اس میں سود ادا کیا جا سکے۔''
گوتم ہنسا۔ پھر اس نے شیاما کو ہوسناکی نظروں سے دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ بکھر گئی۔ پھر وہ بولا۔
''اس کا رندھیر اور اس کی آمدنی سے بھلا کیا تعلق۔؟ یہ تمہارے اختیار کی بات ہے۔''
وہ اب بھی گوتم کی بات کی تہہ میں نہیں پہنچی۔ اس نے بڑی معصومیت سے کہا۔
''میں کوئی ملازمت تو نہیں کرتی ہوں نہ کر سکتی ہوں۔ میری تعلیم بڑی واجبی سی ہے۔''
گوتم پھر مسکرایا۔ شیاما کو اس کی مسکراہٹ بڑی گھناؤنی سی محسوس ہوئی۔ وہ اس کے قریب آ کر بولا۔
''میں تم سے پیسے کب مانگ رہا ہوں۔ تم اس کے بغیر ہر ماہ سود ادا کر سکتی ہو۔''
''سود بغیر پیسوں کے کیسے ادا ہو سکتا ہے۔؟ میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس سے سود ادا کر سکوں۔'' شیاما نے کہا۔
''تمہارے پاس ایک ایسی چیز ہے جس سے تم ہر ماہ سود ادا کر کے والدین کا بوجھ اتار سکتی ہو۔''
''کون سی چیز۔؟'' شیاما نے حیرت سے اپنی لانبی لانبی پلکیں جھپکائیں۔ وہ کمرے میں اِدر اُدھر دیکھنے لگی۔
''وہ چیز تم ہو۔؟'' گوتم اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ ''تمہارا حسن شباب اور رس بھری جوانی۔ عورت بذات خود ایک دولت ہوتی ہے۔ خزانہ ہوتی ہے۔ تم یہ دولت مجھ پر ہر ماہ نچھاور کر سکتی ہو۔''
شیاما دہشت زدہ ہو کر ایک قدم اس طرح تیزی سے پیچھے ہٹی جیسے اس کے سامنے کوئی ناگ کھڑا ہوا ہو۔
''تم نے مجھے کیا سمجھا ہوا ہے۔؟'' شیاما نے اسے نفرت بھری نظروں سے گھورا۔ ''میں ایک شریف عورت ہوں۔''
''میں نے تمہیں ایک خزانہ سمجھا ہوا ہے۔'' گوتم استہزائیہ لہجے میں بولا۔ ''میں یہ خزانہ

تھوڑا تھوڑا کر کے لوٹنا چاہتا ہوں۔ تمہیں اپنے والدین کی عزت اور تباہی و بربادی سے بچانے کے لئے اپنا سودا کرنا ہوگا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

"نہیں۔ نہیں۔" وہ ہذیانی لہجے میں چیخی۔ "ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ تم میری نظروں کے سامنے سے دفع ہو جاؤ۔"

"ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو۔ جذباتی نہ بنو شیاما!" گوتم رک رک کر کہنے لگا۔ "تم میری بات نہیں مانو گی تو پچھتاؤ گی۔ میں کل ہی قانونی کارروائی شروع کر دوں گا۔ پولیس کی مٹھی گرم کر دوں گا۔ تمہارے ماتا پتا اور گھر کو بچانے نہ تو بھگوان آئے گا اور نہ ہی محلے والے۔ اور نہ ہی تمہارا پتی۔ ایک معمولی سا کلرک۔ اسے سرکار تنخواہ ہی کیا دیتی ہے۔ انہیں دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔ انہیں صرف تمہارا حسن و شباب ہی بچا سکتا ہے۔"

شیاما کو اپنے ماتا پتا جی سے بہت پیار تھا۔ وہ ان کے لئے جان بھی دے سکتی تھی لیکن عزت تو اسے جان سے بھی پیاری تھی۔ پھر اس نے اپنے ماں باپ کی عزت کے لئے اپنی عزت قربان کر دی۔ ہار مان لی۔ اس نے اپنے آپ کو ایک مردہ لاش کی طرح اس کے حوالے کر دیا۔ گوتم خوش تھا کہ اس نے شیاما کو فتح کر لیا۔

وہ مہینے میں ایک دن آتا جب بھی آتا تو شیاما کو ایسا لگتا تھا کہ کوئی ناگ گھس آیا ہے۔

شیاما اس سے ایک سرد لاش کی طرح ہی پیش آتی تھی۔ وہ ایک گدھ بن جاتا تھا۔ پھر کبھی کبھی دو دو' تین تین اور چار چار مہینے کا ناغہ بھی ہو جاتا تھا کیوں کہ وہ گائیڈ کی حیثیت سے شکاری پارٹیوں کے ساتھ چلا جاتا تھا۔ تب وہ بڑا سکون کا سانس لیتی اور بھگوان سے پراتھنا کرتی گوتم کبھی شکار سے واپس نہ آ جائے۔ اسے کوئی درندہ کھا جائے۔ لیکن اس کی پراتھنا قبول نہ ہوتی تھی۔ گو کہ شیاما اس سے بڑی بے رغبتی' بے حسی اور سرد مہری سے پیش آتی تھی اس کے باوجود وہ بہت خوش ہو جاتا تھا۔ وہ رندھیر کو راستے سے ہٹانے کے منصوبے بناتا رہا تھا۔ ایک دو مرتبہ اسے شکار پر اس غرض سے بھی لے گیا تھا کہ موقع پا کر اسے کسی درندے کا شکار بنا دے گا' لیکن اس بار بھی وہ اس خیال سے لے گیا تھا۔ کیوں کہ بمل داس گپتا کی پارٹی جس مہم پر نکلی وہ بہت خطرناک تھی اور موت کی طرف لے جا رہی تھی۔ واپسی میں وہ رندھیر کو موت کی نیند سلا دے گا۔

رندھیر نے بھی وہی سوچا اور فیصلہ کیا جو گوتم نے کیا تھا۔ سونا حاصل کرنے کے بعد گوتم کو راستے سے ہٹانا ہوگا کیوں کہ وہ سونا حاصل کرنے سے رہا۔ وہ کسی صورت بھی موت کی وادی

نہیں پہنچ سکتا تھا اور پھر اس کا یہاں سے واپس جانا بھی مشکل تھا۔

"گوتم! اس طرح کھڑے رہو۔ بے حس و حرکت۔ تم نے حرکت کی تو وہ ڈس لے گا۔"

یہ کہہ کر رندھیر ایک دم پیچھے ہٹا۔ ناگ غضب ناک ہو کر جھوما اور فوراً آگے بڑھا۔ اب وہ پورے قد سے اٹھا ہوا جھوم رہا تھا۔ اس کے پھن کی چوڑائی کم از کم آٹھ انچ ہو گی۔ اتنے میں رندھیر نے اسے شوٹ کر ہی دیا۔ رندھیر نے گولی بہت قریب سے چلائی تھی۔ اسے امید نہ تھی کہ نشانے پر بیٹھے گی۔ اس لئے کہ اس کے ہاتھ نہ صرف بے جان سے تھے بلکہ کانپ بھی رہے تھے۔ چوں کہ بھگوان کو ابھی ان میں سے کسی ایک کی جان بچانا تھا اس لئے گولی پھن پر پڑی اور اس کا دھڑ اپنے ساتھ ہی لیتی گئی۔ بقیہ دھڑ دیر تک تڑپتا اور لوٹتا رہا اور پھر آخر کار سرد پڑ گیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کا گوشت آپ ہی آپ گلنا شروع ہو گیا۔ چند لمحوں کے بعد انہوں نے دیکھا کہ وہاں سیاہ رنگ کے لیس دار پانی کے سوا کچھ نہیں تھا۔

"اوہ رندھیر۔" گوتم نے سانسوں کے درمیان ہانپتے ہوئے کہا۔ اس کے سینے میں سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی اور اس کا چہرہ پسینے سے بھیگ گیا تھا۔ "تم نے مجھے ایک نئی زندگی دی ہے۔"

رندھیر نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس کے سینے میں ہیجان سا تھا۔ اس کے جی میں آیا کہ اس سے کہے کہ تم اس سے بھی کہیں مہلک اور زہریلے سانپ ہو۔ تم میری بیوی کو ڈس رہے ہو۔ کیوں نہ میں تمہیں بھی شوٹ کر دوں لیکن بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو زبان پر لائی نہیں جاتی ہیں۔ رندھیر یہ سوچ کر خاموش ہو گیا۔

"اگر یہ نر سانپ تھا تو اس کی مادہ بھی قریب ہی ہو گی۔" گوتم نے بدستور ہانپتے ہوئے کہا۔ "رندھیر! اسے تلاش کرنا ہوگا۔ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ نہیں سکتے اور نہ ہی خوش ہونے کی ضرورت ہے کہ اس موذی کو ختم کر دیا۔"

"کیا مادہ سے خطرہ ہے؟" رندھیر نے پوچھا۔

"بہت بڑا خطرہ۔ اسے مارا نہ گیا تو وہ ہم میں سے ایک آدھ کو ضرور ڈس لے گی۔" گوتم نے جواب دیا۔

پھر ان دونوں نے اپنی اپنی رائفلیں سنبھالیں۔ رندھیر کے علم میں بھی یہ بات تھی کہ مادہ اپنے ساتھی کو مارنے کا انتقام لیتی ہے۔ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتی ہے تاوقتیکہ وہ انتقام نہ لے لے۔ اس کا انتقام بھی ایک عورت کے انتقام کی طرح خوفناک ہوتا ہے۔ انہوں نے

اردگرد کی زمین اور درختوں کی جڑوں کا بغور معائنہ کیا۔ انہیں وہاں سانپوں کے رینگنے کے بہت سے نشان دکھائی دیئے۔

''ہم تو سانپوں کی بستی میں آ گئے ہیں۔'' گوتم نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

''اوہ بھگوان۔'' رندھیر کی رگوں میں لہو منجمد ہونے لگا۔ ''اب کیا کریں۔؟''

''اسی میں عافیت ہے کہ یہاں سے جتنا جلد ہو سکے نکل جائیں۔'' گوتم بولا۔ ''وہ ہماری بو سونگھ کر آ سکتے ہیں۔''

وہ دونوں اس وقت بری طرح تھکے ماندے تھے۔ مرتے نہ کیا کرتے انہیں دوڑتے ہوئے تیزی سے نکلنا تھا۔

رندھیر کو ایسا لگ رہا تھا کہ اس نے جیسے موت کی وادی میں قدم رکھ دیا ہو۔ اس نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ اب بھی موقع ہے وہ گوتم سے واپس چلنے کے لئے کہے۔ پھر ایک دم سے اس کے چشم تصور میں شیاما آ کھڑی ہوئی۔ اس نے بھیانک منظر سا دیکھا۔ گوتم' ناگ بنا اس کی بیوی کو ڈس رہا ہے۔ وہ اس سے کہہ رہی ہے۔ رندھیر۔ رندھیر۔ مجھے اس ناگ سے بچا لو۔ اسے مار دو۔ اس کا سر کچل دو۔ وہ مجھے آخر کب تک ڈستا رہے گا۔ میرے وجود کو پامال کرتا رہے گا...... ایک عورت...... ایک پتنی اور بچوں کو۔ آخر تم کب تک مجھے اس کی آغوش میں دیکھتے رہو گے۔؟ کیا تم بے حس ہو گئے ہو؟ وہ ایک دم سے چونک کر خیالات کی گرداب سے نکل آیا۔ اپنے دل میں شیاما کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میری جان! میں نہ تو بے حس ہوا ہوں اور نہ بے غیرت۔ اور نہ ہی میرا ضمیر مردہ ہوا ہے' نہ ہی میں نے اپنی آنکھیں بند کی ہوئی ہیں۔ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ تم نے مجھے کبھی یہ نہیں بتایا کہ تم نے اپنے والدین کی عزت کی خاطر اپنے آپ کو ایک ناگ کے حوالے کر دیا ہے' جو تمہیں ڈستا چلا آ رہا ہے۔ تم نے مجھے پہلے بتا دیا ہوتا تو میں کب کا اس کا سر کچل چکا ہوتا۔

اب تک جو نہیں ہوتا تھا وہ ہو چکا ہے۔ گزرے ہوئے وقت پر کمند ڈالنا بے سود ہے۔ میں بھی ایک معمولی ملازمت برسوں سے کرتے کرتے تنگ آ چکا ہوں۔ احساس محرومیاں مجھے زہریلے ناگوں کی طرح ڈستی رہتی ہیں۔ زندگی کی تلخیوں کا زہر صرف تم ہی نہیں میں بھی پی رہا ہوں۔ مجھے یہ احساس سونے نہیں دیتا ہے۔ میں نے تمہیں اور بچوں کو کچھ نہیں دیا۔ نہ ہی تمہارے ماں باپ کو گوتم کے قرض اور سود سے نجات دلائی جو ہر ماہ تم سے سود در سود وصول

کرنے کسی ناگ کی طرح گھر میں گھس آتا ہے۔

اب میں نے یہ سوچا اور فیصلہ کیا ہے کہ ایک خواب ناک اور حسین زندگی پانے۔ تمہیں کسی مہارانی کی طرح رکھنے اور بچوں کو ناز و نعم سے پالنے کے لئے دولت کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں ڈاکہ مار کر کسی زمیندار کو لوٹ کر یہ سب کچھ نہیں دے سکتا۔ یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ مجھے خزانہ مل جائے۔ میں گوتم کے ساتھ اس خزانے کو پانے کے لئے جا رہا ہوں جو موت کی وادی میں ہے۔ موت کے سفر پر جا رہا ہوں۔ واپس آنے کے بعد گوتم کا قرض مع سود ادا کر دوں گا۔ پھر ہم ایک حسین زندگی گزاریں گے۔

انہیں جنگل میں سفر کرتے ہوئے دو گھنٹے ہو گئے۔ ایسا ہیبت ناک مقام اس سے پہلے کبھی گوتم کی نظروں سے نہ گزرا تھا۔ وہ بہت سارے جنگلات میں گیا تھا بلکہ اس کی آمد و رفت رہتی تھی۔ اسے اندازہ نہ تھا کہ ایسا جنگل بھی ہو گا۔ رندھیر نے فلموں میں بھی ایسا جنگل نہیں دیکھا تھا۔ وہ فلک بوس پہاڑ جو اتنے قریب دکھائی دیتے تھے اب ہر لحظہ دور ہوتے جا رہے تھے۔ گو کہ موسم گرم نہ تھا اس کے باوجود وہ پسینے سے شرابور تھے۔ وہ مادہ کے تعاقب کے خوف سے بہت تیزی سے چلے جا رہے تھے۔ انہیں ایسا لگ رہا تھا کہ وہ نہیں بلکہ موت تعاقب کر رہی ہو۔ جب گوتم کو گونہ اطمینان ہو گیا کہ مادہ کے تعاقب کا کوئی امکان نہیں رہا تب گوتم ایک گھنے درخت کے نیچے رک گیا تاکہ ستا لیا جائے۔

چند لمحوں کے بعد رندھیر نے پوچھا۔ ''وہ دریا ابھی تک کیوں نہیں آیا؟ تم نے کہا تھا کہ دو گھنٹے میں پہنچ جائیں گے؟''

''مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ میں راستہ بھول گیا ہوں۔'' گوتم نے بے جان لہجے میں جواب دیا۔

''کیا کہا۔؟'' رندھیر اس طرح سے اچھل پڑا جیسے اس نے مادہ کو دیکھ لیا ہو۔ ''کیا تم اس علاقے میں نہیں آئے ہو۔؟''

''نہیں۔ میں کبھی اس طرف نہیں آیا۔ یہ جنگل ہمارے شہر سے دور افتادہ مقام پر ہے۔'' گوتم نے کہا۔

''لیکن تم نے تو کہا تھا کہ یہ راستہ موت کی وادی کی طرف جاتا ہے۔ اس کے عقبی حصے کی طرف۔؟ پھر یہ کہاں جا رہا ہے؟''

''یہ جنگل جو ہے اس میں سے تین راستے نکلتے ہیں۔ ایک تو میسور کے جنگل کے

اطراف۔ دوسرا راستہ کوچین ملبار۔ اور تیسرا راستہ آسام اور بنگال سے جا کر ملتا ہے۔ درمیان میں نہ صرف بہت سارے جزیرے، بستیاں اور دریا اور سمندر بھی آتے ہیں۔ میں نے ایک اندازہ کیا جو غلط ہو گیا۔" گوتم نے کہا۔

"تم پھر واپس چلو۔" رندھیر نے کہا۔ "خزانے کا خیال چھوڑ دو۔ وہ سونے کا خزانہ ہمارے نصیب میں نہیں ہے۔"

"تم اس قدر مایوس اور دل برداشتہ کیوں ہو رہے ہو؟" گوتم بولا۔ "میں دس بارہ برس سے گائیڈ کا کام کر رہا ہوں۔ ان برسوں میں ایسا اتفاق ہوا ہے کہ شکاری جماعتوں کے ساتھ راستہ بھٹک گیا۔ لیکن پھر صحیح راستہ پالیا۔"

"تو کیا ہمیں دریا کے کنارے یا موت کی وادی کا راستہ تلاش کرنے کے لئے دربدر بھٹکنا ہوگا؟" وہ مایوسانہ لہجے میں بولا۔

"ہاں۔" گوتم نے سر ہلایا۔ "اس کے سوا چارہ بھی نہیں ہے۔"

"اس کے لئے کتنا وقت درکار ہوگا؟" رندھیر نے اپنا غصہ ضبط کر کے پوچھا۔ "دو تین گھنٹے یا دو تین دن۔؟"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا؟" گوتم بولا۔ "ایک گھنٹہ بھی۔ ایک ہفتہ بھی۔ میری کوشش ہوگی آج ہی کسی نہ کسی طرح پہنچ جائیں۔"

گوتم کی اس بات سے رندھیر کے دل کو قدرے ڈھارس سی بندھی۔ وہ پُر امید اور تازہ دم ہو گیا۔ وہ دونوں چل پڑے۔

انہوں نے کوئی ایک میل فاصلہ طے کیا ہوگا۔ رندھیر نے چاروں طرف خوف زدہ نظروں سے دیکھا اور کہنے لگا۔

"بھگوان دیا کرے۔ ان کے اردگرد کس قدر ہولناک خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ جنگل اس قدر گھنا اور تاریک، جس سے ایسا لگتا ہے کہ جیسے یہاں کبھی سورج کی کرن نمودار نہ ہوتی ہو۔ نامعلوم خوف سے ان کے بدن کے رونگٹے بار بار کھڑے ہونے لگے تھے اور وہ ان وحشی ہرنوں کی مانند چاروں طرف دیکھنے لگے تھے جن کا تعاقب کوئی خوں خوار چیتا کر رہا ہو۔

وہ جس راستے پر چلے جا رہے تھے اسے راستہ کہنا ہی غلط تھا۔ وہ راستہ خود بنا رہے تھے۔ انہیں ابھی تک کسی انسان کی شکل تک نظر نہیں آئی تھی۔ خودرو جھاڑیاں کثرت سے تھیں اور ان میں جابجا ڈیڑھ ڈیڑھ انچ لمبے، نوکیلے کانٹے لگے تھے۔ گوتم کے تھیلے میں ایک چھوٹی سی تیز

دھار کی درانتی تھی۔ انہیں جھاڑیاں کاٹ کاٹ کر آگے بڑھنا پڑ رہا تھا۔ اس کوشش میں ان کے کپڑے تار تار سے ہو گئے تھے اور بدن زخموں سے چور۔ زخموں سے رسنے والا سرخ خون اب جم کر سیاہ رنگ میں بدل چکا تھا۔ بعض اوقات انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اس کرۂ ارض پر نہیں بلکہ کسی اور سیارے پر سفر کر رہے ہوں۔ ایسا سیارہ جہاں بے شمار حشرات الارض ہیں۔ ان گنت درندے، پرندے اور چرندے جہاں کی آب و ہوا اور فضا مختلف اور جہاں کوئی انسان نہیں بستا۔ عجیب و غریب قسم کے احساسات اور سپنوں کی دنیا تھی جس میں بھگوان کے نادیدہ ہاتھ نے پھینک دیا تھا۔ انہیں کچھ نہیں معلوم تھا کہ ان پر آئندہ کیا کچھ گزرنے والی ہے۔

چند قدم چلتے ہی وہ دونوں ایک دم سے ٹھٹک کے رک گئے کیوں کہ اچانک انہیں ایک جانور چھپکلی سے ملتا جلتا دکھائی دیا۔ جھاڑیوں میں ان کی حد درجہ کثرت تھی۔ لمبائی میں کوئی تین فٹ۔ ایک فٹ لمبی تو دم ہی ہوگی۔ کھال کا رنگ گہرا میلا زرد۔ کچھ کچھ کچھوے کی کھال سے مشابہت۔ بڑی بڑی گول گول خوفناک آنکھیں جن کی پتلیاں سرخ اور ان پتلیوں کے گرد پیلے رنگ کے دائرے، ان دائروں۔ ان دائروں میں سرخ پتلیاں لٹو کی مانند گردش۔ منہ مگرمچھ کی تھوتھنی کی مانند لمبوترا اور جبڑے میں دونوں طرف آدھ آدھ انچ لمبے نکیلے سفید دانتوں کی قطار۔ ان دانتوں سے انہیں اندازہ ہوا کہ یہ جانور گوشت خور ہے تاہم انہیں دیکھ کر خوف زدہ ہو کر جھاڑیوں میں چھپ جاتا تھا۔

تھوڑی دور کے فاصلے پر انہوں نے دیکھا کہ اس جانور نے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے ایک سور کی پشت پر اپنی دم ایسی زوردار ضرب چابک کے انداز سے ماری کہ وہ ایک کراہ سے زمین پر گر گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا اس نے لگاتار دو تین ضربیں لگائیں تو وہ تڑپ تڑپ کر دم توڑ گیا۔ اس کے مرتے ہی وہ اس پر ٹوٹ پڑا۔ پھر جھاڑیوں میں سے کوئی پندرہ بیس جانور نکل کر اس پر ٹوٹ پڑے۔ صرف دس منٹ میں وہ اسے چٹ کر گئے۔ اس کی ہڈیوں کے سوا وہاں کچھ نہ تھا۔

"گوتم۔!" رندھیر نے لرزیدہ سی آواز میں کہا۔ "بہتر ہے کہ لوٹ چلو۔"

"وہ کس لئے۔؟" گوتم نے متعجب لہجے میں پوچھا۔

"اس لئے کہ ایک کالا ناگ سے بمشکل جان بچی۔" رندھیر نے جواب دیا۔ "اب یہ جانور۔ کس قدر مہلک، خوفناک اور زہریلا ہے۔ اس کی دم میں کیسی مار ہے۔ اس نے ایک موٹے سور کو صرف دو تین ضربوں سے موت کی نیند سلا دیا۔ معلوم نہیں راستے میں کیسے کیسے

خوفناک درندوں سے واسطہ پڑے گا۔ کیا ہم زندہ بچ سکیں گے؟"

"اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں رہا ہے۔" گوتم کہنے لگا۔ "واپسی اب موت کی وادی میں پہنچ کر ہی ہو سکتی ہے کیوں کہ راستہ بھٹک چکے ہیں۔ جب تک ہمارے پاس رائفلیں ہیں ہم زندہ اور خیریت سے ہیں۔"

"تم سے بنیادی طور پر ایک سنگین غلطی سرزد ہوئی۔" رندھیر نے کہا۔ "ورنہ ہم اس وقت ان مشکلات میں گھرے نہ ہوتے۔"

"میں نے کیا غلطی کی۔؟" گوتم نے ساکت پلکوں سے اسے گھورا۔

"تم نے مجھے اعتماد میں لیا ہوتا تو موت کی وادی میں پہنچ کر ہم اس جماعت کو ہلاک کر دیتے۔" رندھیر نے کہا۔ "ہمارے ساتھ پانچ عدد مزدور بھی تھے۔ وہ سب تمہارے وفادار اور تابعدار تھے۔ پھر ہم سونے کے خزانے کے مالک ہوتے۔"

"میں نے سوچا تھا لیکن اس میں بہت خطرہ تھا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ شارٹ کٹ راستے سے ہم جلد پہنچ جائیں گے۔" گوتم نے کہا۔ "وہ لوگ نہ صرف بڑے کائیاں اور خطرناک تھے۔ ہم ان پر قابو نہ پا سکتے تھے۔"

"کیوں نہیں پا سکتے تھے؟" رندھیر نے تکرار کے انداز میں کہا۔ "تمہارے پاس جو بے ہوش کر دینے والی جڑی بوٹی تھی۔"

"ارے ہاں یار!۔ مجھے اس کا خیال نہیں آیا۔" گوتم نے کف افسوس ملتے ہوئے سر پیٹ لیا۔ "اگر مجھے خیال آ جاتا تو پھر ہم وہاں آسانی سے ان سب کو بے ہوش کر کے بیہوشی کی حالت میں ہی قتل کر دیتے اور پھر سونا لے کر آ جاتے۔"

"مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ سونا ملنا تو درکنار ہماری موت واقع ہو جائے گی۔" رندھیر بولا۔ "ہم اپنے گھروں کو نہ جا سکیں گے۔"

"یہ تم بزدلی کی باتیں نہ کرو۔" گوتم نے چڑ کر کہا۔ "ہمیں ہر قیمت پر سونا حاصل کر کے لے جانا ہے۔ سونا ہمارے دن پھیر دے گا۔ کار' کوٹھی۔ حسین عورتیں اور شراب۔ یہ سب کچھ سونے کی بدولت ہی حاصل ہوگا۔"

گوتم کی ان باتوں نے اسے حوصلہ دلایا۔ دل خوش کر دیا۔ وہ بھی گوتم کی طرح رنگین سپنوں کا جال بننے لگا۔ سارا راستہ گوتم اسے دلاسا دیتا اور سہانے خواب دکھاتا رہا۔ صرف چند دنوں کی بات ہے۔ ہمارے پاس کسی چیز کی کمی نہ ہوگی۔ رندھیر نے سوچا۔ دولت آ جانے کے

بعد کیا وہ نوجوان اور حسین لڑکیوں کو بستر کی زینت بنائے گا' جیسا کہ دولت مند لوگ کرتے ہیں۔ کیا یہ بیوی سے بے وفائی' فریب اور دھوکا نہ ہوا۔ نہیں۔ وہ دولت پانے کے بعد کسی اور عورت کی طرف ہرگز نہیں دیکھے گا۔

اب دور ہٹتے پہاڑ خاصے قریب آ گئے تھے بلکہ ہوا یہ تھا کہ وہ گرتے پڑتے کسی نہ کسی طرح ان کے قریب پہنچ گئے تھے۔ جنگل رفتہ رفتہ کھلا اور ہموار ہوتا جا رہا تھا۔ سورج کی کرنیں بھی آسانی سے زمین تک آ رہی تھیں۔ انہوں نے ایک پہاڑی چشمے کے پاس رک کر دم لیا۔ پانی اس قدر سرد اور شیریں تھا کہ اس کے پیتے ہی نہ صرف جان میں جان آ گئی تھی بلکہ میلوں کی مسافت کی تھکن بھی اتر گئی تھی۔

"گوتم! یہ کون سی جگہ ہے۔؟" رندھیر نے احمقانہ سا سوال کیا تھا۔ "کیا ہم ابھی تک زندہ ہیں؟"

"جگہ کا تو مجھے علم نہیں کہ کون سی ہے؟" گوتم نے جواب دیا۔ "البتہ یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہم ابھی تک زندہ سلامت ہیں۔"

چشمے کے ساتھ ہی ایک چٹان کے اوپر تنگ سا غار تھا۔ ان دونوں نے اس کے اندر پناہ لینے کا ارادہ کیا۔ غار کا اچھی طرح سے جائزہ لینے کے بعد اس سے بہتر جگہ درندوں سے محفوظ رہنے کے لئے فی الحال مشکل سے ہی ملے گی۔ سب سے بڑی سہولت انہیں یہاں پانی کی تھی۔ ایسا سرد' شیریں اور ہاضم پانی شاید ہی کہیں مل سکتا تھا۔ پانی سے بڑی نعمت کوئی نہ تھی۔ اور پھر انہوں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ ان کے پاس جو جام' بسکٹ اور باسی ڈبل روٹی کے جو چند سلائس موجود ہیں وہ ختم ہونے کے بعد وہ جنگلی پھلوں سے بھوک مٹا سکتے ہیں۔ یہ ایک وادی نما علاقہ تھا اور جانوروں اور پرندوں کا شکار کر کے پیٹ کی آگ کو بجھایا جا سکتا ہے۔ گوتم نے سوچا۔ اس کے علاوہ کوئی دشمن تعاقب میں ہوتا تو ان کے علم و اطلاع میں آئے مگر اس کا یہاں پہنچنا ناممکن ہوگا۔ وہ انہیں پا بھی نہیں سکتا تھا۔ چٹان تین طرف سے کچھ اس طرح سے سینہ تانے اور گردن اٹھائے کھڑی تھی کہ ان اطراف سے انسان تو کیا کوئی چوہا بھی غار کی طرف آ نہیں سکتا تھا۔ غار کا منہ مشرق کی طرف تھا اور اسے چھپانے کے لئے ان دونوں نے جھاڑیاں اکھاڑ کر اس طرح دہانے پر کھڑی کر دی تھیں کہ کسی کو شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہاں چھپنے کی کوئی جگہ ہوگی۔ غار میں وسعت اتنی تھی کہ اس میں پچاس افراد بآسانی سما سکتے تھے' لیکن باہر سے ایسا لگتا تھا کہ ایک دو آدمیوں کی گنجائش بمشکل ہوگی۔

چشمے کے ہر آن ابلتے ہوئے پانی نے کچھ فاصلے پر ایک ندی کی شکل اختیار کر لی تھی۔ رندھیر زمین کا چونک کر جائزہ لیتا رہا۔ پھر اس نے گوتم سے کہا جو تھیلا کندھے پر لٹکائے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

"تم نے ندی کنارے ایک بات نوٹ کی؟"

"وہ کیا۔؟" گوتم نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"اس کے کنارے بہت سارے قدموں اور پنجوں کے نشان نظر آئے ہیں۔" رندھیر نے جواب دیا۔ "گویا یہاں درندے گھومتے رہتے ہیں۔ وہ کسی لمحے اِدھر آ سکتے ہیں؟"

"ہاں۔ وہ نشانات میں نے بھی دیکھے ہیں۔" گوتم نے کہا۔ "لیکن اس وقت ان کے آنے کے امکانات نہیں ہیں۔"

"وہ کس لئے؟" رندھیر نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "وہ انسانی بو سونگھ کر کیا ادھر نہیں آ سکتے؟"

"اس لئے کہ وہ دن بھر شکار کی تلاش میں بھٹکتے اور پھرتے رہتے ہیں۔ شام کے وقت تھک کر اپنے ٹھکانے پر آرام کرتے ہیں۔" گوتم کہنے لگا۔

"میں نے جو قدموں اور پنجوں کے نشان دیکھے ہیں وہ شیر، ریچھ یا کسی خوفناک اور بڑے درندوں کے نہیں ہیں۔ تم خوف زدہ اور پریشان نہ ہو۔ پھر بھی احتیاط کے طور پر جلد سے جلد غار میں پناہ لے لینا چاہئے۔"

پھر وہ دونوں مل کر غار کی صفائی کرنے لگے۔ اس میں ان کا خاصا وقت صرف ہوا۔ اس کے اندر رہنے والے حشرات الارض کو مار بھگایا۔ پھر وہ اطمینان سے غار میں بیٹھ گئے۔ گوتم کے تھیلے میں موم بتیاں اور دو طاقتور ٹارچیں بھی تھیں۔ یہ اس کا ذاتی سفری تھیلا تھا۔ جب بھی وہ کسی شکاری جماعت کے ساتھ جاتا تو ان چیزوں کو لے جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی ضرورت کی چیزیں موجود تھیں۔

"انہیں بھوک بھی لگ رہی تھی۔ ان دونوں نے بسکٹ کھائے اور دونوں فرش پر پاس پاس لیٹ گئے۔ گوتم نے کہا۔

"گھوڑے بیچ کر سونا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ ایسا کرو تم پہلے سو جاؤ۔ میں تین گھنٹے تک ڈیوٹی دوں گا پھر تمہیں جگا دوں گا۔ تم تین گھنٹے تک ڈیوٹی دینے کے بعد مجھے جگا دینا۔ اس طرح رات ہم تین تین گھنٹے ڈیوٹی دیا کریں گے۔"

رندھیر کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ وہ اس سے پہلے سو گیا۔ رندھیر تین گھنٹے تک سوتا رہا۔

گوتم غار کے دہانے پر جو ایک بڑا سا پتھر تھا اس پر بیٹھ کر پہرہ دیتا اور رندھیر کی بیوی کے بارے میں سوچتا رہا۔ وہ اس کے چشم تصور میں آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ دل میں اس سے مخاطب تھا۔ میری جان۔! تم مجھ سے سرد مہری سے پیش آتی ہو لیکن میں نے اس بات کو نظر انداز کر دیا۔ جب میں تمہیں ودھوا کر کے اپنا لوں گا تب میں تم سے یہ تمنا رکھوں گا کہ تم میرے ساتھ اس طرح والہانہ پن، وارفتگی اور گرم جوشی سے پیش آؤ گی جس طرح رندھیر کے ساتھ آتی ہو۔ میں نے متعدد مرتبہ تم دونوں کو رات کے وقت جذبات کی رو میں بہتا دیکھا ہے۔ مجھے رندھیر پر رشک آتا رہا ہے کہ تم ایک معمولی سے آدمی کے ساتھ کتنی محبت سے پیش آتی ہو۔ اس طرح میرے ساتھ کیوں نہیں؟ اگر تم اس طرح سے پیش آتی رہو گی میں سارا قرض اور سود معاف کر دوں گا۔

شیاما کے حسین اور رنگین تصور میں اس سے باتیں کرتے اور اس کے ساتھ بیتے لمحات کو یاد کرتے تین گھنٹے گزر گئے۔ تب اس نے اندر جا کر رندھیر کو جگایا۔ رندھیر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ تین گھنٹے کی نیند نے اسے تازہ دم کر دیا تھا۔

گوتم کو بڑے زور کی نیند آ رہی تھی۔ وہ فرش پر دھڑام سے گر گیا۔ پتھریلی زمین تھی۔ اس سے کیا ہوتا؟ نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے۔ چند لمحوں میں اس کے بے پناہ خراٹوں سے غار گونج رہا تھا۔ رندھیر نے سوچا ایسی حالت میں اسے قتل کرنا کتنا آسان ہے۔

وہ تازہ ہوا پھیپھڑوں میں بھرنے کے لئے جھاڑیاں ہٹا کر غار سے نکلا۔ پھر وہ رائفل تھام کر چبوترے نما پتھر پر بیٹھ گیا۔

رندھیر کی نظروں کے سامنے ایک حسین اور قدرتی دل فریب منظر تھا۔ یہ علاقہ بہت خوب صورت تھا۔ اس وقت چاروں طرف دودھیا چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ زندگی کی چہل پہل اپنے عروج پر تھی۔ رندھیر نے دیکھا ندی پر پانی پینے کے لئے دس بارہ سوروں کا ایک غول گردنیں جھکائے اور نتھنوں سے خوں خوں کی بھیانک آوازیں نکالتا چلا آ رہا ہے۔ رندھیر کو یہ ایک نرالے تماشے کی طرح لگا جو اس کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔ شریر بچوں کی طرح یہ جانور ندی میں گھس گئے اور ایک دوسرے سے کھیلنے لگے۔ ان میں بڑے بڑے سور بھی تھے اور چھوٹے بھی۔ رندھیر کے دیکھتے ہی دیکھتے پانی کے اندر سے ایک ہیبت ناک مگر مچھ نے لمبی سی تھوتھنی باہر نکالی اور ایک سور کی ٹانگ اپنے جبڑے میں دبا لی۔ سور نے بھیانک آواز میں چلانا

شروع کیا۔ آناً فاناً دوسرے سور اس کی مدد کو جمع ہو گئے اور انہوں نے جارحانہ انداز سے مگرمچھ پر حملہ کر دیا۔ مگرمچھ لٹو کی مانند پانی میں گھومنے لگا۔

کبھی کبھی اس کی لمبی دم کسی سور کو لگتی اور وہ فضا میں چند فٹ اونچا اڑ کر دھم سے دوبارہ پانی میں آ گرتا۔ اتنے سارے سور مل کر بھی مگرمچھ کا کچھ بگاڑ نہ سکے۔ کئی بار اس کے دل میں آیا کہ فائر کر کے مگرمچھ کو ختم کر ڈالے' لیکن یہ سوچ کر رک گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ فائر کی آواز سن کر درندے وغیرہ اِدھر آ جائیں۔ کوئی بھی آفت ناگہانی نازل ہو سکتی تھی۔

تھوڑی دیر کے اندر اندر مگرمچھ نے کئی سور ہلاک کر دیئے۔ ان کی لاشیں پانی میں تیرنے لگیں اور ان کے خون سے ندی کا پانی سرخ ہو گیا۔ اب یہ تالاب خون کے تالاب کا نظارہ پیش کر رہا تھا۔ صاف وشفاف سفید پانی نظر نہ آتا تھا۔

اب ایک عجیب وغریب اور ناقابل یقین بات شروع ہوئی۔ سوروں نے مگرمچھ کو تو چھوڑ دیا اور اپنے مرے ہوئے ساتھیوں کی لاشوں پر ٹوٹ پڑے اور انہیں گدھوں کی طرح نوچ نوچ کر بھنبھوڑ کر ہڑپ کرنے لگے۔ یہ ہنگامہ کوئی آدھ پون گھنٹے تک جاری رہا' مگرمچھ اپنا شکار لے کر پانی میں مزے اڑانے کے لئے لے کر چلا گیا۔ اس کے لئے آج کی یہ خوراک کافی تھی۔ سور بھی کوئی تیس کلو سے کم کا نہ تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد سور بھی شکم سیر ہو کر جدھر سے آئے تھے اِدھر چلے گئے۔ اس کے بعد رندھیر کچھ دیر تک تالاب پر نظریں جمائے رہا کہ شاید مگرمچھ آئے لیکن وہ نہیں آیا تھا۔

اس وقت اسے اپنی پتنی بہت یاد آ رہی تھی۔ وہ تو اس سے یہ کہہ کر گیا تھا کہ گوتم اسے اپنے ساتھ مزدوروں سمیت ایک شکاری جماعت کے ساتھ لے جا رہا ہے۔ گوتم نے اسے جو پیشگی رقم دی تھی وہ اس کی دو ماہ کی تنخواہ کے مساوی تھی۔ اس کی دس بارہ دن میں واپسی ہو گی۔ اس نے وہ رقم شیاما کو دے دی تھی۔ شیاما اس سے بے پناہ محبت کرتی تھی جس کی حد وہ آج تک ناپ نہ سکا تھا۔ برسوں ہونے کے باوجود آج بھی اس کے ساتھ اس طرح سے پیش آتی تھی کہ سہاگ کی پہلی رات کا گمان ہوتا تھا۔

وہ شیاما کے بارے میں جذباتی ہو کر تصور میں اس کی جوانی کی حشر سامانیوں سے محظوظ ہو رہا تھا کہ اس نے اپنے نتھنوں میں ایک مسحور کن خوشبو محسوس کی۔ یہ خوشبو بڑی سوندھی سوندھی تھی۔ ایک جواں عورت کے بدن کی خوشبو۔ جب وہ نہا کر اور اپنا بدن اور بال خشک کرتی تھی۔ تب بدن اور بالوں سے پھوٹتی تھی۔ مست کر دینے والی۔ پہلے تو اس نے واہمہ سمجھ کر

جھٹک دینا چاہا۔ اس لئے کہ تصور میں شیاما اس کی آغوش میں تھی۔ لیکن یہ واہمہ نہ تھا۔ یہ خوشبو اور تیز ہو گئی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی عورت اس کے بالکل قریب کھڑی ہوئی ہے۔ اس کے دہکتے بدن سے یہ خوشبو پھوٹ رہی ہے۔ اس نے چاروں طرف اور اپنے آس پاس نظریں دوڑائیں اسے کوئی نظر نہ آیا۔

پہلے تو وہ یہ سمجھا کہ شاید کوئی نیل رات کی رانی کی طرح ہو گی۔ جو رات کے وقت کسی عورت کی طرح مہک اٹھتی ہے۔ پھر اس نے اپنے اس خیال کی نفی کر دی۔ دوسرا خیال جو آیا وہ یہ تھا کہ کوئی نادیدہ ہستی اس کے پاس موجود ہے۔ اس نے بہت ساری پُراسرار بھوت پریت اور بدروحوں کی ڈراؤنی کہانیاں سنی تھیں کہ ان کا جنگل میں بسیرا ہوتا ہے۔

پھر اسے ایک خیال اور آیا کہ یہ خوشبو مخالف سمت سے آ رہی ہے اور اسے اپنی طرف طلسماتی انداز سے کھینچ رہی ہے اور پھر اس کے دل ودماغ پر چھا رہی ہے۔ اسے لگا یہ خوشبو سامنے درخت سے آ رہی ہے۔ شاید وہاں کوئی عورت کھڑی ہوئی ہو' لیکن یہاں کوئی عورت کہاں۔؟ یہ تو جنگل ہے اور قریب میں کوئی بستی نظر نہیں آئی۔

پھر اسے اپنے آپ پر کوئی بس اور اختیار نہیں رہا۔ وہ اپنی رائفل وہیں چھوڑ کر کشاں کشاں اس سمت بڑھ گیا جدھر سے یہ خوشبو آ رہی تھی۔ چاروں اطراف دودھیا چاندنی کا فسوں پھیلا ہوا تھا۔ دودھیا چاندنی درختوں سے چھن چھن کر پھیلی ہوئی تھی۔ چٹکی ہوئی چاندنی نے ماحول سحر زدہ سا بنا دیا تھا اور یہ سوندھی سوندھی مسحور کن خوشبو اس کی نس نس میں خون کی گردش تیز کر رہی تھی۔

وہ ایک پگ ڈنڈی پر آیا تو وہ ٹھٹک کر رک گیا' لیکن خوف ودہشت سے نہیں..... اس کے بدن پر ایک عجیب سی میٹھی سنسنی دوڑ گئی۔ ایک لمحے کے لئے اس کی آنکھوں کے سامنے ایک دھند سی چھا گئی۔ جب دھند چھٹی تو اس نے اس وقت جو نظارہ دیکھا وہ کوئی سپنا نہیں تھا' جو بیٹھے بیٹھے اور پہرا دیتے وقت دیکھا ہو۔ یہ ایک ایسی حقیقت تھی جو جھٹلائی نہیں جا سکتی تھی۔

اس سے قدرے فاصلے پر ایک جھیل درختوں سے گھری ہوئی تھی۔ جھیل اور کنارے پر دودھیا چاندنی کا فسوں بکھرا ہوا تھا۔ اس نے جھیل پر ایک بھرپور جوان اور انتہائی حسین عورت کو نہاتے دیکھا۔ جھیل پر اس عورت کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ وہ اکیلی تھی۔ اسے بے لباس دیکھ کر رندھیر کے جذبات میں ہلچل سی مچ گئی۔ وہ فوراً ایک قریبی درخت کی آڑ میں ہو گیا جہاں سے چھپ کر وہ اسے نہاتے ہوئے بڑی آزادی اور اطمینان سے دیکھ سکتا تھا' لیکن اس عورت

کی نظروں میں وہ نہیں آ سکتا تھا۔

عورت اس کے لئے کوئی نئی چیز یا عجوبہ نہیں تھی۔ اس کی بیوی بلا کی حسین اور پرشباب گداز بدن کی عورت تھی۔ اس نے بیوی کو اس حالت میں دیکھا تھا اور دیکھتا آیا تھا' لیکن اس نے کبھی کسی عورت کو اس آزادی سے نہاتے نہیں دیکھا تھا۔ یہ نظارہ اس قدر دل کش' رنگین اور ہیجان خیز اور ہوش ربا تھا کہ وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو گیا۔

وہ عورت جھیل میں نہ صرف کسی مچھلی کی طرح تیرتی رہی بلکہ کنارے پر کھڑی ہو کر نہاتی رہی۔ وہ خاصی دیر تک آزادی کی حالت میں نہانے کی لذت اٹھاتی رہی۔ وہ قد آور تھی جس نے اس کی جسمانی کشش اور نشیب و فراز اور پرکشش بنا دیا تھا۔ یہ ایسا نظارہ تھا کہ اس کا دل نگاہیں ہٹانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں بھی ضدی بن گئی تھیں۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ وہ ساری رات اس طرح تیرتی اور نہاتی رہے۔ وہ اس نظارے سے محظوظ ہوتا رہے۔

پھر وہ سوچنے لگا کہ یہ عورت کون ہے۔؟ وہ شاید مقامی ہی ہو۔ کیا یہ جنگلی عورتیں اس قدر حسین اور نفیس اور پرکشش ہوتی ہے۔؟ وہ رات کے اس سمے جھیل پر اکیلی اور اس حالت میں کیوں نہا رہی تھی۔؟ کہاں سے آئی ہے اور کہاں رہتی ہے۔؟ اس کی جھیل پر موجودگی سے ایسا لگ رہا ہے کہ قریب میں کوئی بستی ہے۔؟

وہ اس عورت کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اس کی نگاہ بائیں جانب پڑی۔ اس سے قدرے فاصلے پر ایک کٹیا سی نظر آئی۔ کیا وہ اس میں اکیلی رہتی ہے۔؟ شاید اکیلی ہی ہو گی۔ کوئی بھی ہوتا تو وہ جھیل پر اس کے ساتھ آ جاتا۔

رندھیر مرد تھا۔ جوان اور توانا۔ دراز قد اور وجیہ۔ مٹی کا تودہ نہیں تھا۔ اس نے جو خوشبو سونگھی تھی وہ اس عورت کے آتشیں بدن کی ہی تھی۔ اس خوشبو سے فضا مہک رہی تھی اور ماحول سحر زدہ ہو رہا تھا۔ وہ جل پری بنی ہوئی تھی۔ اس عورت کو اس حالت میں دیکھ کر اس کے جذبات میں ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ بھیگا بدن' بھیگے بال' اسے دعوت گناہ دے رہے تھے۔ اس کے دل پر قیامت ڈھا رہے تھے۔

اس میں ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی کہ وہ اس عورت کی تنہائی سے فائدہ اٹھائے۔ اسے زیر کر لے۔ اسے فتح کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ وہ اسے دبوچ کر آسانی سے بے بس کر سکتا تھا۔ پامال کرنا ایسا ہی تھا جیسے راستے کے پتھر کو ٹھوکر مار دینا۔ لیکن اسے دوسری طرف خوف دامن گیر تھا کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائے۔ شاید اس عورت کا شوہر اس کٹیا میں موجود ہو۔ پھر

اسے خیال آیا کہ وہ اس عورت کے سحر میں گرفتار کیوں ہو گیا ہے؟ یہ عورت بھی کیا چیز ہے؟ پھر اسے ایسا لگا عورت کے بدن سے پھوٹتی ہوئی سوندھی سوندھی خوشبو اسے اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ کیا خوشبو اتنی انوکھی ہے کہ اسے دور تک محسوس ہو رہی ہے؟ ابھی وہ یہ سوچ رہا تھا کہ وہ عورت تیرتے تیرتے جھیل سے نکل کر اس کی سمت آتی دکھائی دی۔ وہ ایک دم سے درخت کی آڑ میں ہو گیا۔ عورت کے بدن پر پانی کے قطرے پھسل رہے تھے اور بالوں سے ٹپک رہے تھے۔ اس کے سراپا میں بجلیاں کوند رہی تھیں۔ انگ انگ سے مستی ابلی پڑتی تھی۔ تناسب زہریلی ناگن کی طرح پھنکار رہے تھے۔ اس کی چال بڑی مستانہ اور البیلی سی تھی جس نے فتنوں کو جگا دیا تھا۔ اس عورت کی شاید کٹیا تھی۔ اس کٹیا کا راستہ اس کے پاس سے جاتا تھا۔ کیا وہ ہمت سے کام لے کر شب خون مار دے۔ چند لمحوں کے بعد اسے اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا۔ اسے ایسا لگا کہ وہ کوئی سندر سا سپنا دیکھ رہا ہے۔ وہ بھونچکا ہو کر رہ گیا۔

وہ اچانک اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ اس کے روبرو تھی۔ اس کا انگ انگ ڈھلی چاندنی میں نہا رہا تھا۔ مسکراتی اور والہانہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ چوں کہ وہ چڑھائی چڑھ کر آئی تھی اس لئے اس کے سینے میں سانسوں کا تلاطم ہچکولے کھا رہا تھا۔ رندھیر کو ایسا لگ رہا تھا کہ وہ بغیر کسی ہتھیار کے اسے قتل کر دے گی۔

''اجنبی۔!'' اس عورت کی آواز گہرے سکوت میں کھنک گئی۔ آواز بھی اس کی طرح رسیلی تھی۔ ''تم بڑے بزدل ہو۔''

''بزدل۔؟'' رندھیر کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔ وہ متعجب لہجے میں بولا۔ ''میں نے کیا بزدلی دکھائی۔؟''

''یہ بزدلی نہیں تو اور کیا تھی۔؟'' وہ زیر لب مسکرائی۔ ''میں اتنی دیر سے جھیل پر اکیلی نہا رہی تھی۔ تیر رہی تھی لیکن تم بزدلوں کی طرح چھپ کر مجھے نہاتا ہوا دیکھ رہے تھے۔''

''کیا تمہیں اس بات کا علم تھا کہ میں چھپ کر تمہیں نہاتا ہوا دیکھ رہا ہوں؟'' رندھیر نے تحیر زدہ لہجے میں کہا۔

''ہاں۔'' عورت نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''لیکن وہ کیسے۔؟'' رندھیر ابھی بھی حیران تھا۔ ''میں اس طرح سے اِدھر آیا تھا کہ کوئی مجھے دیکھ نہ سکے۔ تم پر میری نگاہ تو پڑی تھی' لیکن میں تمہاری نظروں میں نہ آیا تھا۔ میں نے تمہیں نہاتا دیکھا تو چھپ کر کھڑا ہو گیا۔''

"دراصل خوشبو نے مجھے بتا دیا تھا کہ ایک مرد میرے قریب موجود ہے۔ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔" وہ ہنس کر بولی۔

"خوشبو؟ کیسی خوشبو؟" رندھیر ششدر سا ہو گیا۔

"مرد کی خوشبو" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولی۔ "جب ایک عورت مرد کے لئے بھوکی پیاسی ہوتی ہے تو اسے مرد کی خوشبو آ جاتی ہے۔ جس طرح تمہیں میری خوشبو آئی تھی۔ یہاں ایک عجیب سی بات یہ ہے کہ رات کے وقت جوان عورت اور مرد کی خوشبو فضا میں پھیل جاتی ہے۔ ویسے میں نے تمہیں دیکھ لیا تھا۔ تمہاری خوشبو آتے ہی' لیکن میں انجان سی ہو گئی۔ میں دیر تک نہاتی ہوئی تمہیں دعوت دیتی رہی تھی کہ تم میرے پاس آؤ اور مجھے قابو میں کر لو لیکن مجھے ہی آنا پڑا۔"

"میرا دل تو بہت چاہ رہا تھا کہ تمہارے پاس جھیل میں آ جاؤں۔" رندھیر نے کہا۔

"جب تمہارا دل چاہ رہا تھا تو پھر تم آئے کیوں نہیں؟ تمہیں کس بات نے روکے رکھا تھا؟" عورت اسے لگاوٹ سے دیکھنے لگی۔

"اس لئے کہ میں آتا تو پھر میں اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکتا۔" رندھیر نے جواب دیا۔ "بہک جاتا۔ ہمارے نزدیک یہ پاپ ہے کہ کسی غیر عورت سے جی بہلانا اور اس کی عزت برباد کرنا۔"

"کیا تمہیں کسی نے یہ نہیں بتایا کہ ایک چھوٹی سی وادی اس طرف واقع ہے جو حسینوں کی ہے۔" وہ کہنے لگی۔ "اس وادی میں مرد بہت کم ہیں لیکن عورتیں بہت زیادہ ہیں۔ ہر لڑکی اور عورت ایک سے ایک بڑھ کر حسین اور نوجوان ہے۔ تمہیں ایک لڑکی یا عورت بھی معمولی نہیں ملے گی اور یہاں عورت کبھی بوڑھی نہیں ہوتی ہے' نہ اس کا حسن و شباب ماند پڑتا ہے۔ اسی اور سو برس کی عورت بھی ایک کنواری دوشیزہ معلوم ہوتی ہے۔"

"حیرت کی بات ہے۔" رندھیر نے تکرار کے انداز میں کہا۔ "عورت ہو یا مرد اس پر تو بڑھاپا آتا ہے۔"

"صدیوں سے کبھی کسی نے عورت کا بڑھاپا نہیں دیکھا۔" وہ بولی۔ "البتہ مردوں پر چالیس برس کی عمر میں بڑھاپا آ جاتا ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی کہ عورت پر سو برس کی عمر میں بھی بڑھاپا نہیں آتا اور مرد پر چالیس برس کی عمر میں ہی؟" رندھیر نے کہا۔ "ایسا کیوں۔؟"

"اس لئے کہ ہمارے امرتا دیوی نے پانچ سو برس پہلے مردوں کے لئے یہ سزا اس لئے تجویز کی کہ اس وادی کے مرد عورتوں کے ساتھ بڑی نفرت اور حقارت کا سلوک کرتے تھے۔ امرتا دیوی نے اس وادی میں ایک تالاب پر ایسا منتر پڑھ کر پھونکا کہ اس تالاب میں ایک لڑکی یا عورت ایک مرتبہ بھی اشنان کر لے تو وہ کبھی بھی بوڑھی نہیں ہو گی۔ سدا نوجوان اور کنواری کی طرح رہے گی۔"

"بڑی عجیب سی بات ہے۔" رندھیر کی عقل حیران تھی۔ "مردوں کو تمہاری دیوی نے بڑی سخت اور اذیت ناک سزا دی ہے۔"

"اچھا اب آؤ میرے ساتھ اور میری اس کٹیا میں چلو۔" عورت نے رندھیر کا ہاتھ تھام لیا۔ "وہاں چل کر باتیں کرتے ہیں۔"

اس عورت کے ہاتھ کے لمس میں بڑی نرمی' گداز اور گرماہٹ تھی کہ اس کے سارے بدن میں خون کی روانی تیز ہو گئی۔ وہ کسی کچے دھاگے کی مانند بندھا چلا گیا۔ وہ کٹیا میں داخل ہوا تو ایک شمع جلتی ہوئی نظر آئی۔ ایک کونے میں چوکی تھی' جس پر بڑا آرام دہ بستر بچھا ہوا تھا۔ کٹیا میں گھستے ہی وہ دونوں بہک گئے۔

وہ عورت اس پر جس فیاضی سے مہربان ہوئی رندھیر تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی زندگی میں شادی سے پہلے ہر عمر کی کچھ عورتیں آئی تھیں۔ شادی کے بعد شیاما کے علاوہ پھر کوئی عورت نہیں آئی تھی اور وہ ماہر کھلاڑی کی طرح تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس عورت نے اسے کھلونا بنا لیا ہے۔ اپنی زندگی میں اس نے کبھی ایسا کیف و سرور کسی عورت میں محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ کبھی ان نشاط انگیز لمحات کو بھول نہیں سکتا تھا۔ یہ اس کی زندگی کے یادگار لمحات تھے۔

جس وقت پو پھٹ رہی تھی وہ کٹیا سے باہر آ گئے۔ وہ عورت اس سے مخمور نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

"وقت کیسا گزرا۔؟ تمہارا دل مجھ سے خوش ہوا کہ نہیں۔؟"

"میری زندگی میں تم جیسی عورت آئی اور نہ ایسے حسین' رنگین اور یادگار لمحات گزرے ہیں۔ میں تمہیں کبھی نہیں بھول سکتا۔"

"میں اس کٹیا میں رات ہونے کے بعد آتی ہوں اور سورج نکلنے سے پہلے اپنی وادی میں چلی جاتی ہوں۔ جو یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ میں کل رات پھر تمہارا انتظار کروں گی۔ ہماری دوسری رات اس رات سے کہیں مدہوش کن ہو گی۔"

"میں ضرور آؤں گا۔" رندھیر نے سرشاری کے لہجے میں کہا۔ "تم نے تو مجھ پر جادو کر دیا ہے۔"

"جانتے ہو میری عمر کیا ہے۔؟" عورت نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "تمہیں میری عمر کا اندازہ ہوا؟"

"میرے اندازے کے مطابق تم سولہ برس کی دوشیزہ ہو۔" رندھیر نے کہا۔ "ایک کلی کی مانند' نوخیز عمر کی۔"

"نہیں میں اس عمر کی نہیں ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ میں ایک سو سولہ برس کی ہوں لیکن سدا اسی عمر کی رہوں گی۔" اتنا کہہ کر وہ رندھیر کو ششدر چھوڑ کر مخالف سمت تیزی سے چل پڑی اور ایک درخت کی آڑ میں جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اسے اس عورت کی بات کا یقین نہیں آیا۔ وہ ایک تجربہ کار شخص تھا۔ بھونرا رہ چکا تھا' لیکن شیاما کی سیوا اور محبت نے اسے ہمیشہ غلاظت کے دلدل سے دور رکھا ہوا تھا۔ چوں کہ اس عورت نے کہا تھا کہ اس کی وادی میں کبھی کوئی عورت بوڑھی نہیں ہوتی ہے' سدا جوان رہتی ہے' اس لئے اسے اس عورت کی بات کا یقین کرنا پڑا تھا۔

جس وقت وہ غار کی طرف جا رہا تھا اپنے آپ کو بے حد نڈھال سا محسوس کر رہا تھا۔ تھکن سے اس طرح چور چور ہو رہا تھا جیسے میلوں کی مسافت طے کر کے آ رہا ہو۔ وہ اپنے آپ میں چند قدم چلنے کی سکت نہیں پا رہا تھا۔ اس عورت نے اسے گیلے کپڑے کی طرح نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس کا جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا۔ "اف بھگوان۔ کیا عورت تھی۔؟" وہ بڑبڑایا۔

"وہ عورت نہیں تھی۔؟" اسے اپنی پشت پر ایک نامانوس سی مردانہ آواز سنائی دی۔

"ایک بلا تھی۔"

رندھیر نے ایک دم سے رک کر پلٹ کر دیکھا۔ اس کے سامنے ایک شخص کھڑا ہوا تھا۔ بیمار' لاغر اور کمزور اور چہرہ سفید' لہو کی بوند بھی نہ تھی۔ یہ پہلا آدم زاد تھا جو رندھیر کو نظر آیا اور ملا تھا۔ اسے حیرت سے زیادہ خوشی ہوئی۔ رندھیر نے پوچھا۔

"تم اس عورت کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے کہ۔ یہ عورت نہیں بلا ہے۔"

یہ ایک بدروح تھی جو تم جیسے خوب صورت' جوان اور وجیہ مردوں کی تلاش میں راتوں کو نکلتی ہے۔ یہ صرف ایک بدروح ہی نہیں ہے۔ ایک بلا ہے۔ چڑیل ہے۔ وہ حسین و جمیل اور نوجوان دوشیزہ کا روپ دھار لیتی ہے۔ پھر اس کٹیا میں لے جا کر ان جانے راستے پر لے

جاتی ہے۔ نشاط انگیز لمحات میں جب مرد مدہوش سا ہو جاتا ہے تو اس کی گردن میں اپنے دانت گاڑ کر اس کا خون پی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ دس راتوں تک جاری رہتا ہے۔ مرد اتنا کمزور ہو جاتا ہے کہ وہ زندگی اور عورت کے قابل نہیں رہتا ہے۔ انسانی خون ان کے لئے امرت ہوتا ہے۔ بڑی لذت دیتا ہے۔ اس خون کی بدولت ان کا حسن اور عمر برقرار رہتی ہے۔"

اس شخص نے سانس لینے کے لئے توقف کیا۔ اس کے سینے میں سانس پھول رہی تھی۔ اس نے کچھ دیر کے توقف کے بعد کہا۔

"یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ میری تم سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ بھگوان کے لئے تم رات مت جانا۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ تم اس علاقے سے چلے ہی جاؤ۔ یہ میری بھی خوش نصیبی ہے کہ میں ان بلاؤں کے ہاتھوں مرنے سے بچ گیا۔"

"لیکن دوست اس نے کہا تھا کہ یہاں کچھ فاصلے پر حسینوں کی وادی ہے۔" رندھیر کہنے لگا۔ "اس وادی میں ہر عورت غضب کی حسین اور جوان ہے۔ وہ کبھی بوڑھی نہیں ہوتی ہے۔ اسی سو برس کی عورت بھی نوجوان دوشیزہ معلوم ہوتی ہے۔"

"ہاں' اس نے ایک طرح سے سچ کہا تھا لیکن اصل حقیقت کیا ہے میں تمہیں بتاتا ہوں۔ وہاں جتنی بھی عورتیں ہیں وہ سب کی سب انتہائی بدصورت ہیں۔ دراصل وہ سب کی سب بدروحیں ہیں۔ چڑیلیں ہیں۔ مرد جو ہیں وہ بھی بدروحیں ہیں۔ یہ تو نظر بندی ہے جس سے ہر عورت جوان اور حسین دکھائی دیتی ہے۔ اس علاقے میں جو مرد اور عورت حادثاتی موت کا شکار ہو جاتا ہے' وہ بدروح بن کر اس جزیرے میں بسیرا کر لیتا ہے۔ اپنی زندگی عزیز ہے تو صبح ہوتے ہی یہاں سے چل پڑو۔ دن میں کوئی بھی بدروح تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اس لئے کہ رنگو دیوی کا حکم نہیں ہے کہ وہ دن میں نکلیں۔"

"اوہ بھگوان۔!" رندھیر نے تحیر زدہ لہجے میں کہا۔ "لیکن تم کون ہو۔؟ یہ سب کچھ کیسے جانتے ہو؟"

"میں بھی ایک بدروح ہوں۔" وہ کہنے لگا۔ "جس چڑیل نے تمہیں اپنا شکار بنایا کبھی میں بھی اس کا شکار ہوا تھا۔ پھر میں نے خودکشی کر لی۔ بدروح بن گیا۔ مجھے تمہاری بھری جوانی پر ترس آیا تو میں نے تمہیں بتا دیا۔"

اتنا کہہ کر وہ اس کی نظروں سے گدھے کے سینگ کی طرح غائب ہو گیا۔

رندھیر بھونچکا سا کھڑا رہا۔ پھر وہ غار تک گرتا پڑتا پہنچا۔ گوتم گہری نیند میں غرق تھا۔ اس

نے کسی وجہ سے گوتم کو جگایا نہیں۔ وہ سوچنے لگا کہیں یہ کوئی خواب تو نہیں تھا۔ ڈراؤنا بھیانک۔ اس چڑیل نے اسے جو خوش اور سرشار کیا تھا وہ کبھی بھول نہیں سکتا تھا۔ اس چڑیل نے کیسی حسین اور نوجوان دوشیزہ کا روپ دھارا تھا۔ پھر اسے گردن پر درد کی لہر محسوس ہوئی۔ اس نے وہاں ہاتھ لگایا تو زخم محسوس ہوا۔ اس زخم پر خون جما ہوا تھا۔ اس بدروح مرد نے جو کہا تھا وہ سچ ہی تھا۔ کیا پراسرار اور لرزہ خیز واقعہ تھا

صبح ہوئی تو رندھیر نے رات کے واقعے کے بارے میں اسے بتانا مناسب نہیں سمجھا۔ کیوں کہ وہ اس کی بات کا یقین نہیں کرے گا۔ گوتم نے ایک درخت سے کچھ پھل توڑے جو سیب کی مانند تھے۔ وہ ایک کھا کر چشمے کا پانی پیتے ہی نہ صرف اس کی کمزوری دور ہوگئی بلکہ کھوئی ہوئی توانائی بھی بحال ہوگئی۔ گوتم نے اپنے تھیلے سے ایک چھوٹی سی کیتلی نکالی جس میں دو تین کپ چائے بن سکتی تھی۔ اس کے پاس خشک دودھ بھی تھا۔ بسکٹ کے ساتھ چائے پینے سے رندھیر کو ایک نئی طاقت کا احساس ہوا۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ جنگل کی زندگی انگڑائیاں لیتی ہوئی بیدار ہو رہی تھی۔ غار کے آس پاس ہزاروں ننھی منی مگر بے حد حسین گلہریوں کے غول انہیں نظر آئے جو اپنی آنکھیں گھما گھما کر بال دار لمبی دمیں ہلا ہلا کر حیرت سے تکتیں اور ذرا سی آہٹ پاتے ہی دوڑ کر درختوں پر چڑھ جاتیں۔ گوتم نے باسی ڈبل روٹی کے بچے ٹکڑے پھینکے تو ان پر پرشوق اور ذوق سے ٹوٹ پڑیں۔ رندھیر نے گوتم سے کہا کہ کاش اور روٹی ہوتی۔

رندھیر کے ساتھ رات جو واقعہ پیش آیا تھا اس نے اسے لرزا دیا تھا۔ ابھی گوتم روانگی کا پروگرام بنا رہا تھا کہ بندروں کا ایک غول ناچتا اور اچھلتا کودتا ان کے قریب آ کر رک گیا۔ یہ خاصے بڑے بڑے اور موٹے تازے بندر تھے۔ ان کے جسموں پر لمبے گھنے سیاہ اور بھورے بال تھے۔ ناکیں لال اور انگارہ سی اور ہاتھوں کے پنجے ازحد نوکیلے۔ وہ ان سے پچاس فٹ کے فاصلے پر نیم دائرے کی صورت میں دھرنا مار کر بیٹھ گئے۔ رندھیر اور گوتم نے محسوس کیا کہ ان کے تیور جارحانہ تھے۔ درمیان میں ایک بوڑھا بندر ہم جنسوں کی صف سے کچھ آگے نکل کر نہایت شاہانہ انداز سے بیٹھا تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر غور سے دیکھا۔ پھر منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑایا۔ ان دونوں نے فوراً ہی اپنی اپنی رائفلیں درست کیں۔

"رندھیر!" گوتم نے دبی زبان میں ہدایت کی۔ "دیکھنا یہ ہے کہ یہ کیا کرتے ہیں؟ اس لئے میں جب تک نہ کہوں تم فائر مت کرنا۔"

بندروں کا سردار اپنی جگہ سے اٹھا اور دائیں بائیں گھوم کر جائزہ لینے لگا کہ وہ ان دونوں پر کس رخ سے حملہ آور ہو سکتا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں کوئی پانچ چھ سو بندر جمع ہو گئے تھے۔ چپے چپے پر ان کا قبضہ تھا اور اردگرد کے درختوں کی کوئی شاخ ایسی نہ تھی جس پر وہ نہ جھول رہے ہوں۔ ایسا نظر آتا تھا کہ ان بندروں کو یہاں ان دونوں کا قیام پسند نہیں آیا ہو۔ ہر لحظہ ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ دونوں ہی دھڑکتے دلوں سے سوچ رہے تھے۔ ان کی تعداد کے لحاظ سے ان کے پاس جو کارتوس ہیں وہ آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ ان کے مقابل بندروں کی ایک فوج صف آراء ہے۔ ان کارتوسوں کے بل بوتے پر کتنی دیر تک اس فوج کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

غار کے دہانے کا سامنے والا حصہ چھوڑ کر وہ چٹان کے اطراف میں پھیل رہے تھے۔ ان دونوں کی نگاہوں سے عقب کا حصہ پوشیدہ تھا۔ اس لئے انہیں اس بات کا کوئی اندازہ نہیں تھا کہ وہ عقب میں پہنچے یا نہیں۔؟

تاہم ان بندروں کا بوڑھا سردار ایک تجربہ کار اور ہشیار جرنیل کی مانند اپنی زبان میں بڑبڑ کر کے جیسے ہدایات جاری کر رہا تھا۔ وہ نہایت آہستہ آہستہ غیر محسوس انداز سے اپنا دائرہ ان کے گرد تنگ کرتے جا رہے تھے۔ اب ان کے نزدیک چارہ نہیں رہا تھا کہ اپنی مدافعت کیلئے فائر کریں۔ ورنہ انہیں موت نگلنے کے لئے بے تاب نظر آتی لگ رہی تھی۔

گوتم کا اشارہ پاتے ہی رندھیر کی رائفل نے شعلہ اگل دیا پھر گوتم نے بوڑھے سردار کو اس خیال سے اپنا نشانہ بنایا کہ اس کے مرتے ہی بندر میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ ایک ہولناک شور سے جنگل کی فضا گونج اٹھی۔ ایک ایسا شور تھا کہ چند لمحوں کے لئے ان دونوں پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ پھر انہوں نے صرف اتنا دیکھا کہ کئی بندر خاک و خون میں لوٹنے لگے۔ خوں خوں۔ خوں خوں اور چڑ چڑ کی ملی جلی آوازوں نے ایک قیامت برپا کر دی۔ بندر چھلاوہ کی مانند اچھلتے کودتے اور دانت نکال کر بھیانک شکلیں بناتے ہوئے دائیں بائیں پھیلنے لگے۔ بعض اتنے قریب آ گئے کہ انہیں دوبارہ فائر کرنا پڑا۔ ایک بار پھر کچھ بندر خون میں نہا گئے۔ گوتم کا خیال تھا کہ فائرنگ کے بعد وہ دہشت زدہ ہو کر بھاگ نکلیں گے لیکن ان کے جوش و خروش کے غضب میں کوئی کمی نہ ہوئی بلکہ اور شدت آ گئی۔

رندھیر نے معاً اس بوڑھے بندر کو بھی دیکھ لیا جس پر گوتم نے گولی چلائی تھی لیکن وہ مرا نہیں زندہ تھا۔ البتہ اس کے دائیں شانے سے خون کا فوارہ جاری تھا۔ مگر وہ اتنا سخت اور ظالم

اور ہمت والا تھا کہ وہ اپنی فوج کی کمان سنبھالے ہوئے تھا۔ بار بار وہ اپنا خوفناک چہرہ اٹھا کر ان کے غار کی طرف دیکھتا اور حلق پھاڑ کر چلاتا۔ رندھیر نے یہ دیکھ کر اس کی کھوپڑی کا نشانہ لیا۔ وہ رائفل کے رخ سے بھانپ کر ایک درخت کے تنے کے پیچھے جا چھپا۔ اتنے میں ایک بندر اچھل کر رندھیر کے سر پر آیا۔ رندھیر نے رائفل گھما کر اس کا بٹ اس کی کھوپڑی پر دے مارا۔ وہ بندر اس قدر پھرتیلا تھا کہ وار بچا گیا اور دوبارہ حملہ آور ہوا۔ رندھیر اس قدر بدحواس ہوا کہ اس مرتبہ اپنا بچاؤ نہ کر سکا۔ اس کا دایاں ہاتھ بھنبھوڑ ڈالا۔ مگر گوتم نے اسے بھاگنے کا موقع نہیں دیا۔ دوسرے لمحے وہ گولی کھا کر زندگی سے محروم ہو گیا۔

ادھر لڑائی شدت سے جاری تھی۔ بندروں کے غل غپاڑے اور فائرنگ کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

"گوتم!" رندھیر نے شکستہ لہجے میں کہا۔ "اب ہمیں مرنے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔ یہ ہماری جان لے کر رہیں گے۔"

"اب زندگی کے بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔" گوتم نے مایوس اور افسردگی سے کہا۔ "کاش! میں راستہ نہ بھولتا۔ دراصل میں شمال کی سمت جانے کے بجائے جنوب کی سمت آ گیا۔ یہ سفر موت کا سفر بنتا گیا۔ اب ہم ان کا نوالہ بننے والے ہیں۔"

"یہ لو مرے پر سو درے۔" رندھیر نے دہشت زدہ لہجے میں کہا۔

"کیا ہوا؟" گوتم نے بوکھلا کر پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا۔

"یہ دیکھو۔ ان بندروں کی مدد کے لئے ایک تازہ کمک آ گئی۔" رندھیر نے جواب دیا۔

"چلو۔ غار میں پناہ لیتے ہیں۔ دہانہ اتنا تنگ ہے کہ ایک سے زیادہ بندر گھس نہیں سکتا۔ جب تک کارتوس موجود ہیں اس وقت تک ان بندروں کو نشانہ بنا کر موت سے بچتے رہیں گے۔"

بندروں کی ایک اور عظیم فوج نمودار ہوئی تھی۔ یہ پستہ قامت تھے۔ ان کے چہرے سرخ اور لنگوروں کی دموں کی مانند لمبی۔ رندھیر اور گوتم کو اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا۔ انہوں نے ایک سپنا سا سمجھا۔ انہوں نے آتے ہی کالے اور بھورے بندروں کو اپنی دموں پر دھر لیا۔ پھر تو ان دونوں فریقوں میں ایسی خوفناک جنگ ہوئی کہ دیکھتے ہی دیکھتے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ ہر طرف خون ہی خون اور حریف بندروں کی لاشیں بکھر گئیں۔ یہ میدان کارزار کوئی آدھا گھنٹہ تک گرم رہا۔ اس کے بعد کالے بندروں کی فوج پسپا ہونے لگی۔ غالباً ان کا سردار مارا گیا تھا۔ فتح یاب بندر اپنے شکست خوردہ حریفوں کے تعاقب میں چیختے چلاتے بھاگ

گئے۔ تھوڑی دیر میں وہاں خاموشی کے سوا کچھ نہ تھا۔ رندھیر اور گوتم دم بخود اپنی جگہ کھڑے اور سہمے ہوئے بیٹھے تھے۔

"کیا لرزہ خیز تماشا تھا؟" رندھیر نے کراہتے ہوئے کہا۔ پھر وہ فرش پر لیٹ گیا۔ "اس حرام زادے بندر نے میری کلائی جیسے توڑ ڈالی۔"

گوتم نے تھیلے میں سے فرسٹ ایڈ بکس نکالا۔ اس نے رندھیر کی کلائی دیکھی۔ اس کا بغور معائنہ کیا۔ پھر اسے دلاسا دیا۔

"تمہاری قسمت اچھی تھی جو بچ گئے۔ کلائی پر صرف مہلک زخم آیا ہے ہڈی نہیں ٹوٹی ہے۔ تھوڑی دیر کی تکلیف سہہ لو۔"

گوتم نے اس کی کلائی کا زخم صاف کیا جس پر خون جما ہوا تھا۔ پھر ایک مرہم کا ٹیوب نکال کر مرہم لگایا۔ پٹی کی۔ پھر سرنج نکال کر درد کا انجکشن اس کے کولہے پر لگایا۔ پھر اسے ایک گولی پانی کے ساتھ کھلا دی۔ وہ ڈاکٹر بنا ہوا تھا۔ دس بارہ برس سے چوں کہ وہ شکاری جماعتوں کے ساتھ جاتا رہا تھا اور پھر اس نے فرسٹ ایڈ کورس کیا ہوا تھا۔ وہ جب کبھی کسی بھی شکاری پارٹی کے ساتھ جاتا اپنا تھیلا ضرور لے جاتا تھا۔ اس میں خورونوش کے سامان کے ساتھ فرسٹ ایڈ بکس چولی دامن کی طرح ساتھ ہوتا تھا۔

رندھیر کو رفتہ رفتہ آرام محسوس ہونے لگا۔ وہ جلد ہی گہری نیند میں غرق ہو گیا۔ جب وہ بیدار ہوا تو دوپہر ڈھل چکی تھی۔ اس کے زخم اور درد کی وجہ سے گوتم نے فیصلہ کیا کہ رات گزار کے دوسرے دن صبح روانہ ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ صبح بیدار ہوئے تو انہیں سخت بھوک لگ رہی تھی۔ ان دونوں نے فیصلہ کیا کسی پرندے کا شکار کر کے پیٹ پوجا کر کے چلتے ہیں۔ بھوک کی حالت میں دو قدم چلنا بھی دوبھر ہو جائے گا۔ انہوں نے تھیلا غار میں چھوڑا۔ گوتم نے شکاری چاقو لے لیا۔ جب وہ جھیل کے پاس سے گزرے تو رندھیر کو پرسوں رات والا واقعہ یاد آ گیا۔

رات کے وقت جب اس کی آنکھ کھلی تو اسے ایک دم سے اس چڑیل کا خیال آیا تھا۔ وہ یہ دیکھنے کے لئے کہ آیا وہ چڑیل جھیل پر اس کا انتظار کر رہی ہے یا نہیں غار سے باہر آ کر جب وہ چلا تو مسحور کن سوندھی سوندھی خوشبو کا جھونکا آیا تھا۔ اس نے دور سے دیکھ لیا تھا کہ وہ ڈائن کل رات کی طرح جھیل میں نہا رہی ہے۔ اس حسین بلا کا آتشیں بدن اور اس کے تناسب اسے دعوت گناہ دے رہے تھے۔ اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ وہ سحر ایسا تھا کہ وہ چند قدم چل کر رکا۔ پھر اسے اس مرد بدروح کی بات یاد آئی وہ دل پر جبر کر کے لوٹ آیا۔ اسے بہت دیر تک نیند

نہیں آئی۔ اس ڈائن کا حسن اور چندن سا بدن اس کی نظروں میں لہرا رہا تھا۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ وہ اڑ کر چلا جائے۔ اس نے غیر ارادی طور پر گردن کے زخم پر ہاتھ رکھا تو ایک ہلکی سی ٹیس اٹھی۔ نہیں......نہیں......رندھیر نے دل میں کہا۔ اسے اپنی زندگی عزیز ہے۔ وہ اگر جاتا ہے تو وہ چڑیل ایک ناگن کی طرح ڈس کر اسے موت سے ہمکنار کر دے گی۔ رندھیر نے جھیل کے کنارے اس چڑیل کے پاؤں کے نشانات دیکھے۔

رندھیر کو اس کی آمد کا خوف و خدشہ نہیں تھا۔ اس مرد بدروح نے بتایا تھا کہ دن میں کوئی بدروح اور چڑیل نہیں نکلتی۔ وہ دونوں ایک ایک قدم پھونک پھونک کر دھرتے ہوئے آگے بڑھے۔ رندھیر نے دیکھا تھا کہ ندی کا پانی کل جو سوروں کے خون سے سرخ ہو گیا تھا اب وہ بالکل صاف و شفاف آئینے کی مانند تھا۔ اس میں خون کی ہلکی سی سرخی بالکل بھی نہ تھی۔ وہ چلتے جا رہے تھے۔ انہیں کوئی ایسا پرندہ نظر نہیں آیا جسے شکار کیا جا سکے۔ وہ شکار کی تلاش میں کوئی ڈیڑھ فرلانگ مغرب کی سمت آ گئے۔ وہ شمال کی سمت جانے کے لئے مڑے تھے کہ ایک پرندے کی چیخ نے انہیں ٹھٹک کر رکنے پر مجبور کر دیا۔ پھر وہ جلدی سے جھاڑیوں کی آڑ میں ہو گئے۔ ان کی نظروں کے سامنے ایک اور ندی پانی سے لبالب بھری ہوئی تھی۔

''شاید دس بارہ دن پہلے دو تین دن تک موسلا دھار بارش ہوتی رہی ہے۔'' گوتم نے رندھیر سے کہا۔ ''اس لئے کہیں کیچڑ اور دلدل ہے۔''

اس ندی کے پرلے کنارے ایک بہت بڑی سفید بطخ جو بہت ہی فربہ بھی تھی لمبی لمبی گھاس میں کانٹے میں کسی مچھلی کی طرح بری طرح پھنسی ہوئی تھی۔ آزادی کی جدوجہد اور کوششوں میں پھڑپھڑاتی اور چلاتی تھی۔ اس بطخ کو دیکھ کر ان کے منہ میں پانی بھر آیا۔

''اس کا گوشت نہایت لذیذ اور بے حد مزے دار ہوگا۔'' رندھیر نے رال ٹپکاتے ہوئے کہا۔ ''میں نے آج تک کبھی ایسی موٹی تازی بطخ نہیں دیکھی۔ کیا تم نے کبھی دیکھی اور اس کا گوشت کھایا ہے؟''

''مرغیوں' مرغابیوں' تیتر اور بٹیر کے مقابلے میں نہ صرف اس کا گوشت بہت ہی لذیذ اور مزے دار ہوتا ہے بلکہ اس کی چربی بڑی شان دار اور مکھن جیسی ہوتی ہے۔'' گوتم بتانے لگا۔ ''یہ نایاب قسم کی نسل ہے جو کسی کسی جنگل میں پائی جاتی ہے۔ یہ بطخ بہت ہی مہنگی ہے۔ غیر ملکی سیاح اور اعلیٰ قسم کے سرکاری تقریبات اور فائیو سٹارز ہوٹل میں اس کی خصوصی ڈش بنا کر پیش کی جاتی ہے۔ اس کا گوشت کالا ہرن کے گوشت کی طرح نمکین ہوتا ہے۔ یہ بغیر نمک اور

مرچ مصالحہ کے بھی مزا دے جاتا ہے۔ میں نے اس کا انڈا دیکھا جو کرکٹ کی گیند کے سائز سے ڈیڑھ گنا ہوتا ہے۔ اس کا آملیٹ چھ سات انڈوں سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ ایک اور خصوصیت اس انڈے کی یہ ہے کہ اس میں سے دو یا تین جڑواں بچے نکلتے ہیں۔''

''اگر ایسی بات ہے تو اس شبھ کام میں پھر دیر کس بات کی۔'' رندھیر نے کہا۔ ''یہ مال بغیر کسی محنت کے اور گولی چلائے بغیر ہاتھ لگا ہے۔ مال مفت' دل بے رحم۔ ویسے مفت کا مال کھانے میں مزا ہی اور ہوتا ہے کیوں؟''

رندھیر نے ازراہ مذاق یہ بات کہی تھی۔ ان دونوں کو ایک لمبا چکر کاٹنا پڑا تھا۔ دوسرے کنارے تک پہنچنے کے لئے۔ پھر ان دونوں کو بطخ گھاس سے نکال کر قبضہ میں کرنے کے لئے بڑا زور لگانا پڑا۔ یہ بطخ جتنی خوب صورت تھی اتنی ہی طاقت ور بھی۔ کئی مرتبہ اس نے جوش اضطراب میں چونچ گوتم کے منہ پر۔ اور رندھیر کے ہاتھ پر ماری تھی۔ ان دونوں کی گرفت میں آنے کے بعد اتنا شور مچایا تھا کہ گوتم نے فوراً ہی اسے ذبح کر دیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو بطخ ان دونوں کو لہولہان کر دیتی۔ گوتم کے اندازے کے مطابق اس کا وزن آٹھ دس کلو سے کم نہ تھا۔ ان دونوں نے اس کی کھال اتاری اور آلائش نکال پھینکی۔ پھر ندی کے پانی میں دھو کر غار میں لے آئے۔ پھر غار میں آگ سلگائی گئی۔ اور جب اسے سینکنے بیٹھے تو یہ دیکھ کر دونوں خوف زدہ ہو گئے کہ بطخ کے ایک پاؤں میں ایک ایسا چھلا پھنسا ہوا تھا جو بعض شکاری ایسے جانوروں کو زندہ پکڑنے کے لئے جنگل میں جابجا ندی اور چشموں کے کنارے گھاس میں لگا دیا کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ شکاریوں کی کوئی جماعت یہاں شکار کرنے آئی ہوئی تھی۔ اس نے اس مقام پر گھاس میں اپنا پھندا لگا رکھا ہوگا۔ جہاں سے وہ بطخ اٹھا لائے تھے۔ ان شکاریوں نے انہیں دیکھا ہوگا اور یہ بھی ممکن تھا کہ شکاریوں نے غار بھی دیکھا ہوگا۔

''یار! سارا مزا کرکرا ہو گیا۔'' گوتم نے اپنا ماتھا پیٹ لیا۔

''کس لئے۔؟'' رندھیر نے پوچھا۔

''اس لئے کہ جس شکاری نے اسے شکار کیا ہے وہ اسے لینے یہاں آ سکتے ہیں۔''

* * *

”ہم کیوں اور کس کیلئے شکاری یا شکاریوں کی جماعت کو بطخ دیں؟“ رندھیر نے تکرار کے انداز میں کہا۔

”اس لئے بھی کہ ہم اسے تلاش کر کے لائے ہیں۔ اس پر ہمارا زیادہ ادھیکار ہے۔ یہ رستے کا مال تھا جو ہم لائے ہیں۔“

”یہ شکار کا ایک اصول ہے۔“ گوتم نے کہا۔ ”اگر اس کے پاؤں میں چھلا نہ ہوتا تو پھر کوئی دعویدار نہ ہوتا۔“

”تو اب ہم کیا کریں۔؟“ رندھیر نے کہا۔ ”کیا اسے کھائیں نہیں۔؟ اس شکاری کے انتظار میں بیٹھے رہیں؟“

”میرے خیال میں دو تین شکاری نہیں صرف ایک شکاری ہو گا۔“ گوتم کہنے لگا۔ ”اگر شکاری جماعت ہو تو وہ اپنا شکار نہیں چھوڑتی اس خیال سے کہ کہیں کوئی درندہ اسے چٹ نہ کر جائے۔ بہر حال ہمیں یہاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا نہیں چاہئے۔ ہمیں فوراً ہی اس نامعلوم شکاری کو تلاش کرنا چاہئے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ ہمارے ساتھ کس طرح سے پیش آتا ہے اور کیا سلوک کرتا ہے؟ وہ جس طرح پیش آئے گا ہم بھی اس طرح اس کے ساتھ پیش آئیں گے۔ تم کیا کہتے ہو؟“

”مجھے تمہاری بات سے اتفاق ہے۔“ رندھیر نے اس کی تائید کی۔

گوتم کے تھیلے میں کالی مرچ اور نمک تھا۔ رندھیر نے اس پر ان کا لیپ کر دیا۔ اسے بھوننے کے لئے گھاس پھوس اور لکڑیاں جمع کر لی گئی تھیں۔ بطخ کو ایک طرف رکھ کر دونوں باہر نکلے۔ جنگل کا ایک ایک گوشہ چھان مارا' حشرات الارض اور پرندوں کے سوا انہیں انسانی جسم اور خدوخال کا کوئی جوان نظر نہ آیا۔ البتہ گوتم کو چند ایک بیشتر جگہوں پر ایسے آثار اور انسانی قدموں کے نشان ملے جن سے اس بات کا ثبوت ملا کہ شکاریوں کی جماعت تو نہیں

البتہ کوئی نہ کوئی شخص ضرور آتا جاتا ہے۔ جس مقام پر انہوں نے بطخ پکڑی تھی وہیں معمولی سی جستجو اور تگ و دو کے بعد انہیں پھندے کا دوسرا ساز و سامان بھی مل گیا۔ نصف فرلانگ دور لوہے کا ایک بڑا سا پنجرہ بھی ملا جو غالباً کسی زندہ جانور کو پکڑنے کے لئے لگایا گیا تھا۔ انہوں نے پنجرہ وہیں رہنے دیا اور اسے ہاتھ تک نہیں لگایا۔

گوتم کی رائے تھی کہ انہیں وہیں چھپ کر اس شکاری کا انتظار کرنا چاہئے۔ یہی ایک صورت اس سے مڈبھیڑ کی ہے۔ رندھیر نے کہا کہ سوال یہ ہے کہ وہ نہ جانے کب آئے یا نہ آئے۔ اگر دو دن تک نہ آئے تو کیا تب بھی انتظار کیا جائے؟ تاہم گوتم نے رندھیر کی بات مان لی جو بڑی معقول اور دانش مندانہ بھی تھی۔ پھر وہ دونوں قریب ہی ایک درخت پر چڑھ گئے اور اپنے آپ کو شاخوں اور پتوں میں اچھی طرح چھپا لیا۔

وہ دونوں کوئی دو گھنٹے تک درخت پر دم سادھے بیٹھے رہے۔ اس دوران کوئی پتا بھی کھڑکتا تو وہ ایک دم سے چونک جاتے' مگر بندروں' گلہریوں یا لمبی لمبی چھپکلیوں کے سوا کوئی نظر نہ آیا۔ پھر وہ تنگ آ کر اپنی مچان سے اترے اور غار کی جانب چل دیئے۔ بھوک سے برا حال تھا۔ پھر اس بطخ کو آگ پر رکھ دیا۔ اس کے بدن پر جو چربی تھی وہ مکھن کی طرح تھی جس سے بطخ روغنی ہو رہی تھی اور گوشت گلنے لگا تھا۔ بطخ کو بھونتے ہوئے دونوں ہنسنے بولنے کا شغل جاری رکھے ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود حقیقت یہ تھی کہ اس دوران ان کا خیال برابر اس نادیدہ شکاری کی طرف لگا ہوا تھا' جس کا پھانسا ہوا شکار وہ اچک کر لے آئے تھے۔ ہر لمحہ انہیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ شکاری جھاڑیاں ہٹا کر غار میں گھسنے والا ہے۔

بطخ کا گوشت بہت جلد بھون جانے پر انہیں بڑی حیرت اور خوشی ہوئی تھی۔ ان دونوں نے اپنی زندگی میں ایسا لذیذ اور مزے دار گوشت کبھی نہیں کھایا تھا۔ سور کا گوشت جو انہوں نے کھایا تھا وہ سب سے لذیذ تھا' لیکن بطخ کے گوشت نے اس کا ذائقہ ماند کر دیا تھا۔

”وہسکی یا بیئر ہوتی تو اس قدر مزا آتا کہ کبھی نہیں بھول پاتے۔“ گوتم نے کہا۔

”ہاں۔ مجھے بھی اس کی طلب شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔“ رندھیر بولا۔ ”بہرکیف اس گوشت کی لذت کے سامنے وہسکی' بیئر اور کوئی شراب اس کا کوئی بدل نہیں ہے۔“

ان کی بھوک اور گوشت کا ذائقہ ایسا تھا کہ دونوں نے نو کلو وزن کی بطخ بغیر ڈکار لئے ہضم کر لی۔ پھر بھی نہ تو ان کا جی بھرا تھا اور نہ پیٹ۔ وہ بڑی تشنگی سی محسوس کر رہے تھے۔ وہ حیران تھے کہ اتنا سارا گوشت کسی حیوان کی طرح کیسے کھا گئے؟ پھر الاؤ روشن کیا اور پہرے

تقسیم کیئے۔ اول شب رندھیر کے حصے میں آئی۔ گوتم سکون واطمینان سے سو گیا۔ رائفل ہاتھ
میں لئے وہ دہانے کے باہر آ بیٹھا اور بھڑکتے شعلوں پر نگاہیں جما دیں۔ تھوڑی دیر بعد اسے
یوں لگا جیسے بہت سی سوئیاں اس کے جسم میں اترتی جا رہی ہوں۔ اس نے دیوانوں کی طرح
اپنی پھٹی ہوئی قمیص اتاری۔ کیا دیکھتا ہے کہ پون انچ لمبی سیاہ رنگ کی تین چیونٹیاں اس کے
دائیں شانے میں کھال کے اندر پیوست ہو رہی ہیں۔ پھر اس نے بڑی مشکل سے ان کے سر
نوچ نوچ کر الگ کیا۔

"اوہ بھگوان!۔ یہ کیا بلا تھی؟" وہ زیر لب بڑبڑایا۔ اب جو مڑ کر اپنے اردگرد زمین کا
جائزہ لیا تو اس کی آتما جیسے فنا ہو گئی۔ لاکھوں کی تعداد میں یہ خون آشام چیونٹیاں غار کی طرف
آ رہی تھیں۔ غالباً انہوں نے بھنے ہوئے گوشت کی بو پالی تھی یا پھر کوئی اور وجہ تھی۔ اس نے
فوراً ہی الاؤ میں سے جلتی ہوئی لکڑی نکالی اور چیونٹیوں کے لشکر کی طرف بڑھا دی۔ جوں ہی
آگ کی حدت ان موذی کیڑے نے محسوس کی اس نے راہ فرار اختیار کرنے میں اپنی عافیت
جانی۔ چند لمحوں کے بعد وہاں چیونٹیوں کی لاشوں کے سوا کچھ نہ تھا۔

اب اسے تجسس ہوا کہ یہ چیونٹیاں اتنی بڑی تعداد میں کدھر سے آئی ہیں۔ چٹان کا
جائزہ لینے کے بعد یہ راز کھل گیا۔ وہ ایک باریک سوراخ کے اندر سے نکل رہی تھیں۔ بلا
مبالغہ ہر ایک چیونٹی کی لمبائی پون انچ سے لے کر ایک انچ تک تھی۔ ان کی چھ ٹانگیں اور ہر
ٹانگ آدھ انچ سے ذرا کم ہی لمبی ہو گی۔ پھر اسے اردگرد بہت سے سوراخ دکھائی دیئے۔ ان
میں سے چیونٹیاں باہر نکل رہی تھیں۔

اور یہ دلچسپ اور انوکھی بات تھی کہ باقاعدگی کے ساتھ ہر چیونٹی دوسری چیونٹی کے پیچھے
چلتی تھی اور ان کی ایک طویل متحرک قطار سی بن جاتی تھی۔ اس نے بڑے غور سے انہیں
دیکھا۔ بعض چیونٹیوں کا رنگ بالکل سیاہ، بعض کا بھورا۔ اور اِکا دُکا کا سفید۔ اس نے یہ بھی
دیکھا کہ سفید چیونٹیاں ٹریفک پولیس کی ڈیوٹی انجام دے رہی ہیں۔ اگر کوئی سیاہ چیونٹی قطار
سے نکلنے کی کوشش کرتی تو سفید چیونٹی فوراً اسے گرفتار کر کے اس کا سر قلم کر دیتی۔ گویا ان
چیونٹیوں کی دنیا میں ذرا سی بدنظمی کی سزا بھی موت تھی۔

وہ بڑی حیرت سے اس ننھی منی اور حیرت انگیز مخلوق کی یہ کارروائی دیکھتا رہا۔ اس
تماشے میں اس قدر محو ہوا کہ وقت گزرنے کا احساس تک نہ رہا۔ دفعتاً ایک کرخت انسانی آواز
اس کے قریب ہی گونجی تو وہ دہشت سے اچھل پڑا اور اس کی انگلی لبلبی پر جم گئی۔

"جہاں کھڑے ہو وہیں رہو۔ ذرا سی حرکت بھی کی تو تمہیں بلا تامل موت کی نیند سلا
دوں گا۔" نادیدہ انسان نے کہا۔

وہ دم بخود کھڑا رہا۔ دل کی دھڑکن ہر لحظہ بڑھ رہی تھی۔ جیسے سینے میں لوہار کی دھونکنی چل
رہی ہو۔ اس کے بدن پر پسینہ چشمے کی طرح پھوٹ پڑا تھا۔ چند لمحے اذیت ناک خاموشی رہی
پھر وہی آواز آئی۔

"اب دوسری طرف گھوم کر کھڑے ہو جاؤ۔"

رندھیر آہستہ سے ایڑیوں پر گھوم گیا۔ پھر اس نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ چٹان پر ایک
شخص نیم برہنہ کھڑا ہے۔ کچھ اندھیرے اور کچھ آگ کی روشنی میں اس کا جسم پراسرار اور
ڈراؤنے ہیولے کی مانند دکھائی دیتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں دو نالی کی بندوق تھی جس کا رخ
رندھیر کی طرف تھا۔ اس کی آنکھیں مشعل کی طرح روشن تھیں۔ ان چند ساعتوں میں جو ایک
صدی بن کر اس کے سر پر سے گزر گئے تھے رندھیر نے اس شخص کا ناقدانہ انداز سے جائزہ
لیا۔ وہ نہایت مضبوط قد کاٹھ کا ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ اس کے آدھے جسم پر کوئی لباس نہ تھا۔ نچلے
دھڑ پر جینز کی پتلون؛ جس کی پیٹی میں ایک لمبا سا مہلک اور خوفناک قسم کا خنجر تھا جس کی دھار
جتنی نظر آ رہی تھی وہ چمک رہی تھی۔ وہ دھار ایسی تھی کہ شیر کی گردن گاجر مولی کی طرح کاٹ
سکتی تھی۔

"تمہارے ہاتھ میں جو رائفل ہے اسے ایک طرف پھینک دو۔"

اس نے غراتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ رندھیر اس لمحے اس قدر مستعد تھا کہ اگر وہ
ایک پل کے لئے بھی غافل ہوتا تو وہ اس کی کھوپڑی اڑا چکا ہوتا۔ رندھیر نے چوں کہ محسوس کر
لیا تھا کہ وہ خاصا منجھا ہوا اور بے حد تجربہ کار آدمی ہے۔ اس کے شستہ لہجے سے معلوم ہوتا تھا
کہ وہ ہرگز مقامی نہیں ہے۔ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کسی بڑے شہر کا باسی ہے۔ اس لئے رندھیر
نے اس پر گولی چلانے کا خطرہ مول نہیں لیا۔ رندھیر نے رائفل نیچے گرانے میں قدرے پس و
پیش کیا ہی تھا کہ اس کی بندوق نے ایک شعلہ اگل دیا اور گولی سن سے اس کے دائیں کان کی
لو کو چھوتی ہوئی نکل گئی۔ اس نے گرم گرم خون کی دھاری اپنی گردن پر گرتی ہوئی محسوس کی۔

"کیا تم نے سنا نہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ کیا تم بہرے ہو؟ اپنی رائفل نیچے پھینک
دو اور ہاتھ اوپر اٹھا لو۔"

اس مرتبہ رندھیر نے بلا چون و چرا اس کے حکم کی تعمیل کی۔ معلوم ہو گیا مقابلہ بڑے بے

ڈھب اور سنگ دل حریف سے ہے جو ذرا چوکنے کا قائل نہیں اور نہ اپنے دشمن کو سوچنے سمجھنے کا موقع دینا چاہتا ہے۔

"تم اکیلے ہو یا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟" اس نے پوچھا۔ اس مرتبہ اس کے لہجے میں قدرے نرمی تھی۔

"میرے ساتھ ایک آدمی اور ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"خوب۔" اس کا لہجہ استہزائیہ سا تھا۔ "اسے آواز دے کر بلا لو۔"

"اچھی طرح سوچ لو۔ اسے یہاں بلانا تمہارے حق میں بہتر نہ ہوگا۔" رندھیر نے بے خوفی سے کہا۔

"وہ کیوں۔؟" وہ اچنبھے سے بولا۔

"اس لئے کہ اول تو میری آواز اس کے کانوں تک نہیں پہنچے گی۔ کیوں کہ وہ یہاں سے دور ہے۔" یہ رندھیر نے دانستہ جھوٹ بولا تھا۔

"وہ اس وقت گہری نیند کے مزے لوٹ رہا ہوگا۔ دوسرا یہ کہ اس کے پاس ایک نہایت جدید ترین طاقت ور دور تک مار کرنے والی رائفل ہے اور پھر وہ ماہر نشانہ باز ہے۔ اڑتی چڑیا کو نشانہ بنانے کا ماہر بھی ہے۔"

"ہوں۔ ہوں۔" اس نے سوچنے کے انداز میں کہا۔ "خبردار! تم اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا۔ نشانہ بھی میرا کسی سے کم نہیں ہے۔ ابھی تم اس کا اندازہ کر چکے ہو۔ کیا تم دونوں وہ قیدی تو نہیں ہو جو میسور کے جیل خانے سے فرار ہو چکے ہو۔"

"ہاں۔" رندھیر نے اثبات میں سر ہلا دیا یہ کہ اس پر رعب پڑے۔

"شاباش۔ شاباش۔" اس مرتبہ اس کے لہجے سے تعریف جھلک رہی تھی۔ "گویا میسور کے جنگل سے کوچین کے جنگل کی طرف نکل پڑے۔ تم میں سے سوبھراج کون ہے؟"

"میں ہوں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی رندھیر کے منہ سے غیر ارادی طور پر نکل گیا۔

"تم سوبھراج ہو۔ عظیم سوبھراج۔ بہت خوب۔ یار! میں سپنا تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔" وہ سرشاری کے لہجے میں کہنے لگا۔ "میری بڑی خواہش تھی۔ میں تم سے ملنے کا سوچتا اور خواب دیکھتا تھا۔ آج یہ آرزو پوری ہوئی۔"

"تم کس لئے مجھ سے ملنے کے لئے تڑپ رہے تھے۔؟" رندھیر نے حیرت سے سوال کیا۔

"اس لئے کہ تمہارے کارناموں نے دھوم مچا رکھی ہے۔ تم استادوں کے استاد ہو۔ دہلی جیل سے فرار ہونے کے بعد وہاں جو کچھ ہوا شاید تم اس سے لاعلم ہو۔ مجھ تک جو خبریں پہنچی ہیں وہ بہت ہی خوفناک ہیں۔"

"مثلاً وہ کیا خبریں ہیں۔؟ تم مجھے بتاؤ۔" رندھیر نے کہا۔

اب رندھیر کا خوف کسی حد تک دور ہو چکا تھا اور وہ یہ سمجھ چکا تھا کہ یہ شخص بھی کوئی مفرور مجرم ہے۔ اتنے میں وہ دو تین چھلانگیں لگا کر نیچے آ چکا تھا۔ بالکل کسی عیار چیتے کی طرح۔ لیکن کیا مجال تھی کہ اس کی بندوق ایک پل کے لئے بھی رندھیر کے سینے کے سامنے سے ہٹی ہو۔ وہ اس کے نزدیک آ کر اسے چپ چاپ گھورتا رہا۔ پھر اس نے بھاری آواز میں کہا۔

"سوبھراج۔! تم نے میرا نام بھی سنا ہوگا؟ مجھے مکیش رام کہتے ہیں۔"

"مکیش رام۔؟" رندھیر کی نس نس میں خوف کی لہر بجلی کی رو کی طرح پھیل گئی۔ اسے کون نہیں جانتا تھا۔ پل بھر میں اس کی یادداشت کے تمام دریچے کھل گئے تھے۔ رندھیر کہنے لگا۔

"اتر پردیش کا ڈاکو۔ ہندوستان کا نامور ڈاکو۔ جس کے جرائم کی فہرست بڑی لمبی ہے۔ جس نے تین سیاسی نیتاؤں کو قتل کیا۔ ممبئی اور دہلی میں دن ہاڑے تین بینک لوٹ کر دو کروڑ کی رقم لے گیا۔ چور، سمگلر، جس نے دس لڑکیوں اور دو اداکاراؤں کی عزت کو جبر و زیادتی کا نشانہ بنایا۔ اور نہ جانے کیا کیا۔ جو ایک مافیا۔ زیر زمین دنیا کا راجہ۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

"یار! تم میرے بارے میں اتنا جانتے ہو کہ میرے فرشتے بھی نہیں جانتے ہیں۔" وہ قہقہہ مار کر بڑے زور سے ہنسا۔ "میں ذرا اپنے جرائم کی صفائی اور وضاحت کر دوں تا کہ میرے متعلق تمہاری رائے بدل جائے۔ میں نے جن تین سیاسی نیتاؤں کو قتل کیا انہوں نے اپنی دکان چمکانے کے لئے سات بے گناہ انسانوں کا خون بہایا تھا۔ بینک ڈکیتی میں پولیس بھی شامل تھی۔ ہم دونوں نے ففٹی ففٹی کیا تھا۔ اس کا کوئی ذکر اخبارات میں نہیں آیا۔ مجھے چور پولیس نے جیل میں خصوصی تربیت سے بنایا۔ ایک بہت بڑے وزیر کی بیٹی نے مجھ سے دو مرتبہ ہیروئن یورپ سمگل کروائی اور خود بھی میرے ساتھ ہیروئن فروخت ہونے تک رہی اور مجھ پر بیس دنوں تک نچھاور ہوتی رہی۔ جن دس لڑکیوں کی عزت میرے ہاتھوں نشانہ بنی ان میں ایک بھی باعزت نہیں تھی۔ یہ دولت مند گھرانوں کی تھیں۔ وہ مجھ سے غیر قانونی کام لینے کے لئے میرے بستر کی زینت بنی رہی تھیں۔ وہ کیا غیر قانونی کام تھے میں بتاتا ہوں۔

امریکہ جانے کے لئے جعلی ویزا۔ ایک دولت مند بیوی کی نامناسب تصویریں تا کہ شوہر طلاق
دے دے۔ فلمی ہیروئن بننے کے لئے ایک فلم ساز کو بلیک میل۔ ہیروئن افغانستان سے سمگل
کروا کر اعلیٰ طبقوں میں فروخت کی جا سکے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنی عزت مجھ پر
نچھاور کر دی۔ ان دونوں اداکاراؤں میں سے ایک کو انکم ٹیکس سے کالا دھن بچانا تھا۔ دوسری
اداکارہ کو ایک ممنوعہ فلم کی وڈیو کیسٹ جو ایک بلیک میلر کے پاس تھی۔ یہ دونوں اداکارائیں چوٹی
کی تھیں۔ ماضی میں حسینہ عالم بن چکی تھیں۔ شادی شدہ بھی تھیں۔ میں نے ان کا کام کروانے
کے لئے بھاری معاوضہ لیا۔ سوبھراج! بھگوان کی سوگند لے لو جو میں نے کسی شریف لڑکی کی
طرف میلی آنکھوں سے بھی دیکھا ہو۔ میں نے کسی بے گناہ کو قتل کیا ہو۔ میرا سب سے بڑا جرم
میں نے پولیس کو بھتہ دینا بند کر دیا تھا۔ میں زیر زمین مجرمانہ سرگرمیوں میں مصروف تو رہا ہوں
لیکن میں وہاں سے فرار ہو کر اِدھر آ گیا۔''

''مکیش! تمہیں کون نہیں جانتا اور تم سے کون نہیں ڈرتا۔ سارے ہندوستان میں تم
شیطان کی طرح مشہور ہو۔'' رندھیر نے کہا۔

''میں نے تمہارے کارناموں کی جو دھوم سنی ہے اس کے مقابلے میں میں تو ایک ذرہ
ہوں۔'' مکیش بولا۔

مکیش نے یکایک اپنی بندوق شانے پر ڈالی اور دایاں ہاتھ مصافحے کے لئے بڑھا دیا۔
ان دونوں نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ رندھیر کو ایک عجیب سا سکون اور قلب کو طمانیت
سی محسوس ہوئی۔ اس لئے کہ ایک بہادر، نڈر اور طاقت شخص کی رفاقت اس موت کے سفر میں
ہوئی تھی۔ وہ اس کے کام آ سکتا اور رہنمائی کر سکتا تھا۔ اس کے باوجود وہ گوتم سے مشورہ کئے
بغیر اسے اعتماد میں لینا نہیں چاہتا تھا۔ تاہم ابھی سے خوش فہمیوں کے جال بننا کوئی اچھی بات
نہ تھی۔ اسے وقت کا انتظار کرنا چاہئے۔

مکیش نے اپنے بارے میں جن باتوں کی وضاحت کی اس میں کوئی مبالغہ نہیں تھا۔ اس
نے ہندوستان کے شہر دہلی سے فرار ہو کر میسور آ کر ایک صحافی کو انٹرویو دے کر وہ تمام باتیں بتا
دی تھیں جو اس نے رندھیر کو بتائی تھیں۔ ایک طرح سے اس نے متعلقہ لوگوں کی زندگی پر بم
گرا دیا تھا۔ ان لڑکیوں اور ہیروئنوں کے نام بھی بتا دیئے تھے جو اپنے مفاد میں اس کے
پیروں پر کتیاؤں کی طرح لوٹتی رہی تھیں۔ مکیش نے ان کی کمزوریوں سے خوب جی بھر کے
فائدہ اٹھایا تھا۔ انہیں ذلیل و رسوا کر گیا تھا۔ پولیس اور نیتا جی بھی قانون کی زد میں آ گئے

تھے۔ بڑا ہنگامہ مچا تھا۔ سکینڈل کھڑا تھا۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہ تھا لیکن اس سچائی سے انکار
بھی نہ تھا۔ اس نے مفت میں جو عیش کئے وہ لاکھوں روپے خرچ کر کے بھی نہیں کر سکتا تھا۔
اس نے جن دو ہیروئنوں کے ساتھ نجانے کتنی کالی راتیں گزاری تھیں وہ ایک کالی رات کے
لاکھوں لیتی تھیں۔ ناجائز دھن والے انہیں خریدتے تھے۔

رندھیر یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ مکیش کی آواز نے اس کی سوچ درہم برہم کر دی۔

''وہ بلخ کہاں ہے۔؟''

''بلخ۔؟'' رندھیر جھینپ سا گیا۔ ''وہ اتنی لذیذ اور ذائقہ دار تھی کہ اس کا اتنا سارا
گوشت پیٹوں میں اتر گیا۔''

''ہاں۔ یہ تو ہے۔ چلو کوئی بات نہیں۔ ورنہ مجھے تم دونوں کی آؤ بھگت کے لئے ایک اور
بلخ تلاش کرنی پڑتی۔'' مکیش نے کہا۔ ''اسے میں نے بڑی محنت سے قابو میں کیا تھا۔ میرے
پورے دو دن لگ گئے تھے۔''

''مجھے افسوس ہے کہ ہم نے تمہارا شکار چوری کیا۔'' رندھیر نے ندامت سے کہا۔ ''جب
ہم نے اس کے پیر میں چھلا بندھا دیکھا تو تمہیں کوئی دو تین گھنٹے تلاش کیا اور ندی کنارے بیٹھ
کر انتظار بھی کیا تھا۔ بھوک ایسی شدید تھی کہ قابو میں نہیں آئی۔ ہم دونوں اسے چٹ کر گئے۔
رندھیر نے اسے بڑا مخلص اور بے غرض پایا۔ ایک خطرناک مجرم کے اندر ایک بے لوث آدمی
چھپا ہوا تھا۔

''اچھا یار!'' مکیش نے کہا۔ ''قہوہ پیو گے۔؟''

پھر اس نے بائیں شانے پر لٹکا ہوا تھرماس نکالا۔ پھر وہ دونوں قہوہ پینے لگے۔

جب قہوہ پی چکے تو رندھیر نے کہا۔ ''معاف کرنا دوست! میں تمہیں اپنے دوست سے
ملانا بھول ہی گیا۔''

پھر رندھیر اسے ساتھ لے کر غار کی طرف بڑھا۔ ان کے قدموں کی آہٹ سن کر گوتم
نے للکار کر کہا۔ ''کون ہے۔؟''

پھر رندھیر نے اسے اطمینان دلایا کہ کوئی نہیں۔ اپنا ہی آدمی ہے۔ رندھیر نے گوتم سے
کہا کہ ''ان صاحب کا نام مکیش رام ہے۔ گوتم نے اسے فوراً ہی پہچان لیا۔ بڑی گرم جوشی سے
مصافحہ کیا۔ پھر اس نے باتوں باتوں میں گوتم کو اشارہ دیا کہ جب میں نے مکیش کو بتایا کہ میں
سوبھراج ہوں تو وہ بہت خوش ہوا۔ پھر مکیش ان دونوں کی رائفلیں چیک کرنے لگا۔ اس کا چہرہ

یک لخت سنجیدہ ہو گیا۔ وہ دونوں خاموشی سے اس کی شکل دیکھنے لگے۔ پھر اس نے کہا۔

”بہت اچھا ہوا تم دونوں جنگل کی طرف نکل آئے۔ مجھے اطلاع ملی تھی کہ سوبھراج جیل سے فرار ہو گیا ہے اور دو سپاہیوں کو اس نے قتل کر دیا ہے جو پہرے پر تھے۔ تم دونوں کی تلاش شہروں میں رہی ہو گی۔ جنگلات میں تمہیں تلاش کرنا آسان نہیں ہے۔ تم لوگ اس حصے اور اس جنگل میں آ گئے ہو جو ملبار کے راستے پر ہے۔ شمال کی طرف جاؤ گے تو میسور ہے۔ جنوب کی طرف سندر بن جنگل کو جاتا ہے۔ میں بہادر لوگوں کی بڑی قدر کرتا ہوں۔ تم نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے۔ میں اسے مضبوطی سے تھاموں گا۔ جہاں تک تمہاری مدد‘ حفاظت اور رہنمائی کا تعلق ہے میں ہر طرح سے مدد کروں گا۔“

”تمہارا بہت بہت شکریہ۔“ گوتم نے کہا۔ ”چوں کہ اب نیندیں اڑ چکی ہیں لہٰذا کیوں نہ ہم ایک دوسرے کو اپنے اپنے بارے میں بتائیں۔

”مکیش! کیوں نہ تم یہ بتاؤ کہ یہاں کب سے رہ رہے ہو؟“

”میرا شمار دہلی کے قیدیوں میں ہوتا تھا۔“ مکیش کہنے لگا۔ ”مجھ پر دو برس مقدمہ چلا۔ عدم ثبوت کی بنا پر رہا ہو گیا۔ میں اپنے ساتھیوں کی مدد سے ادھر آ نکلا۔ مجھے جنگل کا ماحول‘ فضا اور زندگی بہت پسند آئی۔ اب میرا ارادہ واپس جانے کا نہیں ہے کیوں کہ میں پھر مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہو جاؤں گا۔ میں یہاں گزشتہ چار برس سے ہوں۔ ایک پرسکون زندگی گزار رہا ہوں۔

یہاں سے ندی کے اس طرف ایک چھوٹا سا گاؤں آباد ہے۔ میری طرح وہاں سے بہت سے آزاد قیدی رہتے ہیں۔ وہ وہاں کھیتی باڑی‘ سگار‘ قالین سازی اور ہینڈ لومز کے پیشے سے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ مقامی باشندے خوب گھل مل گئے ہیں۔ ہم نے انہیں بڑا مہذب بنا دیا ہے اور ساتھ ساتھ تعلیم بھی دیتے ہیں۔ واجبی سی تعلیم۔ کیوں کہ ہم تعلیم یافتہ نہیں ہیں۔ وہاں ہماری ہر ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ میں نے اور وہاں تمام قیدیوں نے دو دو شادیاں کر رکھی ہیں۔ اس لئے کہ وہاں لڑکیاں اور عورتیں بہت زیادہ ہیں۔ ان کے مقابلے میں مرد بہت کم ہیں۔ اس کے علاوہ وہاں مرد اور عورت کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ جس مرد اور جس عورت کے ساتھ چاہے وقت گزاری کر سکتی ہے۔ اس بات پر عورتوں میں نہ تو کوئی اعتراض ہوتا ہے اور نہ جلن۔ خوشی خوشی سارے معاملات طے ہوتے ہیں۔

میرا واحد مشغلہ اس جنگل میں آ کر پرندوں اور جانوروں کو زندہ پکڑنا اور ایک ٹھیکہ دار

کے ہاتھ من مانی قیمت پر فروخت کر دینا ہے۔ جو بطخ تم لوگوں نے بغیر ڈکار لئے ہضم کر ڈالی ہے وہ اڑھائی سے تین ہزار روپے میں آسانی سے بک جاتی ہے۔ قیمت سن کر چونکیں مت۔ اس بطخ جس کا نام سفید پری ہے وہ نایاب ہے۔ اس کی تعداد آٹے میں نمک برابر ہے۔ اس کے گوشت کی لذت اور ذائقہ کھانے والے کو پاگل بنا دیتی ہے۔ جس نے ایک بار اس کا گوشت کھا لیا پھر وہ اس کے لئے ماہی بے آب کی طرح تڑپتا ہے۔ بنگلور اور میسور کے صرف دو فائیو سٹارز ہوٹل میں اس کی کڑاہی بنتی ہے۔ دو ہزار روپے کی ایک پلیٹ ہوتی ہے۔ تم نے تو اسے صرف نمک اور سیاہ مرچ سے کھایا ہے۔ اگر تم مرچ مصالحوں سے کھا لو تو اس کا مزا کبھی نہ بھول سکو گے۔ اس کے علاوہ میں سانپ‘ بڑے بڑے بہت ہی خوفناک زہریلے قسم کے بچھو‘ مکڑیاں اور چھپکلیاں‘ بندر اور اس قسم کے جانور پکڑتا ہوں۔ دنیا بھر کے چڑیا گھروں میں ایسے نایاب و نادر جانور کی بڑی مانگ ہے۔ اس جنگل میں ان کی بڑی بہتات ہے۔ میرے پاس اب تک چار لاکھ کی رقم جمع ہو چکی ہے۔ اس جنگل پر میری اجارہ داری ہے۔ میری اجازت کے بغیر کوئی آ سکتا ہے نہ رہ سکتا ہے۔“

”کیا کسی کو اس بات کا علم ہے کہ تم یہاں رہتے ہو۔؟“ رندھیر نے پوچھا۔ ”شاید تمہیں کسی کیس میں پھنسانے آ جائیں۔ جیسا کہ بد اچھا بدنام برا۔ پولیس بڑی حرامی ہوتی ہے۔ اس کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا ہے۔“

”ہاں تم سچ کہتے ہو۔“ وہ تائیدی لہجے میں بولا۔ ”اس لئے تو میں یہاں آ گیا۔ میرا رہا ہو جانا پولیس والوں کی نظروں میں کھٹک گیا ہے۔ کوئی کمینہ اور حرام زادہ پولیس آفیسر ادھر نہیں آ سکتا۔ کیوں کہ یہ جگہ دور افتادہ ہے۔ جیپ یا گاڑی میں آنا بہت ہی مشکل ہے۔ راستہ بڑا خراب ہے۔ ناہموار ہے۔ ان حرام خوروں کی توندیں نکلی ہوئی ہیں‘ وہ پیدل یا خچروں پر آنے سے رہے اور پھر یہاں سب وہ قیدی رہتے ہیں جو عدالت سے باعزت اور سزا کاٹ کر رہا ہوئے ہیں۔ انہیں یہاں ہڈی ملنے سے رہی اور پھر یہ ملبار حکومت کی حدود میں ہے۔ کیرالہ کی حکومت انہیں اجازت دینے سے رہی۔“

”یہ تم سفید بطخ اور دوسرے جانور کس کے ہاتھ فروخت کرتے ہو؟“ گوتم نے دریافت کیا۔

”دراصل کیرالہ سے ایک ٹھیکیدار آتا ہے جو مجھ سے خریداری کرتا ہے اور معقول رقم دیتا ہے۔“ مکیش بتانے لگا۔ ”وہ بطخیں اور دوسرے جانور مدراس لے جا کر فروخت کر دیتا ہے۔

مجھے اس سے کوئی غرض اور سروکار نہیں کہ وہ کس طرح اور کیا کرتا ہے۔ میں صرف آدم کھانے سے مطلب رکھتا ہوں پیڑ گن کر کرنا کیا ہے۔''

''واقعی تمہاری زندگی بڑی پرسکون ہے۔'' گوتم بولا۔ ''گویا تم تجرد کی زندگی نہیں گزار رہے ہو؟''

''ویسے تم نے اپنے گاؤں اور وہاں کی عورتوں کے بارے میں جو کچھ بتایا وہ ناقابل یقین ہے۔'' رندھیر نے کہا۔

''مجھے غلط بیانی کرنے کی ضرورت کیا ہے؟'' اس نے کہا۔ ''تم دونوں چل کر دیکھ سکتے ہو۔''

''کیا ہم دونوں دو چار دن تک گاؤں میں رہ کر عورتوں کے ساتھ رات دن وقت گزار سکتے ہیں؟'' گوتم نے کہا۔

''کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔'' مکیش نے کندھے اچکا دیئے۔ ''رات میں ایک کیا۔ دو تین لڑکیاں اور عورتیں بھی ہوا کریں گی۔ جس عمر کی لڑکی یا عورت پسند کرو وہ خوشی خوشی تیار ہو جائے گی۔ یہاں لڑکی نو برس کی عمر میں سیانی ہو جاتی ہے۔''

''حیرت کی بات ہے ایسا کیوں ہے؟'' گوتم کہنے لگا۔ ''ایک لڑکی کا نو برس کی عمر میں سیانی ہو جانا سمجھ میں تو آتا ہے لیکن وہاں کی عورتوں اور لڑکیوں کا غیر مردوں کے ساتھ خوشی خوشی دل لبھانا ناقابل یقین ہے۔ کیا وہاں کے مرد اتنے بے غیرت اور بے شرم ہیں جو اپنی عورتوں کو پیش کر دیتے ہیں۔ یہ لڑکیاں اور عورتیں بھی غیر مردوں کو خوش کرتی ہیں۔''

''اصل بات یہ ہے کہ یہ وحشی، غیر مہذب اور تہذیب و تمدن سے دور اور حیوانوں کی طرح صدیوں سے زندگی گزارتے چلے آئے ہیں۔'' مکیش کہنے لگا۔ ''یہاں مردوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ اس کا اندازہ اس طرح سے کیا جا سکتا ہے کہ ان مقامی لوگوں کی کل آبادی چار سو ہے۔ جس میں بہ مشکل پچاس مرد ہیں۔ ان میں بیس تو بہت ہی بوڑھے، ناتواں ہیں۔ یہاں جو قیدی مرد ہیں وہ تیس چالیس کے لگ بھگ۔ تین سو لڑکیاں اور عورتیں ہیں۔ مرد اور عورتیں چاہتی ہیں کہ نرینہ اولاد پیدا ہو۔ بارہ برس سے ایک نرینہ پیدا نہیں ہوا جبکہ تین لڑکیاں پیدا ہوئی ہیں جو تیزی سے نوجوانی کی دہلیز کی جانب بڑھ رہی ہیں۔ اس لئے انہیں اس بات کی اجازت ہے کہ وہ جس مرد سے، جتنے لڑکوں سے اور مردوں سے چاہیں تعلقات رکھیں تاکہ اولاد نرینہ ہو۔ بدقسمتی سے لڑکیاں ہی پیدا ہو رہی ہیں۔''

''کیا یہ لڑکیاں خوب صورت اور پرکشش بدن کی ہیں؟'' گوتم نے کہا۔

''ہاں۔ بہت ہی حسین ہیں۔ ان کی رنگت گندمی اور گہری سانولی ہے۔'' مکیش نے کہا۔ ''اس رنگت میں اتنی جاذبیت اور دلکشی ہے کہ سیدھے دل میں اتر جاتی ہیں۔ تیکھے تیکھے خدوخال۔ اور جسم گٹھے ہوئے۔ ہر عورت کے بدن میں اتنی کشش ہے کہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں کی عورتیں اسی اسی برس کی عمر میں بھی جوان، حسین اور پرکشش رہتی ہیں، لیکن مرد چالیس برس کی عمر میں ستر اسی کا بوڑھا لگتا ہے۔ عورتیں ان سے دور بھاگتی ہیں۔ چوں کہ وہ عورت کے قابل نہیں رہتے ہیں اور ناکارہ ہو جاتے ہیں اس لئے ان عورتوں کو کھلی چھوٹ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ہر ارمان ہر کسی مرد سے پورے کرتی پھریں۔ ایک طرح سے یہ حسینوں کی آبادی ہے۔''

''کیا ایسا ممکن ہے کہ اس وقت ہم تمہارے ساتھ گاؤں چلیں اور کچھ دنوں وہاں کی عورتیں ہماری سیوا کریں؟'' گوتم نے کہا۔

''اس دنیا اور اس گاؤں میں تم دونوں جتنے دن رہنا ہے رہ سکتے ہو۔'' مکیش نے کہا۔ ''مفت میں عیش کرو۔ مجھے تم دونوں کی سیوا کر کے بڑی خوشی ہو گی۔ ایسی حسین اور جوان اور پرکشش عورتیں اور لڑکیاں ہندوستان کے کسی جگہ نہیں ہوں گی۔''

''نہیں۔'' جلدی سے رندھیر بولا۔ پھر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ پھر وہ کہنے لگا۔ ''یار مکیش بات یہ ہے کہ دراصل ہم اپنا سفر ہر صورت میں جاری رکھنا اور جتنا جلد ہو سکے منزل پر پہنچنا چاہتے ہیں۔ راستے بھٹکنے کی وجہ سے ہم ویسے ہی خوار ہو گئے ہیں اور ہمیں دیر ہو گئی ہے۔ اس لئے عورت کی کوئی تمنا ہے نا خواہش۔ تم سے اتنی درخواست ہے کہ ہماری رہنمائی کر دو تاکہ ہم پھر بھٹک نہ سکیں۔''

''تم لوگوں کی منزل کون سی ہے؟'' مکیش نے سوال کیا۔ ''میں کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

رندھیر نے اسے اعتماد میں لے کر ساری رام کہانی سنا دی۔ اس لئے کہ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ مکیش ایک بے غرض اور مخلص آدمی ہے۔

''سنو دوستو! جس موت کی وادی کا تم نے ذکر کیا ہے وہاں تک پہنچنے کے لئے تمہیں بڑے پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔'' وہ کہنے لگا۔ ''اب مجھے دولت کوئی فکر اور خواہش نہیں رہی۔ میں ایک پرسکون زندگی گزار رہا ہوں۔ سکون سے بڑی دولت کوئی نہیں ہے۔ مجھے اس موت کی وادی کا علم ہے لیکن میں نہیں گیا۔ لیکن میں ایک بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ وہاں تک

پہنچنے کا ایک راستہ موجود تو ہے لیکن پر خطر ہے۔ قدم قدم پر موت کا فرشتہ ہے۔ موت کا سفر ہے۔ اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ اس راستے سے منزل تک پہنچ جاؤ گے۔ میں حوصلہ پست نہیں کر رہا ہوں۔ صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہاں پہنچنے کے لئے موت سے لڑنا ہوگا۔ ویسے تم نے بمل داس گپتا سے کنارہ کشی کر کے اچھا نہیں کیا۔"

"ہم موت سے ڈرنے والے نہیں۔" گوتم نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مقابلہ کریں گے۔ ہر قسم کے حالات سے لڑنے کا بڑا حوصلہ ہے۔ بس تم اتنا بتا دو کہ ہم کس طرح اور کس راستے سے جائیں۔؟ خشکی سے یا پانی کے۔؟"

"تم ایک کشتی کے ذریعے شمال کی سمت ایک جزیرے پر جاؤ گے۔" مکیش کہنے لگا۔

"میں تین چار کشتیوں کا مالک ہوں اور انہیں کرائے پر چلاتا ہوں۔ جب تم اس جزیرے پر پہنچو گے تو اس کے کنارے درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان اس کشتی کو چھپا دینا تاکہ میں دوسرے دن جا کر اسے لیتا آؤں۔ یا پھر اپنے کسی خاص آدمی کو کشتی سے جزیرے پر پہنچا دوں گا۔ وہ تمہیں اتار کر کشتی واپس لے آئے گا۔ تم اس شخص کے ساتھ اس کی ہدایات پر سمندر پر سفر کرنا۔ جس جزیرے پر تمہیں پہنچنا ہے اس سے پہلے ایک کالا جزیرہ آتا ہے۔ اس جزیرے کو کالا جزیرہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہاں کی ہر چیز کالی ہے۔ زمین' درخت' چرند پرند اور یہاں تک کے اس کے قریب ایک میل تک کا پانی بھی کالا ہے۔ وہاں کی عورتیں بھی بے حد کالی ہیں۔ اتنی سیاہ ہیں کہ تم نے ایسی سیاہ فام عورتیں نہیں دیکھی ہوں گی لیکن انہوں نے اپنے آپ کو جسمانی طور پر اس طور پر کشش بنایا ہے کہ مرد ان کے جسموں میں بے پناہ جنسی کشش دیکھ کر بے اختیار ہو جاتا ہے۔ ان کی طرف کوندا بن کر لپکتا ہے۔ وہ مرد کو جتنا خوش کرنے کے فن جانتی ہیں' دنیا کی کوئی عورت نہیں جانتی ہے۔ وہ ایسا مائل کر لیتی ہیں کہ مرد کا دل ان سے جدا ہونے کو نہیں کرتا ہے۔ جو مرد بھی ان کے ساتھ وقت گزارتا ہے ساری زندگی کے لئے سوزاک کا تحفہ لے لیتا ہے۔ میرا آدمی ان کا سحر توڑنے کیلئے تم پر ایک منتر پڑھ کر پھونک دے گا۔ پھر وہ تمہیں چڑیلیں لگیں گی۔ پھر وہ تمہیں صحیح سلامت اور ان چڑیلوں کے سحر سے بچا کر جزیرے پر پہنچا دے گا پھر وہ اس وقت واپس لوٹ آئے گا۔

پھر تم وادی موت کی طرف کوچ کرو گے۔ کوئی پانچ میل کی مسافت طے کرنے کے بعد ایک بستی ملے گی جہاں دو تین سو کے لگ بھگ کوڑھی رہتے ہیں۔ وہاں کوئی نہیں جاتا ہے۔ اس جزیرے پر کوئی پہرہ دار ہے نہ گارڈ اور نہ ہی کوئی افسر۔ یہ کوڑھی سب کے سب خطرناک

مجرم ہیں۔ مگر اپنے مرض کے باعث نگرانی سے مستثنیٰ قرار دے دیئے گئے ہیں۔ ہر روز صبح آٹھ بجے ایک لانچ اس جزیرے کے ساحل پر آ کر رکتی ہے۔ اس کشتی میں ان کے لئے چوبیس گھنٹے کی خوراک لاد کر لائی جاتی ہے۔ کوڑھیوں کے انچارج بھی کوڑھی ہی ہیں۔ کشتی والے ساحل پر قدم رکھنے سے اجتناب کرتے ہیں۔ خوراک کا ذخیرہ کوڑھیوں کے حوالے کر کے فوراً واپس چلے جاتے ہیں۔

ان کوڑھیوں میں ہر ایک قاتل ہے۔ اس عبرتناک حالت کو پہنچنے کے باوجود اپنی بری عادتیں ترک نہیں کیں۔ انہوں نے اردگرد کے جزیروں میں رہنے والوں سے رابطہ قائم کر رکھا ہے۔ یہ خوراک کیرالہ حکومت انسانی ہمدردی کی بنیاد پر فراہم کرتی ہے۔ جن جن جگہوں پر مجرموں کے کیمپ ہیں ان سے یہ کوڑھی اپنے طور پر رابطہ استوار رکھتے ہیں اور فرار ہونے والوں کو بھی خاصی رقم کے عوض خوراک اور دوسرا سامان مہیا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسے مفرور جنہیں دوبارہ پکڑے جانے کے بعد اپنی جان جانے کا خدشہ ہوتا ہے انہیں بھی یہ کوڑھی اپنے جزیرے پر کچھ عرصے کے لئے پناہ دے دیتے ہیں۔ اگرچہ انہیں جزیرے سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں۔ پھر بھی یہ رات کی تاریکی میں اپنی تیار کردہ کشتیوں میں سوار ہو کر آس پاس کے جزیروں میں چلے جاتے ہیں۔ بعض اوقات کشتی پارٹیاں ان کی کشتیوں پر فائر کھول دیتے ہیں۔ کوڑھی مارے بھی جاتے ہیں۔ اس کے باوجود اپنی سرگرمیوں سے باز نہیں آتے۔ ان لوگوں کو کشتیاں بنانے یا اپنے پاس رکھنے کی اجازت نہیں۔ اگر کوئی کشتی ان کے پاس سے پکڑی جائے تو سزا میں خوراک کی سپلائی بند کر دی جاتی ہے۔ اس کی تدبیر انہوں نے یہ نکالی کہ کشتیوں میں بڑے بڑے پتھر بھر کر انہیں ساحل کے قریب ہی غرق کر دیتے ہیں۔ حسب ضرورت غوطہ لگا کر پتھر نکال دیتے ہیں اور اس طرح کشتیاں پانی کی سطح پر آ جاتی ہیں۔ ان کوڑھیوں میں ہر نسل اور ہر قوم کے افراد شامل ہیں۔ تمہیں اگر بہترین کشتی اپنے مقصد کے لئے درکار ہو تو ان سے ہی ملے گی۔ ایسی کشتی جو سمندر کی دیو پیکر لہروں کا آسانی سے مقابلہ کر سکتی ہے۔ آس پاس کے بہت سارے جزیروں میں پناہ لیتے ہوئے اور وہاں کے لوگوں کی امداد حاصل کرتے ہوئے آپ جس ملک کو جانا چاہیں جا سکتے ہیں۔ مسلح کشتی پارٹیوں کا دائرہ عمل ایک سو مربع میل کے علاقے میں ہے۔

موت کی وادی سے ایک اور راستہ پانی کا ہے۔ سمندری راستہ۔ وہ ایک ایسے جزیرے پر پہنچاتا ہے جہاں سے دس میل پر وہ وادی واقع ہے۔ کوڑھیوں کی بستی سے گزرنا بہتر ہے اس

لئے کہ سمندر کا سفر ہر لمحہ مہلک ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس علاقے میں شارک مچھلیاں
بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ انسانی گوشت اور خون ان کے منہ کو لگ چکا ہے۔ اس لئے وہ
اپنے شکار کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہیں اور کشتی الٹ دیتی ہیں۔ ابھی میں نے فیصلہ کیا ہے
کہ تمہارے ساتھ کوڑھیوں کے جزیرے تک آؤں گا۔ اس کے بعد باقی کام تمہارا ہے۔ تم جانو
اور تمہارا کام۔ پھر میں ساحل سے الوداع کہہ کر لوٹ جاؤں گا۔"

"کیا آپ جزیرے پر نہیں اتریں گے۔؟"

"نہ بابا نہ۔" مکیش نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ "میں کچھ وہمی سا آدمی ہوں اور کوڑھ کا
مرض یوں بھی اڑ کر لگتا ہے۔ مجھے ابھی زندہ رہنا ہے اور عیش کرنا ہے۔ اس لئے اس معاملے
میں معافی چاہتا ہوں۔"

"کیا ہم صبح روانہ ہو جائیں گے؟" رندھیر نے پوچھا۔

"کل صبح دس بجے تک میں کشتی لے کر پہنچ رہا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ "تم دونوں
تیار رہنا۔"

دوسرے دن صبح وہ دس بجے سے پہلے ایک اتنی بڑی کشتی لے کر دریا کے کنارے پہنچا
جس میں چار پانچ آدمی بآسانی سفر کر سکتے تھے۔ یہ موٹر بوٹ تھی جس میں وہ مچھلی کا شکار کھیلتا
اور اِدھر اُدھر جا کر سفید بطخیں تلاش کرتا تھا۔ اس کی یہ شکاری بوٹ تھی۔ وہ ایک تھیلے میں بھنی
ہوئی مچھلی اور مرغابیاں اور تھرماس میں قہوہ لے کر آیا تھا۔ ناشتے سے فراغت کے بعد وہ روانہ
ہوئے۔

کوئی ایک گھنٹے کی مسافت طے کرنے کے بعد کالا جزیرہ کے خدوخال کے آثار
دھندلے دھندلے آغوش میں واضح ہونے لگے۔ مکیش نے کالا جزیرہ کے بارے میں جو بتایا
تھا وہ سچ تھا۔ انہیں جزیرے کے ساحل پر کالی لڑکیاں اور عورتیں فطری حالت میں نظر آئیں۔
ان دونوں کو اندازہ نہ تھا کہ وہ اس قدر پرکشش ہوں گی۔ ہر رنگ میں حسن ہوتا ہے۔ وہ یہ
بات جانتے تھے۔ یہ کالا حسن نہ تھا جادو تھا۔ وہ لڑکیاں اور عورتیں ہاتھ ہلا ہلا کر انہیں بلا رہی
تھیں اور دعوت گناہ دے رہی تھیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ نظر کا توڑ ہے ان کا دل کر رہا تھا
کہ وہ پانی میں کود کر ان کی طرف جائیں۔ کچھ لڑکیوں اور عورتوں نے پانی میں چھلانگ لگا دی
اور موٹر بوٹ کی طرف بڑھنے لگیں۔ مکیش نے فوراً ہی ان پر کوئی منتر پڑھ کر پھونکا تو ان عورتوں
کا سحر ٹوٹ گیا۔ وہ کالی چڑیلیں نظر آنے لگیں۔

سورج کا سنہرا تھال آہستہ آہستہ مغرب کی سیاہ جھیل میں اترنے لگا۔ سمندر کے پرسکون
پانیوں میں یکایک جوار بھاٹے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ پھر آپس میں دست و گریباں ہو
گئیں۔ چٹانوں سے موجیں سر پھوڑتیں تو ایک ہولناک شور اٹھتا۔ آبی پرندوں کی چیخیں الگ
تھیں۔ یہ آبی پرندے دس بیس نہ تھے ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ جن کی چیخوں سے ان
دونوں کو اپنے کان کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ پھر سمندری چٹانیں نظر آنے
لگیں جن سے ٹکراتی ہوئی لہریں سفید سفید جھاگ کے انبار ساحل پر لگا رہی تھیں۔ افق کی
سنہری لکیر اب سرخ شفق میں تبدیل ہو گئی اور سمندر کا سرمئی پانی گلابی رنگ اختیار کرنے لگا۔
یہ ایک دل فریب اور جلال و جمال سے لبریز منظر تھا۔ ہزاروں پرندے جزیرے کی فضا میں
منڈلا رہے تھے۔

مکیش نے کہا کہ احتیاط کی اس لئے ضرورت ہے کہ جتنے قاتل، سمگلر اور جرائم پیشہ
ہوتے ہیں وہ اس جزیرے اور علاقے کی طرف آتے ہیں۔ کیرالہ کوسٹ گارڈ کے سپاہی
اجنبیوں کو بڑی سختی سے چیک کرتے ہیں۔ ان کی نظر میں ہر شخص مجرم ہوتا ہے۔ اس لئے کوشش
اس بات کی کی جائے کہ ان کی نظروں میں نہ آئیں۔ ان کا شک اس لئے بھی وزن رکھتا ہے
کہ کسی اجنبی اور بے گناہ کا یہاں کیا کام۔ ساحل پر مکیش نے کشتی روک کر کہا۔ "دوستو! اب
بھی میرا یہ مشورہ ہے کہ لوٹ چلو اور میرے جزیرے پر آباد ہو جاؤ۔ وہاں شراب اور شباب کی
کوئی کمی نہیں ہے۔ سکون کی دولت ہے۔ دنیا میں اس سے بڑی کوئی دولت نہیں ہے۔"

"ہم دونوں کو کیوں اور کس لئے سونے کا خزانہ چاہئے تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔
ویسے دوست! ہم تمہارے اس احسان کو کبھی نہیں بھولیں گے۔ موت کی وادی ہم ہر صورت اور
ہر قیمت پر جائیں گے اور سونا لے جا کر رہیں گے۔ نہ دنیا کی کوئی طاقت ہمارا راستہ روک سکتی
ہے اور نہ ہی موت۔ ہمارا ارادہ، عزم و حوصلہ چٹان سے کہیں مضبوط ہے۔" گوتم نے بڑے
پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"جب تمہارے اندر اس قدر عظیم حوصلہ ہے تو کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔" مکیش
نے کہا۔ "بہرحال تمہاری منزل کا راستہ بڑا دشوار اور کٹھن ہے۔ شارٹ کٹ ہرگز ہرگز نہیں
ہے۔ راستے میں تمہیں نہ جانے کن کن اور کیسے لوگوں سے حالات اور واقعات سے سابقہ
پڑے گا۔ نشیب و فراز آئیں گے۔ موت سایہ بنی رہے گی۔ میں ان تمام باتوں سے ہٹ کر یہ
کہنا چاہوں گا کہ تمہیں موت کی وادی پہنچنے میں دس سے پندرہ دن لگیں گے۔ کہیں ایسا تو نہیں

کہ وہ پارٹی اس دوران وہاں پہنچ کر خزانہ لے کر جا چکی ہو۔ تم کف افسوس ملتے رہ جاؤ۔"

"میں انہیں غلط راہ پر ڈال آیا ہوں۔ یہ بات تمہیں بتا چکا ہوں۔" گوتم بولا۔ "انہیں موت کی وادی پہنچنے میں دس لگیں گے۔ وہ وہاں ایک ہفتہ رہیں گے۔ بالفرض وہ لوگ وہاں ہم سے پہلے پہنچ جاتے ہیں تو پھر میں کوئی منصوبہ بنا کر ان سب کو موت کی بھینٹ چڑھا دوں گا۔ ان میں ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اگر وہ وہاں سے خزانہ لے کر جا چکے ہوں گے تو تعاقب کیا جائے گا۔ وہ زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔ ہم انہیں جا لیں گے۔ وہ کسی صورت بھی ہم سے بچ نہ سکیں گے۔"

مکیش نے نوٹوں کی ایک گڈی رندھیر کی طرف بڑھائی اور بولا۔ "میرے پاس چوں کہ رقم کی افراط ہے اس لئے میں اپنے دوستوں کی خدمت میں ایک حقیر سا نذرانہ خلوص کے جذبے سے متاثر ہو کر پیش کر رہا ہوں۔ اسے قبول کر لو تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔"

گوتم اور رندھیر باری باری اس سے بغلگیر ہوئے اور گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ ایک دوسرے کو الوداع کہا۔ مکیش کی جدائی کو ان دونوں نے بڑے جذباتی انداز سے محسوس کیا۔ انہیں اس بات کی ذرا برابر بھی توقع نہیں تھی کہ ایک بے رحم اور سفاک شخص اتنا بدل گیا ہے کہ اس کے سینے میں خلوص و محبت کا جذبہ محبت کے سمندر کی طرح موج زن ہے۔ ان دونوں کو ایسا لگا تھا کہ وہ جیسے آپس میں جنم جنم کے دوست اور ساتھی رہے ہوں۔ جب وہ اپنی کشتی میں سوار ہوا تو مکیش اور ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ مکیش کی پلکیں بھیگی ہوئی تھیں۔ وہ اس وقت تک ساحل پر کھڑے ہاتھ ہلاتے رہے جب تک اس کی کشتی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔ لیکن مکیش ان کے دلوں سے اوجھل نہیں ہوا تھا۔ وہ اس کے باوجود بے حس و حرکت کھڑے رہے۔

فضا میں جو ہلکی سی خنکی تھی وہ رات کی بڑھتی ہوئی تاریکی کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہو رہا تھا۔ مکیش نے نیا لباس بھی فراہم کیا۔ کیوں کہ ان کا لباس تار تار ہو چکا تھا۔ رندھیر کی دبیز چادر میں ان کے اردگرد تن رہی تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

"اب میرا خیال یہ ہے کہ یہاں کھڑے ہو کر وقت ضائع کرنے کے بجائے کیوں نہ چل پڑیں۔" رندھیر نے مشورہ دیا۔

"ہاں۔ میں بھی یہ سوچ رہا ہوں کہ ہم وقت کیوں ضائع کر رہے ہیں؟" گوتم نے تائیدی لہجے میں جواب دیا۔

پھر وہ دونوں مخالف سمت چل پڑے۔ گہری تاریکی سے لڑتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ انہوں نے اپنی بھری ہوئی رائفلیں کسی بھی ممکنہ خطرے کے باعث مضبوطی سے تھام کر رکھی ہوئی تھیں۔ وہ بہت محتاط اور چوکنا تھے۔ سیاہ آسمان کے سینے پر اکا دکا روشن ستارہ کا چہرہ ابھرتا تو انہیں حیرت سے تکتا۔ رفتہ رفتہ اتنی روشنی ہو گئی کہ جزیرے کے مٹے مٹے سے آثار دکھائی دینے لگے۔ یہ ایک ڈیڑھ میل کا لمبا سفر جو کوڑھیوں کی بستی پر جاتا تھا انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے دس برسوں میں بھی ختم نہ ہو گا۔

جوں جوں وہ بستی کی طرف بڑھ رہے تھے توں توں ان کے دلوں کی دھڑکنیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ باوجود خنکی کے ان کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ رات کی تاریکی میں یہ جزیرہ ایسا ڈراؤنا اور ہیبت ناک نظر آیا تھا جیسے وہ بھوتوں کی ملکیت میں داخل ہو رہے ہوں۔ ساحل کے ساتھ ساتھ درختوں کی کئی میل لمبی قطار تھی۔ انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی نادیدہ قوت ان کی کشتی کو گھسیٹے لیے جا رہی ہو اور ان کی نگاہیں ہر سمت کو پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ کہیں سے کوئی کالی چڑیلیں نہ نظر آ جائیں جو سیاہ جزیرے پر دیکھی تھیں۔

گوتم نے ڈر اور خوف دور کرنے کی غرض سے سوچا کہ کیوں نہ باتیں کی جائیں۔ اس نے سکوت کو توڑا۔

"رندھیر! کیا تم نے اپنی زندگی میں کبھی ایسی کالی لڑکیاں اور عورتیں دیکھی ہیں جو بے حد حسین تھیں۔"

"نہیں۔" رندھیر نے نفی میں سر ہلایا۔ "مکیش نے جیسا بتایا کہ وہ جادوگرنیاں ہیں۔ چڑیلیں ہیں۔ جادو کے زور سے حسین دکھائی دیتی ہیں۔ اس نے ایک منتر پڑھ کر ان کا سحر توڑ دیا اور وہ اپنی اصلی روپ میں آ گئیں۔"

"اس قدر سیکسی ہیں کہ اگر مکیش ان کا سحر توڑ کر ان کی اصلیت دکھا نہ دیتا تو میں تو پانی میں چھلانگ لگا کر ان کے ساحل پہنچ جاتا۔" گوتم نے کہا۔ "اگر یہ لڑکیاں اور عورتیں ہندوستان چلی جائیں تو وہاں تہلکہ مچا دیں۔"

رندھیر نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموش رہا۔ کیوں کہ اسے اپنی بیوی شیاما یاد آ گئی تھی جو ان کالی چڑیلوں سے کہیں پرکشش تھی۔ اس وقت اسے اس کی بہت یاد ستا رہی تھی۔ اسے پچھتاوا ہو رہا تھا کہ وہ کیوں خزانے کی تلاش اور اس کے حصول کے لئے نکلا۔ اس لئے کہ شیاما کو اس ناگ کے چنگل سے نجات دلا سکے۔ پھر اسے اپنی حماقت کا احساس

ہوا۔ وہ اس ناگ کا سر یہاں آنے سے پہلے کچل دیتا۔ اس کی نوبت نہ آتی۔ اس کی بیوی اس ناگ سے نجات پا لیتی۔

اس لمحے گوتم کے تصور میں شیاما آ کھڑی ہوئی جو ان کالی عورتوں کے مقابلے میں کہیں پرکشش تھی۔ اسے شیاما اور اس کے ساتھ بیتے لمحات یاد آ رہے تھے۔ اس کا تصور گوتم کو برما اور تڑپا رہا تھا۔ وہ ایک آہ بھر کر رہ گیا۔

"میرا خیال ہے کہ تم ان درختوں کے پاس رکو۔" رندھیر نے ایک جگہ رک کر کہا۔ "میں ان کوڑھیوں کی بستی میں جاتا ہوں۔ اگر میں صبح تک واپس نہ آیا تو پھر تم یہ سمجھ لینا کہ میں ان کے ہاتھوں موت کی نیند چلا گیا ہوں۔ پھر تم جو سمجھ میں آئے کرنا۔"

رندھیر نے گوتم سے شکاری چاقو لے لیا اور رائفل کندھے سے لٹکائی اور بھگوان کا نام لے کر ان کی بستی کی سمت چل پڑا۔ چند قدم طے کرتے ہی اسے تنہائی کا احساس ہوا۔ پھر اسے ایسا محسوس ہوا کہ اس کے دائیں بائیں۔ آگے پیچھے پراسرار آوازیں اور پوشیدہ روحیں رقص کر رہی ہیں۔ درخت عجیب عجیب ڈراؤنی شکلیں بنا کر اسے دہشت زدہ اور رگوں میں خون منجمد کرنے لگے۔ دفعتاً گھاس میں سے کوئی جانور بھیانک آواز میں چلاتا ہوا بھاگا۔ رندھیر نے اسے دیکھ لیا۔ وہ گیدڑ کی نسل سے تھا۔ اسے لگا جیسے اس کے پیر میں زنجیریں ڈال دی گئی ہوں۔ اس کے پاؤں من من بھر کے ہو گئے۔ مکیش نے ان دونوں کو ایک ایک چھوٹی چھوٹی بوتل دی تھی جس میں برانڈی تھی۔ جب اس نے جیب سے بوتل نکال کر اس کا گھونٹ حلق سے اتارا تو اس کی جان میں جان آئی۔ پھر وہ آگے بڑھا۔ اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتا اور کئی جگہ منہ کے بل گرتا پڑتا۔ گھاس اور جھاڑیوں سے لڑتا بھڑتا کھلے میدان میں پہنچ گیا۔

اس نے سوچنے' ستانے اور تازہ دم ہونے کے لئے ایک درخت سے ٹیک لگا لی۔ مکیش نے انہیں سگریٹ کے پیکٹ بھی دیئے تھے۔ اس کی جیب میں ایک پیکٹ تھا۔ اسے نکال پھر اسے لائٹر سے سلگایا اور بڑے اطمینان سے اس کا ایک لمبا کش لیا۔ وہ کبھی کبھی ایک آدھ سگریٹ پی لیتا تھا۔ شادی کے بعد شیاما کے کہنے پر اس نے سگریٹ نوشی ترک کر دی تھی۔ شیاما کو سگریٹ کے دھوئیں سے الرجک سی ہوتی تھی۔ جب کبھی وہ سگریٹ پی لیتا تو شیاما اس سے کہتی تھی کہ میرے قریب نہ آنا اور نہ میرا بوسہ لینا۔ وہ دوسرا کش لے کر سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ کس سمت جائے۔ اس نے دو تین کش اور لئے۔ کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ اسے اچانک کچھ فاصلے پر دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ اس نے

فوراً ہی سگریٹ زمین پر پھینک کر اسے جوتے سے مسل دیا۔

"ادھر کون ہے؟" ایک تیز آواز گہرے سکوت میں گونجی۔

رندھیر نے جواب نہیں دیا۔ وہ خاموش کھڑا رہا۔

"جلدی سے بولو۔ ادھر کون ہے؟" دوسرے لمحے جواب نہ پا کر وہ آواز پھر ابھری۔
"ورنہ تمہارا حشر نشر ہو جائے گا۔"

"ایک بھولا بھٹکا مسافر۔" رندھیر نے سوچا۔ یہ بات کہہ دے لیکن وہ کسی خیال کے زیر اثر مصلحتاً اس مرتبہ بھی خاموش رہا۔ البتہ اس نے لائٹر ایک بار جلا کر بجھا دیا۔ ویسے ہی بیٹھا رہا۔ البتہ ایک چھوٹا سا کتا اس کے قریب آن رکا۔ پھر وہ باری باری اس کا دایاں اور بایاں جوتا سونگھنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد وہ انسانی آواز تیسری مرتبہ گونجی۔

"جواب کیوں نہیں دیتے ہو؟" بھائی تم کون ہو۔؟ کہیں تم بلراج تو نہیں ہو؟"

"ایک بھولا بھٹکا ہوا مسافر۔ جو آپ کے پاس پناہ لینے اور رہنمائی کے لئے آیا ہے۔" رندھیر نے جواب بلند آواز میں دیا۔

"بھولا بھٹکا مسافر۔؟" کرخت آواز میں کہا گیا۔ "تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔" رندھیر نے جواب دیا۔ "مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"سنو۔ یہاں صرف مفرور قیدی پناہ لینے آتے ہیں۔ ہمیں بے وقوف بنا نہیں سکتے۔ سچ سچ بتاؤ تم آدھی رات کے وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟ کیا کوئی بدمعاشی کرنے کا ارادہ ہے؟ یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور کدھر سے آئے ہو؟ تم یہاں کس مقصد سے نازل ہوئے ہو؟" اس کی آواز میں غصہ بھرا ہوا تھا۔

"میں صرف آپ لوگوں کی مدد اور رہنمائی کا طلب گار ہوں۔" رندھیر کہنے لگا۔ "میں اگر مفرور قیدی ہوتا تو چھپاتا نہیں۔ اس لئے کہ میں نے سنا ہوا ہے کہ آپ لوگ مفرور قیدیوں کو پناہ دیتے ہیں۔"

کچھ دیر خاموشی رہی۔ چند لمحوں کے بعد پھر وہ آواز ابھری۔ لیکن لہجہ سخت تھا نہ تیز۔

"مدد اور رہنمائی کے عوض کیا دو گے۔؟" وہ بولا۔ "ہم بغیر کسی معاوضے کے کسی کی مدد نہیں کرتے ہیں۔"

"جس قدر میری استطاعت ہے۔" رندھیر نے انکساری سے کہا۔ "آپ لوگوں کی سیوا

سے دریغ نہ ہوگا۔"

"آہاہاہا۔ یار! تم بڑے سمجھ دار آدمی ہو۔ یار! تم نے کام کی بات کر کے دل خوش کر دیا۔" اس نے توقف کر کے ایک مکروہ قہقہہ فضا میں لگایا۔ رندھیر کو ایسا لگا کسی درندے نے چیخ ماری ہو۔ "اچھا تم جہاں کھڑے ہو وہاں کھڑے رہو۔ اپنی جگہ سے ہلنا نہیں۔ ہم خود تمہارے پاس آ رہے ہیں۔ ہمیں دیکھ کر ڈرنا نہیں۔ ہم بے ضرر لوگ ہیں۔"

"میں خود بھی بے ضرر اور ایک شریف آدمی ہوں۔" رندھیر نے جواب دیا۔ "آپ بلا خوف و جھجک تشریف لائیں۔"

"واقعی آدمی مہذب اور شریف معلوم ہوتا ہے۔" اس آواز نے شاید اپنے ساتھی سے سرگوشی میں کہا۔

رندھیر نے اس کی سرگوشی سن لی تھی۔ معاً تاریکی کا سینہ چیرتی ہوئی روشنی کی چند کرنیں اس تک پہنچیں۔ یہ تیل سے چلنے والی لال ٹین تھی۔ جو آہستہ آہستہ اس کے نزدیک آ رہی تھی۔ لالٹین کے ساتھ ساتھ چار انسانی سائے آواز پیدا کئے بغیر حرکت کر رہے تھے۔ اگر رندھیر کو پہلے سے یہ علم نہ ہوتا کہ یہ انسان ہیں تو منظر اتنا ہولناک اور لرزہ خیز تھا کہ وہ دم توڑ دیتا۔

وہ رندھیر سے کوئی چار پانچ فٹ کے فاصلے پر آن رک گئے۔ لالٹین کی مدھم روشنی کے باوجود وہ ان کے خدوخال دیکھنے سے قاصر رہا۔ پھر وہ اپنی جگہ سے حرکت کر کے ان کی طرف بڑھا۔ دور ایک قدم پیچھے ہٹے۔ رندھیر اور آگے بڑھا۔ وہ اور پیچھے ہٹے۔ آخر ان میں سے ایک نے اس سے کہا۔

"آگے مت بڑھو دوست۔ جہاں ہو وہیں رک جاؤ۔"

اس کی بات سن کر رندھیر رک گیا اور مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ وہ چاروں کے چاروں چپ چاپ کھڑے رہے۔ کسی نے بھی مصافحے کے لئے ہاتھ آگے نہ کیا۔ جیسے اس کے ہاتھ میں کوئی بم وغیرہ ہو۔

"آپ مجھے دوست کہہ کر پکارتے ہیں لیکن ہاتھ ملانے کے قائل نہیں۔" رندھیر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "یہ کیسی رسم دوستی ہے ہمارے ہاں رسم دوستی کی ابتداء ہاتھ ملانے سے ہوتی ہے۔"

"آہ! یہ بات نہیں دوست!" ان میں سے ایک نے کہا۔ "شاید تم یہ بات بھول گئے

ہو کہ ہم سب کے سب کوڑھی ہیں۔ اس جزیرے کی بستی میں سب کے سب کوڑھی بستے ہیں اور یہ مرض ایک سے دوسرے کو لگ سکتا ہے۔" تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد وہ بولا۔

"آؤ دوست! ہمارے ساتھ چلو۔ پھر اطمینان سے تمہاری رام کہانی سنیں گے کہ تم یہاں کس طرح اور کیسے پہنچے۔ اور پھر سوچیں گے کہ ہم کس حد تک تمہاری مدد اور رہنمائی کر سکتے ہیں۔"

وہ آگے آگے چلے تو رندھیر ان کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ کوئی پچاس ساٹھ گز کے فاصلے پر لکڑی کا ایک بڑا سا کیبن دکھائی دیا۔ جس کے اندر ایک بڑی سی لالٹین جل رہی تھی۔ شیشے کی ایک کھڑکی سے اس لالٹین کی روشنی چھن چھن کر آ رہی تھی۔ کیبن کے اندر ایک لمبی بوسیدہ سی میز اور لکڑی کے چند ٹوٹے پھوٹے سٹول پڑے تھے۔ ایک جانب الماری رکھی تھی۔ اس کے قریب ہی کچھ برتن دھرے تھے۔ کیبن کی فضا میں ایک عجیب ناگوار بدبو پھیلی ہوئی تھی جیسے گندھک کے جلنے سے آیا کرتی ہے۔ رندھیر منہ بنا کر رہ گیا۔

"براہ کرم اس سٹول پر تشریف رکھیں۔" ایک شخص نے اشارہ کیا۔ وہ سٹول ان سب سے بہتر تھا۔ جو وہاں پڑے تھے۔

رندھیر نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اس سے کچھ فاصلے پر وہ اپنے اپنے سٹول پر بندروں کی طرح بیٹھ گئے۔ وہ سب رندھیر کی طرف گھورنے لگے۔ پھر ان میں سے ایک نے بڑی شائستگی سے دریافت کیا۔

"آپ کا نام کیا ہے دوست۔!"

رندھیر نے سوچا کہ کیا بتائے۔ اس کے منہ سے غیر ارادی طور پر نکل گیا۔ "خادم کو سوبھراج کہتے ہیں۔"

"آہاہاہا۔ یہ نام تو ہم نے کہیں سنا ہے۔" وہ بیک وقت چلا اٹھے۔ "کیا تم وہی شخص ہو جو حال ہی میں دہلی سے فرار ہوا ہے؟"

"ہاں۔ ہاں۔ میں وہی ہوں۔" رندھیر نے بڑی بھاری آواز میں مختصر سا جواب دیا۔

"باپ رے باپ۔" انہوں نے خوف زدہ ہو کر کہا۔ "ہمیں تمہارے بارے میں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔ تمہارے ساتھ تین آدمی ہیں اور تم دہلی جیل سے تین پہرے داروں کو ہلاک کر کے اور ان کا اسلحہ چھین کر فرار ہوئے ہو۔ اب بولو۔ بتاؤ۔ کیا یہ سب جھوٹ ہے۔"

"اس بات میں ذرا برابر بھی مبالغہ نہیں ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے۔" رندھیر نے ان پر

رعب ڈالنے کے لئے سنجیدگی سے کہا اور بے پروائی کا عنصر ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔ "میں حیران ہوں کہ یہ خبریں آپ تک کیسے پہنچیں؟"

"تمہاری تلاش میں جو کیرالا حکومت کے سپاہی آتے ہیں' انہوں نے بتایا کہ تم اور تمہارے ساتھی دہلی جیل سے خون خرابا کر کے فرار ہوئے ہیں۔ دہلی پولیس نے درخواست کی ہے کہ زندہ یا مردہ تمہیں گرفتار کر کے حوالے کیا جائے۔" ایک تفصیل سے رندھیر کو بتا رہا تھا۔

"انہوں نے ہمیں سختی سے ہدایت کی ہے کہ جوں ہی یہ مفرور قیدی اس جزیرے پر قدم رکھیں اگلے روز خوراک لانے والی کشتی کے گارڈ کو بتا دیں۔ وہ ہمیں باخبر کر دے گا۔"

"بہت خوب۔" رندھیر ان پر نفسیاتی حربہ آزمانے کے لئے ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "شاید آپ تک یہ خبریں پہنچی ہوگی کہ جن پہرہ داروں کو ہم نے مارا تھا ان کی تین جدید ترین اور دور تک مار کرنے والی رائفلیں بھی ہمارے پاس ہیں۔ اور کارتوسوں کی مقدار اتنی ہے کہ یہ جزیرہ تمام کوڑھیوں سے ہمیشہ کے لئے پاک کیا جا سکتا ہے۔ خوراک لانے والی کشتی کے آنے میں ابھی کئی گھنٹے باقی ہیں۔ اس وقت فائدہ اٹھا کر اس بستی کو نیست و نابود کیا جا سکتا ہے۔ پھر یہاں لاشوں کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ اب میں جا رہا ہوں تا کہ اپنے ساتھیوں کو تیار رہنے کے لئے کہوں۔؟"

"بھگوان کے لئے رک جائیں سوبھراج۔ ہم تو مذاق کر رہے تھے۔ آپ کو غصہ آ گیا۔" وہ گڑگڑانے لگے۔

رندھیر نے جو اندھیرے میں تیر چلایا تھا وہ ٹھیک نشانے پر جا لگا۔ وہ اپنا لہجہ مزید سنجیدہ بناتے ہوئے غرا کر بولا۔

"جس طرح آپ لوگوں کو ہماری جانوں سے کھیلنے کا حق حاصل ہے۔ اسی طرح ہمیں بھی یہ ادھیکار ہے کہ ہم بھی جانوں سے کھیلیں۔ ہم تو پہلے ہی اپنے سر ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں۔ کئی خون پہلے بھی کر چکے ہیں۔ چند خون اور سہی۔ اس میں مضائقہ کیا ہے۔"

"ارے نہیں۔ نہیں۔ نہیں جناب!۔ آپ اطمینان رکھیں۔ ہم ہر طرح سے آپکی خدمت کرنے کی غرض سے حاضر ہیں۔ بھلا ہمیں آپ سے کیا دشمنی۔ ہم بے چارے کوڑھی کسی کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔"

وہ منت خوشامد پر اتر آئے اور قسموں پر قسمیں کھانے لگے کہ ہم کسی کو اطلاع نہ دیں گے۔

"بہتر ہے۔" رندھیر نے کہا۔ "میں آپ کی قسموں پر اعتبار کرتے ہوئے اپنی اور اپنے ایک ساتھی کی جانیں آپ کے حوالے کرتا ہوں۔ ایک اور ساتھی ایک جزیرے پر رک گیا۔ شاید وہ نہ آئے۔ یا پھر ہماری خبر لینے تین ساتھیوں کے ساتھ آ سکتا ہے۔ میرے خیال میں یہ مناسب ہوگا کہ کیوں نہ ابھی اور اسوقت معاملے کی گفتگو ہو جائے۔ بولے۔؟ آپ لوگ ہمیں کیا مدد بہم پہنچا سکتے ہیں۔ اور اس کا معاوضہ کیا ہوگا۔؟"

"آہا۔ شری سوبھراج۔ ذرا صبر سے کام لیجئے۔ پلیز معاوضہ کا ذکر کر کے ہمیں شرمندہ نہ کیجئے۔ پہلے ہم اپنا تعارف تو آپ سے کرا دیں۔ میرا نام وشوا ناتھ ہے۔ یہ میرے جو بائیں ہاتھ بیٹھے ہیں ان کا نام دھونی ہے۔ ان کے قریب والے صاحب کا نام شنکر پٹیل ہے۔ یہ چوتھے صاحب نرنجن ہیں۔ ہم سب اسی کیبن میں رہتے ہیں۔ ہمارے ایک ساتھی اور ہیں شاید وہ ابھی آ جائیں۔"

یہ جملہ اس نے پورا نہیں کیا تھا کہ دروازے سے ایک پستہ قد آدمی اندر گھسا۔ وہ رندھیر کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"چلے آؤ۔ یہ اپنے ہی دوست ہیں۔" اس کے ساتھیوں نے اسے بتایا۔

یہ واقعی تین فٹ کا بونا تھا۔ وہ آن کر چپ چاپ ایک سٹول پر اچھل کر بیٹھ گیا اور رندھیر کو غور سے دیکھنے لگا۔

رندھیر نے ایک لحظہ کے لئے دل میں سوچا کہ ظالم کی نگاہوں میں کچھ ایسی چمک دمک اور گرمی ہے وہ تاب نہ لا سکا اور اسے نظریں نیچے کرتی ہی بنی۔ رندھیر کو ایسا لگا جیسے اس کی نگاہیں نہیں کوئی برما ہے جو اس کی کھوپڑی میں سوراخ کرتا چلا جا رہا ہے۔

اتنے میں ان میں سے ایک کوڑھی نے اٹھ کر لالٹین جلائی اور لا کر میرے قریب ہی رکھ دی۔ شاید اس لئے وہ رندھیر کا چہرہ مزید غور سے دیکھنا چاہتے تھے۔ اب کیبن میں روشنی اور تیز ہو گئی تھی۔ پہلی بار رندھیر نے ان کوڑھیوں کو غور سے دیکھا۔ ان کا چہرہ اچھی طرح سے ذہن نشین کیا۔ انہیں دیکھتے ہی رندھیر کا دل آپ ہی آپ بیٹھنے لگا۔ وہ ایسی کیفیت میں تھا کہ اسے کسی کے سامنے بھی بیان نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے کیا دیکھا۔ اس کے سامنے عجیب و غریب ڈراؤنی شکلوں کے آدمی بیٹھے تھے۔ ان کی صورتیں اور خدوخال قدرت نے کوڑھ کے ذریعے مسخ کر دیئے ہیں۔ رندھیر کے دل کے کسی کونے میں نادیدہ آواز نے کہا۔ نہ تو وہ پورے آدمی تھے اور نہ ہی پورے جانور۔ ایسا تھا کہ انہیں دیکھتے ہی ایک خوف سا آتا تھا اور پھر ترس۔ آخر

میں رندھیر کے دل سے یہ پرارتھنا نکلی انہیں موت دے دے۔ اس جہاں سے اٹھا لے۔ سنسار میں ان کا رہنا کیسا عذاب ناک ہے۔"

رندھیر نے وشواناتھ کی طرف دیکھا۔ ان کی آدھی ناک غائب اور نتھنوں کی جگہ ایک بھیانک غار تھا۔ ان کے اوپر کے جبڑے میں جڑے زرد دانت جھانک رہے تھے۔ رخساروں کا گوشت جھڑ چکا تھا اور ہڈیاں' سفید سفید ہڈیاں نمائش کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ نچلے ہونٹ کا دایاں حصہ میں کوڑھ نے کھا لیا تھا۔ ایک کان تقریباً ندارد۔ اور بائیں ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور پٹی کے اوپر سے پیپ بہہ بہہ کر ہتھیلی پر آ رہی تھی۔ جسے وہ قمیص کے دامن سے پونچھ لیتا۔ اس کا دایاں ہاتھ تھا' دائیں بازو کے پنجے میں صرف دو انگلیاں رہ گئی تھیں۔

ان دو انگلیوں کی مدد سے اس نے سگار سلگا کر اپنے عجیب وغریب منہ میں دبا لیا۔ یہ سگار غالباً اس نے خود ہی بنایا ہوگا کیوں کہ تمباکو جن پتوں پر لپٹا گیا تھا ان کا رنگ ابھی تک سبز تھا۔ اس کی دائیں آنکھ کی پلک گر چکی تھی اور آنکھ کے کھلے ڈیلے سے لے کر پیشانی کے وسط تک ایک گہرا زخم پھیلا ہوا تھا۔ جس کے اوپر پیپ' خون اور کھرنڈ جما ہوا تھا۔ اس نے نہایت متکبرانہ اور لاپروانہ انداز میں سگار کے دو تین کش لئے پھر اس نے راکھ جھاڑی۔ پھر بھاری آواز میں بولا۔

"ہم آپ کی اور آپ کے دوست کی مدد کریں گے شری سوبھراج جی! آپ ہم لوگوں کا حال دیکھ ہی رہے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ آپ یہاں زیادہ عرصہ تک رہیں اور ایسے ہی ہو جائیں۔ جیسے کہ اس وقت ہم لوگ ہیں۔ شاید میری اس موجودہ شکل اور صورت کو دیکھ کر آپ یقین نہیں کریں گے کہ میں بھی کبھی آپ کی طرح ایک طرح دار نوجوان تھا۔ میرے بازوؤں میں فولادی قوت تھی اور میرا گھونسا برداشت کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہ تھی۔ پھر ایسا ہوا کہ راشی اور بے رحم ججوں نے مجھے ایک معمولی سے جرم کے عوض ایک جیل میں بھیج دیا۔ پھر مجھ سے ایسے ایسے کام لئے کہ اس سے بہتر موت تھی۔ بعض اوقات موت مانگنے سے نہیں ملتی ہے اور بن مانگے مل جاتی ہے۔ یہ دس برسوں پہلے کا ذکر ہے۔ ان دس برسوں میں مجھ پر کیا بیتی؟ جو کچھ بیتی اس کا یہ ایک نمونہ ہے جو آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ عبرتناک زندگی۔"

رندھیر اس کی یہ بات سن کر کانپ اٹھا۔ اس نے دل میں کہا کہ بھگوان مجھ پر رحم کرے۔ ایسی حالت سے موت ہزار درجے بہتر ہے۔

"کیا آپ لوگوں کے علاج معالجے کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔" رندھیر کو پچھتاوا ہوا کہ اسے ایسا احمقانہ سوال نہیں کرنا چاہئے تھا۔

"آپ بھی کیسی بھولی باتیں کرتے ہیں جناب!" اس نے اپنے مکروہ دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ ہمارا اتنا ہی خیال کرلیں تو اس مہلک جزیرے پر بھیجیں ہی کیوں۔؟ یہاں کوئی ڈاکٹر ہے نہ کوئی ایسا انتظام جس سے ہمیں مرنے جینے میں سہولت ہو سکے۔ ہمارے ہاں یہ ضرور ہے کہ خوراک لانے والے لوگ کبھی کبھار مختلف دواؤں اور انجکشنوں سے بھرا ہوا ایک کارٹن دے جاتے ہیں۔ پھر ہم خود ہی انہیں سوجھ بوجھ اور علم کی بدولت اپنا اپنا علاج کرتے رہتے ہیں۔"

ان سب کے چہرے حد درجہ مایوس اور افسردگی سے لٹک گئے اور دائیں بائیں موت کے سائے تھرکتے دکھائی دیئے۔ ان بدنصیبوں کی حالت زار پر کوئی ایسا سنگ دل اور شقی ہوگا جسے ان پر رحم نہ آئے۔ رندھیر نے جذبہ ترحم سے مغلوب ہو کر وشواناتھ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ اس طرح تڑپ کر پیچھے ہٹا جیسے سر پر انگارہ رکھ دیا گیا ہو۔ ہانپتے ہوئے بولا۔

"نہیں سوبھراج صاحب جی!۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ بھگوان کے لئے ہمارے جسموں کو ہاتھ نہ لگائیں' نہ کبھی ہمارے ساتھ کھائیں' نہ پائیں۔ اور نہ ہی ہماری کسی چیز کو چھوئیں۔"

یہ کہہ کر اس نے بونے کو کچھ اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے بلی کی مانند دبے پاؤں کیبن سے نکل گیا۔

"آپ کا معاملہ ہم آج ابھی اور اسی وقت اپنی کونسل میں پیش کریں گے۔" وشواناتھ نے کہا۔ "مجھے امید ہے کہ اس کونسل کے ارکان سے مل کر آپ خوش ہوں گے۔ ہم بہادروں اور جی داروں کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ کبھی ہم بھی ایسے ہی تھے۔ بے باک نڈر اور مہم جو۔ اس جزیرے کا کوئی کوڑھی ایسا نہیں جس نے اپنی زندگی میں کم از کم دو قتل نہ کئے ہوں۔ شاید ان سب میں میں ہی ایک ایسا مجرم ہوں جس نے ایک آدمی کے قتل کا ارتکاب کیا ہے۔"

اتنے میں وہ بونا کیبن میں آیا اور جب وہ بولا تو یوں لگا جیسے ایک سیٹی سی ہو۔ عجیب کھنکتی چیختی ہوئی اس کی آواز تھی۔

"سوبھراج صاحب کو سینٹر میں طلب کیا جا رہا ہے؟"

یہ سنتے ہی تمام کوڑھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ وشواناتھ نے مجھے باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ ایسے کفن پوش مردوں کی طرح جو اپنی قبروں سے یکا یک نکل پڑے ہوں وہ سب قطار کی صورت

میں آگے پیچھے اس مقام نامعلوم کی جانب روانہ ہوئے جن کا نام سینٹر رکھا گیا تھا۔ جزیرے کی فضا نہایت سرد تھی اور بڑی ہی ناگوار سی بدبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ شاید اسی فضا کا اثر تھا جو یہاں کوڑھ کی بیماری فروغ پاتی ہے۔ رندھیر نے سوچا۔ قدم قدم پر جھاڑیاں اور عجیب سی شکلوں کے خودرو پودے اُگے تھے۔ کہیں کہیں گنجان درختوں کے جھنڈ تھے۔ زمین پتھریلی ناہموار اور حشرات الارض سے اٹی پڑی تھی۔

"یہاں سانپ اور بچھو بکثرت موجود ہیں۔" وشواناتھ نے یکا یک پلٹ کر کہا۔ "لیکن وہ ہمیں کاٹتے نہیں۔ ایک مرتبہ ہمارے لیڈر سریش کو ایک سانپ نے ڈس لیا۔ کیا ہوا؟ چند لمحوں کے بعد وہ سانپ خود ہی مر گیا۔ سنتے ہیں جذاب کے جراثیم ان سانپوں اور بچھوؤں کے لئے بھی مہلک ہیں۔"

اس کی لرزا دینے والی باتیں سینٹر پہنچنے تک جاری رہیں اور ہر لحہ رندھیر کو ایسا لگتا رہا کہ جیسے ابھی کوئی سانپ جھاڑیوں سے نکلے گا اور اسے کاٹ کر بھاگ جائے گا۔ اگر ایسا ہوا تو وہ مر جائے گا۔ کیوں کہ وہ جذام کا مریض تو نہیں ہے۔

پچھلے پہر کا سوگوار چاند آہستہ آہستہ ایک پہاڑی کے عقب سے جھانکنے لگا اور اس کی پیلی پیلی چاندنی میں جزیرے کا ہر درخت' ہر پودا اور جھاڑی ایک نیا روپ دھارنے لگی۔ رندھیر کا ذہن خوابیدہ کی سی کیفیت میں دھنستا جا رہا تھا اور ہوش وحواس تھے کہ رفتہ رفتہ جواب دیتے جا رہے تھے۔

"لیجیے سینٹر آ گیا۔"

ایک کوڑھی کی آواز سنائی دی۔ رندھیر نے چونک کر سامنے نگاہ دوڑائی درختوں میں گھری ہوئی ایک دومنزلہ عمارت دکھائی دی جس کی بیرونی کھڑکیوں سے ہلکی ہلکی روشنی جھانک رہی تھی۔ پوری عمارت لکڑی کی تھی اور خاصی بوسیدہ حالت میں۔ اس کے عقب چاند جھانکتا اور پھر بادل کے آوارہ ٹکڑے میں منہ چھپا لیتا۔ چند لمحوں کے بعد نمودار ہوتا ایک ایسا نظارہ تھا جسے بیان کرنے کے لئے رندھیر کے پاس الفاظ نہیں تھے۔ سینٹر کے باہر بیس کوڑھیوں کی ایک جماعت ان کی منتظر تھی۔ جوں ہی وہ دروازے کے پاس پہنچا انہوں نے ایک طرف ہٹ کر انہیں اندر جانے کا راستہ دے دیا۔ رندھیر نے اپنے آپ کو تین فٹ لمبے اور تقریباً بارہ فٹ چوڑے کمرے میں کھڑے پایا۔ اس کے ایک جانب پتھر کا بنا ہوا آتش دان تھا اور اس آتش دان میں بڑے بڑے کندے جل رہے تھے۔ کمرے کی فضا خوب گرم تھی۔ ایک میز پر دوہری

تین لالٹینیں جل رہی تھیں۔ جابجا میزیں اور کرسیاں پڑی تھیں۔ ایک بڑی سی میز کے پیچھے ایک اونچی کرسی پر ایک بوڑھا شخص بیٹھا تھا' جس کی پلکیں اور بھنویں تک سفید تھیں۔ اس شخص کے عقب میں ایک لمبی بنچ پر پانچ چھ آدمی خاموش بیٹھے تھے۔

"تشریف رکھئے جناب سوبھراج!" بوڑھے کی مرتعش آواز رندھیر کے کانوں سے ٹکرائی۔ "میرا نام سریش کمار ہے اور میں مغربی بنگال کا باشندہ ہوں۔ میں نے تمہارے بارے میں سب کچھ معلوم کر لیا ہے۔ کیا تمہارے پاس وہ تینوں رائفلیں موجود ہیں جو دہلی جیل کے پہرے داروں سے چھینی تھیں۔"

"وہ رائفلیں تو ہم نے سمندر میں پھینک دی تھیں۔ ہمارے پاس اپنی اپنی رائفلیں ہیں۔" رندھیر نے جواب دیا۔

"کیا کہتے ہو شری سوبھراج! سمندر میں پھینک دیں۔ بھلا سمندر میں کس مقام پر۔؟"

"سمندر میں نہیں جناب میں بھول گیا تھا۔ معافی چاہتا ہوں۔ میسور سے کیرالا کے سمندری حدود کی طرف جاتے ہوئے ایک مندر کے عقبی حصے میں پھینک دیں۔ اس لئے اتنی رائفلیں کس کام کی تھیں۔" رندھیر نے جواب دیا۔

"آہ! اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ رائفلیں وہاں سے نکالی جا سکتی ہیں؟"

"جی ہاں۔ کیوں نہیں۔" رندھیر نے کہا۔ "اس لئے کہ وہ مندر برسوں سے ویران اور سنسان پڑا ہوا ہے۔ وہاں جو بستی تھی سیلاب اور طوفان کی وجہ سے اجڑ گئی۔ وہاں اب کوئی نہیں رہتا ہے۔ مندر میں نہ پجاری ہے اور نہ ہی مورتیاں۔"

"میرا خیال ہے کہ سوبھراج تم غلط بیانی سے کام لے رہے ہو؟" بڈھے نے غرا کر کہا۔

"اگر آپ سچ سچ بتا دیں تو ہم آپ کو کھا نہیں جائیں گے۔ اچھا یہ بتائیں کہ آپ کے باقی ساتھی کہاں ہیں؟"

"ایک مسلح ساتھی آپ کے جزیرے کے ساحل پر چھپا ہوا ہے۔" رندھیر نے جواب دیا۔ "تیسرا ساتھی ایک اور جزیرے پر گیا ہوا ہے۔"

"اچھا۔ اچھا۔" اس نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ "تم ہمارے پاس کس لئے آئے ہو؟ ہم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں؟"

"اس لئے کہ ہمیں ایک جدید ترین اور تیز رفتار بوٹ فراہم کر دیں۔ اس کے علاوہ سمندر میں طویل سفر کے لئے جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے وہ بھی ہم آپ سے لیں گے۔"

اس کے علاوہ پٹرول سے بھرا ایک کین بھی۔"

"اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک ذاتی سوال کروں۔" ان کے لیڈر نے کہا۔ "مناسب سمجھیں تو جواب دے دیں اور آپ اس بات سے بے فکر رہیں اور اعتماد کریں کہ اس بات کی اطلاع کسی کو نہ دیں گے۔"

"تمہیں کس طرف جانا ہے؟"

"ہمیں موت کی وادی کی طرف جانا ہے۔"

"موت کی وادی۔؟" وہ ایک دم سے اچھل پڑا۔ دوسرے تمام لوگ بھی۔ "خزانے کے حصول کے لئے۔؟"

"جی ہاں۔" رندھیر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "پکنک منانے نہیں جا رہے ہیں۔"

"لیکن موت کی وادی کا سفر بڑا دشوار، خطرناک ہے۔" اس نے کہا۔

"یہ ایک طرف سے موت کا سفر ہے۔ یہاں سے کچھ مفرور مجرم اس وادی کی طرف گئے تھے، لیکن انہیں موت نے نگل لیا۔ میرا دوستانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ نہ جائیں۔"

"آپ نے جس خلوص اور محبت سے مشورہ دیا ہے اس کا بہت بہت شکریہ۔" رندھیر نے سپاٹ سے لہجے میں کہا۔ "ہمیں کسی بات کا ڈر خوف نہیں ہے۔ ہم ایک عزم اور حوصلہ لے کر چلے ہیں۔ یہ ہمارا مسئلہ ہے۔ ہمیں ہر بات کا علم ہے۔"

"بہت خوب۔ اتفاق سے اس وقت ایک بالکل نئی اور بڑی کشتی برائے فروخت موجود ہے جو ہمارے ساتھیوں نے چین کی بندرگاہ کے حدود سے چوری کی تھی۔ یہ کشتی ایک طرح سے لانچ نما ہے۔ اس میں ایک چھوٹا سا کیبن بھی ہے۔ مگر اس کے پیندے میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہے تاہم آپ اس خرابی کی قطعی فکر نہ کریں۔ ہمارے آدمی دو گھنٹے کے اندر اس خرابی کی دور کر دیں گے۔ صاف صاف کہتا ہوں کہ ہم آپ سے اس کے صرف تین ہزار روپے لیں گے۔ اتنی کم رقم اس لئے کہ یہ کشتی چوری کی ہے۔ اس سے ایک کوڑی بھی کم نہ لیں گے۔ اگر آپ کے پاس اتنی رقم نہیں ہے تو اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ آپ نے جس مندر میں دو رائفلیں پھینکی ہیں وہ لا دیں۔ پھر آپ اس کشتی کے ایرے غیرے مالک۔ کیا آپ کو یہ سودا منظور ہے۔؟"

"بڑے صاحب! ہم آپ کو پورے تین ہزار روپے ادا کریں گے۔" رندھیر نے کہا۔ "آپ رائفلوں کی کوئی امید نہ رکھیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ سوبھراج صاحب فرار کے وقت بھی خاصے مال دار ہیں۔" اس کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔ رندھیر نے اس کے لہجے سے محسوس کیا تھا کہ اس لیڈر کو اندازہ نہ تھا کہ ان کے پاس رقم ہوگی۔ ورنہ وہ قیمت میں اور اضافہ کر دیتا۔ "بس تو طے ہے۔ کشتی آپ کی ہوگئی۔ اچھا آپ ہمارے مہمان ہیں۔ فرمائیے آپ کی کیا خاطر مدارت کریں۔ کیا آپ گرم گرم قہوہ یا کافی پینا پسند کریں گے۔ ہم نے اپنے مہمانوں کے لئے برتن بالکل الگ تھلگ رکھے ہیں۔ ہم میں سے انہیں کوئی ہاتھ نہیں لگاتا ہے۔ اس الماری میں مگ دھرے ہیں۔ وہیں کافی اور قہوے کے بیج موجود ہیں۔ لوہے کی ایک کیتلی بھی آپ کو مل جائے گی۔ شکر کا ڈبہ بھی حاضر ہے۔ آتش دان کی آگ پر آپ قہوہ یا کافی تیار کر لیں۔"

رندھیر نے شکریئے کے ساتھ انکار کر دیا۔ وہ بات یہ تھی کہ اس کی طبیعت کسی طرح آمادہ ہی نہ ہوتی تھی۔ بہرحال انہوں نے اپنے لئے قہوہ تیار کیا اور اپنے اپنے مگ میں ڈال کر چسکیاں لینے لگے۔ کوڑھیوں کے حلیے ایک سے ایک بھیانک اور عبرت انگیز تھے۔ رندھیر کا دماغ سوچتے سوچتے ماؤف ہو رہا تھا۔ اس سے ان کے چہرے دیکھے نہ جا رہے تھے۔ وہ مجبور تھا۔ اس نے سوچا کہ کاش وہ نہ آتا۔ گوتم کو بھیج دیتا، لیکن اسے اس بات کا احساس تھا کہ گوتم میں کوئی صلاحیت اور قابلیت نہیں ہے۔

دفعتاً وشوا ناتھ ہذیانی انداز سے چلایا۔

"لیجئے سوبھراج صاحب! میرے بائیں ہاتھ کی ایک اور انگلی ٹوٹ کر مگ میں گر گئی ہے۔ اب سگار پینے کے لئے میں کوئی اور طریقہ ایجاد کروں گا۔ کرنا پڑے گا ورنہ سگار کیسے پیئوں گا۔"

اس نے مگ کے اندر پیپ سے بھرا ہوا دایاں ہاتھ ڈال کر گلی سڑی انگلی مگ سے باہر نکال کر دکھائی اور اطمینان سے آتش دان میں پھینک دی۔ پھر ہنس کر رندھیر سے کہنے لگا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ میرے جسم کا ایک ایک عضو اس طرح میرا ساتھ چھوڑتا چلا جائے گا۔"

"اچھا اپنی بکواس بند کرو۔" بڈھے نے اسے ڈانٹا۔ "مجھے سوبھراج سے بات کرنے دو۔ ہاں تو سوبھراج! سودا ہمارے درمیان طے پا گیا ہے۔ آپ بے کھٹکے اپنے ساتھی کے پاس جائیں۔ اسے کشتی ملنے کی خوشخبری سنا دیں۔ بتا دیں کہ یہ بہترین اور تیز رفتار ترین لانچ ہے۔ ہم آپ کی ضرورت کے مطابق سامان بہم پہنچانے کی پوری کوشش کریں گے۔ آپ کے

پاس جو کشتی ہے اس میں بڑے بڑے پتھر باندھ کر جتنی جلد ممکن ہو ساحل کے قریب غرق کر دیں۔ اگر پولیس کی گشت کرتی ہوئی لانچ نے آپ کی کشتی دیکھ لی تو آپ کے ساتھ ہم بھی مارے جائیں گے۔"

"آپ بے فکر رہیں۔ ہم اپنی کشتی میں نہیں آئے ہیں۔ بلکہ ایک ہمارے دوست نے ہمیں اپنی کشتی میں آپ کے جزیرے کے ساحل پر پہنچایا ہے۔" رندھیر نے کہا۔ "لہٰذا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"یہ تو بہت ہی اچھا ہوا کہ ایک دردسری سے نجات مل گئی۔" اس نے کہا۔ "ساحل سے کچھ فاصلے پر جنگل کے اندر ہم نے آپ جیسے مہمانوں کے لئے ایک خفیہ کیبن بنوا رکھا ہے لہٰذا آپ اس کیبن میں قیام کریں اور ہماری اجازت کے بغیر ہرگز باہر نہ جائیں۔ بہترین خوراک آپ کو فراہم کی جائے گی۔ جب ہم مطمئن ہو جائیں گے کہ آپ کسی خطرے کے بغیر سمندر میں سفر کر سکتے ہیں تو آپ کو رخصت کر دیں گے۔"

"بہت بہتر ہے۔ میں آپ کی ہدایات پر عمل کروں گا۔" یہ کہتے ہوئے رندھیر کھڑا ہو گیا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے کے پاس پہنچ کر اس نے اپنی رائفل شانے پر سے اتاری۔ اس کی لبلبی پر انگلی رکھی اور اپنے لہجے کو جس حد تک خوفناک بنا سکتا تھا اور پھر چہرے پر سفاکی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"آپ حضرات کے پرخلوص تعاون کا بہت شکریہ۔ لیکن ایک بات اچھی طرح سے یاد رکھئے کہ اگر آپ نے ہم سے کوئی فریب کیا یا دھوکا دیا۔ وعدے کی رقم لے کر کشتی ہمارے حوالے نہ کی تو آپ کی جانوں کی کوئی ضمانت نہیں۔ اب بھی صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ بقیہ دو رائفلیں بھی کارتوسوں کی بڑی تعداد سمیت میرے ساتھی کے قبضے میں ہیں۔ یہ کہنا لاحاصل ہو گا کہ اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔ وہ پہلے فوج میں کمانڈو کیپٹن تھا۔ چوں کہ اس کے ہندوستان کرنل کی بیوی سے تعلقات تھے وہ رنگے ہاتھوں دھر لیا گیا تو اسے جیل میں ڈال دیا گیا تھا۔ وہ اکیلا دس آدمیوں سے کہیں بھاری ہے۔ اس بات کا خیال رکھیں۔"

وہ بونا بوڑھے لیڈر کا اشارہ پا کر رندھیر کے آگے آگے چلنے لگا۔ وہ رندھیر کو اس کیبن کا پتا بتانے لے چلا تھا جس میں ان دونوں کو قیام کرنا تھا۔ رات دھیمی رفتار سے کٹ رہی تھی۔ پہلے پہر کا زرد اترے ہوئے چہرے کا چاند۔ سفید سفید بے آب آوارہ بادلوں کے ٹکڑوں میں بار بار منہ چھپانے لگا۔ جزیرے پر ہیبت ناک سناٹا تھا جو رندھیر کو دہلا رہا تھا۔ جیسے یہ صدیوں

سے ویران اور غیر آباد ہو۔ شجر' حجر سب گویا جذام میں مبتلا ہو۔ زمین حد درجہ مرطوب اور دلدلی۔ لیکن وہ بونا رندھیر کے آگے یوں دوڑتا تھا جیسے اسے اس دلدل سے کوئی خطرہ لاحق نہیں۔ اس نے دائیں ہاتھ میں تیل سے جلنے والی قندیل تھام رکھی تھی۔ بایاں ہاتھ غالباً مفلوج تھا یا سوکھا ہوا۔ رندھیر یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ رندھیر نے قیاس کیا کہ بہرحال کچھ نہ کچھ خاص ضرور ہے۔ وہ اس کی شکل غور سے دیکھ نہ سکا تھا اور نہ یہ اندازہ تھا کہ اس کی عمر کتنی ہو گی۔ ایک چھلاوے کی مانند اچھلتا' کودتا' دبکتا' مڑتا' بل کھاتا' جھومتا اور مٹکتا نہ جانے اسے کہاں لیے جا رہا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ رندھیر کی سانس پھول چکی تھی مگر اس پر تھکن کا ذرا سا بھی اثر نہ تھا۔ جب چلتے چلتے ہانپ گیا تو رندھیر نے بونے کو آواز دی۔ "رک جاؤ یار! تم آدمی ہو یا خرگوش۔ بھگوان جانے کہاں لئے جا رہے ہو؟"

وہ ایک دم یوں رکا جیسے چلتی گاڑی کو بریک لگ جائے۔ ایک لمحہ کے لئے تھم کر اس نے رندھیر کی طرف دیکھا۔ پھر دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا۔ "کیا بات ہے سوبھراج صاحب! کیا آپ تھک گئے۔" اس نے اپنی سیٹی آواز میں کہا۔

"ہاں میں بے حد تھک گیا ہوں۔ اس لئے کہ کل ساری رات اور سارا دن سفر میں بیت گیا۔ سونے کے لئے اور آرام کرنے کے لئے ایک لحہ بھی نہیں ملا اور پھر دو گھنٹے سے تم لوگوں نے اپنے چکر میں مجھے پھانس رکھا ہے۔" رندھیر نے تلخی سے کہا۔

"اوہو۔ یہ تو آپ کے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی سوبھراج صاحب!" بونے نے ہمدردی ظاہر کی۔ "مگر آپ دیکھئے نا اور سوچئے نا کہ معاملہ بھی کتنا کٹھن ہے۔ جان بچانے کے لئے آدمی کو بہت کچھ جھیلنا پڑتا ہے۔"

"اچھا اب تم اپنا فلسفہ نہیں بگھارو۔" رندھیر نے بے زاری سے کہا۔ "تھوڑی دیر کے لئے رکو تاکہ میں ستا لوں۔"

یہ کہہ کر رندھیر ایک پتھر کے سہارے بیٹھ گیا۔ بونے نے لالٹین وہیں رکھ دی۔ پھر چند فٹ دور ہٹ کر اکڑوں بیٹھ گیا اور رندھیر کی طرف دیدے گھما گھما کر دیکھنے لگا۔ رندھیر کو اب تک اس کا چہرہ غور سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ کیوں کہ وہ نیم اندھیرے میں اور اس کی نگاہوں میں پوری طرح نہ تھا۔ اب اس نے پہلی بار لالٹین کی قدرے تیز روشنی میں غور سے دیکھا تو اس کے بدن کا ایک ایک رونگٹا کھڑا ہو گیا۔ اوہ بھگوان۔ رندھیر نے دل ہی دل میں کہا۔ یہ تو تو ہی جانتا ہے کہ انسانی شکل و صورت اور جسم کے بھیس میں یہ کون سی بلا ہے جو

میرے ساتھ سفر کر رہی ہے۔ پھر وہ بونے کو اور غور سے دیکھنے لگا۔ اس کی پلکیں اور بھنویں ندارد' آنکھیں بھورے چوہے کی آنکھوں سے ملتی جلتی اور حد درجہ روشن جیسے دو ننھے منے قمقمے روشن ہوں۔ اس نے ان آنکھوں سے چنگاریاں نکلتے دیکھیں۔ ان بھیانک آنکھوں کو دیکھ کر اسے وہ چھپکلی نما جانور یاد آیا جسے اس نے مکیش والے جنگل میں دیکھا تھا۔ اوہ بھگوان! رندھیر نے دل میں کہا۔ ایک موذی رینگنے والے جانور اور ایک انسان کی آنکھوں میں کیا اتنی مشابہت ممکن ہے؟

اس کے چہرے کا رنگ توے کی مانند سیاہ اور کھوپڑی پر بالوں کی سفید سفید گول اور مثلث نما داغ تھا۔ اس کے دونوں کان غائب اور کانوں کے سوراخوں سے باہر رخساروں اور پھر ٹھوڑی کی جانب جھکتی ہوئی جذام کے زخموں کی گہری لکیریں جن پر پیپ اور کھرنڈ جما ہوا' ہونٹ حبشیوں کی مانند موٹے موٹے۔ کناروں کے دو دانت نچلے ہونٹوں کو چھوتے ہوئے نظر آتے۔ ٹھوڑی کے عین درمیان ایک اور گہرا سوراخ جس کے اندر نچلے جبڑے سے سفید سفید دانت جھانک رہے تھے۔ اس کا قد تین فٹ سے زائد نہ تھا۔ ٹانگیں کھچیوں کی مانند سیدھی اور سوکھی ہوئیں۔ پیٹ گول اور توند نکلی ہوئی سی۔ اس کے بدن پر کوئی کپڑا نہ تھا۔ صرف ایک معمولی دھجی سے ستر چھپانے کا تکلف کیا گیا تھا۔ رندھیر کو تعجب اس بات پر تھا کہ جزیرے کی مرطوب اور حد درجہ سرد فضا میں وہ برہنہ جسم کیسے چل پھر رہا تھا۔ اس کا حال یہ تھا کہ سردی بدن میں گھسی جاتی تھی۔

دیر تک اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا اور نہ ہی بونے نے کچھ کہا۔ وہ بار بار گردن گھما کر شمال کی جانب دیکھتا رہا۔ یعنی اس طرف جہاں وہ جا رہے تھے اس کی وجہ رندھیر کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ اسے بونے کی یہ حرکت پراسراری لگی۔

ایک لرزہ خیز مسکراہٹ اس کے کلیجی کے مانند سیاہ اور موٹے موٹے ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔ یہ رندھیر کے اس سوال پر" تمہارا نام کیا ہے؟ اور تم یہاں کب سے ہو؟"

"صاحب جیس! میرا حال کیا پوچھتے ہو۔ بائیس برس ہوئے جب میں نے یہاں قدم رکھا تھا۔ میں بنارس کا رہنے والا ہوں۔ بڑا عرصہ بڑے بڑے شہروں میں گزار چکا ہوں۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہوں۔"

"تمہاری عمر کیا ہے؟"

"آپ خود ہی اندازہ لگائیے۔" بونے نے ہنستے ہوئے کہا۔ "پھر میں بتاؤں گا کہ میری

عمر کیا ہے؟"

رندھیر نے اس کے خدوخال اور بدن کو آنکھوں ہی آنکھوں میں تولا اور کہا۔

"میرے اندازے کے مطابق تمہاری عمر پچاس برس سے کم نہیں۔ چوں کہ تمہارا قد چھوٹا ہے اس لئے تم بظاہر تیس برس سے زیادہ دکھائی نہیں دیتے ہو۔ اگر تم دبلے پتلے' چھریرے بدن کے ہوتے تو سولہ سترہ برس کے لگتے۔"

"آپ نے میری عمر کا بالکل درست اندازہ لگایا ہے۔" بونے نے اعتراف کیا۔ "میری عمر اس وقت پچپن برس کی ہے اور میرا نام رام داس ہے۔ میں نے تیس برس کی عمر میں مجرمانہ زندگی کا آغاز کیا۔ سب سے پہلے ایک تیرہ برس کی لڑکی کو زیادتی کا نشانہ بنایا۔ پھر اس کے ہاتھ شادی شدہ جواں سال عورتوں جو انتہائی حسین تھیں' پھر ایک اسٹیج کی اداکارہ اور اس کی چھوٹی بہن کو۔ وہ دن میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ اس کا نشہ کیف اور سرور آج بھی محسوس کرتا ہوں۔"

"حیرت ہے اتنی عورتیں تمہارے قابو میں کیسے آ گئیں؟" رندھیر نے حیرت سے سوال کیا۔

"اس کے علاوہ میں نے کم و بیش پندرہ آدمی قتل کئے۔ بندوق اور پستول سے نا آشنا۔ میں صرف خنجر پھینکنا اور چاقو چلانا جانتا ہوں۔ اس فن میں میرے مدمقابل دنیا میں آج بھی شاذ و نادر دو ایک ہی ہوں گے۔ جب کوئی لڑکی یا عورت میری بات ماننے سے انکار کرتی تو میرے ہاتھ میں چاقو دیکھ کر کانپ جاتی۔ پھر وہ اپنے آپ کو میرے حوالے کر دیتی تھی۔ میری کسی بات اور خواہش کو رد نہ کرتی تھی۔ یہ دیکھئے۔ میں ہر وقت اپنا ہتھیار اپنے پاس رکھتا ہوں۔"

اس نے اپنی لنگوٹی بے تکلف کھول ڈالی اور چشم زدن میں اس بوسیدہ اور میلے کچیلے کپڑے کے اندر سے چھ انچ لمبے پھل کا نہایت پتلا اور انتہائی تیز دھار خنجر برآمد ہوا۔ رندھیر کی انگلی آپ ہی آپ رائفل کی لبلبی پر جم گئی۔ بونا اس کی حرکت بھانپ کر بولا۔

"گھبرایئے نہیں سوبھراج جی۔ شانتی رکھیں۔ میں آپ کو ہرگز ہرگز ماروں گا نہیں۔ اگر چاہتا تو راستہ ہی میں آپ کا کام تمام صرف ایک پل میں کر دیتا اور آپ اس دنیا میں نہ ہوتے۔ خنجر کی دھار دیکھئے کیسی تیز ہے۔ اس کے کارنامے آپ کو سنا چکا ہوں۔ اس کا اصل کارنامہ ریشم کاٹنا ہے۔ آپ حکم دیں تو اس سے ریشم کاٹ کر دکھاؤں۔ آپ نے سنا ہو گا کہ

لوہے کو لوہا کاٹتا ہے بے شک یہ بات سولہ آنے درست ہے۔ مگر سچ پوچھئے لوہے کو کاٹنا کوئی کمال نہیں ہے۔ ہاں لوہے سے ریشم جیسی نرم چیز کاٹنا کمال ہے اور تب بات بنتی ہے۔ میں اپنے حریف کی گردن یا پیٹ اس صفائی اور تیزی سے کاٹتا ہوں اسے ذرا بھر تکلیف بھی نہیں ہوتی اور نہ ہی اسے کچھ علم ہوتا ہے کہ کیا حادثہ پیش آیا۔ چند لمحے اس کے منہ سے خون کی ایک قے برآمد ہوتی ہے اور دوسرے لمحے وہ لمبا لمبا لیٹ جاتا ہے۔"

"تم مجھے خوف زدہ اور ہراساں کرنے کی کوشش نہ کرو بونے میاں!" رندھیر نے طیش میں آتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے تم نے اس خنجر کے زور پر دس بارہ عورتوں کی عزت لوٹی ہو اور پندرہ بیس مارے ہوں۔ میں نے بھی چوڑیاں نہیں پہن رکھی ہیں۔ لاؤ یہ خنجر میرے حوالے کر دو ورنہ مار مار کر بھرکس نکال دوں گا۔ ادھر لاؤ خنجر۔" رندھیر نے توقف کر کے رائفل کی نالی سے اس کی کھوپڑی کا نشانہ لیا۔ بونا اپنی جگہ بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ البتہ اس کی پتلیاں تیزی سے گردش کر رہی تھیں۔ رندھیر نے اس کے بشرے سے محسوس کیا وہ دل ہی دل میں اس پر وار کرنے کے لئے منصوبہ بنا رہا ہے۔

* * *

رندھیر نے اس شیطان صفت بونے کو مزید غور کرنے کی مہلت دیئے بغیر ڈپٹ کر کہا۔

"خنجر۔ زمین پر گرادو۔ ایک سے پانچ تک گنتی گنوں گا۔ اگر اس دوران تم نے میرے حکم کی تعمیل نہیں کی تو۔؟"

یہ کہہ کر رندھیر نے دانستہ غلط فائر کر دیا۔ گولی بونے کی کھوپڑی سے چند انچ کے فاصلے سے سنسناتی ہوئی نکلی اور سامنے درخت کے تنے میں پیوست ہوگئی۔ بونا خوف اور ڈر سے قلابازی کھا کر پرے جا پڑا۔ خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا۔ رندھیر نے فوراً ہی لپک کر اٹھالیا اور پھر چرمی پٹی میں اڑس لیا۔ پھر اس نے بونے کے پیٹ میں ایک لات رسید کی۔ وہ بلبلا گیا۔ درد اس سے برداشت نہ ہوا تو وہ دل خراش چیخیں مار مار کر زمین پر کسی زخمی پرندے کی مانند لوٹنے لگا۔ رندھیر نے اس پر اکتفا نہیں کیا۔ پھر ایک اور ٹھوکر اس کی پسلی پر لگادی۔

"کتے کے پلے۔ تم۔ تم مجھے یعنی سوبھراج کو جس کے نام سے ہندوستان کی پولیس اور فوج کانپتی ہے، اس ننھے سے خنجر سے دھمکی دیتے ہو۔" رندھیر نے نفرت اور غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔ "ابھی تمہیں یہیں گڑھا کھود کر دفن کر دوں گا۔ تم یہ سمجھ لو کہ میں تمہاری جان لینے آکاش سے آیا ہوں۔"

"اف۔ اف۔ ہائے۔ میں مر گیا۔ میں مر رہا ہوں۔ مجھے مت مار سوبھراج مہاراج۔! میں تو یوں ہی مذاق کر رہا تھا آپ سے۔" بونے نے درد کی شدت سے کراہتے ہوئے فریاد کی۔ "آپ بھگوان کی سوگند لے لو مذاق کر رہا تھا۔"

"میں بھی تم سے مذاق کر رہا تھا۔ اب تمہیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ میرا مذاق کیسا ہوتا ہے۔" رندھیر نے ٹھیک اس کی گردن ناپ کر اسے اوپر اٹھایا۔ اس کا کراہنا بند نہیں ہوا تھا۔

اب بونے کی آنکھوں سے وحشیانہ چمک دمک غائب ہو چکی تھی اور دو ہی ٹھوکروں میں بچہ جی کو تارے اچھی طرح دکھائی دینے لگے تھے۔ رندھیر نے پھر اس کی گردن پر ہاتھ رسید کیا

تو وہ دو قدم دور جا گرا اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کی آواز کتے کے رونے کی سی تھی۔ ایسی منحوس اور بھیانک آواز رندھیر نے کبھی نہیں سنی تھی۔ رندھیر نے ڈانٹ کر اسے چپ کرانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ روتا ہی گیا۔ جوں جوں وہ روتا گیا' رندھیر کے غصے اور طیش میں اضافہ ہوتا گیا۔ اگر وہ رندھیر کے تیور بھانپ کر اٹھ کر چل نہ آیا تو شاید وہ بونے کو جان سے ہی مار دیتا' کیوں کہ آواز اس کے کانوں میں گرم گرم سیسہ بن کر پگھل رہی تھی۔ دماغ کی چولیں ہلا دی تھیں۔ اس کے غصے اور نفرت کی انتہا نہ رہی تھی۔ شدت پیدا ہوتی جا رہی تھی۔

وہ دونوں جیسے تیسے کر کے سمندر کے کنارے پہنچے لیکن وہاں اس کے ساتھی گوتم کا دور دور تک نام ونشان نہ تھا۔ پھر رندھیر نے حلق پھاڑ پھاڑ کر آوازیں دیں' مگر بے سود۔ آواز بازگشت اس خاموشی میں سنائی دیتی رہی۔ بونا ایک طرف سہما اور دبکا ہوا بیٹھا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی جان نکلی جا رہی ہو۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ رندھیر کا ساتھی نہ آیا تو اسے جان سے مار دے گا۔

''کمین کی اولاد۔ تو مجھے غلط راستے پر لے آیا ہے۔؟'' رندھیر نے اس کے پاس جا کر اس کی کھوپڑی پر ایک دھول جمائی' پھر اس نے کرخت لہجے میں کہا کہ یہاں میرا ساتھی موجود نہیں ہے۔ معلوم نہیں وہ یہاں سے کتنے فاصلے پر ہوگا۔ ابھی میں اسے کہاں تلاش۔''

ابھی اس کا جملہ پورا نہیں ہوا تھا کہ ایک چٹان کے عقب سے گوتم نمودار ہوا۔ اسے دیکھ کر نہ صرف رندھیر نے بلکہ بونے نے بھی اطمینان کا سانس لیا۔ بونے کی جان میں جان آئی تھی۔ گوتم نے قریب آ کر کہا۔ ''سوبھراج صاحب! کیسا رہا؟''

رندھیر نے مختصراً الفاظ میں تمام حالات سے آگاہ کیا۔ وہاں ان کے لیے کوڑھیوں نے ایک کشتی کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ پھر کشتی ڈلوانے کا عمل شروع کیا جس کی وجہ سے اس میں خاصا وقت صرف ہو گیا۔ ان کی ضرورت کا سامان پہلے ہی اتار کر ایک طرف ڈھیر کر رکھا تھا۔ کشتی غرق کرتے ہوئے ان دونوں کا دل کچھ گھبرایا۔ کہیں یہ حماقت تو نہیں۔ یہ کشتی واقعی نمبر ون قسم کی تھی۔ رندھیر کو یہ شک تھا کہ جس کشتی کی بات کی گئی ہے اگر وہ دے دیں تو گو ان کوڑھیوں نے جس کشتی کا سودا کیا تھا وہ دیکھی نہیں تھی۔ یہ کشتی بھی بری نہ تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ ایک طرح کی لانچ ہے۔ یہ بھی غنیمت ہے۔ بھاگتے بھوت کی لنگوٹی ہی سہی۔ ان کوڑھیوں کا کیا اعتبار۔؟ اب تو وہ دونوں ایک طرح سے ان کے رحم و کرم پر محتاج ہیں۔

یرغمال سے ہیں۔ تاہم رندھیر کو یہ امید بھی تھی کہ کشتی ساحل کے ساتھ ہی ڈبوئی جا رہی ہے۔ غوطہ لگا کر اسے دوبارہ اوپر لے آنا کچھ مشکل نہ ہوگا۔ دوسری طرف یہ خدشہ بھی ذہن پر سوار تھا کہ یہ کوڑھی ان کی غیر حاضری میں یہ کشتی نکال کر اس کی جگہ کوئی اور کشتی ڈبو دیں۔ وہ کشتی کہیں اور ڈبو کر چھپا دیں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو وہ ان کا کیا بگاڑ سکتے ہیں جو حالات پیش آئیں گے ان کا مقابلہ تو کرنا ہی کرنا ہوگا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

مرتے نہ کیا کرتے۔ ان دونوں نے بونے کے ساتھ مل کر کشتی میں بڑے بڑے پتھر بھرے۔ وہ آہستہ آہستہ پانی کے اندر بیٹھتی چلی گئی۔ چند منٹوں کے بعد اٹھتے ہوئے بلبلوں کے سوا وہاں کچھ نہ تھا۔

پھر وہ دونوں بونے کے ساتھ چلے' جو سامان تھا اس میں سے کچھ رندھیر نے اور کچھ بونے نے اٹھا لیا۔

ان دونوں نے جو کشتی میں پتھر اٹھا کر رکھے تھے اس کے باعث وہ بے حد تھک گئے تھے۔ جنگل کی خنک ہوا نے ان کی تھکن دور کر دی تھی' لیکن پھر بھی قدرے تھکن اور نیند سے بے جان ہو رہے تھے۔ بونے کی حالت بھی پٹائی اور پتھر رکھنے کے باعث خستہ ہو رہی تھی۔ خنکی میں لحظہ بہ لحظہ غیر محسوس انداز سے اضافہ ہو رہا تھا۔

فضا میں اب صبح کے اجالے کی کچھ کچھ گرمی آ رہی تھی۔ مشرقی حصہ دوسرے تاریک حصوں کے برعکس خاصا روشن تھا اور روشنی لحہ بہ لحہ تیز ہو رہی تھی۔ بونا لال ٹین گل کر کے حسب عادت ان کے آگے آگے تیزی سے چلا جا رہا تھا۔ وہ یہ تاثر بھی دے رہا تھا کہ اس نے رندھیر کے مار پیٹ کا کوئی اثر نہیں لیا۔ وہ چند چند لمحوں کے بعد کبھی کبھار رندھیر کو قہر آلود نظروں سے گھورنے لگتا۔ ایک دو مرتبہ اس نے دانت نکال کر بندر کی مانند خوف زدہ ہوئے رندھیر سے درخواست کی کہ وہ اس کا خنجر واپس کر دے۔ آئندہ وہ کسی قسم کی بدتمیزی نہ کرے گا۔ اس کی اس بات کے جواب میں رندھیر نے ایک گھونسا اور دو لاتیں اس کی کمر میں لگائیں اور وہ آواز نکالے بغیر پھر آگے آگے ہو لیا۔ رندھیر اس منحوس کو دوبارہ خنجر دے کر کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا' کیا معلوم وہ سچ ہی کہتا ہو کہ اس نے واقعی خنجر کی نوک پر کئی عورتوں کی آبروریزی اور لوگوں کو قتل کیا ہو۔؟ ظاہر ہے کوئی شخص ایسا مہلک اور زہر آلود خنجر کبھی اپنے قبضے میں نہیں رکھ سکتا جس کے استعمال سے وہ واقف نہ ہو۔

گوتم بھی اس بونے سے نہ معلوم وجوہ کی بنا پر خوف زدہ تھا۔ گوتم نے رندھیر سے سرگوشی

میں انگریزی میں کہا تھا کہ یہ آدمی کے بھیس میں کوئی بھوت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم اس پر کوئی زیادتی کریں اور یہ رات کو آ کر ہمارا گلا دبا دے۔ بھوتوں کا کیا اعتبار۔ گوتم مشقت کی وجہ سے تھکا ہوا تھا۔ اس لیے وہ رک رک کر چل رہا تھا۔ اس لیے رندھیر کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑ رہا تھا۔

اب وہ جزیرے کے اندرونی جنوبی علاقے میں آ گئے تھے۔ یہاں جھاڑ جھنکار اور گھاس پھوس کے قد آدم انبار تھے۔ کہیں کہیں خار دار جھاڑیاں بھی تھیں اونچے اور تناور درختوں کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ زمین نرم اور گیلی تھی۔ جا بجا سانپوں' نیولوں' چوہوں اور نہ جانے کون کون سے الاؤں' بلاؤں کے بل دکھائی دینے لگے۔ جنگلی خرگوش بڑی تعداد میں تھے۔ گیدڑ اور چرخ بھی۔ جوں جوں مشرقی افق سے سورج کی لہریں جنگل کو منور کرتی آگے بڑھتی تھیں' توں توں یہاں کی زندگی انگڑائیاں لیتی بیدار ہو رہی تھی۔ ہزار ہا بندر درختوں کی شاخوں پر جھولتے اور چڑ چڑ کر کے چیختے نظر آنے لگے۔ ان کے چہرے ٹماٹر کی مانند سرخ۔ جسامت خرگوش کے برابر اور خدوخال گلہری سے ملتے جلتے۔ بندروں کی ایسی نسل ان دونوں نے پہلی بار دیکھی تھی۔ ہندوستان میں بھی جو بندروں کی نسلیں تھیں ان میں ایک بھی ایسی نسل نہیں تھی۔ چونکہ یہ علاقہ اور جزیرہ کیرالہ کی حدود میں تھا' شاید اس لیے اس نسل کے بندر صرف یہیں تھے' لیکن ان بندروں نے انہیں تنگ نہیں کیا۔

راہ میں دس بارہ فٹ گہری خشک ندی ملی جس کی تہ میں تین چار عظیم الجثہ کچھوے کلبلا رہے تھے۔

"کیا تم نے کبھی کچھوے کا گوشت کھایا ہے؟" گوتم نے رندھیر سے سوال کیا۔

"نہیں۔" رندھیر نے نفی میں سر ہلایا۔ "گڈ مانا کے علاوہ میں نے سور' بکری' مرغی اور خرگوش کا گوشت کھایا ہے۔ البتہ غلطی سے اس کے انڈے کھائے ہیں' ان میں بڑی بسان تھی۔"

"اس کے گوشت میں بسان بالکل بھی نہیں ہے۔" گوتم کے منہ میں پانی بھر آیا۔ "اس کا گوشت اتنا لذیذ اور ذائقہ دار ہوتا ہے کہ آدمی ایک بار کھا لے تو اس کا ذائقہ اور لذت کبھی نہیں بھولتا ہے۔"

"اس کا گوشت تم نے کب اور کہاں کھایا۔؟" رندھیر بولا۔ "ہمارے ہاں تو اس کا گوشت نہیں ہوتا۔؟"

"جنگلوں میں شکار کے دوران۔" گوتم نے جواب دیا۔ "جب کبھی بھی میں شکاری جماعتوں کے ساتھ گیا اور کچھوا نظر آیا تو شکاریوں نے اس کا شکار کیا۔ پھر وہ اس کا گوشت بھونتے تھے۔ اس لیے کچھوے کو دیکھ کر میرے منہ میں پانی بھر آیا ہے۔"

گوتم نے فوراً ہی اپنا کندھے پر لدا ہوا سامان اتار کر ایک طرف رکھا اور اس نے اپنی رائفل سے پے در پے فائر کیے۔ گولیاں کچھوے کی پشت پر لگیں مگر بے سود۔ اس سخت جان نے ذرہ برابر بھی اثر قبول نہیں کیا۔ صرف اتنا ہوا کہ گہری دلدل کے اندر دھنس گئے۔ اور پھر گردنیں اپنے خول میں چھپالیں۔

"بھگوان کی سوگند۔! میں انہیں ہر قیمت پر ساتھ لے جا کر رہوں گا۔" گوتم نے جیسے سرکاری اعلان کیا۔

پھر اس نے متلاشی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ رندھیر نے اندازہ کر لیا کہ غالباً وہ کوئی بھاری پتھر ڈھونڈ رہا تھا۔ بونا بھی اس کام میں گوتم کے ساتھ شریک ہو گیا تھا۔ کچھ فاصلے پر پتھر بکھرے ہوئے پڑے تھے۔ پھر گوتم اور بونا وہاں سے بھاری بھاری پتھر اٹھا لائے اور نہایت ہی چابک دستی سے کچھوؤں پر پھینک دیئے۔ آدھ آدھ من کے یہ پتھر کچھوؤں کو تہ کر دینے کے لیے کافی تھے۔ جلدی جلدی بونا اور گوتم ندی میں اترے اور گوتم کے پاس جو اس کا اپنا اور رندھیر کا چاقو تھا۔ ان دونوں چاقوؤں سے کچھوؤں کے پارچے کر کے تھیلے میں بھر لیے۔ اس میں بونے کے خنجر نے بھی خاص مدد کی۔ رندھیر نے گوتم سے کہا کہ وہ کچھوے کے گوشت میں سے بونا کو حصہ دے دے۔ بونے نے توقع کے برعکس فوراً ہی خوشی خوشی قبول کر لیا۔

وہ روانہ ہوئے' تھوڑی دیر بعد انہیں جا بجا لکڑی کے بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے کیبن دکھائی دینے لگے۔ بونے نے رندھیر کے پوچھنے پر بتایا کہ کوڑھیوں نے ہی تعمیر کیے ہیں اور یہاں وہ لوگ پناہ لیتے رہے ہیں۔ جنہیں قید کے دوران جیلوں سے وقتاً فوقتاً فرار ہونے کے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ آخر ایک بڑے کیبن کے پاس پہنچ کر ان کا رہبر بونا رکا۔ یہ گھنے درختوں کے اندر اس انداز میں بنایا گیا تھا کہ جب تک کوئی قریب نہ پہنچے اسے اندازہ ہی نہ ہو سکتا تھا کہ یہاں کوئی کیبن بھی موجود ہے۔ بونے نے دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا۔ دروازہ کھلتے ہی گرم ہوا کا ایک بھبکا آیا۔ گوتم بے حد تھک گیا تھا اور کسی مریل کتے کی طرح زبان نکالے ہانپ رہا تھا۔ اب زیادہ دیر تک کھڑے رہنا اس کی ہمت سے باہر تھا۔ اس لیے وہیں لمبی لمبی گھاس پر لیٹ گیا جس پر خشک پتوں کا فرش بچھا تھا۔

کیبن کی جب گرم ہوا خارج ہوگئی تو وہ یکے بعد دیگرے اس کیبن میں داخل ہوئے۔ داخل ہوتے وقت گوتم نے رندھیر پر اپنا یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ لکڑی کے اس کیبن میں ہوگا کیا۔؟ مگر اندر جا کر چودہ طبق روشن ہوگئے۔ لوہے کے چار پانچ نہایت نفیس پلنگ برابر پڑے تھے اور ان پر صاف ستھرے بستر۔ پائنتی کی جانب کمبل تک رکھے ہوئے تھے' بستر اور کمبل نئے تھے اور انہیں ابھی تک استعمال نہ کیا گیا تھا۔ دیوار کے ساتھ ساتھ ایک لمبی میز۔ چار پانچ اسٹول۔ ایک اونچی الماری جس میں ضرورت کے برتن بھرے ہوئے تھے۔ تیل سے جلنے والا ایک چولہا بھی موجود تھا۔ قریب ہی ایک ٹین کے کنستر میں مٹی کا تیل بھرا ہوا تھا۔

'' یار! ہم کوئی سندر سا سپنا تو نہیں دیکھ رہے ہیں۔؟'' گوتم کی آواز رندھیر کے کانوں سے ٹکرائی۔ '' ایسا لگتا ہے کہ ہم میسور کے کسی اچھے اور درمیانے ہوٹل میں آ گئے ہیں اور ہمیں سب سے بہترین کمرا الاٹ کیا گیا ہے۔''

'' معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔'' رندھیر نے جواب دیا۔ '' بہرحال سامان اندر لاؤ' پھر اطمینان سے آرام کرو۔ یہ اہتمام پہلے ہی اس لیے کر دیا گیا کہ ان لوگوں کو یقین تھا کہ ہم اس طرف ضرور آئیں گے۔ بہرحال ان کے تدبر اور دوراندیشی کی داد دینی پڑتی ہے۔''

اتنا کہہ کر رندھیر نے بونے کی طرف دیکھا جس کا چہرہ دن کی روشنی میں رات کی تاریکی سے زیادہ بھیانک اور عجیب الخلقت لگ رہا تھا۔ '' اب تم جا سکتے ہو رام داس!'' رندھیر نے بونے سے کہا۔ '' اپنے سردار کا ہماری طرف سے شکریہ ادا کر دینا۔ تمہارے ساتھ جو سلوک میں نے کیا' اس پر مجھے افسوس ہے' مگر تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا' کیونکہ ہم لوگ ایسی دھمکیاں سننے کے عادی نہیں ہیں۔ اگر تمہارے سردار نے سفارش کی تو میں تمہارا خنجر واپس کرنے کے مسئلے پر غور کروں گا۔''

بونے کے ہونٹ کچھ کہنے کے لیے کھلے لیکن پھر بند ہوگئے۔ اس نے پتلیاں گھما گھما کر باری باری ان دونوں کو دیکھا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

'' ہاں۔ یہ سب بے چارے ہیں اور اس قابل ہیں کہ ان پر رحم کھایا جائے۔'' گوتم نے لقمہ دیا۔ '' جب تک یہ لوگ ہمارے ساتھ خوش اخلاقی' حسن سلوک اور شرافت سے پیش آتے رہیں' ہمیں بھی ان کے ساتھ انسانیت سے پیش آتے رہنا چاہیے۔ کیوں رندھیر! تمہارا کیا خیال ہے۔؟''

'' یقیناً تم ٹھیک کہتے ہو۔ مگر ہمیں نہ صرف بہت محتاط رہنا ہوگا۔ بلکہ پھونک پھونک کر

بھی قدم رکھنا ہوگا۔ کیا تم مکیش کی باتیں بھول گئے۔ اس نے ان کوڑھیوں سے خبردار اور ہوشیار رہنے کی سخت تاکید کی تھی۔'' رندھیر نے کہا۔

'' یار۔! اب یہ موضوع چھوڑو۔ پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں اور اب پیٹ پوجا کا بندوبست کرنا ہوگا۔'' گوتم نے تھیلے میں سے کچھوے کا گوشت نکال کر لکڑی کے فرش پر ڈھیر کرتے ہوئے کہا۔ '' یار! یہاں نمک مرچ مصالے کہاں۔ اس گوشت کا مزا مسالوں سے کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ ویسے بھی اس کے بغیر بھی خوب مزا دے جائے گا۔ اس لیے کہیں سے پانی مل جائے تو ان ٹکڑوں کو ابال کر کھالیں۔ ان کا گوشت قدرے نمکین ہوتا ہے۔''

رندھیر نے ایک خیال کے زیر اثر الماری کھولی' ایک ایک چیز کا جائزہ لیا اور خوشی سے چلا اٹھا۔

'' کمال کر دیا۔ کمال ہوگیا۔'' رندھیر مسرت بھرے لہجے میں چلایا۔

'' کیا کمال کر دیا۔؟'' کیا کمال ہوگیا۔!'' گوتم نے متعجب لہجے میں پوچھا۔

'' نمک' سیاہ مرچ' شکر' چائے کی پتی اور قہوہ سب چیزیں موجود ہیں۔'' رندھیر نے اس کی طرف پلٹ کر جواب دیا۔ '' ایسا لگ رہا ہے ہم کسی فارمز کے کمرے میں پکنک منانے ٹھہرے ہیں' جہاں سیلف سروس ہوتی ہے۔''

رندھیر اس وقت جیسے بچہ بن گیا تھا۔ وہ تالیاں بجا بجا کر اپنی خوشی کا اظہار کرنے لگا تھا۔

رندھیر نے ٹین کا خالی کنستر اٹھایا اور پانی کی تلاش میں نکل گیا۔ گوتم نے اسے زیادہ دور نہ جانے کی ہدایت کی۔ اس نے کہا کہ شاید کیبن کے آس پاس ہی پانی موجود ہو۔ گوتم کا قیاس درست نکلا۔ کوئی دو سو قدم پر پہاڑی چشمہ رواں دواں تھا۔ رندھیر کو کنستر میں پانی بھر کے کیبن پہنچنے میں کوئی بیس پچیس منٹ لگ گئے۔ پانی کس قدر صاف وشفاف آئینے کی مانند تھا' لیکن بھاری تھا۔

'' ویری گڈ۔ پانی مل گیا۔؟'' گوتم نے خوشی کا اظہار کیا '' بڑا صاف پانی ہے۔''

'' ذرا سونگھ کر دیکھو۔ اس میں یہ عجیب قسم کی بو کیسی آ رہی ہے؟'' رندھیر نے کہا۔

گوتم نے دو تین بار سونگھا اور اسے ہاتھ میں لے کر پیا اور پھر بولا۔

'' یقیناً اس پہاڑی کے اندر معدنیات میں سے کسی خاص قسم کا ذخیرہ ہوگا جو چشمے کے پانی میں تحلیل ہو رہا ہے۔ بہتر ہوگا کہ ہم پانی کو اچھی طرح سے ابال کر پی لیں۔''

چنانچہ ان دونوں نے اس شبھ کام میں لمحے کی بھی دیر نہیں کی۔ اسے ابال لیا۔ گوتم کو شکاری جماعتوں کے ساتھ رہ کر کھانا پکانے میں خاصا تجربہ اور مہارت ہو چکی تھی۔ اس نے دیکھتے ہی دیکھتے باورچی کا انتظام سنبھال لیا اور مشاق باورچیوں کی مانند کھانا پکانے کا اہتمام شروع کر دیا پھر وہ بار بار کہتا کہ۔"

"کاش! کوئی ایپرن بھی مل جاتا اور میرے کپڑے داغ دھبوں سے محفوظ ہو جاتے۔"

رندھیر اس کی باتوں سے ہنستا اور زور دار قہقہے لگاتا۔ خوش طبعی سے کہتا" کیا بازار جا کر خرید لاؤں؟"

گوتم نے ایک گھنٹے کے اندر اندر انتہائی لذیذ اور خستہ گوشت تیار کیا۔ رندھیر نے زندگی میں پہلی بار کچھوے کا گوشت کھایا تھا۔ واقعی اس نے کبھی ایسی لذت کسی جانور یا پرندے کے گوشت میں محسوس نہیں کی تھی۔ اس نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔

"یار گوتم۔!" رندھیر نے کہا" کہیں ایسا تو نہیں کہ جل داس اور اس کے ساتھی وادی موت پہنچ چکے ہوں؟"

"وادی موت میں تو نہیں البتہ موت کی گود میں پہنچ کر سدا کی میٹھی نیند سو رہے ہوں گے۔" گوتم نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔" وہ دس پندرہ دن میں تو کیا ساری زندگی میں بھی نہیں پہنچ سکتے ہیں۔"

"تم نے کہا تھا کہ انہیں پندرہ بیس دن لگیں گے؟" رندھیر بولا۔" لیکن اب تم کہہ رہے ہو کہ ساری زندگی نہیں پہنچ سکتے ہیں۔"

"ہاں' پہلے میں نے کہا تھا۔" گوتم نے کہا" رات مجھے اس جماعت کا خیال آیا تو میں نے ان کے بارے میں سوچا۔ انہیں ایسے مقام پر لے گیا تھا جہاں سے نہ صرف وادی موت جانا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ واپسی بھی۔ وہاں راستے میں ایک گاؤں آتا ہے جہاں صرف اژدھے' ناگ اور سانپ اور ناگنیں بستی ہیں۔ وہ ان کی بو سونگھتے ہی انہیں ڈس لیں گے۔"

"ہم وادی موت پہنچنے کی جتنی جلدی کر رہے ہیں' اتنی ہی تاخیر ہوتی جا رہی ہے۔" رندھیر نے تشویش بھرے لہجے میں کہا" جانے کیوں میں ناامید اور مایوس ہوتا جا رہا ہوں۔ ایسا لگ رہا ہے کہ ہم کبھی وہاں پہنچ نہ سکیں گے۔ شاید ہم غلط سمت جا رہے ہیں۔"

"بات اتنی سی ہے کہ میں شارٹ کٹ راستہ جنگلات کی وجہ سے بھول گیا۔ لیکن ہم صحیح سمت جا رہے ہیں۔ مکیش اور ان کوڑھیوں نے بتایا کہ وادی موت یہاں سے بہت دور نہیں

ہے۔ اب تم بے فکر ہو جاؤ۔ دو چار دن میں ہم منزل پر پہنچ جائیں گے۔ دراصل ہم حالات کی زد میں آ گئے۔ اور یہ راستہ اس سے میں واقف نہ تھا لیکن شکر کرو کہ ہم صحیح سمت سفر کر رہے ہیں۔" گوتم نے اسے تسلی دی۔ یوں کہ دونوں شکم سیر ہو چکے تھے۔ اس لیے نیند نے کسی عورت کی طرح انہیں اپنی آغوش میں لے لیا۔

* * *

علی الصبح ہی وہ کسی شور سے گہری نیند سے بیدار ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ کرسی پر ایک خوب صورت' وجیہ اور دراز قد شخص جو دیکھنے میں بڑا نفیس' مہذب اور باوقار سا لگ رہا تھا' کرسی پر براجمان تھا۔ اس کی شخصیت میں کوئی سحر سا تھا جس نے ان دونوں کو لمحے کے لیے مسحور سا کر دیا تھا لیکن وہ وضع قطع اور چہرے مہرے سے بنگالی نژاد دکھائی دیتا تھا۔

رندھیر کو جیسے ہوش آیا۔ اس اجنبی کو دیکھ کر خوف تو نہیں آیا بلکہ بڑی حیرت ہوئی تھی۔ اس نے سوال کیا۔

"آپ کون ہیں۔؟ بغیر اجازت اندر کیوں آئے۔؟ آپ نے دروازے پر دستک کیوں نہیں دی۔؟"

"میں ایک سیاح ہوں۔" اس نے بڑی شائستگی سے جواب دیا۔" میں نے کوئی تین مرتبہ وقفے وقفے سے دستک دی لیکن آپ میں سے کوئی بھی بیدار نہیں ہوا۔ میں نے اپنا شک دور کرنے کی غرض سے دروازے کو اندر کی طرف دھکا دیا تو وہ کھل گیا۔ آپ دونوں کو بے ہوش اور غفلت کی نیند سوتا ہوا دیکھا۔ میں اس کرسی پر بیٹھ کر آپ دونوں کے بیدار ہونے کا انتظار کرتا رہا۔"

"آپ کو اس بات کا کیسے علم ہوا کہ اس کیبن میں ہم دونوں ٹھہرے ہوئے ہیں۔" گوتم نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔" کیا کوڑھیوں نے آپ کو ہمارے بارے میں بتایا تھا۔؟"

"کوڑھیوں نے نہیں بلکہ بو نے۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"بو۔ نے۔؟" رندھیر نے پوچھا" کیسی بو نے۔؟"

"گوشت۔" وہ پھر مسکرا دیا۔" آپ رات کے وقت گوشت جو بھون رہے تھے اس کی بو میرے کیبن میں بھی آئی تھی۔"

"تو آپ ہمارے کیبن میں آ جاتے۔" رندھیر بولا۔" اب بھی کچھ گوشت بچا ہوا ہے۔ ہم آپ کو پیش کر سکتے ہیں۔"

" شکریہ۔" اس نے کہا۔" میں اس وقت گوشت کھانے کے موڈ میں قطعی نہیں ہوں۔"

" آپ سیاح ہیں۔! لیکن کیسے سیاح ہیں۔؟" رندھیر بولا۔

" کیوں۔اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔؟" اس نے کہا۔

" حیرت کی بات ہے۔" رندھیر نے کہا۔" کیوں کہ اس جزیرے پر جو کوڑھیوں کی بستی آباد ہے یہاں پناہ لینے مفرور قیدی اور جرم پیشہ افراد آتے ہیں۔ آپ کس وجہ سے چھپ رہے ہیں؟ شاید آپ بھی مفرور مجرم یا قیدی ہوں؟"

" آپ لوگ ایسا کریں کہ منہ ہاتھ دھو کر اور اس چشمے میں نہا کر تیار ہو لیں جو قریب ہی ہے۔" اس نے کہا" اس چشمے کے پانی میں نہانے سے نہ صرف آپ ترو تازہ ہو جائیں گے بلکہ توانائی بھی محسوس کریں گے۔ میں اتنی دیر میں ناشتا تیار کر کے لاتا ہوں۔ میں نے بھی ابھی تک ناشتا نہیں کیا۔ آپ کے ساتھ ناشتا کرنے میں وقت اچھا گزرے گا۔" ناشتے کے دوران تفصیلی تعارف ہوگا۔ میں آپ کو بتاؤں گا کہ میں کون ہوں۔؟ کیا ہوں۔؟"

اتنا کہہ کر وہ کرسی پر سے اٹھا اور کیبن سے باہر نکل گیا۔

" عجیب سا آدمی ہے جو کوڑھیوں کے جزیرے پر سیاحت کے لیے آیا ہوا ہے۔" گوتم بولا۔

" مجھے تو یہ شخص معقول سا لگا ہے۔" رندھیر نے کہا۔" جب وہ اپنے بارے میں بتائے گا' تب معلوم ہوگا کہ وہ کس لیے یہاں آیا ہے۔"

جب وہ نہا کر تیار ہو کر بیٹھے تھے کہ وہ شخص ایک بڑی ٹرے اٹھائے آیا جس میں بھاپ اڑاتی ہوئی کافی' سینڈوچز اور بسکٹ بھی تھے۔ وہ دونوں سینڈوچز دیکھ کر حیران ہوئے۔ رندھیر سے رہا نہ گیا۔ اس نے پوچھ ہی لیا۔

" یہ ڈبل روٹی آپ کے پاس کہاں سے آئی۔؟ یہ سینڈوچز کس چیز کے ہیں؟"

" تین دن پہلے میں نے کوچین کی بندرگاہ سے مکھن کے ساتھ خریدی تھی۔ موسم خنک اور سرد ہو تو ڈبل روٹی سات آٹھ دن تک خراب نہیں ہوتی۔" اس نے جواب دیا" یہ چکن سینڈوچز ہیں۔ میرے پاس چکن ہنٹر اور بیف ہنٹر بھی ہے۔ بسکٹ بھی رکھتا ہوں۔ کیونکہ میں سیاحت پر ہوتا ہوں اس لیے انہیں ساتھ رکھتا ہوں۔ آپ لوگ نوش فرمائیں۔ آپ کو ناشتا پسند آئے گا۔"

نہ صرف سینڈوچز بلکہ کافی بھی شاندار تھی۔ رندھیر نے درمیان میں کہا۔

" اچھا تو آپ اپنا تعارف کرائیں۔؟ ہم بے چین ہیں آپ کا تعارف معلوم کرنے کے لیے"

" مجھے آپ دونوں کے بارے میں سریش کمار سے کچھ معلوم ہوا۔" اس نے کہا۔" آپ دونوں میں سے مسٹر گوتم کون ہیں؟ مسٹر سوبھراج کون؟"

" میں سوبھراج ہوں اور یہ میرے دوست گوتم۔" رندھیر نے اسے بتایا۔

" لیکن آپ سچ مچ کے سوبھراج نہیں ہیں؟" اس نے کہا۔

" یہ آپ کیسے جانتے ہیں۔؟ یہ بات کس نے بتائی۔؟" رندھیر حیران ہو کر بولا۔

" میں نہ صرف اخبارات میں اس کی تصویریں دیکھ چکا ہوں بلکہ ایک مرتبہ میری اس سے ملاقات بھی ہو چکی ہے۔" وہ بولا" آپ نے سوانگ کیوں رچایا ہوا ہے۔ شاید کوڑھیوں پر رعب ڈالنے کے لیے؟"

" آپ کا قیاس درست ہے۔" رندھیر نے اعتراف کیا۔" اس کے سوا چارہ نہ تھا۔ یہ مجبوری تھی۔"

" بہر حال وہ آپ سے بہت خوف زدہ' ڈرے ہوئے اور سہمے ہوئے ہیں۔" اس نے کہا" آپ لوگوں نے سوبھراج کا سوانگ رچا کر پیروں پر کلہاڑی ماری ہے۔ کیوں کہ سوبھراج کو کیرالا حکومت اور میسور اور دہلی کی حکومت بڑی سرگرمی سے تلاش کر رہی ہے۔ اس کی گرفتاری پر لاکھوں روپے کے انعام کا اعلان بھی کیا ہوا ہے۔ اگر آپ دونوں مفرور مجرم نہیں ہیں تو گرفتاری پر پریشانی اٹھانا پڑے گی۔ تاہم اطمینان رکھیں کہ میں کوڑھیوں کو آپ کے بارے میں کچھ نہ بتاؤں گا۔"

" شکریہ۔ ہم مفرور مجرم نہیں ہیں۔" گوتم نے کہا۔" ہم راستہ بھٹک کر ادھر نکلے ہیں۔"

" سریش کمار نے مجھے یہ بھی بتایا کہ آپ دونوں سونے کے خزانے کے حصول کے لیے خطرناک مہم پر نکلے ہیں۔" وہ بولا۔" موت کی وادی جا رہے ہیں۔؟ کیا یہ بات سچ ہے۔؟"

" جی ہاں۔ سولہ آنے سچ۔" گوتم نے اقرار کے انداز میں گردن ہلائی۔

" یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے۔ لیکن میں آپ لوگوں کو ایک مشورہ دوں گا کہ موت کی وادی نہ جائیں۔" وہ کہنے لگا۔" خزانے کے حصول کے لیے جو بھی موت کی وادی گیا وہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اسے ایک اونس سونا بھی نہیں ملا۔"

" اصل بات یہ ہے کہ میں گائیڈ ہوں۔" گوتم کہنے لگا۔" ایک جماعت نے ہم دونوں

کی خدمات مستعار لی تھیں۔ لیکن ہم ان سے بچھڑ گئے۔ ان کی تلاش میں راستہ بھول کر ادھر نکلے۔ ہم بڑے پرعزم ہیں۔ ہم اپنی منزل پر پہنچ کر ہی دم لیں گے۔"

" بھگوان آپ کی تمنا پوری کرے۔" اس نے کہا۔" میں آپ لوگوں کی کامیابی کے لیے بھگوان سے پراتھنا کروں گا۔"

" کیا آپ ہم لوگوں کے ساتھ چلنا پسند کریں گے۔؟" رندھیر نے رسمی انداز سے کہا۔

" جی نہیں۔ مجھے دولت اور کسی خزانے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔

" مجھے اپنی جان اور زندگی کسی بھی خزانے سے کہیں قیمتی ہے۔ میرے پاس اتنا کچھ ہے کہ میں اپنا بڑھاپا سکون اور اطمینان اور احساس محرومیوں کے بغیر گزار سکوں۔ یہ اپنے اپنے ارمان اور خواب ہوتے ہیں۔ آپ دونوں حضرات میرے اس سوال کا برا نہ مانئیں' میں نہایت مؤدبانہ انداز سے پوچھنے کی جسارت کروں گا کہ آپ خزانہ حاصل کر کے کیا کریں گے جس کے لیے آپ نے اپنی زندگیاں داؤ پر لگا دی ہیں؟"

" میں آپ کو بتاتا ہوں کہ مجھے بے انتہاء دولت کی کس لیے ضرورت ہے۔" گوتم کہنے لگا" میں اس دولت سے زندگی کی ساری خوشیاں اور رنگینیاں خریدنا چاہتا ہوں۔ یہ دنیا بہت حسین ہے۔ شاہانہ زندگی گزارنے کے لیے دولت چاہیے۔ مجھے نہ صرف کار' کوٹھی اور شراب بلکہ شباب بھی۔ شراب کا مزا اور نشہ شباب سے دوبالا ہوتا ہے۔ میری یہ خواہش ہے کہ دنیا کی ہر حسین اور نوجوان لڑکی میری آغوش میں ہو۔ یہ سب کچھ دولت سے ہی ہے۔ اس کے لیے ایک خزانہ چاہیے۔"

" اور آپ۔؟" اس نے رندھیر کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

گوتم کی بات سن کر رندھیر کے دل میں نفرت اور غصے کی لہر اٹھی تھی۔ اس نے سوچا کہ صاف صاف کہہ دے کہ اس ذلیل اور کمینے سے نجات پانے کے لیے جو اس کی بیوی سے کھلونے کی طرح کھیل رہا ہے۔ وہ غریب باپ کی عزت کے لیے مدد اپنا جسم پیش کر کے ادا کر رہی ہے۔ رندھیر یہ بات دل پر لا نہیں سکتا تھا۔ اس نے نفرت اور غصے کی آگ کو سینے میں بجھا لیا پھر وہ بولا۔

" اس لیے کہ میں ایک عام سا آدمی ہوں اور ایک سرکاری دفتر میں کلرک ہوں۔ ایک میری بیوی اور دو بچے ہیں۔ ہماری زندگی میں بڑی احساس محرومیاں ہیں۔ اس لیے انہیں دور کرنے کے لیے میں اپنے دوست کے ساتھ اس مہم پر روانہ ہوا ہوں۔"

" میں اب اپنا تعارف کراتا ہوں۔" وہ کہنے لگا۔" میرا نام تمن بوس ہے۔ میں بنگالی ہوں۔ میری ماں آسامی۔ میرے باپ نے محبت کی شادی کی تھی۔ اس لیے اس نے آسام کے شہر شیلانگ میں شراب کا کاروبار شروع کیا۔ اس کی بہت بڑی دکان تھی۔ مجھے فوج میں شامل ہونے کا مشورہ میرے ایک دوست نے دیا تو میں تعلیم سے فراغت پا کر میں نے فوج میں ملازمت کر لی لیکن مجھے بعض طبی وجوہ کی بناء پر نکال دیا گیا۔ اس وقت میرے پتا جی سورگ باش ہو گئے اور پھر میری ماں بھی ان کی موت کا صدمہ سہہ نہ سکی۔ کوئی تین ماہ بھی وہ سنسار سے روٹھ گئی' مجھے روتا دھوتا اور اتنے بڑے جگ میں تنہا چھوڑ گئی۔ پھر میں نے اپنے پتا جی کی شراب کی دکان سنبھال لی۔ میں اپنی اس کہانی کو بڑھانے سے پہلے ایک ایسی بات کا انکشاف کرنا چاہتا ہوں جس کا میں نے آج تک کسی کے سامنے نہیں کیا۔ میں صرف آپ لوگوں کے سامنے کر رہا ہوں۔ اس لیے کہ ہم مسافر ہیں۔ کل آپ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ میری جو کوئی منزل نہیں ہے میں نکل کھڑا ہوں گا۔ یوں سمجھیں کہ موت کے سفر پر۔"

" کس بات کا انکشاف۔؟" رندھیر نے چونک کر اس کی بات کاٹی۔" موت کا سفر۔ میں سمجھا نہیں۔"

" انکشاف کیا بلکہ اعتراف۔ میں ایک قاتل ہوں۔ مجرم ہوں۔ کس کا قاتل۔؟ اپنی بیوی کی عزت لوٹنے والے درندے کو میں نے یہ قتل ایک طرح سے انسانیت اور اپنی بیوی کی بہتری کے لیے کیا۔ دیکھا جائے تو یہ جرم نہیں ہے۔ لیکن قانون کی نظر میں جرم ہے۔ کیوں کہ یہ انسان کا بنایا ہوا قانون ہے۔ اس قتل پر میرے ضمیر نے مجھے کبھی ملامت نہیں کی۔ میری بیوی بہت خوش ہوئی تھی۔ اس کے نزدیک میرا یہ فعل جرم نہیں تھا۔ وہ اس قتل کی واردات کی عینی گواہ تھی۔ قانون کو اس ذلیل شخص کے قتل کا سراغ نہ مل سکا۔ میری بیوی کچھ دنوں بعد داغ مفارقت دے گئی۔ اس نے اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں بتایا تھا کہ وہ درندہ کس طرح اس کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر کھیلتا رہا۔ ہوتا یہ تھا کہ وہ میری غیر موجودگی میں آتا۔ ایک طرح سے بلیک میل کر رہا تھا۔ میرے گھر کے عقب میں تالاب میں نہا رہی تھی کہ ایک بدمعاش نے اسے آ کر دبوچ لیا۔ پھر اس ذلیل شخص نے اس کی ایسی تصویریں اتار لیں کہ وہ اس کی ہر بات ماننے پر مجبور ہو گئی۔ اس نے مجھے کبھی نہیں بتایا کہ وہ درندہ صفت کس طرح فائدہ اٹھا رہا ہے۔"

"آپ کو کس طرح اور کب اور کیسے پتا چلا کہ وہ اس ذلیل اور کمینے کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہی ہے۔" رندھیر نے سوال کیا۔ اس نے گوتم کی طرف دیکھا جو اس سے نظریں چرا رہا تھا۔ اس لمحہ اس نے سوچا کہ اس کی اور متن بوس کی کہانی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ اس کی بیوی باپ کے قرض کا سود ادا کر رہی ہے۔ متن بوس کی بیوی بلیک میل ہو رہی تھی۔

"میں ایک روز شراب کا کریٹ لیے گھر آیا۔ میں کبھی نہیں آتا ہوں دکان داری چھوڑ کر۔ اس کے علاوہ ایک کام اور بھی تھا۔ یہ دوپہر کا وقت تھا۔ وہ دونوں بستر میں تھے۔ میری بیوی اس سے التجا کر رہی تھی کہ بھگوان کے لیے مجھ پر دیا کرو۔ وہ تصویریں مجھے دے دو۔ مجھے داشتہ بنا کر رکھ دیا ہے تم نے۔ میرا شوہر مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔ وہ بہت شریف آدمی ہے۔ تم نے تین ماہ سے مجھے کٹھ پتلی بنا رکھا ہے۔ وہ ذلیل میری بیوی کی بات سن کر بڑے زور سے ہنسا۔ میں کسی قیمت پر تمہیں تصویریں نہیں دوں گا۔ تم جیسی سندر عورت پورے اس علاقے میں نہیں ہے۔ میری بیوی نے اس سے کہا کہ تمہیں بھگوان کی سوگند۔ اگر تم نے تصویریں نہیں دی تو میں زہر کھا کر مر جاؤں گی۔ وہ بڑے زور کا قہقہہ لگا کر ہنسا۔ پھر اس نے کہا کہ تم اتنی پوتر ہوتی تو پہلے دن ہی مرجاتی جب میں نے تمہاری عزت پامال کی۔ تم نخرے کرتی ہو۔ مجھے پسند کرتی ہو۔ اس لیے مجھ جیسا مرد تیری زندگی میں نہیں آیا۔

میرے جی میں آیا کہ گھر میں جو کدال رکھی ہوئی ہے اسے اٹھا کر اس درندے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں۔ پھر خیال آیا کہ اس طرح میری بیوی دنیا میں تنہا رہ جائے گی۔ یہ ذلیل بہت بڑا کمینہ اور بدمعاش بھی تھا۔ میں چاہتا تھا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ اس کے تیسرے دن رات کے وقت میں نے دیکھا کہ وہ پنڈت جی کی لڑکی کو لے کر پہاڑی کی طرف جا رہا ہے۔ یہ درندہ اپنے گھر میں اکیلا رہتا تھا۔ میں فوراً اس کے گھر گیا۔ وہاں اس کی بندوق رکھی تھی۔ وہ شکاری تھا۔ اکثر شکار کھیلنے جاتا تھا۔ وہ اکیلا ہی رہتا تھا۔ میں اس کی بندوق اٹھا کر گھر آیا اور بیوی سے کہا کہ چپ چاپ میرے ساتھ چلو۔ میرے ہاتھ میں وہ بندوق دیکھ کر خوف زدہ اور پریشان ہوگئی تھی۔ وہ یہ سمجھی کہ مجھے سب کچھ پتا چل گیا ہے۔ وہ موت سے خائف نہیں تھی۔ اس بات سے کہ میرے علم میں سب کچھ آ گیا ہے۔ یہ بات اس نے مجھے بھی بتائی تھی۔ میں اسے لے کر پہاڑی پر پہنچا' چاندنی رات تھی۔ میں نے چھپ کر دیکھا۔ پنڈت جی کی لڑکی اس کے آگے ہاتھ جوڑ رہی تھی۔ منت سماجت کر رہی تھی۔ گڑگڑا

رہی تھی۔ اس سے رو رو کر کہہ رہی تھی تم نے میری ماں اور دیدی کی عزت تباہ کی۔ اب میری عزت تباہ کرنے کی کوشش نہ کرو۔ میری شادی ہونے والی ہے۔ اس نے اس معصوم لڑکی کی بات سن کر کہا کہ۔ ہم دونوں ابھی شادی کر لیتے ہیں۔ آج کی رات ہماری پہلی سہاگ رات ہوگی۔ وہ یہ کہہ رہا تھا کہ وہ لڑکی کسی نہ کسی طرح اس کی گرفت سے نکل کر بھاگی۔ وہ جو اس لڑکی کو دبوچنے کے لیے بڑھا تو کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گرا۔ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر لڑکی عزت بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہوگئی۔ اس سے پہلے کہ وہ ذلیل سنبھلتا' میں اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ میں نے اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے لیا۔

وہ ہم دونوں کو ایک ساتھ اور میرے ہاتھ میں بندوق دیکھ کر ایک دم سے بھونچکا ہوگیا۔

"تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو۔؟" اس نے فوراً ہی خود پر قابو پا کر کہا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ وہ اپنے کپڑے اٹھانے بڑھا۔

"تم رک جاؤ۔ خبردار۔ جو ایک قدم بھی آگے بڑھایا۔ میں تمہیں جہنم رسید کرنے آیا ہوں۔"

"وہ کس لیے۔؟" وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔

"اس لیے کہ تم میری بیوی کو کھلونا بنا کر بلیک میل کرتے رہے ہو۔" میں نے کرخت لہجے میں کہا۔

"نہیں۔ نہیں۔ یہ بات غلط ہے۔ میں نے کبھی تمہاری بیوی کو کبھی میلا نہیں کیا۔ ہاتھ نہیں لگایا' تم جھوٹ بول رہے ہو؟"

"میں تین دن پہلے اپنی آنکھوں سے تم دونوں کو غلاظت کی دلدل میں دیکھ چکا ہوں۔ مجھے سب کچھ پتا چل گیا ہے۔"

جب میں نے اس کی طرف مشت باندھی تو میری بیوی نے مجھ سے کہا" بندوق مجھے دے دو۔ اس بھیڑیئے نے میری بار ہا عزت تباہ کی۔ میں اسے اپنے ہاتھوں سے مارنا چاہتی ہوں۔ اس نے میری کوئی بات نہیں مانی۔ مجھ پر رحم نہیں کھایا۔ گدھ بنا رہا۔ میں اس سے انتقام لینا چاہتی ہوں۔ میرے سینے میں جو نفرت اور انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے۔ میں اسے بجھانا چاہتی ہوں۔ یہ میرا مجرم ہے۔"

"یہ میرا بھی مجرم ہے۔ پنڈت جی کی بیوی۔ ان کی بڑی بیٹی کی عزت پامال کی۔ ان کی چھوٹی بیٹی کو تم یہاں لائے لیکن وہ بھاگ نکلی۔ میں اس کی لاش کو خون میں نہلا دینا چاہتا

ہوں۔تم ایک طرف ہٹ جاؤ۔"

اس نے بندوق چھیننے کے لیے مجھ پر ایک جست لگائی تو میں نے لات اس کے جسم کے سب سے نازک حصے پر رسید کی۔ وہ اچھل کر زمین پر گرا اور بری طرح بلبلایا۔ درد کی شدت سے کسی زخمی پرندہ کی طرح تڑپنے لگا۔ پھر میں نے اس کے سینے پر دل کی جگہ کا نشانہ لیا۔ بندوق نے ایک شعلہ اگلا۔ میں دوسرا فائر کرتے کرتے رک گیا' کیونکہ اس کی گونج آبادی میں سنائی دیتی۔ زخم سے خون بہنے لگا۔ پھر میں نے بندوق کے بٹ سے نہ صرف اس کا سر پھاڑ دیا بلکہ سارے جسم کی ہڈیاں توڑ ڈالیں۔ پھر جب وہ مر گیا تو میں نے بندوق پر سے اپنے ہاتھ کے نشانات صاف کیے۔ پھر بیوی کو اس کے گھر لے گیا تاکہ تصویریں نکال لی جائیں۔ پھر تصویریں تلاش کیں۔ ایک لفافہ میں نہ صرف میری بلکہ پنڈت جی کی پتنی اور بڑی بیٹی کے علاوہ کچھ اور لڑکیوں اور عورتوں کی بے حجابی کی حالت کی تصویریں بھی تھیں۔ گھر آ کر ہم نے ان تمام تصویروں کو نذرِ آتش کر دیا۔

اب بدمعاش کا قتل ایک معمہ بن گیا۔ میں ان سب کا ایک نادیدہ مسیحا بن گیا تھا۔ میری بیوی جتنا روئی اتنا خوش بھی ہوئی تھی۔ ادھر متن بوس اپنی کہانی سنا رہا تھا۔ ادھر رندھیر سوچ رہا تھا کہ۔ کاش! وہ بھی اس ناگ کا سر اسی طرح کچل دے جس طرح متن بوس نے کچلا۔ اس نے سوچا کہ اسے انتظار کرنا ہوگا۔ اسے اس کا موقع ضرور ملے گا۔

ادھر گوتم کی حالت اندر سے بہت خراب تھی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ یہ اس کی کہانی ہے۔ وہ رندھیر کی بیوی کی مجبوری سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ رندھیر کو شاید اس بات کی خبر نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ رندھیر کی بیوی نے اپنے شوہر کو بتایا نہیں ہوگا کہ وہ کس طرح اس سے سود وصول کر رہا ہے۔ گوتم نے فوراً ہی موضوع بدلا' کیونکہ اس آئینے میں اسے اپنا چہرہ گھناؤنا نظر آ رہا تھا۔

"آپ نے یہ کہا کہ میرا سفر" موت کا سفر" ہے لیکن یہ بات سمجھ سے باہر ہے۔ آپ تو سیاحت کر رہے ہیں؟"

"سیاحت بھی ایک طرح سے موت کا سفر ہے۔" متن بوس نے جواب دیا۔" اس میں تفریح بھی ہے تو موت کا سامان بھی۔"

"کیا آپ کو سیر و سیاحت کا جنون ہے۔؟" رندھیر نے پوچھا۔

"جنون۔؟ سیر و سیاحت کا جنون نہیں بلکہ ایک مفرور مجرم کی تلاش نے مجھے

سیر و سیاحت پر مجبور کر دیا۔" اس نے جواب دیا۔

"مفرور مجرم۔؟" رندھیر نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔" کیا آپ کا تعلق خفیہ پولیس سے ہے؟"

"اس مفرور مجرم نے اپنی ماں کے قاتل کو قتل کر دیا۔" متن بوس نے کہا" مجھے اس کی تلاش ہے۔ اس لیے کہ قتل اس نے کیا' الزام مجھ پر آ گیا۔ میں اسے گرفتار کر کے قانون کے حوالے کرنا چاہتا ہوں۔"

"اس نے قتل ایک قاتل کو کیا۔؟ اس کی ماں کو کیوں اور کس لیے قتل کیا گیا؟"

"میں آپ کو جب تک پوری کہانی نہ سناؤں' اس وقت تک آپ کچھ سمجھ نہیں سکتے۔" وہ بولا" ہمہ تن گوش ہو جائیے' اس کہانی کا آغاز میری بیوی کی موت کے بعد ہوتا ہے۔ میں نے شراب خانہ فروخت کر دیا اور ایک فرم میں ملازمت کر لی۔"

"میری اپنے نئے ہمسائے کیراسس سے بھی دور ہی کی صاحب سلامت تھی' نہ جانے کیوں میری طبیعت اس سے راہ و رسم بڑھانے اور دوستی کرنے کی نہ ہوتی تھی۔ میں اس سے دور ہی رہنا چاہتا تھا۔ صبح ناشتے سے فراغت پانے کے بعد جب میں ملازمت پر جانے کے لیے نکلتا تو وہ بلاناغہ لان میں کرسی ڈالے دھوپ سے لطف اندوز ہو رہا ہوتا تھا۔ اس کے پاس تپائی پر اخبارات رکھے ہوتے تھے۔ وہ اخبار بینی کا عادی تھا۔ جب میں گھر سے نکلتا تھا تو وہ مجھے قدرے دور سے ہی دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر گیٹ پر آتا تو مجھے رسماً رکنا پڑتا تھا۔ چند رسمی جملوں کا تبادلہ ہوتا۔ اس نے کئی مرتبہ اپنے پاس بیٹھنے اور سہ پہر کی چائے پینے کی دعوت دی لیکن بات کبھی اس سے آگے نہ بڑھی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ ان اطراف میں حال ہی میں آ کر آباد ہوا تھا اور اس کی شخصیت ہم سب کے لیے نہ صرف پراسرار بلکہ سنسنی خیز اور ایک معمہ سی بنی ہوئی تھی۔ ایک اور بات بھی اس کے متعلق تھی کہ یہ عیاش طبع ہے۔ اس بستی کے قریب ایک آبادی پس ماندہ اور محنت کش لوگوں کی تھی۔ آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان' بنگال اور آسام غربت و افلاس کا دیو غریبوں کو نگلتا رہتا ہے۔ فاقہ' بھوک اور بے روزگاری اور احساس محرومیوں کا عفریت ڈستا رہتا ہے۔ غریب لوگ یا تو چوری کرتے ہیں یا پھر اپنی عورتوں کو جسم فروشی کی راہ پر چلاتے ہیں۔ اس بستی میں لڑکیوں اور عورتوں کی اکثریت تھی' مرد بہت کم تھے۔ وہ بھیک مانگ اور پیشہ کر کے یا محنت مزدوری کر کے گزر اوقات کرتی تھیں۔ مرد بڑے نکمے' کاہل اور کام چور بلکہ حرام خور تھے۔ وہ اپنی عورتوں کی آمدنی کھاتے۔ انہیں اس بات سے

کوئی غرض نہ تھی کہ عورتیں اور نوجوان لڑکیاں کیا کرتی ہیں۔ انہیں صرف اور صرف پیسوں سے غرض ہوتی تھی۔ وہ یہ آمدنی شراب اور جوئے کی نذر کر دیتے۔ اس بستی سے بہت سارے عیاش طبع بارہ برس سے لے کر تیس چالیس برس کی عورتوں کو شب بسری کے لیے کوڑیوں کے مول لے جاتے تھے۔ یہ بستی صرف مخصوص نہ تھی تن فروشی کے لیے۔ پورے آسام میں اس غلاظت کا دلدل تھا۔ خیال یہ تھا بلکہ افواہیں تھیں کہ میرا ہمسایہ ہر رات کو تیس سے چالیس برس کی دو دو عورتوں سے دل بہلاتا ہے۔ چالیس برس کی عمر کی عورتوں کی طلب اس لیے عمر والے مردوں کو ہوتی ہے کہ ان عورتوں میں جو گداز اور مردوں کو خوش کرنے کا فن ہوتا ہے وہ نوجوان اور نوخیز عمر کی لڑکیوں میں نہیں ہوتا ہے۔ بعد میں ملازمین نے اس بات کو لغو اور بے ہودہ بتایا' کہا کہ ان کا مالک شباب سے نہیں صرف شراب سے صرف ایک مخصوص وقت دل بہلاتا ہے۔ اس کی کردار کشی وہ لوگ کرتے ہیں جو اس سے بلاوجہ حسد و جلن رکھتے ہیں۔ ملازموں سے بہتر یہ بات کون جانتا اور بتا سکتا ہے؟''

''ایک اور بات جو ناقابل فہم اور پراسراری تھی کہ اس نے رہائش کے لیے اتنی بڑی حویلی اور خدمت کے لیے محدود سے چند ملازمین۔ یہ اس کی دنیا تھی۔ ہم سب یہ سوچتے کہ وہ آسام میں آ کر کیوں اور کس لیے آباد ہوا ہے۔ گو کہ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ آسام بہت خوبصورت ملک ہے۔ یہاں کی عورتیں' بلیاں' موسم اور سرسبز و شادابیاں اور قدرتی حسین نظارے۔ لیکن یہ پس ماندہ ہے۔ یہاں وہ حسن اور رنگینیاں نہیں ہیں جو بڑے ملکوں کے شہروں میں ہوتی ہیں' یہ بات مشتبہ تھی۔ اس اسٹیٹ ایجنٹ جس نے اسے یہ حویلی کوڑیوں کے مول دلائی اور پھر پولیس نے بھی اپنا شک دور کرنے کی غرض سے اس کے متعلق خوب چھان بین کر لی تھی۔ بقول پولیس کے کہ وہ انگلستان سے آیا ہے' وہ وہاں نو آبادکار کی حیثیت رکھتا تھا۔''

''آخر ایک ایسا دن بھی آ گیا کہ میں جیکسن کے ہمراہ کیراسس کے اس عظیم الشان محل نما حویلی میں داخل ہوا۔ یہ حویلی تیس برس سے ویران اور سنسان پڑی تھی۔ اس کا کوئی خریدار نہ آتا تھا۔ کیراسس نے اس حویلی کو کوڑیوں کے مول خرید کر اس کا رنگ و روغن کرایا اور اس کو آرائش و زیبائش کی تو وہ ایک محل کی طرح دکھائی دیتی تھی۔ اب میں جیکسن کے بارے میں بتا دوں۔ جیکسن مغربی امریکہ میں ایک انجینئر تھا۔ میری فرم جو ہندوستان' بنگال اور آسام میں ملٹی نیشنل کمپنی سے بھی بڑھ کر تھی' وہاں ایک کان کی خریداری میں دلچسپی رکھتی تھی۔ لیکن سودا اور دوسرے دیگر معاملات طے ہونے سے پہلے یہ مناسب خیال کیا کہ کسی تجربہ کار انجینئر کی رائے

حاصل کی جائے۔ اس مقصد کے لیے ہم نے جیکسن کو چنا تھا۔ سونے' چاندی اور دیگر کانوں کے متعلق اس کی رائے ایک مستند درجہ رکھتی تھی۔ اس سلسلے میں وہ ایک تفصیلی اور جامع رپورٹ لے کر ہمارے پاس آیا ہوا تھا۔ اس کی یہ رپورٹ فرم کے ڈائریکٹروں کے سامنے پیش کر دی گئی تھی اور کسی قطعی فیصلے تک کے لیے جیکسن کی میزبانی کے فرائض مجھے سونپے گئے تھے۔''

ہفتے کی ایک شام جب ہم دونوں کے پاس باتوں کا ذخیرہ ختم ہو گیا تو مجھے اپنے ہمسائے کیراسس کا خیال آیا جو کئی بار اپنے ہاں آنے پر اصرار کیا کرتا اور دعوت دے چکا تھا۔ چوں کہ میری ہفتے کی شام خالی تھی اس لیے میں نے اپنے مہمان جیکسن سے پوچھا۔

''آج کی شام کسی ہوٹل کی نذر کی جائے یا کسی ہندوستانی فلم سے دل بہلایا جائے؟''

''ہوٹل میں چائے پینے اور ہندوستانی فلم دیکھنے سے بہتر ہے کہ ہم پہاڑیوں کی طرف کیوں نہ چہل قدمی کر لیں۔'' جیکسن نے جواب دیا۔

''وقت گزاری کے لیے میرے ذہن میں ایک اور خیال آ رہا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میرے پڑوسی جو شاندار حویلی کے مالک ہیں وہ مجھے کئی مرتبہ سہ پہر کی چائے پر مدعو کر چکے ہیں۔ کیا خیال ہے' آج کی شام کیوں نہ حویلی میں گزاری جائے۔''

''میرے خیال میں بھی یہ زیادہ بہتر ہوگا۔'' جیکسن نے کہا ''اس طرح ہمیں اس حویلی کے اسرار سے بھی آگاہی ہو جائے گی۔''

ہم دونوں نے لباس تبدیل کیا۔ پھر میں اپنے مہمان کو لے کر حویلی پہنچا۔

صدر دروازے پر اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبانے پر دروازہ کھولنے کے لیے کیراسس کا خود آنا ہمارے لیے تعجب خیز تھا لیکن دوسری طرف اس نے ہمیں ایک طرح سے عزت بخشی تھی۔ اس نے نہ صرف خندہ پیشانی سے ہمارا استقبال کیا بلکہ نہایت گرم جوشی سے ہم دونوں سے مصافحہ بھی کیا۔ پھر وہ ہمیں اندر لے گیا۔ میں حیران تھا کہ اتنی وسیع و عریض عظیم الشان عمارت میں ایک بھی خادم موجود نہ تھا۔ لیکن بھلا مجھے اس سے کیا سروکار ہو سکتا تھا۔ ہم دونوں دیوان خاص میں آ کر کرسیوں پر براجمان ہو کر خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے۔

کھلی ہوئی کھڑکیوں کی راہ سے ڈھلتے ہوئے سورج کی کرنیں ماحول کو عجیب رومان پرور بنا رہی تھیں۔ پائیں باغ میں کھلے ہوئے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو شام جان معطر کر رہی تھی۔ شہر کی مشینی اور گہما گہمی کی عادی زندگی گزارنے کے بعد جب ایسا ماحول میسر آتا ہے تو دل پر ایک عجیب سرور کی سی کیفیت اور سحر سا طاری ہو جاتا ہے۔

مجھے اپنے حلقہ احباب سے یہ تو معلوم ہو ہی چکا تھا کہ کیراسس کا یہ تمام جاہ وحشم اور سرمایہ داری ماضی کی کان کنی کی مرہون منت ہے۔ لیکن یہ زندگی اس نے کہاں اور کیوں کر بسر کی تھی یہ باتیں کسی کو بھی معلوم نہ تھیں۔ یہ ایک طرح سے سربستہ راز تھیں۔ اس کے پاس اس قدر سرمایہ تھا کہ وہ اپنی بقیہ زندگی پرتعیش گزار سکتا تھا۔

کیراسس۔ جیکسن سے بہت جلد گھل مل گیا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ بچپن کے گہرے دوست ہوں۔ وہ دونوں جنوبی امریکہ اور افریقہ کی مشہور کانوں پر سیر حاصل تبصرہ کر رہے تھے۔ گویا برسوں کانوں کی فنی زندگی سے منسلک رہے ہوں۔ اس کے ساتھ مشروب کا دور بھی چل رہا تھا۔ جیکسن کی دانش مندی کہیے یا پیشہ ورانہ رازداری کہ اس نے کیراسس پر کسی طرح بھی یہ ظاہر ہونے نہ دیا کہ وہ جنوبی امریکہ سے ایک کان کے متعلق ایک رپورٹ لے کر آیا ہوا ہے۔

اس کے بعد یکا یک ایسا ناخوشگوار واقعہ پیش آیا کہ پرسکون ماحول کا دھارا ہی موڑ دیا۔ یہ مسکراتا ہوا ماحول کچھ بوجھل سا ہو گیا۔ فضا میں بدمزگی گھل گئی۔ لیکن اس میں ہم تینوں کا کوئی دخل عمل نہ تھا۔

اس سارے فساد کی جڑ درحقیقت ایک چمگادڑ تھی۔

آپ کو یہ تو معلوم ہی ہے کہ سورج غروب ہونے کے بعد چمگادڑیں اپنے مسکن سے باہر نکلتی ہیں اور ادھر ادھر اڑتے ہوئے کیڑے مکوڑوں کو شکار کر کے اپنا پیٹ بھرتی ہیں۔ اگر کھڑکیاں کھلی ہوں تو اس قدر چپکے اور غیر محسوس انداز سے گھس آتی ہیں کہ کسی کو پتا بھی نہیں چلتا۔ ایک کونے سے دوسرے کونے تک اڑتی رہیں گی۔ آپ احمقوں کی مانند اخبار لے کر بظاہر نظر انداز کرنے کی کوشش کریں جب تک ان کی مرضی نہ ہو گی وہ ہرگز ہرگز باہر نہیں نکلیں گی۔ اگرچہ یہ ایک بدصورت اور مکروہ پرندہ ہے۔ پھر بھی انسان کو ان کی غیر موجودگی سے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہوتا۔ کم ازکم انگلستان کی چمگادڑیں تو خون آشام نہیں ہوتیں۔

لیکن اس شام کمرے میں ایک چمگادڑ کو دیکھ کر ہمارے میزبان کیراسس کے چہرے پر خوف اور وحشت نمودار ہوئی' اس سے ایسا لگا جیسے شاید چمگادڑ خون آشام ہو۔ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر میں بھی خوف زدہ سا ہو گیا تھا۔

''اسے باہر نکالو۔'' ایک دم کیراسس بڑے زور سے ہذیانی انداز سے چیخ اٹھا تھا۔ ''اس چمگادڑ کو باہر نکالو۔ اسے کسی قیمت پر اندر رہنے مت دو۔ ورنہ۔؟''

اس کے ساتھ ہی اس نے صوفے میں اپنا چہرہ چھپا لیا جیسے وہ فرشتہ اجل ہو۔

میں کیراسس کے پاس گیا اور اسے دلاسا دیا۔ ''چمگادڑ ایک بے ضرر سا پرندہ ہے اور وہ کسی انسان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔'' یہ کہتے ہوئے'' میں نے کمرے کی بتی گل کر دی' ایک دو بار ہمیں اپنے سروں پر چمگادڑ کی پھڑ پھڑاہٹ محسوس ہوئی۔ پھر وہ کمرے سے باہر جاتی دکھائی دی۔''

میں نے دوبارہ روشنی کر دی اور کیراسس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے بدستور وحشت زدہ لہجے میں پوچھا'' کیا وہ چلی گئی۔؟'' کیراسس شاید چمگادڑ کا نام لیتے ہوئے بھی گھبراتا تھا' ڈرتا تھا۔

''جی ہاں۔ وہ چلی گئی۔ کمرے میں اب ہمارے سوا کوئی دوسری چیز موجود نہیں ہے۔'' میں نے اسے یقین دلاتے ہوئے جواب دیا۔

''لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے آپ نے کسی شیطان یا بدروح کو دیکھ لیا ہو؟''

''یقیناً۔ میرے ساتھ معاملہ ہی کچھ ایسا ہے۔'' کیراسس نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا۔

اب وہ کمرے میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ گویا خود اپنی تسلی کرنا چاہتا ہو۔ اس کی آنکھیں حلقوں سے باہر نکلی پڑی تھیں۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو میں اس کی یہ حالت دیکھ کر قہقہہ مار کر ہنس پڑتا۔ لیکن اس وقت صورت ہی کچھ اور تھی۔

''کھڑکیاں بند کر دو۔'' کیراسس نے آفت زدہ لہجے میں کہا۔

لیکن وہاں کوئی ملازم موجود نہ تھا جو اس کا حکم بجا لاتا۔ لہٰذا یہ خدمت مجھے ہی انجام دینا پڑی۔

اپنے منتشر اعصاب پر قابو پانے کے لیے اس نے وہسکی اور سوڈے سے ایک تلخ مشروب تیار کیا اور ایک ہی سانس میں حلق سے اتار گیا۔

ایسے سہانے موسم میں اس قدر تلخ مشروب کا استعمال میرے نزدیک کیا ہر کسی کے لیے ایک گناہ سے کم نہ تھا۔ لیکن یہ کیراسس کا گھر تھا۔ بھلا میں اعتراض کرنے والا کون تھا۔؟ چند لمحوں کے بعد جب کیراسس کے ہوش وحواس بجا ہوئے' اپنے وحشت زدہ رویے کے لیے وہ ہم سے معافی کا خواستگار ہوا اور پھر بات چیت کا دوسرا دور شروع ہوا۔

لیکن یہ شاید اس ماحول کا اثر تھا کہ گفتگو جادو ٹونے اور مافوق الفطرت موضوع پر چل

نکلی جو سنسنی خیز اور دلچسپ تھی۔

جیکسن نے چند ایسی پراسرار اور تحیر انگیز کہانیاں سنائیں جو برازیل کے جنگلی قبائل کے متعلق تھیں۔ لیکن میں ان سے متاثر نہ ہو سکا' کیونکہ وہ اپنے انگریزی نام کے باوجود لاطینی امریکہ کے پس ماندہ قبائل سے معلوم ہوتا تھا اور ایسے لوگ ان توہمات سے پر روایتوں سے کافی متاثر ہوتے ہیں اور جذباتی بھی ہو جاتے ہیں۔ ان کہانیوں کا بھی یقین کر لیتے ہیں جو ناقابل فہم ہوتی ہیں۔ توہمات اور وہم کا کوئی علاج دنیا میں موجود نہیں ہے۔

لیکن کیراسس کا معاملہ دوسرا تھا۔ وہ برطانوی نژاد تھا۔ جب اس نے متین لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

" کیا آپ جادو ٹونے اور سفلی علوم پر یقین رکھتے ہیں یا نہیں۔ یا اس کی حقیقت سے انکاری ہیں؟"

" میں ان خرافات پر ذرہ برابر بھی قطعی یقین نہیں رکھتا۔" میں نے جواب دیا۔

" حیرت کی بات ہے کہ آپ آسام میں پیدا ہوئے۔ ہندوستان اور بنگال کا جادو۔ مصر کے جادو کی طرح ساری دنیا میں مشہور ہے۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ بنگال کی جادوگرنیاں ان جوان' خوب صورت اور وجیہ مردوں کو مکھی' پرندہ یا جانور بنا کر رکھتی ہیں۔ رات کے وقت انہیں سابقہ شکل میں لاکر ساری رات دل بستگی کا سامان پیدا کرتی ہیں اور ان پر بڑی فیاضی اور گرم جوشی اور خود سپردگی سے مہربان ہوتی ہیں۔"

" یہ صرف قصہ کہانیاں ہیں۔" میں اس کی بات سن کر ہنس پڑا۔" مجھے آج تک کسی جادوگرنی یا کسی جادوگر کے جادو سے کوئی واسطہ نہیں پڑا۔ آپ جانتے ہیں کہ ایسی داستانیں ازل سے ہر ملک اور خطے میں گھڑی جاتی آئی ہیں۔"

" بس یہی آپ کی غلطی ہے۔" کیراسس نے جواب دیا۔" اگر میں جادوئی علوم پر اعتقاد نہ رکھتا ہوتا تو اس شان وشوکت سے بیٹھا نہ ہوتا اور خواب ناک زندگی گزارتا۔ مجھے آپ کی بات سن کر بڑی حیرت ہوئی اور ہنسی پر بھی۔"

معلوم نہیں اس نے مجھ پر طنز کیا تھا یا میرے خیالات کا مذاق اڑایا تھا۔ اس لیے میں نے ترش روئی سے کہا۔

" آپ شاید مبالغہ آرائی سے کام لے رہے ہیں۔"

" شاید۔!" کیراسس نے میرے تلخ لہجے کا کوئی اثر نہ لیا اور اس نے اپنی بات جاری

رکھتے ہوئے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا" میں جنوبی افریقہ کی تیرہ برس تک خاک چھانتا رہا ہوں۔ غربت و افلاس اور میرا چولی دامن کا ساتھ تھا۔ میرے خاک چھاننے کا مطلب آپ شاید ہی سمجھ سکیں۔ میں تلاش روزگار میں مارا مارا پھرتا۔ اگر کہیں کوئی مزدوری میسر آتی تو دو وقت کی روٹی میسر آ جاتی' ورنہ فاقوں کے باعث ہوٹلوں کے باہر کوڑے کرکٹ میں روٹی کے ٹکڑے تلاش کرتا تا کہ کم از کم جسم اور روح کا تعلق تو قائم رکھ سکوں۔ یہ ایک طرح سے موت کی زندگی تھی۔ موت کا سفر تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ فاقوں سے یہ موت کا سفر ختم ہو جائے گا۔ چونکہ ابھی میں موت کی آغوش میں جانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے موت سے لڑ رہا تھا اور زندہ رہنے کے لیے جدوجہد کر رہا تھا۔"

افریقہ ایک ایسا براعظم ہے' جہاں سفید اور سیاہ فام سبھی کو ایک لکڑی سے ہانکا جاتا ہے۔ میری زندگی میں بڑے نشیب و فراز آئے۔ سیاہ اور سفید فاموں میں دولت مندوں کی کمی نہیں تھی۔ میں ایک سیاہ فام کے بنگلے کے باہر اس کی چاردیواری سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ بھوک سے نڈھال تھا۔ ہوٹل کے باہر کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پر نہ روٹی کے ٹکڑے ملے نہ باسی اور جھوٹا کھانا۔ ہوتا یہ تھا کہ نوجوان بے روزگار۔ غربت و افلاس کی ماری اور پرکشش عورتیں ان کھانوں کے حصول کے لیے ہوٹلوں کے ملازمین کو ہر طرح سے خوش کرتی تھیں۔ اس لیے میں ہاتھ ملتا رہ جاتا تھا۔ جب میں جان کنی کی سی حالت میں تھا ایک نئ' شاندار قسم کی بیوک گاڑی رکی۔ اس میں ایک سیاہ فام عورت تھی۔ وہ گیٹ کے سامنے گاڑی روک کر اتری تا کہ گیٹ کھولے' جیسے ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی' ہم دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ میرا ناقدانہ نظروں سے جائزہ لے رہی ہے۔ اس کی آنکھوں میں میل بھرا ہے۔ وہ مجھے ایک ایسے بھوکے بھیڑیئے کی مانند دیکھ رہی ہے جو کئی دنوں سے بھوکی ہے' شکار کی تلاش میں ہے۔

میں بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ میری طرح قد آور اور پرشباب گداز بدن کی مالک تھی۔ اس کے جسمانی نشیب وفراز میں بڑی رعنائیاں تھیں۔ وہ پچاس برس کی عمر کی عورت تھی۔ جسم گٹھا ہوا تھا۔ اس میں بڑی سنسنی خیزی تھی۔ خدوخال تیکھے اور جسم متناسب تھا۔ وہ اس عمر میں جوان لڑکیوں کی طرح صحت مند تھی۔ لیکن مجھے اس کے حسن وشباب سے کوئی دلچسپی اور رغبت محسوس نہ ہو رہی تھی۔ اس لیے کہ میں دو روز سے فاقے سے تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس سے کہوں کہ ایک وقت کا کھانا کھلا دو۔ میں بغیر کسی اجرت تمہارے گھر کی صفائی کر دوں گا' یا جو

کام چاہے لے لو۔ اس نے میرے قریب آ کر پوچھا۔
"تم بھوکے ہو یا بیمار ہو۔؟"
"بھوکا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "دو دن سے میرے منہ میں کیل تک اڑ کر نہیں گئی ہے۔"
"ٹھیک ہے۔" اس نے سر ہلایا۔ "میں تمہیں پیٹ بھر کر کھانا کھلاؤں گی' لیکن ایک شرط پر۔"
"مجھے آپ کی ہر شرط منظور ہوگی۔" میں نے مردہ لہجے میں جواب دیا۔ "آپ کسی کو قتل کرنے کے لیے کہیں تو میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔"
وہ مجھے اپنے ہمراہ بنگلے کے اندر لے آئی۔ یہ ایک چھوٹا سا دو بیڈ روم کا بنگلہ تھا لیکن اندر سے اس کی سجاوٹ بے حد شاندار تھی۔ اس نے ایک بیڈ روم کے ملحق غسل خانے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
"اس کے اندر شیو کا سامان اور ایک جوڑا تمہارے سائز کا موجود ہے۔ شیو کرو اور اچھی طرح سے نہا کر آؤ۔ پھر میں تمہیں اپنی شرط بتاتی ہوں۔"
پھر اس نے مجھے برانڈی کا ایک چھوٹا سا پیک بنا کر دیا۔ جس کے پیتے ہی سارے جسم میں نہ صرف توانائی اور طاقت آئی بلکہ چستی اور تازگی سی آ گئی۔ میں نے اس کے شاندار قسم کے غسل خانے میں شیو کی' پھر باتھ ٹب میں بیٹھ کر اچھی طرح سے نہایا۔ نہانے میں آدھے گھنٹے سے زیادہ صرف کیا۔ دروازے کے پیچھے ایک نیا جوڑا ہینگر میں موجود تھا۔ جب میں نے یہ جوڑا پہنا تو واقعی میرے سائز کا تھا۔ میں نے واش بیسن کے آئینے میں جائزہ لیا تو اپنے آپ کو قطعی پہچان نہ سکا۔ ایک نیا اور خوب صورت نوجوان دکھائی دے رہا تھا۔ ان دنوں جوانی مجھ پر ٹوٹ کر برس رہی تھی۔
وہ بیڈ روم میں میرے انتظار میں بے چینی سے ٹہلتے ہوئے سگریٹ پی رہی تھی۔ اس نے مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا۔ پھر وہ میرا ہاتھ تھام کر مجھے کھانے کی میز پر لے آئی۔ میز پر ایک بکرے کی سالم ران بروسٹ کئے ہوئی تھی اور ساتھ ہی کیچپ اور سلاد اور شراب کی ایک بڑی بوتل بھی دھری تھی۔
"یہ تمہارے لیے ہے۔" اس نے اشارہ کیا۔ "میں ایک پارٹی سے ڈنر کھا کر لوٹی ہوں۔"

ایسا کھانا تو خواب میں بھی نصیب نہیں ہوگا' میں نے ایک دم سے ٹوٹ پڑنے سے اپنے آپ کو روکا۔ میں نے شائستگی اور تہذیب سے پوری ران مزے لے لے کر کھا لی۔ وہ کھانے کے دوران ساقی بنی رہی' مجھ سے رسمی سوالات کرتی رہی۔
جب میں نے کھانے سے فراغت پا لی تو وہ برتن اٹھا کر کچن میں لے گئی اور کافی بنا کر لے آئی اور بولی۔
"میری شرط یہ ہے کہ تم تین دن تک یہاں شوہر کی حیثیت سے رہو گے۔ تمہیں عمدہ قسم کی شراب اور پر تکلف کھانا بھی ملتا رہے گا۔"
"صرف تین دن کیوں۔؟" میری زبان سے غیر ارادی طور پر نکل گیا۔
"اس لیے کہ چوتھے دن میں دنیا کی سیاحت پر جا رہی ہوں اور شاید یورپ کے کسی شہر میں مستقل سکونت اختیار کر لوں۔ میں نے یہ بنگلہ اور گاڑی فروخت کر دیا ہے' بولو' میری یہ شرط منظور ہے؟"
اندھے کو کیا چاہیے دو آنکھیں۔ میں تین راتیں اور دن اس کا شوہر بنا رہا۔ اس کا سلوک اچھا تھا۔ وہ ایک فیاض اور اچھی عورت بھی تھی۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس کا شوہر تین ماہ پہلے اس کی نوجوان ملازمہ کے ساتھ ملک سے چلا گیا۔ اس نے اپنے شوہر سے انتقام لیا۔ اس نے مجھے ایک ہزار کی رقم دے کر رخصت کیا اور بڑے جذباتی لہجے میں کہا تھا کہ وہ یہ لمحات' گھڑیاں اور میری محبت کبھی نہیں بھولے گی۔ پھر ایک سفید فام عورت نے جو ساٹھ برس کی تھی مجھے دو دن کے لیے خریدا تھا۔ اس نے سو پاؤنڈ دیئے تھے۔ فاقوں نے مجھے پستی میں گرا دیا تھا' ورنہ میں مرد طوائف نہیں بنتا۔
لیکن یہ چار دن کی چاندنی اور ایک طرح سے سپنا تھا۔ آخر وہی غربت آ گئی۔ ایسے ہی دگرگوں حالات میں میرا سامنا جادوئی علوم کے جاننے والوں سے ہوا اور پھر میرا گھر دولت سے بھرتا چلا گیا۔ بس ایک بار جب سرمایہ میرے ہاتھ آ گیا تو میں نے تجارت کو فروغ دیا۔ یہ چوبیس برس پہلے کی بات ہے۔ آخر میرے پاس اتنی دولت جمع ہو گئی کہ میں اپنی باقی ماندہ زندگی بافراغت بسر کر سکوں۔ ہندوستان آ کر آسودہ حال زندگی اپنا لی۔ پونڈ کی کرنسی ہندوستان کی کرنسی سے دس گنا زیادہ قیمت رکھتی ہے۔ اب میرے پاس اتنی دولت ہے کہ دو سو برس بھی ختم نہ ہوگی۔ اب میں اپنی بقیہ زندگی یہیں گزاروں گا۔ مجھے ہر لحاظ سے بہت پسند ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میں کچھ دنوں میں کسی حسین دوشیزہ سے گھر بسا لوں تا کہ تنہائی دور کر

سکوں۔"

کیراسس نے یہ داستان کچھ اس انداز سے بیان کی تھی کہ اس کی تردید کرنے کو دل نہ چاہتا تھا۔ وہ ایک ذی ہوش انسان تھا جس کے حواس خمسہ صحیح کام کر رہے تھے۔ اس میں ظاہری طور پر کوئی دماغی خلل بھی نظر نہ آتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب چمگادڑ کی موجودگی سے وہ حواس باختہ ہو گیا تو میں حیران و پریشان رہ گیا تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ جناب!۔ میں ان پراسرار علوم پر یقین نہیں رکھتا۔" میں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ "شاید اس لیے کہ مجھے ایسی کسی صورت حال سے واسطہ نہیں پڑا۔ لیکن اگر آپ ناقابل یقین حالات پر مزید روشنی ڈالیں گے تو آپ کی عنایت ہوگی۔" میری بات سن کر وہ ایک لمحے تک میرا چہرہ تکتا رہا۔ آخر وہ ایک لمبا سانس لے کر کہنے لگا۔

"بہت بہتر جناب۔ اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو یوں ہی سہی۔ آپ اپنے لیے اور اپنے دوست کے لیے بھی دوسرا گلاس تیار کر لیں۔ میں بھی اپنی دیرینہ یادداشت کو تیار کرتا ہوں۔"

میں نے فوراً ہی دو گلاس بنائے۔ کیراسس نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنی آپ بیتی کا آغاز اس پیرائے میں کیا۔

"میں نے ابھی شیطانی اور طاغوتی قوتوں کا ذکر کیا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ طاقتیں انسانی ذہن کی اختراع ہوں۔ پھر بھی اس کرہ ارض پر ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں ہے جو اپنی خفیہ سفلی طاقتیں بروئے کار لا کر شیطان کو حاضر کر لیتے ہیں۔ پتا نہیں کہ کس طرح سے؟ لیکن شیطان اس وسیع و عریض کائنات میں ہر وقت موجود رہتا ہے اور کچھ جانوروں میں تو چار ایسی مخصوص صفات موجود ہیں جن کے توسط سے ایک وائرلیس سیٹ کی طرح وہ شیطان کی موجودگی محسوس کر لیتے ہیں۔

آپ بلی ہی کو لے لیجیے۔ یہ نہایت ہی چالاک اور ہوشیار جانور ہے۔ اس کی جبلت تو دیکھیے یہ کس طرح تاریکیوں میں بھی باریک سے باریک شے دیکھ لیتی ہے اور روز روشن میں اس کی نظریں وہ چیزیں تک دیکھ لیتی ہیں جو انسانی آنکھوں سے کوسوں دور ہیں۔ ہم نے اکثر اوقات اسے کمرے میں کسی نادیدہ شے کے گرد چکر لگاتے ہوئے دیکھا ہے۔ ماورائے شے بھی اس کے روبرو موجود ہوتی ہے لیکن ہماری آنکھ اس کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ یہی حال چمگادڑ کا بھی ہے۔ یہ شیطانی طاقت کی موجودگی کو فوراً ہی جان لیتی ہے اور وہیں جا پہنچتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جادوئی علوم جاننے والوں کے نزدیک چمگادڑ شیطان اور طاغوتی طاقت کا مظہر ہے۔ بظاہر یہ جانور بے خود اور حقیر ہے لیکن جب پراسرار طاقتیں ان کے روبرو ظاہر ہوتی ہیں تو یہ جانور نہایت درجے خطرناک بن جاتے ہیں۔ بہرکیف یہ ذکر تو یوں ہی برسبیل تذکرہ آ گیا تھا۔"

"میں نے تیرہ برس تک برطانوی یونین میں جوتے چٹخائے اور ایسا کون سا پیشہ تھا جسے میں نے اختیار نہ کیا ہو۔ ڈربن سے ڈمارالینڈ اور دریائے زرد سے متابیل تک میں نے خلاصی، کاشت کار، مزدور، کان کن، سیلز مین، دفتری بابو۔ غرض کہ ہر وہ کام کیا جس کے لیے پیشکش کی گئی۔ شب و روز کی محنت سے میرا برا حال ہو گیا تھا۔ فاقوں کے باعث میری ہڈیاں نکل آئی تھیں لیکن یہ محض جینے کا عزم مجسم تھا کہ میں کسی بھی محنتِ شاقہ کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔

میں اس طرح دربدر کی ٹھوکریں کھاتا ہوا سوازی لینڈ جا پہنچا۔ یہ جنت ارضی نما خطہ مشرقی پرتگال کی سرحد کے قریب واقع ہے جس کی خوبصورتی سوئٹزرلینڈ کے جنت زاروں کو بھی شرماتی ہے۔ آج کل یہاں مزدوروں کی تحریک آزادی نشوونما پا رہی ہے، لیکن ان دنوں وہاں انگریز آبادکار خوب مزے سے افریقی عوام پر راج کر رہے تھے۔

یہیں ایک شراب خانے میں جو اس شہر میں تھا میری ملاقات ایک یہودی آبادکار بن اسحاق سے ہوئی۔ اس نے مجھے کام کی پیشکش کی۔ میں تو ان دنوں خود کام کی تلاش میں تھا۔ چنانچہ میں نے اس یہودی کی نوکری کو غنیمت جانا اور اس کی پیشکش منظور کر لی۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس کا داروغہ ناگہانی طور پر لقمہ اجل ہو گیا ہے اور اسے اپنے اسٹور کی دیکھ بھال کے لیے کسی مناسب آدمی کی ضرورت ہے۔ محنتی اور ایماندار بھی ہو۔

یہودی پختہ عمر، سرخ رو اور طوطے کی مانند چونچ جیسی ناک کان تھا۔ مجھے یہودیوں سے سخت نفرت تھی، لیکن میں کیا کرتا، یہ وقت نفرت اور محبت کو دیکھنے کا نہیں تھا۔ بہرحال میری چھٹی حس تاڑ گئی تھی کہ اپنے فن میں یہ شخص بہت گہرائی رکھتا ہے۔ چونکہ مجھے تو نوکری سے مطلب تھا اور یہ نوکری بڑی معقول اور مناسب لگی تھی لہٰذا میں نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا تو وہ مجھے اپنے کرال میں لے آیا، جو شہر سے ایک میل کے فاصلے پر تھی۔

اس کی پختہ جھونپڑی کے چاروں طرف افریقیوں کی گھاس پھونس کی جھونپڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس نے مجھے اپنا گودام بھی دکھایا جسے دیکھ کر میں دم بخود رہ گیا تھا۔ کیونکہ وہاں ٹین کے چند خالی کھڑکھڑاتے ہوئے ڈبے اور مردہ چوہے تھے۔ یہودی کے کاروبار کے متعلق میں

مزید سوال نہ کرسکا' کیونکہ مجھے تو اپنے کام سے کام اور تنخواہ سے مطلب تھا۔

اندر سے میرا دل یہ گواہی دے رہا تھا کہ یہودی کا سابق داروغہ غالباً اپنے مالک کے کاروبار کے متعلق بہت کچھ جان چکا تھا۔ اس لیے اسے راہی عدم کی سیر کرا دیا گیا تھا۔ ایک اندیشہ دل کے کسی کونے میں ابھرا کہ کہیں میرا بھی یہی حشر نہ ہو' لیکن دوسرے ہی لمحے یہ سوچ کر اندیشہ کافور ہوگیا کہ اوکھلی میں سر دیا ہے تو موصلوں سے ڈرنا کیا اور میں تو غربت کی زندگی سے پہلے ہی لاچار و مجبور تھا' فاقے کیا ہوتے ہیں۔ بھوک کیسی عفریت ہوتی ہے۔ میں ان سب سے لڑ چکا تھا۔ اب زندگی کا خطرناک پہلو بھی دیکھنے کی تمنا دل میں ابھر آئی تھی۔

جس رت سے میں یہودی کے ساتھ ہوا تھا۔ میں برابر اس کے چہرے سے اسے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ چہرہ دل کا آئینہ ہوتا ہے جس میں بہت کچھ دیکھا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ وہ اس تذبذب میں تھا کہ مجھ پر اعتماد کرے یا نہ کرے۔ چنانچہ ایک دن دفتر میں ہم دونوں ایک دوسرے کے روبرو بیٹھے ہوئے تھے تو اس نے اپنے تمام کاروباری راز مجھ پر منکشف کر دیئے۔

اسلحہ کی اسمگلنگ اور سپلائی' اس کا اصل کاروبار تھا اور اس کا یہ سلسلہ پرتگال کی سرحدوں تک پھیلا ہوا تھا۔ ہمارے تمام بیوپاری سیاہ نام تھے۔ یہاں کوسوں تک ربیکا کے سوا کسی سفید نام باشندے کا نام ونشان تک نہ تھا۔ ربیکا یہودی بن اسحاق کی بیوی تھی۔ اس کی بیوی اپنے شوہر کے مقابلے میں خوبصورت اور پرکشش عورت تھی۔

اس کے دفتری حساب کا رکھ رکھاؤ میرے ذمے تھا۔ تمام کھاتے اور حساب بوگس اور جعلی تھے۔ یہاں خاص اصلاحیں رائج تھیں۔ براؤن شکر کا مطلب تھا" گولیاں اور سفید کھانڈ کے معنی پانچ کارتوس۔ کارتوسوں پر اس طرح رنگ چڑھایا جاتا تھا کہ وہ خالص سکے معلوم ہوتے تھے۔ بہرحال جو کچھ بھی تھا۔ یہودی اپنے کاروبار میں زبان کا پکا اور گانٹھ کا سچا تھا۔ اپنے حساب کتاب میں بھی وہ بہت ماہر تھا۔ اس کا دماغ ایسا ہوگا اس کے بشرے سے اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ تاہم اسے حساب کتاب میں کوئی بے وقوف نہیں بنا سکتا تھا۔ وہ منٹوں میں حساب کر دیتا تھا۔

میں اپنے فرائض اس کے اطمینان کے مطابق سرانجام دے رہا تھا۔ میری یہ کوشش ہوتی تھی کہ اسے کسی قسم کی شکایت کا موقع نہ دوں' نہ ہی کوئی کوتاہی مجھ سے سرزد ہو۔ اسلحہ کی سپلائی کے علاوہ شراب بھی اسمگل کرتا تھا۔ اس کا رویہ میرے ساتھ نہایت دوستانہ تھا۔ اس کا اعتماد مجھ پر روز بہ روز بڑھتا جا رہا تھا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ سفید باشندے کبھی دغا نہیں دیتے۔

رفتہ رفتہ مجھ پر یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ شراب اور اسلحہ کی اسمگلنگ کے علاوہ ساہوکار بھی تھا اور انسانوں کا سوداگر بھی۔ اور اس کی یہ عادت اسے جادو کی سحر میں لے ڈوبی۔

میری آمد سے قبل ہی اسحاق کے تعلقات امٹونگا سے قائم تھے۔ امٹونگا ایک افریقی ڈاکٹر تھا جو صرف جادوٹونے کے مرض کا علاج کرتے ہیں اور طب جدید کے نزدیک پھٹکنے تک نہیں ہیں۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ کن خطوط پر کام کرتے تھے۔ جب کبھی جادوگر ڈاکٹر آتا تو چیتے کی کھالوں اور ہاتھی دانت سے بھرے ہوئے تھیلے اس کے ساتھ ہوتے۔

اسحاق ہمیشہ اس سے تنہائی میں ملاقات کرتا۔ وہ دونوں گھنٹوں نامعلوم زبان میں باتیں کرتے۔ شراب پیتے رہتے' جب امٹونگا نشے سے چور اور مدہوش ہو جاتا تو اس کے خادم اٹھا کر لے جاتے۔ امٹونگا اپنے قبیلے کی کنواری لڑکیوں کو ہمیشہ اسحاق کے ہاتھ فروخت کرتا رہتا جو انہیں مشرقی پرتگال کی منڈیوں میں بیچ دیتا۔ یہی حشر ان افریقی مردوں کی بیویوں کا ہوتا جو کسی مجبوری کے تحت اسحاق سے قرض لیتے اور وقت مقررہ میں اسے ادا نہ کر پاتے۔ اسحاق زبردستی ان کی بیویوں کو جانوروں کی طرح ہانک کر اپنی کرال میں لے آتا اور یہاں سے انہیں بے زبان جانوروں کی مانند باہر منڈیوں میں فروخت کر دیا جاتا۔

ان بیویوں میں جو بہت ہی حسین' پرکشش اور پرشباب ہوتی تھیں۔ اسحاق ان کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتا۔ یہ خفیہ طور پر کرتا تھا۔ اس کا یہ خیال تھا کہ اس کی بیوی ربیکا کو اس بات کی خبر نہیں تھی۔ اس کی بیوی کو ہر بات کی خبر تھی۔ وہ اس لیے اسے ملامت کرتی اور نہ ٹوکتی تھی کہ کہیں اسحاق اسے طلاق نہ دے دے۔ لیکن وہ اپنے شوہر سے انتقام لیتی تھی جس کی خبر اس کے فرشتوں کو بھی نہ تھی۔ اس کے ایک نوجوان سے تعلقات تھے۔ جب اسحاق رات کے وقت کسی عورت کے ساتھ داد عیش دے رہا ہوتا تو اس کی بیوی اپنے آشنا کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہی ہوتی تھی' حساب برابر تھا۔

ادھر میرے بھی مزے تھے۔ یہ سیاہ فام عورتیں اپنے اندر بے پناہ حسن اور کشش رکھتی تھیں۔ سیاہ رنگت میں حسن اور کشش ہوتی ہے۔ یہ عورتیں میری زیر نگرانی ہوتی تھیں۔ اسحاق انہیں بہت کم غذا فراہم کرتا تھا لیکن جس عورت پر میرا دل آ جاتا' میں اس کا خیال رکھتا تھا۔

پرتگال کی مشرقی منڈی میں چونکہ کنواری لڑکیوں کی مانگ اور قیمت طلب بہت زیادہ تھی۔ اس لیے اسحاق ان کی طرف دیکھتا نہیں تھا لیکن اسے کبھی اس بات کی خبر نہ ہو سکی اور نہ شک ہو سکا کہ میرے ہاتھوں بہت ساری کلیاں پھول بن کر نیلام کے لیے جاتی ہیں۔ میں

انہیں کہہ دیتا تھا کہ وہ خریدار پر یہ ظاہر کریں کہ وہ کنواری ہیں۔ اس میں ان کی عزت اور بڑی قدر ہے' کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی لڑکی نے جا کر بھانڈا پھوڑ دیا ہو اور میری شامت آ گئی ہو۔

مصیبت کا آغاز دراصل اس وقت ہوا' جب مجھے اسحاق کے ہاں ملازمت اختیار کیے تقریباً نو' دس ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ امٹونگا کے قبیلے میں کنواری لڑکیوں کی قلت پیدا ہو چکی تھی اور اسے اپنی عیش و عشرت کی بھری زندگی میں ایک خلاء محسوس ہونے لگا تھا۔ اس نے اسحاق سے قرض لینا شروع کیا اور یہ قرض اس حد تک بڑھ گیا کہ اس کا بال بال قرضے میں بندھ گیا۔ اور اس کی واپسی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

آخر یہودی نے امٹونگا کو قرض دینے سے روک لیا۔ جادوگر ڈاکٹر اسحاق کے پاس آتا اور مزید رقم کے لیے گڑگڑاتا اور جب اسحاق کسی طرح بھی موم ہوتا نظر نہ آتا تو وہ اپنا سیاہ عصا سنبھالے دھمکیاں دیتا ہوا رخصت ہو جاتا۔ اسحاق اس کی دھمکیاں سن کر مسکرا کر رہ جاتا تھا اور اسحاق کے لیے یہ کوئی نئی بات نہ تھی' کیونکہ لوگ اسے بارہا اس قسم کی دھمکیاں دے چکے تھے۔

البتہ اس نے جادوگر کو صاف صاف یہ بتا دیا تھا کہ اگر وہ اپنا قرض اتارنے کے لیے مزید کنواری لڑکیوں کا بندوبست نہیں کر سکتا تو پھر اسے اپنی بیویوں کو بیچنے کا انتظام کرنا چاہیے۔ میں نے یہ سنا ہوا تھا کہ جادوگر کی بیویاں ایک سے ایک حسین' نوجوان اور بے پناہ کشش کی مالک ہیں۔ جادوگر نے گویا نگینے اپنے گھر میں جمع کر لیے تھے' جو بھی نوجوان اور خوبصورت لڑکی نظر آتی' جادوگر اسے بیوی بنا لیتا تھا۔ اس لئے اسحاق نے اس سے کہا تھا کہ وہ فروخت کر دے۔

اسحاق نے مجھ سے کہا تھا کہ اس کی بیویاں چونکہ کنواری نہیں ہیں لیکن پھر بھی منڈی میں ان کی قیمت کنواری لڑکیوں سے زیادہ حسن اور شباب کی وجہ سے مل سکتی ہے۔ اسحاق کی یہ بھی آرزو تھی کہ وہ جادوگر کی بیویوں سے دل بہلا کر انہیں منڈی میں فروخت کر دے۔ میرے دل میں بھی ارمان انہیں دیکھنے اور وقت گزاری کا تھا۔ اس لیے کہ میرے منہ کو حرام لگ چکا تھا۔ ایک طرح سے میں راسپوٹین بن چکا تھا۔ جتنی بھی افریقی لڑکیاں اور شادی شدہ عورتیں میری زندگی میں آئی تھیں انہوں نے میرے شب و روز رنگین اور حسین بنا دیئے تھے۔ میں دنیا کا خوش نصیب ترین شخص تھا۔ میری پانچوں گھی میں تھیں۔

اب جو ادھر لڑکیوں اور عورتوں کا سلسلہ بند ہوا تھا وہ میرے لیے اذیت ناک تھا۔ میں ایک بھوکے بھیڑیے کی مانند اس انتظار میں ہوتا تھا کہ جادوگر لڑکیوں اور عورتوں کو لے کر

آئے۔ اب ادھر جو مرد مقروض ہو کر اپنی بیویوں کو اسحاق کی نذر کرتے تھے وہ سلسلہ بھی بند تھا۔ میں شکار کے انتظار میں تھا۔ راتیں بڑی بے کیف' ویران اور اذیت ناک ہو گئی تھیں۔ کبھی کوئی مقروض دو ایک دن کے لیے اپنی عورت کو اسحاق کو پیش کر جاتا تھا اس سے میرا بھی فائدہ ہو جاتا تھا۔

اگرچہ میں ان کی ملاقاتوں کے دوران کبھی بھی موجود نہ رہا لیکن اب میں سواحلی کچھ کچھ جاننے لگا تھا۔ یہ ان لڑکیوں اور عورتوں سے سیکھا تھا جو میری زندگی میں ہوا کے جھونکوں کی طرح آئی تھیں۔ اسحاق کی بیوی ربیکا بھی جب بھی وقت ملتا اور وہ فرصت میں ہوتی اور اسحاق خریداری کے لیے باہر گیا ہوتا تو وہ سکھاتی تھی۔ جب وہ دونوں آپس میں چلا چلا کر باتیں کرتے' میں ان کی تیز و تند اور تلخ باتوں کا مطلب پا جاتا تھا۔ اور جب جادوگر غیظ و غضب کے عالم میں اپنا سیاہ عصا ٹیکتا ہوا رخصت ہوتا تو اس کا مطلب ہوتا کہ آج وہ پھر خالی ہاتھ واپس جا رہا ہے۔

ایک روز امٹونگا تین عورتوں کو ساتھ لے کر آیا۔ یہ کنواری اور کچی کلیاں نہ تھیں۔ یہ بیس اور پچیس برس کی عمر کے درمیان کی تھیں۔ ان کے پرشباب جسموں میں ایسا گداز' جاذبیت تھی اور اس قدر رسیلی تھیں کہ وہ میرے دل پر قیامت ڈھا گئیں۔ میں دل میں خوش ہو گیا اور انجانے خواب دیکھنے لگا۔ پرتگال کی منڈی میں پچاس برس کی عمر کے مرد ایسی عورتوں کو کنواری لڑکیوں پر ترجیح دیتے تھے۔ ان کی نیلامی میں خوب بڑھ چڑھ کر بولی لگتی تھی۔ میں نے ایک بار نیلام جا کر دیکھا تھا۔ ان عیاش مردوں کے نزدیک کچے پھلوں کے مقابلے میں پکے ہوئے پھل زیادہ قیمتی تھے اور وہ اہمیت رکھتے تھے۔

جادوگر ان عورتوں کو شاید اس لیے لایا تھا کہ یہ عورتیں اصل رقم کے عوض ہیں۔ وہ یہودی تھا یہودی سودخور کے دل کے کسی گوشے میں رحم اور انسانیت اور رعایت اور مروت کی رمق تک نہیں ہوتی تھی۔ وہ پیسوں پر جان دیتے تھے۔ مالی فوائد کے پیش نظر وہ اپنی بیوی' بہن اور بیٹی کا بھی سودا کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ وہ سود پر جان دیتے تھے۔ اسحاق تو اپنے قومی پیانوں اور حساب سے قرضے واپس لیا کرتا تھا۔ اصل رقم کی تو اسے کوئی پروا نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے کہ اس رقم کو کبھی نہ کبھی واپس تو آنا ہی آنا ہوتا تھا' کیونکہ اس طرح بسا اوقات سود اصل رقم سے کئی گنا زیادہ بڑھ جاتا تھا۔

وہ جس کسی کو بھی قرض دیتا تھا وہ سود در سود پر دیتا تھا۔ سود در سود نے اس کی دولت میں

بے پناہ اضافہ کیا تھا اور اس کی دولت بڑی تیزی سے پھل پھول رہی تھی۔ اس کے علاوہ کنواری لڑکیوں اور شادی شدہ عورتوں کی نیلامی میں بھی وہ الگ کما رہا تھا۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اس کی پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑاہی میں تھا۔

اس وقت امٹونگا کے ذمے جس قدر رقم واجب الادا تھی۔ اس کی نسبت سے بن اسحاق کو کم از کم تین عورتیں ڈاکٹر سے ملنی چاہئیں تھیں۔ تب کہیں جا کر اس کا حساب صاف ہوتا۔

اس شام جب جادوگر ڈاکٹر تین عورتوں کو ساتھ لے کر آیا تو معمول کے خلاف وہ خاموش تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ دل پر جبر کر کے اپنی بیویوں کو لایا ہے۔ اس کے خیال میں چونکہ یہ عورتیں ایک قیامت ہیں اور پکے پھل کی مانند ہیں ان کی قیمت بہت زیادہ ہوگی۔ شاید اس طرح اس کا حساب بے باک ہو جائے اور وہ مزید قرض لے کر جا سکے۔

یہ ملاقات صرف بیس منٹ تک رہی تھی۔ اس ملاقات سے قبل ایک اور کمرے میں ان تین عورتوں کو جادوگر ڈاکٹر لے گیا تھا۔ اس نے بن اسحاق کے سامنے ان عورتوں سے کہا تھا کہ وہ بے لباس ہو جائیں۔ ان کی جسمانی نمائش کا مقصد بن اسحاق کو یہ باور کرانا تھا کہ یہ قیمتی نگینے ہیں۔ اسحاق نے انہیں اس طرح دیکھا جیسے جانوروں کے ریوڑ پر نگاہ ڈالی جاتی ہے۔

ان کے جسموں کی حشر سامانیوں سے وہ متاثر نہیں ہوا تھا۔ یہ بات اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ پھر اس نے جادوگر ڈاکٹر سے کہا کہ میرے کمرے میں چلو وہاں باتیں ہوں گی۔ میں یہ سب کچھ ایک روزن سے دیکھ رہا تھا۔ یہ ایسی عورتیں تھیں کہ ان کی بے لباسی کی نمائش کی قطعی ضرورت نہ تھی کیونکہ لباس میں ان کے جسموں کی قیامتیں بھی عیاں تھیں۔

میں اس کمرے کی طرف لپک گیا جس میں وہ دونوں باتیں کر رہے تھے۔ میں دوسرے ملحق کمرے میں تھا۔ دیوار چونکہ پتلی تھی اس لیے میں نے ان کی گفتگو سنی تھی۔ اس کا لب لباب یہ تھا کہ بن اسحاق اپنے قرضے کے عوض ان تینوں عورتوں کو منظور کر لے یا پھر صبح سے قبل موت کے لیے تیار ہو جائے۔

جب بن اسحاق نے اس کی دھمکی نظر انداز کر دی تو وہ وہاں سے غضب ناک حالت میں نکل گیا۔

کرال کے باہر انٹونگا کے درجن بھر ساتھی موجود تھے۔ ان سے انٹونگا نے بڑے غصے سے کہا۔

"میں اب جادو کے عمل کی تیاری کروں گا کیونکہ اس کے سوا چارہ نہیں ہے۔"

انہوں نے ایک سیاہ اور سفید مرغ جادوگر کے اشارے پر اسے دیا اور پھر اس کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے۔

میں یہ سارا تماشا ان سے قدرے فاصلے پر کھڑا دیکھ رہا تھا۔ دلچسپی اور تجسس سے۔

جادوگر نے باری باری ان دونوں مرغوں کی گردنیں مروڑ کر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا اور پھر نہایت احتیاط سے ان کے دل اور جگر نکال کر ان سے ایک ہار سا پرویا اور پھر اسے گلے میں پہن لیا تو وہ بڑا خوفناک دکھائی دیا۔

اس کے بعد ایک مجنونانہ رقص شروع ہوا۔ رقص کیا تھا؟ شیطان کی آفت تھا۔ گھنٹے بھر تک وہ اکیلا دائرے میں گھومتا رہا۔ ہر پانچ منٹ کے بعد ہار میں پروئی ہوئی بوٹیوں میں سے خون نکال کر اپنے حلق میں ٹپکاتا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر ان جانے شیطانوں اور دیوتاؤں کو آسمان کی طرف منہ کر کے ہذیان انداز سے پکارتا رہا۔

آج جب بھی وہ منظر میری نگاہوں میں آتا ہے تو میرا رواں رواں کانپ اٹھتا ہے۔ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کا یہ مجنونانہ اور وحشت ناک رقص کوئی ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہا پھر وہ نیم مردہ سا ہو کر گر پڑا۔

بظاہر اس کا جسم بالکل ساکت و جامد تھا جیسے وہ اپنی زندگی کی روئیدگی سے محروم ہو چکا ہو۔ اس کے پیروؤں نے اس کے اکڑے ہوئے جسم کو اٹھایا اور اپنی منزل کی جانب انجانے الفاظ ادا کرتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ میرا خیال تو یہ تھا کہ اسحاق کے انکار پر جادوگر اور اس کے ساتھی اسحاق پر تشدد نہ کریں اور شاید ان کی جان لے لیں۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

میں بڑی حیرت سے ان کے ساتھ آئی ہوئی تین عورتوں کو دیکھتا رہا جو میرے دل پر بجلی گرا کے جا رہی تھیں۔ انہوں نے میرے انجانے اور رنگین خواب چکنا چور کر دیئے تھے۔

سرزمین افریقہ میں شام ڈھلنے کے بعد رات اچانک اور آناً فاناً کسی کالی آندھی کی طرح نمودار ہو جاتی ہے۔ جب افریقی ڈاکٹر نے اپنا رقص موت شروع کیا تھا تو کافی دن باقی تھا لیکن جوں ہی سورج پردہ مغرب کی جانب جھکا' دیکھتے ہی دیکھتے تاریکی کسی طوفان کی طرح چھا گئی اور جب وہ لوگ رخصت ہوئے تو سیاہ آسمان پر تارے جھلملا رہے تھے یا پھر کہکشاں لہراتی ہوئی جا رہی تھی۔ دور کہیں انجانی منزلوں کی طرف' فضا پر ایک وحشت سی طاری تھی۔

بہرحال حسب معمول ہم تینوں نے رات کا کھانا کھایا۔ میں اس لیے افسردہ تھا کہ میں ان حسین اور شاداب اور شباب جسموں کی عورتوں کے قرب سے محروم ہو گیا۔ ان میں سے

ایک تو بن اسحاق کے ساتھ رات گزارتی اور میں ان دونوں عورتوں کے ساتھ رہتا۔ بن اسحاق شاید اس لیے افسردہ اور ملول تھا کہ اسے سود در سود کی رقم نہیں ملی۔ اسے شباب سے زیادہ سود کی وصولی سے دلچسپی تھی۔ ورنہ کسی صورت میں ان عورتوں کو چھ سات دن تک رکھ کر ایک چھوٹی سی رقم قرض دے دیتا۔ وہ اپنا دن بھر کا حساب کتاب دیکھنے کے لیے عادت کے مطابق دفتر چلا گیا۔ اس کی واپسی آدھی رات سے قبل ناممکن تھی۔ اس کے جانے کے بعد میں میز پر بیٹھا رہا۔ اس لیے کہ میں اور ربیکا رات کے کھانے کے بعد کافی پیتے تھے۔ وہ اداس تو نہیں تھی لیکن خاموش تھی۔ دنیا میں یہودی عورتوں کا حسن و شباب مشہور ہے۔ لیکن افریقی عورتوں کا کالا حسن بھی اس سے کم نہیں ہوتا ہے۔ وہ برتن سمیٹ کر باورچی خانے میں رکھ کر پھر دھو کر اور پانی کی کیتلی چولہے پر رکھ کر شب خوابی کا لباس پہننے کے لیے اپنے بیڈ روم میں گئی۔ پھر وہ باورچی خانہ میں جا کر کافی بنا کر لے آئی۔ شب خوابی کے لباس میں اس کا اچھوتا دل کش اور انوکھا حسن و شباب جھلک رہا تھا۔ وہ یہودی حسن و شباب کا ایک نادر نمونہ تھی۔ وہ کافی پینے کے دوران جادوگر کے موضوع پر گفتگو کرتی رہی۔ میں اس کے پاس سے کوئی ایک گھنٹے کے بعد بڑی سرشاری کی سی حالت میں تھا اور ان افریقی عورتوں کو بھول چکا تھا۔

اس وقت نصف شب بیت چکی تھی۔ تقریباً دو بجے کا عمل ہوگا میں گہری نیند میں تھا کہ اچانک ربیکا نے آ کر جگایا میں ایک دم سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اسے دیکھ کر حیران اور خوف زدہ بھی ہو گیا۔ کیونکہ رات کے دو بجے کا عمل تھا اور وہ شب خوابی کے لباس میں تھی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اگر اس کے شوہر نے رات کے اس وقت اسے میرے کمرے میں دیکھ لیا تو مشکوک ہو جائے گا۔ ربیکا بڑی محتاط عورت تھی۔ وہ کبھی رات کو میرے کمرے میں کسی بھی کام کے حیلے بہانے نہیں آئی۔ ہاں جب اسحاق خریداری یا کسی کام سے دو چار گھنٹوں کے لیے جاتا تو وہ میرے کمرے میں مشروب لے کر آ جاتی۔ کیونکہ ہم دونوں کے سوا کوئی نہ ہوتا تھا لیکن شوہر کی موجودگی میں وہ میرے کمرے میں آنے سے گریزاں ہوتی تھی۔

"کیا بات ہے؟"

میں نے اس سے دریافت کیا۔

"کیا مالک شراب کے نشے میں بے ہوشی کی حالت میں ہے؟"

"نہیں؟"

اس نے نفی میں سر ہلا کر جواب دیا۔

"اتنی شب گزر جانے کے باوجود اسحاق سونے کے لیے نہیں آیا۔ مجھے تشویش سی ہوئی تو تمہارے پاس چلی آئی۔ چلو چل کر دیکھتے ہیں۔" ربیکا کو بڑی تشویش ہو رہی تھی۔

ہم دونوں دفتر پہنچے، لیمپ میز پر موجود کمرے میں ہلکی زرد روشنی پھیلا رہا تھا۔

بن اسحاق اپنی آرام کرسی پر نیم دراز حالت میں تھا۔ لیکن کیفیت میں اس کی آنکھیں کسی نامعلوم خوف اور دہشت کے زیر اثر حلقوں سے باہر نکلی پڑی تھیں۔ اس کے ہاتھ آرام کرسی کے بازوؤں کو سختی سے بھینچے ہوئے تھے۔ اس کا سرخ چہرہ سیاہ رنگت اختیار کر گیا تھا۔ اس کی تنی ہوئی گردن سے ظاہر ہوتا تھا کہ جانکنی کا عالم بہت ہی سخت اور گراں گزرا ہوگا۔ اس کی روح گھنٹوں قبل قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

* * *

ربیکا نے اپنے شوہر کو جو اس حالت میں پایا تو اس نے روح فرسا بین کرنے شروع کر دیئے۔

ملازم پیشہ افریقی اپنی جھونپڑیوں سے اٹھ کر آنا شروع ہو گئے اور میں بھی اپنا سر کھجاتا ہوا دفتر سے باہر آ گیا۔

یہودی کی اس کیفیت سے میرا ذہن بہت پراگندہ ہو گیا تھا۔ اس کی پراسرار اور ہولناک موت میرے اعصاب پر بری طرح چھا گئی تھی۔ میں خواب و خیال میں بھی اس کی ایسی موت کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔

آخر اس کی اس ناگہانی موت کا کیا سبب تھا۔؟ میرے ذہن میں ایک خیال کیڑے کی طرح کلبلایا۔

ان دنوں میرے جسم میں نوجوانی کا خون گردش کر رہا تھا اور آپ کی مانند مجھے بھی جادو ٹونے پر اعتقاد نہ تھا۔ میں ایک لمحے کے لیے بھی یہ یقین کرنے کے لیے تیار نہ تھا کہ وہ بڈھا خرانٹ جادوگر ڈاکٹر فاصلے پر بیٹھا ہوا میرے مالک کی موت کا باعث بھی ہو سکتا ہے؟ میرے نزدیک توہمات کی کوئی اہمیت نہ تھی۔

میں نے دفتر کا بہ نظر غائر معائنہ کیا۔ تاہم تمام دروازے اور کھڑکیاں صحیح و سلامت تھے اور ایسا کوئی نشان موجود نہ تھا جس سے معلوم ہوتا کہ کوئی شخص کمرے میں آیا تھا۔ میں نے اسحاق کی لاش کا معائنہ بھی کیا۔ یہ امر شک اور شبے سے بالاتر تھا کہ اس کی موت کسی خوف کے زیر اثر واقع ہوئی تھی۔ آخر وہ کون سی شے تھی؟ جسے اپنے سامنے دیکھتے ہی اسحاق ایک کرب کے عالم میں چل بسا۔ مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ محض ایک دو ہفتے گزرنے کے بعد مجھے بھی ایسے ہی ماحول اور حالات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ بعض اوقات آدمی سوچتا کیا اور ہوتا کیا ہے!

اگلے روز ہم نے بن اسحاق کو سپرد خاک کر دیا۔ عجیب وحشت ناک ماحول تھا۔ سیاہ فام عورتیں بین کرتے ہوئے اپنی برہنہ چھاتیوں کو کوٹ رہی تھیں۔ مرد شراب کے خم کے خم لنڈھا رہے تھے۔ اسحاق کے سٹور سے شراب کی بوتلیں آنے والے ماتمیوں کو وافر مقدار میں مہیا کی جا رہی تھیں۔ ایسا جان پڑتا تھا جیسے افریقہ کی نصف آبادی نے وہاں ہلہ بول دیا ہو۔

تار اور ٹیلی فون کی سہولت اور عدم موجودگی کے باوجود وہاں جنگل کی آگ کی طرح ایک خبر پھیل جاتی ہے۔ یہاں طبلے کی تھاپ پر پیغام سنا دیا جاتا ہے۔ ایک مخصوص فاصلے پر دوسرا نقیب اسے دہرا دیتا ہے۔ اس طرح لمحوں میں کوئی نہ کوئی خبر کوسوں کا سفر طے کر لیتی ہے۔

بن اسحاق کو لحد میں اتارتے وقت امٹونگا بھی آیا لیکن اس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔ نہ تو وہ کوئی مسرت محسوس کر رہا تھا اور نہ ہی غم اس کے بشرے اور حرکات و سکنات سے ظاہر تھا۔ بس ذرا فاصلے پر کھڑا وہ ماتمی رسمیں ٹکر ٹکر دیکھتا رہا۔ اس کی آمد کی توقع نہ تھی کیونکہ اس نے مالک کو موت کی دھمکی دی تھی جس کا گواہ میں تھا۔

میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ میں اس کے خلاف کون سا اقدام کروں۔ بس اس کے خلاف ثبوت میں ایک بے ڈھنگا اور بے ہنگم رقص تھا جسے اس کے ساتھیوں نے موت کے رقص سے تعبیر کیا تھا اور جو گزشتہ شام عمل میں آیا تھا۔ کوئی بھی ذی ہوش یورپین اس رقص کو موت کا سبب قرار نہیں دے سکتا تھا۔ چنانچہ یہ سوچ کر میں بھی چپ ہو رہا کہ امٹونگا کا رقص موت اور بن اسحاق کی موت محض اتفاقات کا نتیجہ ہیں۔ لہٰذا اس جادوگر ڈاکٹر کو موردِ الزام ٹھہرایا نہیں جا سکتا۔ بہتر ہے کہ اس موضوع کو چھیڑ کر کوئی تلخی اور بدمزگی پیدا نہ کی جائے۔

جب ماتمی رسوم اختتام کو پہنچیں اور بن اسحاق کو ہم سپرد خاک کر چکے تو امٹونگا جو مجھ سے خاصے فاصلے پر کھڑا ہوا تھا وہ میرے قریب آ کر سرگوشی میں آہستگی سے کہنے لگا۔

”تم اپنے مالک کے افریقی ملازموں کو موت کے گھاٹ کیوں نہیں اتارتے۔؟“

”وہ کس لیے۔؟“ میں نے اس کی طرف متعجب نظروں سے دیکھا۔ ”ان بے چاروں کا کیا قصور۔؟ ان لوگوں نے تھوڑی اسے مارا ہے جو انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے؟“

”اس لیے کہ ان کی روحیں اگلے جہاں میں اپنے آقا کی خدمت کرتی رہیں۔“ اس نے قدرے سفاک لہجے میں کہا۔

”ایک گھر میں ایک بار محض ایک موت کافی ہے۔“ میں نے قدرے تلخ لہجے میں جواب

دیا۔

میرے اس جواب سے اس نے مایوسانہ انداز میں سر ہلایا۔ "تم اپنے آقا کی روح کو اس طرح ناراض کرو گے۔"

"تمہیں اس معاملے میں دخل اور رائے دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔" میں اس پر بگڑ سا گیا۔ "بہتر ہے تم بکواس بند کرو۔"

پھر اس نے بڑی ناگواری سے سپاٹ سے لہجے میں کہا۔

"مجھے میرا عصا چاہیے جو میں گزشتہ روز تمہارے مالک کے کمرے میں بھول گیا ہوں۔"

مجھے معلوم تھا کہ افعی نما عصا ہر وقت وہ اپنے ہاتھ میں تھامے رہتا ہے۔ ایک لمحے کے لیے اپنے سے جدا نہیں کرتا ہے۔ شاید وہ غصے کی حالت میں نکلنے کے باعث وہیں چھوڑ آیا تھا۔

میں اسے ساتھ لے کر دفتر کے کمرے میں آیا۔ عصا فرش پر پڑا تھا۔ اگر کوئی اجنبی اس عصا کو پہلی نظر دیکھ لے تو اسے بھی ایسا محسوس ہو کہ پارنٹ طویل کوئی سیاہ فام افعی لہرا رہا ہے۔ وہ پھر شاید اس کے قریب بھی نہ پھٹکے۔

پھر میں نے بڑی نفرت' حقارت اور کراہت کے ساتھ عصا اٹھا کر کوئی لفظ ادا کیے بغیر اس منحوس کے حوالے کر دیا۔ ایک لمحے کے لیے میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ یہ عصا اس کی کھوپڑی پر دے ماروں۔

دس دن تک اس منحوس امٹونگا کی شکل دکھائی نہ دی اور میں روز سوچتا تھا کہ وہ ذلیل اور منحوس نہ آئے تو اچھا ہے۔ میری دل جوئی پر ربیکا نے رونا دھونا موقوف کر کے اب اپنے متوفی شوہر کے کاروبار میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔ میری ذات سے اس کے دل کو بڑی ڈھارس اور ہمت بندھی تھی۔ میں اس کی دل جوئی نہ کرتا' اس کا غم نہ بانٹتا تو اس میں ہمت نہ پیدا ہوتی۔

میرے خیال میں بن اسحاق نے اپنی زندگی میں اپنے کاروبار کے متعلق اور اس کے اسرار و رموز کے بارے میں یقیناً بتایا ہو گا۔ چنانچہ وہ نہایت کامیابی سے اپنے خاوند کے چھوڑے ہوئے کاروبار کو چلا رہی تھی۔ وہ اس امر پر بھی رضامند ہو گئی تھی کہ میں بدستور منیجر کے فرائض انجام دیتا رہوں۔ اسے میرے ہر قسم کے تعاون اور مدد کی اشد ضرورت تھی۔

کاروباری امور ایسے تھے کہ اس کی معیت میں وقت گزارتا۔ وہ بھی میرا ہر طرح سے خیال رکھتی۔ پہلے اس کے ساتھ دوپہر اور رات کا کھانا ہوتا تھا لیکن اب ہم دونوں ناشتے کی میز پر ہوتے تھے۔ اسحاق کی زندگی تک وہ صبح کا ناشتہ میرے کمرے میں لا کر دے جاتی تھی۔ وہ کھانا بہت اچھا پکاتی تھی۔ اس کے اور اسحاق کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ شوہر کی موت کے بعد جوان آشنا سے تعلقات میں بے پناہ شدت آ گئی تھی' کیونکہ اب نہ تو اسے پکڑے جانے کا احتمال تھا اور نہ ہی کسی بات کا خوف و خدشہ۔ نہایت آزادی سے اور سکون و اطمینان سے ان کی راتیں گزرتی تھیں۔ اس نوجوان سے اس کی محبت اور جذبات ایسے تھے کہ اس کی شدت سے انکار نہیں جا سکتا تھا۔ اسے اس بات کا حق تھا کہ اپنے شوہر کے ہرجائی پن کا بدلہ جاری رکھے۔

اب ہمارے سامنے امٹونگا کے قرض کا مسئلہ درپیش تھا۔ میں نے خیال ظاہر کیا کہ امٹونگا نہ صرف بے حد خطرناک بلکہ کمینی خصلت کا انسان ہے۔ وہ بھروسے کے قابل نہیں ہے۔ اس کی فطرت ایک ناگ کی طرح ہے۔ اس سے ذرا بھی تعرض کرنا نہیں کرنا چاہیے۔ ہوشیار' محتاط اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے اور پھر وہ قرضے کے عوض جو چیزیں بھی دے دے اسے قبول کر لینا چاہیے۔

میری نئی مالکہ کا ایک نیا روپ سامنے آیا تھا۔ وہ جتنی حسین اور پرشباب تھی اتنی ہی نرم خو بھی۔ ابھی اس کی عمر بائیس برس کی تھی۔ اس نے شوہر کی بے راہ روی کو برداشت کیا اور انجان بن رہی تھی۔ اس نے میری یہ بات سن کر آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

"تمہارا اس سے مطلب۔؟" اس نے میرے شوہر سے قرض لیا تھا۔ میں اس خبیث اور ذلیل بڈھے سے ایک ایک پائی وصول کروں گی۔ آخر اس نے ہمیں کیا سمجھ رکھا ہے۔ میرا شوہر ایک تیر سے دو شکار کرتا تھا۔ اس سے نہ صرف سود وصول کرتا تھا بلکہ کنواری لڑکیوں اور عورتوں سے جو نیلام اور اس سے سود حاصل کرنے کے لیے ہوتی تھیں' فائدہ بھی اٹھاتا تھا۔ اسے اس بات کی خبر نہیں ہوتی تھی۔ میرا شوہر ایک طرح سے اچھا ہی کرتا تھا۔ خیر۔ اب وہ مر گیا۔ اب کام کی بات کرو۔ آج ہی اس بڈھے کو یہ پیغام بھیجو کہ وہ جب یہاں آئے تو تم اس سے اصل رقم اور سود سختی سے وصول کرنے کی کوشش کرو۔ اور اس کے ساتھ کسی قسم کی رعایت اور نرمی نہ کرنا۔ وہ تمہیں قرض اور سود معاف کروانے کے لیے کسی کنواری لڑکی کا چارہ ڈالے گا' کیوں کہ کنواری لڑکیاں مرد کی بہت بڑی کمزوری ہوتی ہیں۔ مجھے اس بات سے بڑی خوشی

ہوتی تھی کہ کنواری لڑکیاں اور قرض خواہوں کی بیویاں تمہاری نگرانی میں ہوتی تھیں لیکن تم نے انہیں چھوا تک نہیں۔ اس لیے میرے دل میں تمہاری بڑی عزت اور قدر ہے۔ میں اس لیے تم پر اندھا اعتماد کرتی ہوں۔"

میں اس کی اس بات سے دل میں بہت مسرور ہوا کہ میرے کرتوت اس کے علم میں نہیں ہیں۔ دوسری بات یہ تھی کہ میں اپنی اس نئی مالکہ کا تنخواہ دار ملازم تھا۔ اس کے ہر حکم کی بلا چون و چرا تعمیل کرنا میرا فرض تھا۔ میں اس کی ہر بات مانتا اور انکار نہ کرتا تھا۔ چنانچہ اگلے روز ہی میں نے ایک افریقی خادم کے ہاتھ امٹونگا کو بلا بھیجا۔ دوسرے دن وہ اپنی منحوس اور خباثت سے بھری صورت لیے آ موجود ہوا۔

اس کے ساتھ جو درجن بھر ساتھی آئے تھے۔ وہ حسب معمول کرال سے باہر ہی رہے۔ میں نے بن اسحاق کے دفتر میں دل پر جبر کر کے اسے بڑی خوش اخلاقی سے خوش آمدید کہا۔ لیکن میرا دل یہ چاہتا تھا کہ یہ شیطان مردود جس قدر جلد ہو سکے نظروں کے سامنے سے دفع ہو جائے۔ اس کی موجودگی بڑی اذیت ناک تھی۔

میں اپنے متوفی مالک کی اس کرسی پر دراز تھا جس پر وہ جاں بحق ہوا تھا۔ میں فوراً ہی اپنے مطلب پر آ گیا۔

وہ کچھ لمحات میرے سامنے کوئی لفظ ادا کیے بغیر خاموشی سے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بیٹھا رہا۔ پھر اس کا منہ ایک خشک اخروٹ کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ آخر اس نے اپنے پوپلے منہ کو حرکت دیتے ہوئے کہا۔

"میں تمہاری بہادری اور جرأت کی تعریف کرتا ہوں۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تمہاری زندگی میں اب تک کوئی عورت آئی؟"

"نہیں۔" میں نے صاف جھوٹ کہا۔ "مجھے اتنی فرصت کہاں اور نہ مال ہے جو میں عورت سے دل بہلاؤں۔"

"جوانی چند روزہ ہوتی ہے۔ یعنی چار دن کی چاندنی۔ تم اتنے خوب صورت اور وجیہہ ہو کہ جو لڑکی اور عورت تمہیں دیکھتی ہے اس کا سینہ دھک سے رہ جاتا ہوگا۔ ہر عورت اور لڑکی تم جیسے دراز قد مردوں پر مرتی ہیں۔ اگر تم زندگی سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہو تو ایک ہفتہ کے لیے کنواری لڑکی اور ایک ہفتہ کے لیے شادی شدہ عورت پیش کر سکتا ہوں۔ ویسے کنواری لڑکی کے مقابلے میں شادی شدہ اور بچوں والی عورت بہتر رہے گی۔"

میرے دل میں ایک وہم سا پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ شیطان اس لیے تو چارہ نہیں ڈال رہا ہے کہ میرا بھی وہی حشر نہ کرے جو مالک کا ہو چکا ہے۔ اس کا کوئی بھروسا نہیں تھا۔ وہ مجھے پھانسنے کے لیے جال پھیلا رہا تھا۔ چنانچہ میں نے فوراً ہی کہا۔

"یہ عورتوں اور کنواری لڑکیوں کا چارہ نہ ڈالو۔ بزنس کی بات کرو۔ مجھے عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"کیا تم یہ بات بھول رہے ہو کہ تمہارا مالک کس دردانگیز حشر سے دوچار ہوا؟"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو۔؟" میں نے ترش روئی سے کہا۔ "کیا تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟"

"میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ تمہاری روح کو بھی عالم بالا کی طرف روانہ کروں تا کہ اپنے مالک کی خدمت کر سکو۔"

اس کم بخت کی دھمکی میں کچھ ایسا خوف پنہاں تھا کہ میرا رواں رواں کانپ اٹھا۔ میری پیشانی عرق آلود ہو گئی۔

اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی شیطانیت' وحشیانہ انداز سے رقصاں تھی۔ میں نے اسے صاف لفظوں میں بتایا کہ:

"مجھے میرے مالک کا قرض ہر صورت میں واپس چاہیے۔ خواہ یہ ادائیگی ڈالر یا برٹش پونڈ کی صورت میں یا پھر کسی جنس کی صورت میں ہمیں قبول ہو گی۔"

"تم اب بھی امٹونگا سے بزنس کی بات کرتے ہو۔ اب بزنس کو بھول جاؤ۔ تمہیں شاید یہ بات معلوم نہیں کہ میرے پاس وہ مخفی طاقتیں موجود ہیں جو تمہیں تمہارے مالک کی طرح چشم زدن میں ہلاک کر سکتی ہیں۔"

یہ قرض میرا تو تھا نہیں جو میں اسے معاف کر دیتا۔ چنانچہ میں نے اسے وہ جواب دیا جو بن اسحاق دے چکا تھا۔ میں نے اسے اپنے مالک کی بندوق دکھاتے ہوئے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

"اگر تم نے مجھ سے کسی قسم کا دھوکا یا فراڈ کیا تو اس کی گولیاں تمہارے سینے کے آر پار ہو جائیں گی' سوچ لو۔"

اس ملعون نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس پر میری دھمکی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ البتہ اپنے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ لیے وہاں سے رخصت ہو گیا۔

کرال کے باہر جو اس کے ساتھی موجود تھے۔ انہوں نے اسے پھر دو مرغ دیئے۔ ایک سیاہ اور دوسرا سفید براق تھا۔ ایک بار پھر موت کا رقص دہرایا گیا جس کا نظارہ میں بن اسحاق کی موت سے قبل کر چکا تھا۔ جب وہ پاپی بے دم ہو کر زمین پر گر پڑا تو اس کے ساتھی اسے اٹھا کر اپنے پڑاؤ کی جانب چل دیئے۔ اس خبیث کے جانے کے بعد ایسا لگا جیسے نحوست دور ہو گئی ہو۔

دریں اثنا چار سو رات کا گپ اندھیرا چھا چکا تھا۔ میرے دل و دماغ پر ایک عجیب سا اضطراب چھایا ہوا تھا۔ سینے میں وحشت کسی زہریلے سانپ کی طرح کنڈلی مار کر بیٹھ گئی تھی۔ یہودی اسحاق کا مردہ سیاہ اور خوف ناک چہرہ مجھے تاریکی میں اپنی روح کی گہرائیوں تک جھانکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور میرے کانوں میں اس کی سرگوشیاں سی محسوس ہو رہی تھیں۔

میں نے حسب معمول ربیکا کے ہمراہ رات کا کھانا کھایا۔ ایک بوجھل اور سوگوار ماحول میں بھوک تو کسی کو نہ تھی۔ البتہ چند لقمے زہر مار کیے تاکہ روح اور جسم کا رشتہ استوار رہے۔ حسب معمول ربیکا نے برتن سمیٹے اور باورچی خانے میں جا کر دھوئے۔ پھر کافی کے لیے کیتلی میں پانی چڑھا کر لباس تبدیل کرنے گئی۔ پھر شب خوابی کے لباس میں آ گئی۔ پھر گرم گرم کافی بنا کر میرے سامنے میز پر بیٹھ گئی۔ ویسے وہ بے حد پریشان اور خوف زدہ سی تھی۔ اس جادوگر ڈاکٹر سے۔ کافی ختم کرنے کے بعد میں اسے بیڈروم میں لے گیا۔ اسے دلاسا دیتا رہا کہ کچھ نہ ہوگا۔ اسے نارمل کرنے میں مجھے ایک گھنٹہ لگ گیا۔ اب چونکہ مجھے نیند دو بجے سے پہلے نہیں آ سکتی تھی اس لیے میں دفتر آ گیا تاکہ ادھورا کام نمٹا دوں۔ مجھے یوں گمان ہوتا تھا کہ اگر میری آنکھ لگ گئی تو میری جان کی بھی خیر نہ ہوگی۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے اس رات شب بھر جاگنے کا قصد کر لیا تھا۔ میں صبح تک نیند سے زور آزمائی کر سکتا تھا۔

مجھے ایک شبہ تھا کہ جادوگر کے کسی حواری نے میرے مالک کے کمرے میں قدم رکھا تھا۔ میں نے اسحاق کی لاش کا بھی بغور مشاہدہ کیا تھا۔ اس پر نہ تو تشدد کے نشانات تھے اور نہ ہی ایذا رسانی کی گئی تھی۔ یہ امر شک و شبہ سے بالاتر تھا کہ اس کی موت کسی خوف کے زیر اثر واقع ہوئی تھی۔ یہ وہ خیالات تھے جو بارہا میرے ذہن میں آتے رہے تھے۔ لیکن اب جو نیا شبہ میرے دل کے کسی کونے میں پیدا ہوا تھا وہ یہ تھا کہ اسے زہر خورانی سے ہلاک کیا گیا۔ اس شبہ کے پیدا ہوتے ہی میں بار بار کمرے کے کونے کھدروں کا مشاہدہ کرتا رہا لیکن وہاں کسی کے چھپنے کا امکان نہ تھا۔ میں نے کھڑکیوں اور دروازوں کو محتاط طریقے سے بند کر دیا اور

کرسیوں کی روک دروازوں کے ساتھ لگا دی تاکہ اگر کوئی شخص کمرے میں داخل ہونا چاہے تو ان سے ٹکرائے بغیر اندر نہ آ سکے۔ اگر میری آنکھ بھی لگ جائے تو یہ آہٹ مجھے بہ خوبی ہوشیار کر سکتی تھی۔ اس کے بعد میں نے روشنی بھی گل کر دی تاکہ باہر سے کوئی دشمن مجھے نیزے یا تیر کا نشانہ نہ بنا سکے۔ ان تمام حفاظتی اقدامات سے عہدہ برا ہونے کے بعد میں آرام کرسی پر سر ٹکا کر نیم دراز ہو گیا۔ اس شب میرے اعصاب پر کیا گزری میرے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جن کے ذریعے میں اس اذیت ناک کرب کا اظہار کر سکوں جو اس رات مجھ پر گزرا تھا۔ میں جیسے کسی تنور میں جلتا رہا تھا۔

گہری تاریکی میں خیالی پیکر اس طرح بھوتوں کا روپ دھار کر چشم انسان کے روبرو ناچتے ہیں' اس کا اندازہ صرف وہی انسان کر سکتا ہے جسے ایسے پرہول اور وحشت ناک ماحول سے واسطہ پڑا ہو۔ باہر کہیں اگر پتا بھی کھڑکتا یا ہوا جھاڑیوں سے سرسراتی ہوئی گزرتی تو مجھے یوں لگتا جیسے اپنی نقل و حرکت میں ہے۔ کئی بار جی چاہا کہ میں ان خیالی انسانوں پر پستول سے فائر کر دوں یا پھر ربیکا کے پاس چلا جاؤں۔ اس کی معیت میں مجھے زہریلے ناگوں کی طرح پھنکارتے وسوسوں اور اندیشوں سے نجات ملے' لیکن میں دل کڑا کر کے بیٹھا رہا' بے مقصد ہی میں یہ بات جانتا تھا کہ ربیکا جاگ رہی ہوگی۔ وہ جلدی سوتی بھی نہ تھی۔

گیارہ بجے کے لگ بھگ پردہ مغرب سے چاند نمودار ہوا اور پھر آہستہ آہستہ چاندنی کی پرسکون دیوی نے عالم گیتی پر اپنی چادر پھیلانا شروع کی۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ چاندنی کے ساتھ میرے منتشر اعصاب کو قدرے آرام پہنچا ہوگا۔؟ نہیں۔ نہیں۔ چاندنی نے میرے معاملے کو مزید بگاڑ دیا۔ افریقہ کے ہزاروں میل پر پھیلے ہوئے پرخطر جنگلات میں چاندنی شہروں کی مختلف روایات کی حامل ہوتی ہے۔ وہاں چاند کے نمودار ہوتے ہی بدروحیں' چڑیلیں اور جن بھوت عالم ارواح سے اتر کر انسانوں کو اپنا شکار بناتے ہیں۔ خصوصاً خون آشام چمگادڑیں چاندنی ہی میں انسانوں کی تلاش میں نکلتی ہیں۔

جیسے جیسے آسمان پر چاند بڑھتا گیا' جیسے وہ بڑھتا جا رہا تھا ویسے ویسے میرے خوف میں اضافہ بھی ہوتا جا رہا تھا۔ کمرے کی کھڑکیوں کی آہنی سلاخوں کا سایہ فرش پر پڑ رہا تھا۔ میں نے سائے میں سلاخوں کو گننا شروع کیا۔ ایک بار۔ دو بار۔ پھر میں نے کئی بار گنا۔ شاید کوئی مقناطیسی طاقت مجھ پر غیر محسوس انداز سے حاوی ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے اپنے بدن کو ایک زوردار جھٹکا دیا۔ اور ایک دم سے ہوشیار اور چوکنا ہو کر اپنے دائیں بائیں کا جائزہ لیا۔

کمرے کا طواف کرتے ہوئے میری نظریں میز کے قریب آ کر ٹک گئیں بلکہ ایک طرح سے منجمد ہو گئی تھیں۔

میری چھٹی حس نے مجھے خبردار کیا کہ اس میز کے نزدیک کچھ گڑ بڑ ہے۔ میرے تمام قویٰ اب پوری طرح سرگرم عمل تھے۔ یہ کیا گڑ بڑ تھی۔ مجھے اس کا اندازہ تو نہ ہو سکا۔ البتہ میں اتنا ضرور جان گیا تھا کہ ایک شے جو کچھ دیر قبل وہاں موجود تھی' اب وہاں ندارد تھی۔

چند لمحے گزر جانے کے بعد جب مجھے اس شے کا خیال آیا تو میری ہتھیلیوں پر پھر پسینہ آ گیا۔

امٹونگا اپنا انجی نما عصا آج پھر دفتر میں بھول گیا تھا یا چھوڑ گیا تھا۔ جب میں دفتر کی تلاشی لے رہا تھا تو یہ عصا فرش پر پڑا تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر میز کے ساتھ کھڑا کر دیا تھا تاکہ اندھیرے میں اس کے ساتھ ٹھوکر نہ لگے۔ گزشتہ تین گھنٹوں کے دوران جب میں آرام کرسی پر نیم دراز کن انکھیوں سے دفتر کے کونوں کا جائزہ لے رہا تھا تو یہ عصا میری نظر میں آ جاتا تھا لیکن اب جو میں نے دیکھا تو عصا وہاں سے گدھے کے سینگ کی طرح غائب تھا۔ یہ عجیب اور ناقابل یقین سی بات تھی۔

اپنے مقام سے یہ عصا فرش پر گرا بھی نہیں تھا کیونکہ اس کے گرنے کی آہٹ ضرور سنائی دیتی۔ عین اس وقت ایک نہایت خوف ناک اور اذیت ناک خیال میرے شعور میں ابھرا۔ وہ انجی نما عصا۔ کیا واقعی عصا ہی تھا؟

اور پھر اگلے لمحے وہ شے مجھے نظر آ گئی۔ وہ شے چاندنی میں فرش پر پڑی ہوئی صاف نظر آ رہی تھی۔ اس کے آٹھ دس بل بھی ظاہر تھے۔ جیسا کہ میں عموماً روز روشنی میں دیکھا کرتا تھا۔ ممکن ہے یہ شے فرش پر ہی رہ گئی ہو اور مجھے مغالطہ ہی ہوا ہو کہ میں نے اسے میز کے سہارے کھڑا کیا تھا۔ لیکن...... لیکن۔ اس طرح میں خود کو احمق بنا رہا تھا۔ کیونکہ وہ شے اب آہستہ آہستہ حرکت کر رہی تھی۔ کسی جاندار شے کی مانند۔

میرا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ اوپر کا سانس اوپر۔ نیچے کا نیچے رہ گیا۔ میری آنکھوں میں تاریکی سی چھانے لگی۔ میرے حواس مختل ہو گئے تھے۔ میں اس شے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ مجھے اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا تھا۔ کیونکہ وہ شے اب سیدھی ہو رہی تھی۔ کھڑکیوں کی آہنی سلاخوں کے سائے بھی اب لہرانے شروع ہو گئے تھے۔ میری نظریں کسی سراب کا شکار ہو گئی تھیں۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں' کیونکہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔

جب میں نے دوبارہ آنکھیں کھولیں تو وہ سانپ اپنا پھن اوپر اٹھا چکا تھا۔ اپنی زرد آنکھوں سے گھورے جا رہا تھا اور اپنی پتلی باریک زبان بار بار اندر باہر کئے جا رہا تھا۔

موت کے تصور سے میرا چہرہ پسینے سے تر ہو گیا اور جسم پر پسینہ کسی چشمے کی طرح پھوٹ پڑا۔ جسم سے سارا خون جیسے نچوڑ لیا گیا تھا۔ مجھ میں اتنی سکت تک نہ تھی کہ جنبش کر سکوں' پتھر کا ہو گیا تھا کہ میرے یہودی مالک اسحاق کی موت کا باعث کیا تھا؟

یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ مرنے کے بعد اس کا چہرہ سیاہ اور بھیانک کیوں ہو گیا تھا۔

امٹونگا کا عصا حقیقتاً چھڑی نہیں بلکہ افریقہ کا ایک خطرناک ترین زہریلا سانپ تھا۔

اس کا عمل مانند صاعقہ اس طرح ہوتا تھا کہ وہ پوری رفتار سے دوڑتے ہوئے گھوڑ سوار کے چہرے پر اڑ کر حملہ کر سکتا تھا اور اس کا کاٹا چشم زدن میں راہی عدم ہو جاتا تھا۔ اس وقت میرا واسطہ اس زہریلے سانپ سے تھا۔

میرا ریوالور میرے ہاتھ میں تھا جو میں نے انجانا خطرہ محسوس کر کے میز کی دراز سے نکال لیا تھا لیکن ایک سانپ کے مقابلے میں اسے استعمال کرنا حماقت تھی۔ اس امر کا ایک فیصد بھی امکان نہ تھا کہ ریوالور سانپ کی گردن کا نشانہ لے سکے گا۔

البتہ ایک شارٹ گن سانپ کو اڑانے کے لیے موزوں ترین ہتھیار ہو سکتی ہے اور اسحاق نے اپنے دفتر میں کبھی شارٹ گن نہیں رکھی۔ کیونکہ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ ریوالور صرف اس لیے تھا کہ مقروضوں کو دہشت زدہ کر کے اپنی بات منوا سکے اور حفظ ماتقدم کے لیے تھا۔ اسے کبھی استعمال کی نوبت پیش نہیں آئی تھی۔ میں نے اپنی بے وقوفی سے خود کو مقید کر لیا تھا۔

موذی سانپ اب اپنی دم تک کھڑا ہو کر دوشاخہ زبان بار بار باہر نکال رہا تھا۔ اس کا یہ عمل کچھ دیر سے جاری تھا۔ اس کی سسکاریاں بالکل صاف سنائی دے رہی تھیں۔ امٹونگا کے عظیم ساحر ہونے کا ثبوت میرے سامنے موجود تھا۔ اپنی غیر معمولی ساحرانہ قوتوں کے ذریعے اس نے اپنے عصا کو ایک زہریلے سانپ کی شکل میں زندہ کر دیا تھا جو اب میری جان لینے کے درپے تھا۔

میں بے بس اور لاچاری کے عالم میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بیٹھا رہا۔ بے چارہ اسحاق بھی اس عالم میں لقمہ اجل ہوا ہو گا۔ یہ دنیا کس قدر ہیچ اور بے وفا ہے۔ مجھے رہ رہ کر یہ خیال آ رہا تھا کہ موت مجھ پر سایہ فگن ہوتی جا رہی ہے۔ میرا ذہن ماؤف ہو چکا

تھا۔ اس کیفیت میں سوچنے سمجھنے کا حواس کہاں رہتا ہے' کیونکہ دماغ پوری طرح معطل ہو جاتا ہے۔

یہ محض ایک اتفاق ہی تھا جو میری جان بچانے کا ذریعہ ہوا۔ یہ اتفاق نہ ہوتا تو آپ کے سامنے موجود نہ ہوتا۔

جب وہ زہریلا دشمن مجھ پر حملہ آور ہونے کے لیے جست لگانے والا تھا تو میں بلا تاخیر اپنی جگہ سے اٹھا اور میز پر سے کتاب اٹھا کر سانپ کی جانب پھینکی۔ اُنھی میری طرف آنے کے بجائے بجلی کی طرح کتاب پر حملہ آور ہوا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب میں نے ردی کی ٹوکری سانپ کی طرف اچھال دی۔ موذی کا سر اس ٹوکری میں اس طرح پھنسا کہ وہ غیظ و غضب کے ساتھ بل کھانے کے باوجود اس میں سے اپنا سر نہ نکال سکا۔ اس کی سسکاریاں ٹوکری کے اندر گونج رہی تھیں۔ میں نے بہ عجلت الماری سے حساب کتاب کے ضخیم رجسٹر اٹھا اٹھا کر سانپ کی دم پر رکھ دیئے۔ جہاں تک اس کی جدوجہد کا تعلق تھا وہ اب ختم ہو گئی تھی۔ میں نے ریوالور کا گھوڑا چڑھایا اور اس پر فائر کرنے کا ارادہ کیا۔ یہی وہ وقت تھا جب کالا جادو ان واقعات میں دخل انداز ہوتا ہے۔

مجھے یوں محسوس ہوا کہ گویا چاندنی تاریکی میں تیزی سے بدلتی جا رہی ہے۔

کمرے کا منظر میری نظروں سے اوجھل ہونے لگا۔ سامنے میری آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو گیا۔ کمرے کے در و دیوار پرے ہٹنے لگے۔ میری نتھنوں میں ایک مانوس' سوندھی سوندھی' بھینی بھینی سی خوشبو گھسنے لگی۔ یہ وہ خوشبو تھی جو افریقی کنواری اور شادی شدہ لڑکیوں اور عورتوں کے بدن سے پھوٹتی تھی۔ جوان عورت کے بدن کی خوشبو جس نے مجھے معطر کیا اور میرے جذبات کو بھڑکایا تھا۔ ہر عورت اپنے اندر ایک خوشبو رکھتی ہے' چاہے وہ کالی ہو یا گوری ہو۔ لیکن ان یورپی عورتوں کے جسموں میں خوشبو نہیں ایک عجیب سی بساند ہوتی تھی جو سور کا گوشت کثرت سے کھاتی اور شراب نوشی کرتی ہیں۔

پھر میں نے دیکھا کہ میں امٹونگا کی جھونپڑی میں موجود ہوں' سانپ کے بجائے امٹونگا کا جسم فرش پر پڑا تھا۔ امٹونگا تنویمی عمل کے اثرات سے بالکل بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اس کا سر ایک جوان افریقی عورت کی عریاں رانوں پر جو شاید اس کی بیوی تھی' پڑا تھا۔ غیر شعوری طور پر میں نے اپنا ہاتھ جادوگر سے ملانے کے لیے آگے بڑھایا۔ میرے روبرو کچھ بھی نہ تھا لیکن آپ صاحبان بخوبی میرے احساسات کا اندازہ لگا سکتے ہیں جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ میرا

بایاں ہاتھ واقعی ایک چیز سے ٹکرایا۔ پہلے تو یہ خیال آیا کہ شاید جادوگر کی بیوی کی عریاں رانیں ہیں۔ لیکن اس کا لمس سرد اور سخت تھا۔ وہ چیز کیا تھی۔؟ ردی کی جستی ٹوکری جس میں زہریلے اُنھی کا سر باہر نکلنے کے لیے بری طرح مچل رہا تھا۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ ایک الیکٹرک شاک تھا جس کے ایک ہی جھٹکے نے میرے جسم کے انگ انگ کو دہلا کر رکھ دیا تھا۔ اپنی تمام تر قوت ارادی مجتمع کر کے میں نے اپنے ہاتھ کو تیزی سے پیچھے ہٹا لیا۔ اپنی اس ناکامی پر جادوگر بے ہوشی کے عالم میں کانپ کر رہ گیا تھا۔ جستی ٹوکری سے سانپ کے ٹکرانے کی آواز مجھے صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ اندر بار بار پھن مار رہا تھا۔ خوف اور دہشت کے مارے میرا برا حال تھا۔ دانت بج رہے تھے' میں نے اپنی زندگی میں ایسی دہشت اور خوف کی کیفیت محسوس نہیں کی تھی۔

پھر پورے ماحول پر خنکی چھانے لگی تھی۔ اور یہ خنکی یخ بستگی کی حالت کو پہنچ گئی۔ حالاں کہ موسم باہر کافی گرم تھا۔ لیکن میرے اندر سردی تھی جس سے رواں رواں کانپ رہا تھا۔ اگر مجھ میں قوت ارادی کا فقدان ہوتا تو شاید میں اس بے پناہ سردی کے باعث ٹوکری پر جا گرتا۔ میں نے بہ دقت اپنا توازن برقرار رکھا تھا۔

میں نے دائیں ہاتھ میں دیوار کو سنبھالا۔ اگرچہ سانپ میری نظروں سے اوجھل تھا لیکن بے ہوش امٹونگا تو میرے سامنے موجود تھا۔ پھر میں نے جادوگر ہی کو ریوالور سے نشانہ بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ میں ریوالور کا گھوڑا دبانے والا ہی تھا کہ ایک عجیب و غریب صورت حال سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ امٹونگا نے مجھ سے سلسلہ کلام شروع کر دیا تھا۔ امٹونگا اگرچہ بے ہوش تھا لیکن اس کی روح میری روح سے ہم کلام تھی۔ میں اس کے الفاظ اس طرح سن رہا تھا جس طرح آپ لوگ میری داستان سن رہے ہیں۔ اسے بولنے میں کچھ تکلیف سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے گلے میں شاید کوئی پھانس تھی۔ لیکن مجھ پر اس حقیقت کا انکشاف ہو گیا تھا کہ زہریلے سانپ اور امٹونگا کی شخصیت دراصل ایک ہی روپ کی دو مختلف شکلیں تھیں۔ جادوگر جب چاہے سانپ کا روپ دھار سکتا تھا۔ اگر میں سانپ کو ہلاک کر دوں تو امٹونگا خود بہ خود ہلاک ہو جائے گا۔ کہتے ہیں کہ جب انسان مرنے کے قریب ہوتا ہے تو فلم کے مناظر کی مانند اس کی گزشتہ زندگی اس کے سامنے متحرک ہو جاتی ہے۔ اس وقت وہی میرا حال ہوا تھا۔ گزشتہ تیرہ برسوں کے دوران میں نے جہاں جہاں صحرا نوردی کی' فاقے کیے۔ فٹ پاتھ پر سویا۔ مجھے ایک سیاہ اور سفید فام عورت نے اس طرح خریدا اور کھلونا بنایا جیسے میں کوئی طوائف تھا۔

اور پھر کرال میں درجنوں کنواری لڑکیوں اور بیس برس کی عمر کی شادی شدہ عورتوں اور ایک گوری چمڑی کی عورت سے تعلقات استوار کیے۔ میری زندگی کے کتاب کے اوراق کی مانند میرے سامنے سے گزرے۔

اس کے علاوہ میں نے اس عالم میں اور بھی بہت کچھ دیکھا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ جوہانسبرگ کے ایک آراستہ و پیراستہ دفتر میں عمدہ لباس زیب تن کئے بیٹھا ہوں۔ پھر میں نے یہ مکان بھی دیکھا جس میں ہم لوگ موجود ہیں۔ حالانکہ اس سے پہلے مجھے زندگی بھر اس کا خیال بھی نہ آیا تھا۔ میں نے اور بھی خوش آئندہ انجانے رنگین اور حسین مناظر دیکھے جس میں میں راسپوٹین بنا ہوا ہوں۔

امٹونگا مجھ سے کہہ رہا تھا۔ "اگر تم اس لمحے میری جان بخشی کر دو تو تمہاری آئندہ زندگی میں یہ سب کچھ تمہارا ہوگا جو تم نے دیکھا ہے۔"

پھر امٹونگا کی جھونپڑی کا منظر میری آنکھوں کے سامنے سے ہٹتا چلا گیا۔ ایک چاندنی لہر میرے سامنے موجود تھی اور موذی سانپ بدستور زندگی کے لیے مچل رہا تھا۔ میرا بدن سرتاپا عرق آلود ہو رہا تھا۔ میں نے ریوالور کو جیب میں ڈالا' دروازے کا قفل کھولا اور پھر باہر نکل گیا اور پھر دروازہ مقفل کر دیا۔ پہلے تو سوچا کہ ربیکا کو سارے واقعات بتاؤں۔ اس کے کمرے میں پہنچا' وہ بستر پر مدہوشی کی نیند سو رہی تھی لیکن اس کا حسن و شباب جاگ اور شب خوابی کے لباس سے جھانک رہا تھا۔ اس کی نیند سے ایسا لگتا تھا کہ وہ تھکی ماندی ہے۔ اس کا جوڑ جوڑ درد کر رہا ہو اور اس کا آشنا اسے بے حال کر گیا ہو۔ اسے اس عالم میں چھوڑ کر میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ نیند تو مجھے کیا خاک آتی۔ شب بھر پہلو بدلتا رہا۔ ایک طرف ربیکا کے حسن کی حشر سامانیاں اور دوسری طرف جو واقعات پیش آئے تھے' وہ سونے نہیں دے رہے تھے۔ میں نے کئی بار اپنے آپ کو ربیکا کے کمرے میں جانے سے روکا' ورنہ طوفان آ جاتا۔ جب آنکھ کھلی تو دن خاصا نکل آیا تھا۔ گزشتہ شب کے واقعات میرے ذہن میں تازہ تھے' مجھے یقین ہو چکا تھا کہ میں نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا۔ میں نے وہ شاٹ گن ایک صندوق سے نکالی جو اسحاق نے کسی شکاری سے کوڑیوں کے مول خرید کر ایسے ہی رکھ چھوڑی تھی۔ اس کے استعمال کی نوبت نہیں آئی تھی۔ میں نے اسے لوڈ کیا اور دھڑکتے دل کے ساتھ اسحاق کے دفتر کو کھولا۔ سانپ اپنی جگہ موجود تھا۔ لیکن کس حالت میں۔؟ اس کے بل ختم ہو چکے تھے۔ اس میں حرکت قطعی موجود نہ تھی۔ ایک سیدھا سادا سا عصا فرش پر پڑا تھا۔ میں نے اسے رائفل کی

نال سے چھوا لیکن اس میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ وہ محض لکڑی کا ایک بے ضرر سا عصا تھا جس کا سر بدستور جستی ٹوکری سے دبا ہوا تھا جس میں رمق بھر زندگی نہ تھی۔ لیکن میں یہ بات خوب سمجھتا تھا کہ روح اس سے عارضی طور پر جدا ہوئی ہے۔ میں نے اسے فرش پر ہی رہنے دیا۔ میں اس سے چھیڑ چھاڑ کر کے کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔

امٹونگا اپنے مقررہ وقت پر آیا۔ اس بار اس کے چہرے پر شکست کے آثار ہویدا تھے۔ اس کی کمر بھی کچھ زیادہ ہی جھکی ہوئی نظر آئی۔ اس نے اپنے سے متعلق مختصر سی بات چیت کی کہ کیا ہم اس کا کچھ قرض معاف کر سکتے ہیں۔ حالاں کہ وہ اپنی تمام بیویاں فروخت کر کے قرض چکا سکتا تھا لیکن اس صورت میں اس کے قبیلے میں اس کی کوئی عزت باقی نہ رہتی۔ میں نے اسے بتایا کہ یہ میرا معاملہ نہیں ہے بلکہ اس کا فیصلہ ربیکا ہی کر سکتی ہے' کیونکہ وہ اپنے شوہر کی موت کے بعد تمام اندوختے کی وارث ہے۔ وہ یہ سن کر حیران سا رہ گیا' کیونکہ افریقیوں میں عورتوں کو کبھی وارث ٹھہرایا نہیں جاتا۔ وہ مجھے اسحاق کے کاروبار کا وارث سمجھے ہوئے تھا۔ جب اسے میری مجبوریوں کا علم ہوا تو وہ خاموشی سے لوٹ گیا۔ وہ ہیبت ناک عصا اس نے خود ہی کوئی لفظ کہے بغیر اٹھا لیا تھا۔

مجھے اگلے ہفتے کچھ سامان لینے کے لیے شہر جانے کا اتفاق ہوا۔ جب واپس آیا تو ربیکا بھی مر چکی تھی۔ مجھے بتایا گیا کہ میرے شہر جانے کے بعد امٹونگا پھر آیا تھا۔ اس کے اور ربیکا کے درمیان تلخ کلامی ہوئی تھی۔ چنانچہ جادوگر نے رخصت ہونے سے پہلے موت کا رقص کیا اور اگلی صبح ربیکا بستر پر مردہ پائی گئی تھی۔ اس کا چہرہ بھی سیاہ پڑ چکا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا جادوگر اپنا عصا چھوڑ گیا تھا' توقع کے مطابق مجھے یہی جواب ملا کہ جادوگر جو عصا چھوڑ گیا تھا وہ دوسرے دن خود ہی آ کر لے گیا۔

اسحاق کو بینکوں پر اعتماد نہ تھا۔ وہ اپنا اثاثہ نقدی اور سونے کی صورت میں رکھتا تھا۔ معمولی سی تلاش کے بعد مجھے اسحاق کا وہ تہ خانہ مل گیا جہاں اس کی زندگی بھر کا سرمایہ سونے اور جواہرات کی صورت میں موجود تھا۔ میں نے ایک سیاہ تاجر سے معاملات طے کرنے کے بعد وہ جائیداد بھی فروخت کر دی پھر شہر جا کر میں نے وہ تمام ہیرے جواہرات فروخت کر دیئے جس کے عوض ایک ارب پونڈ ملے۔ اب میں وہ رقم یہاں لایا ہوں تو وہ دس ارب بن گئے۔ محض اس کالے جادو کی بدولت اور میں اب ساری عمر فراغت کی زندگی بسر کروں گا۔

* * *

جونہی کیراسس نے اپنی حیرت انگیز اور سنسنی خیز داستان ختم کی تو میں نے جیکسن کی طرف دیکھا اس کی آنکھیں شعلہ بار تھیں۔ اس نے کہا:

"تم نے اپنی اس داستان میں آخر میں کسی غلط بیانی سے کام نہیں لیا؟"

"میں نے کسی قسم کی کوئی غلط بیانی نہیں کی۔ یہ بات تم کس بنا پر کہہ رہے ہو؟" کیراسس نے تکرار کی۔

"اس لیے کہ میں سوازی لینڈ گیا تھا' وہاں جو کہانی میں نے سنی وہ اور ہے۔" جیکسن کا لہجہ سفاک سا تھا۔

"وہاں تم نے کیا کہانی سنی۔؟" کیراسس نے پوچھا تو اس کی آواز میں ایک ہلکا سا ارتعاش تھا اور اس کے چہرے پر ایک زردی سی چھا گئی اور اس کی آنکھوں میں اندیشے کے سائے لہرائے۔ اس کے بشرے سے اندازہ ہوتا تھا کہ جیکسن کی اس بات سے وہ دل میں ایک انجانا سا خوف محسوس کر رہا تھا۔

"جب اسحاق تمھیں کرال میں لے گیا تو ربیکا تمہاری مردانہ وجاہت پر مر مٹی تھی۔" جیکسن کہنے لگا۔ "اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا شوہر افریقی کنواری لڑکیوں اور مقروض شادی شدہ مردوں کی بیویوں سے فائدہ اٹھاتا۔ ربیکا کے پاس کئی کئی دن نہ آتا تھا بلکہ ساتھ ایک بستر پر سوتے ہوئے اجنبی کی طرح رات گزارتا تھا اور اس کی طرف متوجہ نہ ہوتا تھا۔ ربیکا جوان عورت تھی' وہ جوانی کی آگ میں جلنے لگی تھی۔ پھر اس نے شوہر سے انتقام لینا شروع کیا۔ نوجوان سولہ سے بیس برس کے لڑکوں سے اس نے دوستی کر لی۔ جب تم آئے تو اس نے صرف تم سے تعلقات استوار کر لیے۔ صرف اس لیے کہ تم صرف جسم کے بھوکے نہ تھے بلکہ ایک عورت کی رفاقت کے بھی۔ تم اس سے محبت بھری باتیں کرتے تھے۔ وہ محبت کی بھوکی تھی۔ جس محبت کی بھوکی تھی تم نے اسے وہ محبت دی اور اس کے کانوں میں محبت کا رس ٹپکاتے تھے۔ اس وقت وہ ایک چھ برس کے بیٹے کی ماں تھی۔ اس نے اپنے بیٹے کو اپنی بہن کے پاس اس لیے بھیج دیا تھا کہ افریقی لڑکوں کے ساتھ دوستی نہ کر لے۔ اس کی بہن تل ابیب میں رہتی تھی' ربیکا ہر چھ ماہ بعد جا کر اپنے بیٹے کو دیکھ آتی تھی۔ وہ تمہاری محبت میں ایسی کھوئی تھی کہ وہ سب کچھ بھول گئی تھی۔ اسحاق کو کبھی شک نہ ہوا کہ تم اس کی بیوی کے آشنا بنے ہوئے ہو اور رنگ رلیاں مناتے ہو۔ ویسے وہ جو انجانے راستے پر چل پڑی تھی اس میں اس کا اپنا کوئی قصور نہ تھا۔ اس لیے کہ حالات نے اسے اس راستے پر چلنے پر مجبور کیا تھا۔

اسحاق کی ناگہانی موت سے اسے کوئی صدمہ نہیں ہوا تھا۔ البتہ اس کی پراسرار اور اچانک موت سے وہ قدرے خائف اور پریشان ضرور تھی۔ چونکہ تم دونوں ایک طرح سے میاں بیوی تھے۔ ربیکا اس لیے نارمل ہو گئی۔ وہ اس بات سے خوش تھی کہ اسے ایک بوڑھے شوہر سے سدا کے لیے نجات مل گئی۔ اب وہ سکون اور اطمینان سے ایک آزادانہ زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ راستے کا پتھر ہٹ گیا ہے۔ شب و روز تمہارے ساتھ گزریں گے۔

ربیکا نے ایک دن تم سے کہا کہ مجھ سے شادی کر لو اور میرے بچے کے باپ بن جاؤ' تم نے کہا کہ شادی کی کیا ضرورت ہے؟ ہم جو آپس میں محبت کرتے ہیں کیا وہ کافی نہیں ہے۔ تمہارا دل ربیکا سے بھر چکا تھا۔ تم نے سوچا کہ دنیا اتنی بڑی ہے کہ اس میں بے پناہ رنگینیاں ہیں اور پھر دنیا میں حسین اور نوجوان لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ شرط یہ ہے کہ بے پناہ دولت ہو۔ پھر تم نے جادوگر سے رابطہ کیا کہ تمہارا قرض اور سود اس صورت میں معاف ہو سکتا ہے کہ ربیکا زندہ نہ رہے۔ اس کے لیے یہ اشارہ کافی تھا۔ اس لیے ربیکا جادوگر کے ہاتھوں ماری گئی۔"

"لیکن یہ تمام باتیں تمہارے علم میں کیسے آئیں۔؟" کیراسس خوف زدہ ہو گیا۔

"ربیکا نے اپنی بہن کو ایک خط میں کچھ باتیں لکھی تھیں۔ اور کچھ باتیں جادوگر نے مجھے بتائی تھیں۔" جیکسن نے کہا۔

"گویا تم نے میرے بارے میں جاننے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔" کیراسس نے پوچھا "آخر اس کی وجہ۔؟"

"اس لیے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ربیکا کا بیٹا ہوں۔ میں نے اپنی خالہ کے ہاں پرورش پائی۔" جیکسن کہنے لگا۔ "تمہارا نام کیراسس نہیں بلکہ تھامپسن ہے۔ تم نے میری ماں کو قتل کیا یا کرایا ایک ہی بات ہے۔ میرے باپ کی تمام دولت سلب کر لی۔ مجھے دولت سے زیادہ تمہاری تلاش تھی تا کہ اپنی ماں کی موت کا انتقام لے سکوں۔ میری ماں کی بہن نے تمہارا حلیہ یہ بتایا تھا کہ تمہاری پیشانی کے کنارے پر ایک زخم کا نشان کنارے کو چھوتا ہوا ہے۔ میں تمہاری تلاش میں کہاں کہاں نہیں گیا۔ کس کس سے نہیں ملا۔ مجھے میری قوم کی ایک یہودن عورت نے بتایا کہ تم اسے سبز باغ دکھا کر دو برس تک اس سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ کوئی دو برس قبل تم نے ہندوستان کا رخ کیا۔ اپنی ساری دولت اور نوادرات لے کر ہندوستان چلے گئے۔ تم میری ماں کو قتل کرنے کے بعد لندن میں برسوں عیش کرتے رہے تھے۔ میں نے جب

تمہیں پہلی بار دیکھا تو پہچان لیا۔ تمہارے قتل کا منصوبہ بناتا رہا۔ آج قدرت نے یہ موقع فراہم کر دیا۔ مجھے دولت کی خواہش نہیں بلکہ ماں کی ہلاکت کا بدلہ لینے کی جو آگ بھڑک رہی ہے اسے بجھا سکوں۔"

اسحاق جونیئر نے اپنی جیب سے ایک خنجر نکالا اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد مجھے لہراتے ہوئے خنجر کی نوک دکھائی دی۔ اس سے پہلے کہ میں اسے روکتا اس نے یہ خنجر تھامپسن کی طرف پھینکا تھا۔ جب تھامپسن یعنی کیراسس جانکنی کے عالم میں فرش پر لڑھک گیا تو اسحاق جونیئر نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

"آج میرا انتقام پورا ہوا۔ اس ذلیل، بدبخت اور کمینے نے جادوگر کو رشوت دے کر میری ماں کو موت سے ہمکنار کر دیا۔ میں اب اس کے جسم میں جب تک کئی شگاف نہ ڈال دوں میرے انتقام کی آگ سرد نہ ہو گی۔"

"نہیں۔ نہیں۔" میں اس کی راہ میں حائل ہو گیا کیونکہ وہ کیراسس کے جسم میں پیوست خنجر نکال کر اسے شقاوت سے قتل کرنے بڑھ رہا تھا۔ اس وقت اس کا چہرہ ایک جنونی قاتل کی مانند ہو رہا تھا۔ "تم نے اچھا نہیں کیا۔ ابھی وہ زندہ ہے۔ اسے طبی امداد کی ضرورت ہے۔"

چونکہ اسحاق جونیئر پر انتقام کا اندھا جنون سوار تھا۔ اس نے مجھے اتنے زور سے دھکا دیا کہ میں اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا اور لہراتا ہوا کرسی سے ٹکرایا اور بے ہوش ہو گیا۔ بعد میں پتا چلا کہ کیراسس کی چیخ و پکار سن کر اس کے ملازم آئے تو وہ وہاں موجود نہ تھا۔ میں فرش پر پڑا ہوا تھا۔ خنجر میرے ہاتھ میں تھا۔ گویا اس نے یہ تاثر دیا کہ یہ قتل میں نے کیا ہے۔ یوں کہ ملازموں نے اسے بھاگتے دیکھ لیا تھا۔ اس لیے میں قانون کے ہتھے چڑھنے سے بچ گیا۔ لیکن میں نے دل میں تہیہ کر لیا کہ میں اسحاق جونیئر کو گرفتار کر کے قانون کے حوالے کر دوں گا۔ وہ جاتے جاتے اس کمرے سے ایک مجسمہ لے گیا جس کے بارے میں ایک ملازم نے بتایا کہ وہ خالص سونے کا تھا۔ اس کی آنکھیں ہیرے کی تھیں اور اس کے جسم کے کھوکھلے حصے میں بارہ عدد بیش قیمت ہیرے تھے۔ وہ ہیرے کلکتہ میں فروخت کر کے ملبار صوبے کی طرف روانہ ہو گیا تاکہ وہ کچھ دن روپوش رہ کر غیر قانونی راستوں سے لندن چلا جائے۔ اس نے ایک طرح سے مجھے بھی قتل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ ناکام رہا۔ اس لیے میں اس کی تلاش میں نکلا ہوں، چونکہ میرے پاس دولت کی فراوانی ہے اس لیے میں نہ صرف سیر و سیاحت کر رہا ہوں بلکہ جونیئر اسحاق کی تلاش بھی۔ سمندر میں سفر کرنا موت کے سفر سے کم نہیں۔"

* * *

اس داستان کے دوران متن بوس ان کی خاطر مدارت بھی کرتا رہا تھا۔ رندھیر نے اس کی داستان سن کر کہا۔

"آپ کی یہ داستان نہ صرف بڑی دہشت ناک، تحیر انگیز ہے بلکہ سنسنی خیز بھی۔ کیراسس نے بڑی غلطی کی۔ اسے چاہیے تھا کہ وہ اس یہودن سے شادی کر لیتا اور جونیئر اسحاق اس کا بیٹا بن جاتا۔"

"ہوتا یہ ہے کہ بعض اوقات آدمی کی مت ماری جاتی ہے۔" متن بوس نے کہا "کیراسس نے اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری تھی۔ اس نے جو کچھ کیا اسے اس کی سزا ملی۔ آدمی جو کرتا ہے وہ بھرتا ہے۔ جو بوتا ہے وہ کاٹتا ہے۔ اسحاق جونیئر نے جو کچھ کیا وہ ایک طرح سے غلط نہیں تھا۔ میں اس کی جگہ ہوتا تو وہی کرتا جو اسحاق جونیئر نے کیا۔"

"اگر اسحاق جونیئر نے درست اقدام کیا تھا تو پھر آپ اس کی تلاش میں کیوں نکلے ہیں؟" گوتم نے سوال کیا۔

"اس لیے کہ اس نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔" متن بوس نے جواب دیا۔ "اس کے علاوہ وہ مجھے پھنسانا چاہتا تھا۔ کیونکہ میں عینی گواہ تھا۔ چونکہ اس نے یہ دیکھ لیا تھا کہ وہ ملازموں کی نظروں میں آ گیا ہے اس لیے فرار ہو گیا۔"

"میں نے یہ سنا ہے کہ جادو نہ صرف افریقہ بلکہ ہندوستان، برما، آسام اور بنگال کے جنگلات اور بستیوں میں بھی ہے۔" رندھیر نے کہا۔ "آپ چونکہ سیر و سیاحت کر رہے ہیں، آپ کو جادو سے واسطہ پڑا ہے؟"

"ملبار جسے کیرالہ صوبہ کہا جاتا ہے اس کے شہر کوچین میں ایک عامل سے میری ملاقات ہوئی تھی۔" متن بوس کہنے لگا۔ "وہ نجومی بھی تھے۔ ملبار کے شہروں میں بڑے بڑے پہنچے ہوئے عامل موجود ہیں۔ وہ سفلی علوم کا توڑ کرتے ہیں لیکن سفلی علوم ان کے نزدیک بہت برا ہے۔ وہ صرف اللہ کی وحدانیت پر ایمان اور یقین رکھتے ہیں۔ انہوں نے میرا ہاتھ دیکھ کر میرے ماضی کے بارے میں جو جو بتایا تھا اس میں ایک بات بھی غلط نہ تھی۔ میں تو دنگ ہو کر رہ گیا، ویسے جادو ہے کہاں نہیں۔"

گوتم پانی کی غرض سے خالی کنستر لے کر کیبن سے نکلا اور جاتے جاتے یہ بھی کہہ گیا کہ وہ نہا کر بھی آئے گا۔ اس کے جانے کے بعد متن بوس بولا۔ "میں نہ صرف قیافہ شناس ہوں

بلکہ صرف ایک نظر ایک ہی ملاقات میں آدمی کو پہچان لیتا ہوں۔ آپ مجھے انتہائی شریف محسوس ہوئے' معاف کیجئے گا۔ اس کے برعکس آپ کا یہ ساتھی ہے' آپ ایسے شخص کے ساتھ دولت کے لالچ میں موت کے سفر پر کیوں نکلے؟"

"میں اس شرط پر آپ کو ساری کہانی سنا رہا ہوں کہ آپ گوتم کو اس کی بھنک بھی پڑنے نہیں دیں گے؟" رندھیر نے کہا۔

"آپ مجھ پر اعتماد کر سکتے ہیں؟" ممتن بوس نے جواب دیا۔ "یوں بھی ہماری منزل اور راستے جدا جدا ہیں۔ چند گھنٹوں کا ساتھ ہے۔"

"آپ مجھے مشورہ بھی دیں گے۔ کیونکہ میری اور آپ کی کہانی ایک سی ہے۔" رندھیر کہنے لگا۔ "میں ایک دفتر میں معمولی سا کلرک ہوں اور میرے دو بچے ہیں۔ میری بیوی اتنی حسین ہے کہ آپ تصور نہیں کر سکتے اور بے انتہا پرکشش بھی ہے۔ میرے سسر نے میری شادی کے موقع پر گوتم سے قرض لیا تھا اور میری ساس کے علاج معالجے کے لیے بھی۔ میرے سسر کے حالات ایسے ہو گئے کہ قرض تو قرض سود بھی ادا کرنے کے قابل نہیں رہے۔ وہ انہیں تنگ' پریشان اور ہراساں کرنے لگا کہ اگر قرض اور سود ادا نہ ہوا تو وہ پولیس کو کھلا پلا کر نہ صرف جیل میں ڈال دے گا بلکہ مکان اور ان کی زمین بھی فروخت کر دے گا۔ گوتم میری بیوی شیاما سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ میرے سسر نے اس کی شادی اس لیے مجھ سے کر دی کہ رشتہ پہلے میری ماں نے مانگ لیا تھا جس کا اسے بڑا دکھ اور افسوس تھا۔ پھر اس نے میری بیوی کو بلیک میل کیا' کیونکہ میری بیوی اپنے ماں باپ کو جنون کی حد تک چاہتی ہے۔ اس نے کہا کہ مہینے میں دو ایک بار مجھے خوش کر دیا کرو۔ ایک مقررہ مدت تک۔ قرض اور یہ سود کے عوض ہو گا۔ چونکہ میری بیوی کو ماں باپ کی عزت' زمین اور گھر بچانا مقصود تھا۔ اس لیے اس نے اس کی یہ شرط منظور کر لی۔ اس بات کی خبر مجھے اس وقت ہوئی جب میں دفتر سے کسی کام سے اچانک اور غیر متوقع دوپہر سے قبل گھر آیا۔ میں نے ان دونوں کو غلاظت کے دلدل میں دھنسا دیکھا۔ گوتم گدھ بنا ہوا تھا۔ شیاما کسی سرد لاش کی طرح پڑی تھی اور بے رغبتی سے پیش آ رہی تھی۔ پھر میرے دل میں نفرت اور حقارت اور غم و غصے کی لہر اٹھی۔ پہلے تو سوچا کہ اس ناگ کا سر کچل دوں لیکن میں اسے قتل کر کے پھانسی پانا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے اپنی بیوی اور بچوں سے بے انتہا محبت تھی۔ پھر میں نے سوچا کہ مجھے اس ناگ کا سر کسی تدبیر سے کچل دینا چاہیے۔ سانپ بھی مر جائے' لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ مجھے اپنی بیوی سے اس بے وفائی کی امید نہ تھی۔ جب

میں نے ان کی گفتگو سنی تب مجھ پر ساری حقیقت کا انکشاف ہوا۔ شیاما نے مجھے کبھی نہیں بتایا تھا کہ گوتم اس سے کس طرح سے سود وصول کرتا ہے۔

گوتم دس برسوں سے گائیڈ کا کام کر رہا ہے۔ وہ اور لوگوں کو بھی سود پر قرض دیتا ہے۔ اس میں اسحاق میں کوئی فرق نہیں۔ اس نے مجھ سے کہا کہ ایک جماعت سونے کی کان کی تلاش میں جا رہی ہے؟ کیا تم ساتھ چلو گے۔ نہ صرف بے پناہ اجرت بلکہ سونا بھی ملنے کا امکان ہے۔ میں اس لیے ساتھ ہوں کہ اس سے میرے سسر کا قرض ادا ہو جائے گا' ایک جگہ قیام کیا' وہاں گوتم کی نیت میں فرق آ گیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ یہ لوگ جو موت کی وادی جا رہے ہیں اس کا ایک شارٹ کٹ راستہ میں جانتا ہوں۔ ہم دو ایک دن میں پہنچ جائیں گے۔ اس جماعت کو وہاں پہنچنے میں دس بارہ دن لگیں گے۔ ہم لوگ ان کے پہنچنے سے پہلے سونا نکال لے جائیں گے۔ میں اس کی باتوں میں آ گیا تا کہ احساس محرومیاں دور ہوں اور ہم لوگ راتوں رات روانہ ہوئے۔ اس نے ایک جڑی بوٹی کی بو کی مدد سے تمام لوگوں کو بے ہوش کر دیا اور ہم مزدوروں کے ساتھ چل پڑے۔ صبح مزدوروں کو رخصت کیا' دراصل ہم راستہ بھول بھٹک کر ادھر پھنسے' لینے کے دینے پڑ گئے۔"

"عورت کے معاملے میں تمہاری اور میری کہانی ایک ہے۔" ممتن بوس نے کہا۔ "موقع اچھا ہے اسے قتل کر دو اور لاش سمندر برد کر دو۔"

"لیکن اس میں ایک قباحت ہے۔" رندھیر نے کہا۔ "یوں کہ بستی میں سب لوگ جانتے ہیں کہ میرے سسر گوتم کے مقروض ہیں۔ اگر میں اس کے بغیر پہنچا تو پھر مجھ پر قتل کا شک وشبہ کیا جائے گا۔ آپ بتائیں' میں کیا کروں؟"

"آپ کی کہانی بڑی الم ناک ہے۔" ممتن بوس نے کہا۔ "اس نے نہ صرف محبت بلکہ بیوی کی عزت پر ڈاکہ مارا ہے۔ ایسے لوگ قابل معافی نہیں ہوتے ہیں۔ غیرت کا تقاضا ہے کہ انہیں کتے کی موت مارا جائے۔ جب آپ واپس پہنچیں تو ایسا کریں کہ کوئی زہریلا سانپ خرید کر رات اس کے کمرے میں چھوڑ دیں۔ سانپ کے ڈسنے سے وہ مر جائے گا۔ آپ کی بیوی اور ان تمام عورتوں کو اس ناگ سے نجات مل جائے گی جن سے وہ سود وصول کر رہا ہے۔ لیکن اس سے پہلے وہ تمام کاغذات اس کے کمرے سے نکال لیں جو قانونی دستاویزات ہیں تا کہ نہ رہے بانس' نہ بجے بانسری۔ اس کی یہی سزا ہے۔"

اس کے مرنے کے بعد قرض ناموں کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے۔" رندھیر نے کہا۔ "اس

کا دنیا میں کوئی نہیں ہے' دو ایک رشتہ دار ہیں۔"

"لیکن پولیس اس سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں اس سے حرام الدہر کوئی نہیں ہے' ان کا کوئی دھرم نہیں ہوتا ہے' ان کی مثال ایک کتے کی مانند ہے۔ وہ اس قدر ذلیل ہوتے ہیں کہ شیطان بھی ان سے پناہ مانگتا ہے۔"

جب گوتم نہا کر اور پانی لے کر آیا تو تمن بوس نے موضوع بدل دیا۔ اس وقت سہ پہر ہو رہی تھی۔ پھر وہ دونوں تمن بوس سے مل کر رخصت ہونے لگے تو اس نے بسکٹ کا ایک پیکٹ اور گوشت کا ہنٹر بنا ہوا تھا ان دونوں کو دیا اور کامیابی کے لیے آشیرباد دی۔

* * *

پھر وہ دونوں بستر پر دراز ہو کر خوابوں کی دنیا میں پہنچ گئے۔ گوتم رندھیر کی بیوی کا خواب دیکھنے لگا۔ ادھر رندھیر گوتم کی موت کا۔ تمن بوس نے بڑی اچھی تدبیر بتائی تھی گوتم سے بدلہ اور انتقام لینے کی۔ اس تدبیر پر عمل کرنے سے سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔ اس کی بستی کے قریب ہی سپیروں کی بستی تھی۔ کسی بھی سپیرے سے وہ زہریلا سانپ ارزاں قیمت پر خرید سکتا تھا' کیونکہ سپیرے بڑی تنگ دستی اور حسرت کی زندگی گزار رہے تھے۔

سورج غروب ہونے میں کچھ دیر تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی جس سے ان کی نیند ٹوٹ گئی۔ رندھیر نے دیکھا معلوم ہوا کہ ان کے اولین دوست اور اس کے ساتھی آئے ہیں۔ انہوں نے کیبن کے اندر سے جھلک دکھائی۔ پھر رندھیر اور گوتم نے فوراً ہی انجانے خوف و خیال سے اپنی اپنی رائفلیں سنبھالیں۔ یہ حفظ ماتقدم کے لیے ضروری تھا۔ وہ کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتے تھے۔ جونہی ان کا آمنا سامنا ہوا وشوا ناتھ اور اس کے ساتھی پانچ پانچ قدم پیچھے ہٹ گئے اور پھر ان کے درمیانی گھناؤنی مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا۔

"میں امید کرتا ہوں کہ آپ کو کیبن میں آرام ملا ہوگا۔؟" وشوا ناتھ نے سوال کیا۔

"ہاں۔ توقع کے خلاف۔" رندھیر نے جواب دیا۔ تمن بوس سے ملاقات کا ذکر وہ گول کر گئے۔ "ہم آپ کے بے حد شکر گزار ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ اپنے وعدے کے مطابق وہ کشتی مہیا کر دیں جس کے بارے میں بتایا گیا اور ہم سے رقم لے کر رخصت کریں۔"

"بہتر ہے جناب۔ مگر آپ کو معلوم نہیں کیرالا کے مسلح بحری سپاہی آپ کی تلاش میں ہیں' کہہ رہے تھے کہ سوبھراج کو زندہ یا مردہ گرفتار کرنے پر ایک لاکھ روپے کا انعام دیا جائے گا۔ بڑی سرگرمی سے تلاش کیا جا رہا ہے۔ آج صبح وہ جزیرے کے ساحل پر اترے تھے۔

جزام کے مرض کی وجہ سے اندرونی علاقے میں آتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ ان کے کپتان نے ہمیں دھمکی دی ہے کہ اگر ہم نے مفرور سوبھراج کو پناہ دینے کی غلطی کی تو اس کے خطرناک نتائج برآمد ہوں گے۔ اس لیے کہ سوبھراج بہت ہی خطرناک مجرم ہے۔ وہ لوگ دیر تک ساحل کے آس پاس چٹانوں اور غاروں اور کچھ دور جزیرے کے گھنے ساحلی درختوں کے جھنڈ میں آپ لوگوں کا سراغ پانے کی کوشش کرتے رہے۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ سوبھراج کے ساتھ ایک دو اور مفرور مجرم بھی ہیں شاید۔ بدقسمتی سے ان میں سے ایک سپاہی کو چٹان کے عقب میں کپڑے کی ایک ایسی دھجی پڑی ملی جو شاید آپ دونوں میں سے کسی کے کپڑے کی تھی جو کسی طرح سے وہاں پھٹ کر رہ گئی ہوگی۔ اس کے ریت میں دبے ہوئے سگریٹوں کے ٹوٹے ہوئے چند ٹکڑے بھی ڈھونڈ نکالے ہیں۔ تاہم ہم نے انہیں یہ یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ ابھی تک جزیرے میں کوئی مفرور قیدی نہیں آیا اور جو اشیاء ملی ہیں وہ ہماری اپنی ہیں۔ بہرحال انہیں ہماری' کی بات پر یقین نہیں آیا۔ وہ مشکوک ہیں۔ اس لیے ممکن ہے کہ وہ کسی بھی وقت آپ کی تلاش میں جزیرے کے اس حصے تک آنے کی کوشش کریں اور آپ کی گرفتاری کے لیے جرأت مندانہ قدم اٹھائیں۔ لہٰذا آپ کیبن سے باہر نہ نکلیں۔ وشوا ناتھ نے ہدایت کی۔

"اور ہاں۔" وشوا ناتھ کو جیسے یاد آیا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ "جتنی جلدی ممکن ہو آپ کو جزامی مریضوں میں بدل دیں' شاید اس طرح گرفتار ہونے سے بچ جائیں۔ اس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں ہے' کیا آپ لوگ اس کے لیے تیار ہیں؟"

"کیا مطلب۔؟" رندھیر نے آنکھیں نکال کر غراتے ہوئے کہا۔ "آپ ہمیں جزامی مریضوں میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں؟ کھل کر بات کریں؟"

وشوا ناتھ اس کی بات سن کر ہنسا اور اس نے اپنے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔

"بھگوان نہ کرے۔ آپ لوگ جزام جیسے موذی اور مہلک جزامی ہو جائیں جس طرح ہم ہیں۔ ہم اپنے بدترین دشمن کو جزامی مریض بنانے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم آپ کے چہروں اور ہاتھوں پر کچھ ایسا میک اپ کرنا چاہتے ہیں کہ جس سے آپ لوگ ہماری طرح کوڑھی دکھائی دیں گے۔ دیکھئے سوبھراج صاحب۔! جس طرح آپ کے سامنے آپ کی جانوں کا سوال ہے اسی طرح ہمیں بھی اپنی جانیں بچانی ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد رات کی تاریکی مسلط ہونے والی ہے۔ آپ نے ہمارا سینٹر دیکھ لیا ہے۔ آدھی رات کے بعد آپ وہاں آ جائیں۔ ہمارے پاس میک اپ کے چند ماہر موجود ہیں جو بہت جلد اپنی مہارت

فن سے آپ کا حلیہ ایسا بنادیں گے جیسے آپ لوگ برسوں سے اس مہلک اور موذی مرض میں مبتلا ہیں۔"

"لیکن یہ ماہر میک اپ کہاں سے آئے اور انہیں کس نے میک اپ کی تربیت دی؟" رندھیر نے سوال کیا۔

"یہ جو میک اپ مین ہیں ممبئی کی فلم انڈسٹری میں اور دو ایک مدراس کی فلم کمپنی جیمنی پروڈکشن میں رہے ہیں۔ شراب نوشی' عورتوں سے تعلقات اور میک اپ کے کیمیکل نے انہیں جزامی بنادیا پھر یہاں آکر انہوں نے رہائش اختیار کرلی' جاتے کہاں؟"

"تدبیر تو بہت اچھی ہے۔" رندھیر نے سراہتے ہوئے کہا۔" لیکن میں یہ بات بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے ساتھ کوئی دھوکا یا فریب کیا گیا تو اس کے نتائج کی ذمہ داری صرف تم پر ہوگی۔ تم سوبھراج کو نہیں جانتے۔ وہ ایسے لوگوں کا بدترین دشمن بن جاتا ہے جو اس سے فراڈ کرتے ہیں۔"

"آپ اطمینان رکھیں سوبھراج صاحب! ہم میں سے کوئی فرد آپ کو دھوکا نہ دے گا۔ ہم لوگ اصولی ہیں۔ جب ہم نے آپ سے ایک بات طے کرلی ہے تو ہم اس پر پورا پورا عمل کریں گے تاوقتیکہ آپ کی طرف سے کسی بات کی خلاف ورزی نہ ہو۔ آپ نے ہمارے قریبی ساتھی رام داس کو بلاوجہ مارا پیٹا اور اس کا خنجر چھین لیا۔ یہ حرکت سخت ناپسندیدہ اور قابل اعتراض ہے۔ اگر دوسرے جزامیوں تک اس کی خبر پہنچ گئی تو ان میں آپ کے خلاف نفرت اور حقارت پھیل جانا کچھ دشوار نہیں۔ کیوں کہ ہم جزامی ایک دوسرے سے آپس میں بے انتہا محبت کرتے ہیں۔ بھائی چارہ رکھتے ہیں' لہٰذا آپ کو آئندہ محتاط رہنا ہوگا۔"

دشواناتھ کا لب و لہجہ ایسا تھا جیسے کوئی جرنیل اپنے ماتحتوں کو خطا کرتا ہے۔ اس کی بات سن کر رندھیر اور گوتم کو بہت طیش آیا' مگر ضبط کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ کیونکہ بلاشبہ ان کی جانیں انہی خبیث چلتی پھرتی روحوں کے رحم و کرم پر تھیں۔ وہ ایسے شکنجے میں پھنس گئے تھے کہ اس سے نکلنا ان کے بس اور اختیار میں نہ تھا۔ وہ ایک طرح سے بے دست و پا ہو گئے تھے۔

رندھیر کو اس بات کا احساس اور پچھتاوا سا ہو رہا تھا کہ اس نے ان کوڑھیوں پر رعب ڈالنے کے لیے سوبھراج کہہ کر کیوں متعارف کرایا تھا۔ اتفاق کی بات تھی کہ سوبھراج بھی ہندوستان کی جیل سے فرار ہوا ہوا تھا۔ اگر انہیں گرفتار کرلیا جاتا اور انہیں یہ بتانے کے لیے کہ

وہ سوبھراج نہیں ہیں اور نہ جیل سے فرار ہوئے ہیں اور اس بات کی تصدیق کرنے میں کئی دن کیا' کیا مہینے بھی لگ سکتے تھے۔ اب چونکہ تیر کمان سے نکل چکا تھا لہٰذا انہیں حالات کی زد میں رہنا اور ان کوڑھیوں کا ہر حکم ماننا تھا۔

اگر بحری سپاہیوں کی ٹولی واقعی ساحل پر پہرہ دے رہی تھی تو ان کا بچ نکلنا ممکن نہ تھا۔ اور ادھر یہ خدشہ بھی ان کا خون خشک کیے دے رہا تھا کہ اگر وہ دو ایک مہینہ جزیرے پر رہ گئے تو اس کی فضا اور ماحول میں ان کا کوڑھی ہو جانا یقینی ہے۔ غرض کہ وہ دونوں یہ بات محسوس کر رہے تھے کہ ان کی جان پھنس گئی ہے۔ گوتم کے تیور ایسے تھے کہ وہ دشواناتھ سے الجھنا چاہتا تھا۔ رندھیر اسے ایک طرف لے گیا اور اس نے گوتم سے سرگوشی میں آہستگی سے کہا۔

"اس وقت موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ان سے لڑنا جھگڑنا ہمارے حق میں بہتر نہیں ہے۔ یہ پیروں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہوگا۔ ہم ایک طرح سے ان کے قبضے میں ہیں' یرغمال ہیں۔ لہٰذا یہ جو کہہ رہا ہے اس پر عمل کیا جائے۔ اگر ہم دس بارہ کوڑھیوں کو موت کی بھینٹ چڑھا بھی دیتے ہیں تو اس سے کیا حاصل ہوگا؟ اس کے بعد جزیرے کے سارے کوڑھی ہم دونوں کو چاروں طرف سے گھیر کر کتے کی موت مار دیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" رندھیر نے کہا۔" ہم آپ کی زبان پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے آپ کو آپ کے حوالے کر دیتے ہیں۔ آدھی رات کے بعد ہم دونوں سینٹر پہنچ جائیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم چاہیں گے کہ وہ کشتی جس کا ذکر آپ نے کیا تھا ساتھ ہی مہیا کر دی جائے۔ اس کی قیمت پیشگی ابھی اور اسی وقت ادا کر دیں گے۔"

"نہیں سوبھراج صاحب! نہیں' اتنی عجلت سے کام نہ لیں۔" دشواناتھ نے بے پروائی کے انداز میں کہا۔" جب آپ ہم پر پورا اعتماد کرتے ہیں تو یہ حددرجہ منافقت ہے۔ بے ایمانی ہے۔ اور بے اعتباری ہوگی کہ ہم آپ کے ساتھ دغا کریں۔ یقین کیجئے ہم آپ کے لیے جانیں لڑادیں گے اور آنچ آنے نہیں دیں گے۔ رقم کا کہہ کر شرمندہ نہ کریں۔ الوداع۔"

اس دوران دشواناتھ کے ہم راہ آنے والے بے جان بتوں کی مانند چپ کھڑے انہیں تکتے رہے۔ وہ کسی اور ہی دنیا کی مخلوق دکھائی دیتے تھے۔ کبھی ان کے چہروں اور آنکھوں سے بے چارگی اور بے بسی' حسرت اور حزن ٹپکنے لگتا۔ اور کبھی عیاری' مکاری' چالاکی' کمینگی اور درندگی کے آثار ابھرتے۔ رندھیر نے گوتم سے دھیمے لہجے میں کہا تھا کہ درحقیقت بات یہ ہے کہ ہم دونوں ایک تکلیف دہ ذہنی اذیت میں پھنس گئے ہیں۔ گوتم نے اس کی بات کا جواب

دیا اور نہ ہی کوئی تبصرہ کیا۔ وہ کہتا بھی کیا یہ سارا کیا دھرا اس کا تھا۔ اس نے خزانے کے لالچ میں بھل داس گپتا کی جماعت کو دھوکا دیا۔ رندھیر کو ورغلایا۔ شارٹ کٹ راستہ بڑا طویل' خطرناک اور موت کا باعث بن گیا تھا۔ پوری روٹی کے چکر میں آدمی روٹی سے بھی گئے تھے۔

رندھیر کے دماغ میں بارہا خیالات آتے۔ کبھی پریشان کن/کبھی سکون بخش۔ ایک لمحے ایسا لگتا جیسے اس کی مصیبتوں کے دن ہوا ہوئے۔ دوسرے ہی لمحے یہ سوچ کر کلیجہ تھرا جاتا کہ مصائب اور مشکلات کی ایک نئی منزل سامنے ہے۔ جس کی آخری حد پر موت کا تختہ ان کا انتظار کر رہا ہے۔ موت کی وادی میں کیا بمل داس گپتا انہیں دیکھ کر موت کی نیند سلا نہیں دے گا؟

ادھر گوتم کچھ اور سوچ رہا تھا۔ موت کی وادی سے جب وہ خزانہ لے کر لوٹیں گے تو سب سے پہلے وہ رندھیر کا صفایا کر دے گا۔ متن بوس نے جو کہانی اپنی بیوی کے متعلق سنائی تھی اس نے فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے رندھیر کو ہٹا کر اس کے خزانے اور شیاما کو قبضہ میں کرنا ہے۔ رندھیر کو جب اس بات کا علم ہوگا کہ اس کے شیاما سے تعلقات ہیں تو کہیں وہ متن بوس کی طرح اسے قتل نہ کر دے۔ متن بوس کی کہانی سن کر اسے ایسا لگا کہ متن بوس نے اس کی کہانی سنائی ہے۔ وہ بھی تو شیاما کو سود کی وصولی کے لیے بلیک میل کر رہا تھا۔

دشوا ناتھ اور اس کے تمام ساتھی سایوں کی مانند جنگل کی فضا میں تحلیل ہو گئے۔ ان کی آہٹیں معدوم ہوتی گئیں۔

ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ گوتم کی مونچھیں بری طرح پھڑک رہی تھیں اور پیشانی پر لکیروں کا ایک جال سا بن گیا۔ اس نے بری طرح ہونٹ بھینچ لیے' اس نے کوڑھیوں کی شان میں مغلظات بکنا شروع کر دیں پھر کہا۔

"رندھیر۔ تم آدمیوں کو سمجھنے میں میری نسبت زیادہ تجربہ کار اور سمجھدار ہو۔ تم اپنی فرم میں نہ صرف کلرک ہو بلکہ ہر قسم کے لوگوں سے کاروباری ڈیلنگ کرتے ہو۔ یوں بھی ہم نے ایک طرح سے اپنی قسمت کا فیصلہ تمہارے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ مگر اندر سے میرا دل یہ کہہ رہا ہے کہ ان منحوس جزامیوں پر اندھا بھروسا ہرگز کرنا نہیں چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ یہ لوگ ہم پر غیر محسوس انداز سے حاوی ہونا چاہتے ہیں۔ کل ان کا یہ بھی مطالبہ ہو سکتا ہے کہ ہم اپنا اسلحہ ان کے حوالے کر دیں اور ہمیں تنہا کرنے کے بعد بحری پولیس سے زر نقد وصول کر کے ان کے سپرد کر دیں۔ تم نے کیا اس پہلو پر بھی غور کیا ہے؟"

رندھیر نے سوچا کہ گوتم کی باتوں میں وزن ہے۔ رندھیر کی پوزیشن بڑی نازک ہوتی جا رہی تھی۔ دفعتاً اس کے ذہن میں ایک ایسی تدبیر آئی جس پر عمل کر کے یہ معلوم کیا جا سکتا تھا کہ ساحل پر سپاہیوں کی ٹولی موجود ہے یا نہیں۔ گو کہ اس عمل میں بے حد خطرہ چھپا ہوا تھا' تاہم اس کے بغیر چارہ بھی نہیں تھا کہ اپنا اطمینان کیا جائے۔

اس نے گوتم پر اپنا خیال ظاہر کیا اور اس سے کہا کہ وہ اس جگہ ٹھہر کر اس کا انتظار کرے۔

رندھیر اس طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے وہ راستہ اختیار کیا جس راستے سے وہ بونے کے ساتھ آئے تھے۔ جنگل کا اب یہ حصہ اس کے لیے اجنبی نہ رہا تھا۔ سمندر کا ساحل ان کے کیبن سے تقریباً ایک دو میل کے فاصلے پر تھا۔ عام حالات میں اسے ایک گھنٹے سے زائد وقت نہ لگا۔ لیکن جنگل کے ناہموار جھاڑ جھنکار سے اٹے ہوئے راستے پر چلنا دشوار ہو رہا تھا۔ بارہا اسے یہ احساس ہوتا رہا تھا کہ وہ راستہ بھول بھٹک کر کہیں جا نکلا ہے۔ چونکہ رندھیر پر قسمت مہربان تھی اس لیے وہ گرتا پڑتا آخر کار ساحل کے قریب تک پہنچ گیا۔ سمندر کی لہروں کا شور اسے صاف سنائی دے رہا تھا۔ سفید سفید جھاگ اور چٹانوں سے ٹکراتی موجیں۔ ان کے ساتھ ساتھ تیز ساحلی ہوا میں جھومتے ہوئے درخت اور سیٹیاں بجاتی ہوئی ہوا۔ آسمان پر ستارے صاف اور روشن تھے۔ چاند نکلنے کا ابھی کوئی امکان نہ تھا۔ تاہم ستاروں کی روشنی میں وہ فرلانگ بھر کا منظر صاف دیکھ سکتا تھا۔ پھر اسے چھٹی حس نے خبردار کیا۔ رندھیر۔! وہ دیکھو ایک لانچ ساحل پر موجود ہے۔ اس کے عرشہ پر سپاہیوں کی نقل و حرکت صاف دکھائی دے رہی ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو سوبھراج کی تلاش میں نکلے ہیں۔

اتنے میں کسی سپاہی نے سرچ لائٹ روشن کر دی جس نے تاریکی کا سینہ چیر دیا۔

رندھیر جلدی سے جھاڑیوں میں دبک گیا' طاقت ور سرچ لائٹ اس کے سر پر سے گھومتی ہوئی نکل گئی۔ وہ کوئی بیس' پچیس منٹ تک دم سادھے پڑا رہا۔ اسے کچھ اندازہ نہ ہو سکا تھا کہ سپاہی کتنی تعداد میں موجود ہیں۔ لانچ خاصی بڑی تھی۔ اتنی بڑی کہ جس میں کم از کم پچاس ساٹھ آدمی سفر کر سکتے تھے۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ وہ طاقت ور سرچ لائٹ ساتھ لے کر آئے تھے۔ جو یقیناً بیٹری سے چلتی تھی۔ کوئی بیس منٹ کے بعد انہوں نے پھر سرچ لائٹ روشن کر کے ساحل کا جائزہ لیا۔ رندھیر کو بار بار یہ خیال آیا کہ بحری سپاہیوں کا قیام کچھ نہ کچھ معنی ضرور رکھتا ہے۔ سوبھراج کی گرفتاری پر انعام کا اعلان بھی کیا گیا ہے اور پھر انہیں اس بات کا یقین دلایا گیا ہوگا کہ سوبھراج اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس جزیرے پر پناہ لیے ہوئے

ہے۔ وہ کبھی نہ کبھی تو باہر نکلیں گے۔

رندھیر جب واپس ہوا تو گوتم اس کا انتظار کر رہا تھا۔ انہوں نے اپنے کیبن میں جانے سے پہلے متن بوس کے کیبن میں جھانکا۔ وہ اس میں موجود نہ تھا۔ کب کا جا چکا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ کسی بھی وقت چلا جائے گا۔ اب وہ کیبن میں پہنچے تا کہ کچھ دیر ستالیں۔ پھر وہ اپنے اپنے بستر پر لیٹ گئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد رندھیر نے کافی بنائی اور گوتم کی طرف پیالی بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"متن بوس نے اس بلیک میلر کو جو تصویروں کی مدد سے اس کی بیوی کو بلیک میل کر کے فائدہ اٹھا رہا تھا قتل کر کے کیا اچھا کیا۔؟ اس سوز ذلیل اور ناگ کا سر کچل کر اس نے کیا ایک غیرت مند شوہر کا ثبوت نہیں دیا۔؟"

لمحے کے لیے اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس کی پیشانی عرق آلود ہوگئی' کیونکہ وہ خود بھی تو ایک بلیک میلر تھا' ناگ تھا۔ سود وصول کرنے کے لیے وہ رندھیر کی حسین وجمیل بیوی کو ڈستا تھا۔ رندھیر نے جو متن بوس کی بیوی کے بلیک میلر کو گالیاں دی تھیں' اسے سن کر لگا تھا کہ یہ گالیاں اسے دی گئی ہیں۔ رندھیر نے متن بوس کی بیوی کے بلیک میلر کے وجود پر تازیانے لگائے ہوں' وہ مردہ آواز میں بولا۔

"متن بوس بلیک میلر کو قتل کرنے کے بجائے وہ تصویریں حاصل کر لیتا تو اس کے ہاتھ خون رنگنے سے بچ جاتے۔ ویسے تم کیا کرتے۔؟ اگر متن بوس کی جگہ ہوتے۔؟ کیا تم بھی اسے قتل کر دیتے۔؟"

"میں اسے ذبح کر کے۔ اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے گوشت کتوں کو کھلا دیتا۔"

"تم بے حد جذباتی ہو رہے ہو۔" گوتم نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ متن بوس کی بیوی کے اس سے تعلقات رہے ہوں' اس نے نامناسب تصویریں اپنی مرضی اور خوشی سے بنوائی ہوں۔ متن بوس کو چاہیے تھا کہ وہ اسے قتل نہ کرتا۔"

"ایک شریف عورت تو کیا' طوائف بھی ایسی تصویریں نہ بنائے۔" رندھیر نے تیز لہجے میں کہا۔

"اب ان فضول باتوں کو چھوڑو۔" گوتم نے موضوع بدلا' کیونکہ اس کے لیے یہ بڑا تکلیف دہ اور اذیت ناک تھا۔ "جتنا جلد ہو سکے ہمیں اس سفر پر روانہ ہو جانا چاہیے۔ کاش!

ہم کسی طرح متن بوس کو نصف حصہ دینے کا وعدہ کر کے ساتھ لے لیتے۔"

"کیا تم واقعی اسے نصف حصہ دے دیتے۔؟" رندھیر نے حیرت سے کہا۔ "نصف حصہ دینا آسان نہیں ہوتا ہے؟"

گوتم بڑے زور سے قہقہہ مار کر ہنسا۔ "نہیں یار! کیا تم مجھے اتنا بے وقوف سمجھتے ہو کہ ہاتھ کاٹ دیتا۔؟ اسے خزانہ پاتے ہی جہنم رسید کر دیتا۔ اس کا ساتھ اس لیے ضروری تھا کہ وہ ایک محافظ کی طرح ساتھ ہوتا۔"

رندھیر نے اس کی اس بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ لیکن دل میں کہا کہ میں جانتا ہوں کہ تم بڑے دغاباز ہو۔ میرے ساتھ میں ایسا ہی کرو گے۔

* * *

جب آدھی رات بیت گئی تو وہ کوڑھیوں کے سنٹر جانے کے لیے تیاری کرنے لگے۔ پھر تیار ہو کر وہ کیبن سے باہر آئے اور کیبن کا دروازہ اچھی طرح سے بند کیا۔ وہ ایک بار پھر اس منحوس جزیرے کی سیاحت کو نکلے۔ اس مرتبہ ان کا رخ ادھر جدھر گزشتہ رات قسمت کا نادیدہ ہاتھ کوڑھیوں کے مرکزی مقام کی طرف لے گیا تھا اب بھی وہ کشاں کشاں جا رہے تھے۔

وہ دونوں جوں توں کر کے سنٹر میں داخل ہوئے تو انہیں گارڈ آف آنر پیش کرنے کے لیے وشوا ناتھ اور ان کی کابینہ موجود تھی۔ ادھر بڑی رونق تھی۔ ان دونوں نے دیکھا کہ کوئی رو رہا تھا اور کوئی گا رہا تھا' کوئی چیخ چیخ کر بھگوان سے اپنے پاپوں کی معافیاں طلب کر رہا تھا۔ کوئی گالیاں دے رہا تھا اور کوئی اپنے ساتھی سے لڑنے میں مشغول تھا۔ ان دونوں کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کوڑھی کس وقت آرام کرتے ہوں گے۔ انہوں نے جب بھی کوڑھیوں کو دیکھا تھا نہیں چلتے پھرتے ہی پایا تھا۔ حتیٰ کہ ان کا وہ قبر رسیدہ سریش کمار سردار بھی جاگ رہا تھا اور پوری طرح چاق و چوبند بھی۔ انہیں دیکھ کر اس کے لبوں پر معنی خیز تبسم نمودار ہوا۔

"آ ہا ہا ہا۔ جناب سوبھراج! آپ تشریف لے آئے اور یہ آپ کے ساتھی۔ ان کا نام اور پتا! ان کا مکمل تعارف کرا دیں۔ یہ ہمارے لیے اعزاز کی بات ہے۔ کیا آپ کوائف بتانا پسند فرمائیں گے؟"

رندھیر کچھ اندازہ نہیں کر سکا تھا کہ اس کے لہجے میں طنز کی کاٹ تھی یا وہ خلوص سے اس کے ساتھی گوتم کے متعلق تفصیل سے جاننا چاہتا تھا۔ بہر حال رندھیر نے صبر و ضبط اور تحمل سے گوتم کا تعارف کرایا۔ بڈھا اس دوران برابر سر ہلاتا رہا۔

"گوتم نہ صرف گائیڈ ہے بلکہ اس نے اتنی سی عمر میں تیس قتل اور سولہ عورتوں اور لڑکیوں کی عزت لوٹی۔ پولیس اس کے نام سے کانپتی ہے۔ بڑے بڑے خطرناک مجرموں کا پیشاب خطا ہو جاتا ہے۔"

رندھیر نے اس لیے مبالغہ آرائی کی تھی کہ کوڑھیوں پر رعب پڑے' سریش کمار نے گوتم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میری اتنی عمر ہونے کو آئی' میں نے کبھی ایسا قاتل نہیں دیکھا۔ کیا واقعی اس نے اتنے قتل اور عورتوں کی عزت تباہ کی؟"

"اس میں حیرت کی کیا بات ہے جناب!" گوتم نے ہزیانی لہجے میں کہا۔ "آپ کہیں تو آپ کو یا کسی کو ابھی ڈھیر کر دوں؟"

یہ کہہ کر گوتم نے اپنے نیفے میں سے چاقو نکالا اور یہ گراری دار چاقو کڑکڑاتی آواز سے کھلتا تھا۔ اس کی آواز ہی ایسی تھی کہ اچھے خاصے جی دار کا زہرہ آب ہو جاتا تھا۔ گوتم نے کسی ماہر پیشہ ور قاتل کے انداز میں دھار پر انگوٹھا پھیر کر اسے بند کر کے دوبارہ نیفے میں اڑس لیا۔ اندھری کو توقع نہ تھی کہ وہ ایسی وحشیانہ حرکت کرے گا۔ لیکن اس کی یہ حرکت بے سود نہ رہی۔ اردگرد کھڑے ہوئے کوڑھی ڈر کر پرے ہٹ گئے۔ سریش کمار کی آنکھوں میں رندھیر نے لمحے کے لیے موت کے سائے رقصاں دیکھے۔ اس کے ہاتھ بری طرح لرز رہے تھے۔ پھر گوتم نے چاقو اپنی ڈب میں رکھا۔ سریش کمار کا ارتعاش فوراً ہی تھم گیا۔

گوتم نے نہایت بے حیائی اور اوباش پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے سریش کمار کو آنکھ ماری اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ میرے پتا جی کی عمر کے ہیں۔ ورنہ جس انداز میں آپ نے سوبھراج سے میرا ذکر کیا وہ مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں آپ کو یہیں اسی لمحے ڈھیر کر دوں۔ آئندہ میرے بارے میں کچھ کہتے ہوئے محتاط رہئے گا' بس میں ایک ہی بار وارننگ دیتا ہوں۔"

سریش کمار آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گوتم کو تکے جا رہا تھا۔ اس موقع پر رندھیر نے مداخلت کی اور گوتم کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"زیادہ بکواس نہ کرو۔ تمیز سے بات کرو۔ سردار نے کسی بری نیت سے نہیں کہا تھا۔ چلو ان سے معافی مانگو۔"

"اب اس ذکر کو جانے دیجئے۔ آپ کا ساتھی مذاق کر رہا تھا۔" سریش کمار نے ہاتھ

اٹھاتے ہوئے کہا۔ "یہ گرم خون ہے اور شاید اسے ہائی بلڈ پریشر ہے۔ کہیں یہ دوبارہ سچ مچ کا مشتعل نہ ہو جائے۔ میں ابھی کچھ عرصہ اور زندہ رہنا چاہتا ہوں۔"

"میں نے کہا نہیں کہ ان سے معافی مانگو۔" رندھیر نے آنکھ مارنے کے انداز سے آنکھیں پھیلائیں۔ پھر وہ سریش کمار سے بولا "آپ اسے معاف کر دیں' اس کی طبیعت کچھ ایسی ہی ہے کہ اس سے کوئی بات برداشت نہیں ہوتی ہے۔"

گوتم حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اور رندھیر کا غیر محسوس انداز کا اشارہ سمجھ کر ندامت سے بولا۔

"میں بہت شرمندہ ہوں' نادانستگی میں حرکت سرزد ہو گئی۔ آپ مجھے جب تک معاف نہیں کریں گے' دل کو اطمینان نہ ہو گا۔"

"تم چونکہ دل کے بہت اچھے آدمی ہو اس لیے میں نے تمہیں سچے دل سے معاف کر دیا۔" سریش کمار نے کہا۔

پھر وہ دونوں سنٹر کی دوسری منزل کے ایک چھوٹے سے کمرے میں آ گئے۔ باری باری ان کے چہروں' ہاتھوں اور ٹانگوں پر کچھ اس قسم کا میک اپ کیا گیا اور پٹیاں باندھی گئیں کہ جب انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو خوف سے کانپ گئے۔ اب ان میں اور دوسرے کوڑھیوں میں حلیے اور مرض کے اعتبار سے بظاہر کوئی فرق نہ تھا۔ جزام کے مصنوعی زخم اور پیپ کے کھرنڈ بنانے کے لیے انہوں نے درختوں کی گوند' گندھک اور نامعلوم کن کن پودوں کی چھال رنگ اور مسالوں سے کام لیا تھا۔ اس کام میں دو گھنٹے لگے۔ اب انہیں یہ بھی شبہ ہونے لگا کہ جن کوڑھیوں کو وہ اس سنٹر میں چلتے پھرتے دیکھ رہے ہیں کیا وہ سب کے سب کوڑھی ہی ہیں یا ان میں اکثریت مصنوعی کوڑھیوں کی ہے۔ ان کے لیے اب اسلحے کی حفاظت ضروری ہو گئی تھی۔ رندھیر نے اس بار یہ بھی دیکھا کہ تین کوڑھی نہایت قوی ہیکل اور تندرست ہیں اور وہ انہیں خون آشام نظروں سے دیکھتے اور گھورتے اور آپس میں اشارے بازی کرتے رہے ہیں۔

میک اپ کرنے والے نے رندھیر کو بتایا کہ وہ مدراس اور ممبئی کے سٹوڈیوز میں کام اور بڑی اداکاراؤں کے میک اپ کرتے رہے ہیں۔ یہاں کچھ ایسے ساتھی اور بھی ہیں جو کیمرا مین رہ چکے ہیں۔ انہوں نے بڑے بڑے نام ور اور معروف اداکاروں کی عکس بندی کی ہے۔ یہ اداکارائیں میک اپ مین اور کیمرا مینوں کی محتاج اور رحم و کرم پر رہتی تھیں کہ کہیں ان کی

خوبصورتی کو متاثر نہ کر دیں۔ یہ نک چڑھی اداکارائیں ان سے بڑی خوف زدہ رہتی اور گھبراتی تھیں۔ وہ انہیں نہ صرف من مانیاں کرنے دیتی تھیں بلکہ مہربان بھی ہوتی رہتی تھیں۔ خصوصاً نئی اداکارائیں۔ انہوں نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں ان اداکاراؤں سے جی بھر کے فائدہ اٹھایا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان کی خوبصورتی اور کشش میک اپ مین اور کیمرامین کی محتاج ہوتی ہے۔ جو اداکارائیں انہیں خوش نہیں کرتی تھیں وہ فلم میں بے کشش سی دکھائی دیتی تھیں پھر وہ ان کے پاس ان کی جھولی میں پکے پھل کی طرح گر جاتی تھیں۔

رندھیر کو ان باتوں کا علم اس لیے تھا کہ اس کا ایک کزن ممبئی کے فلمستان سٹوڈیو میں ملازمت کرتا تھا۔ وہ اسے اندرون خانہ کی باتیں بتاتا رہتا تھا۔ ان کوڑھی کیمرامینوں اور میک اپ مینوں نے جو کچھ بتایا تھا وہ مبالغہ آرائی نہ تھی۔

وشواناتھ اور سریش کمار نے یہ بھی بتایا کہ اس روز صبح آٹھ بجے خوراک اور دواؤں وغیرہ کا ذخیرہ لے کر جو لانچ آئے گی وہ اس میں کچھ چیزیں ان کے استعمال کے لیے الگ رکھ دیں گے۔ انہوں نے یہ بھی ہدایت کی کہ جہاں تک ممکن ہو وہ الگ الگ رہیں اور اپنی رائفلیں کسی ایسی جگہ چھپا دیں کہ ان کی نظر نہ پڑ سکے۔ بحری سپاہیوں کی کوئی ٹولی کسی مخبر سے اطلاع پا کر ان کی گرفتاری کے لیے جزیرے میں گھس آئے' لہٰذا انہیں ہوشیار اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔

ان دونوں نے سردار سریش کمار سے رخصت ہونے کی اجازت چاہی' کیونکہ ان کا نیند اور تھکن سے برا حال تھا۔ کیبن میں گھستے ہی وہ اپنے اپنے بستروں پر گر گئے اور گہری نیند سو گئے۔ دفعتاً رندھیر کی آنکھ کھل گئی۔ گپ اندھیرا تھا اور گوتم کے خراٹوں کی ہلکی ہلکی آوازیں کمرے کی فضا میں گونج رہی تھیں۔ وہ چپ چاپ یہ آوازیں سنتا رہا۔

پھر اس کے ذہن پر یکا یک ایک غیر مرئی سی فلم چلنے لگی۔ اسے اپنا گھر یاد آیا۔ پھر سوبھراج کی زندگی کی کہانی جو اس نے پڑھی۔ سوبھراج۔ ماں باپ۔ بہن بھائی یاد آئے۔ ان کی صورتیں حافظے پر ابھرنے لگیں۔ اس کی ماں کتنی شفیق اور محبت کرنے والی تھیں۔ پتا جی کتنے مہربان اور جان نثار تھے۔ بہن بھائی اسے کس قدر چاہتے تھے۔ وہ اس کا چھوٹا سا خوش نما گھر۔ صاف ستھرا سا گھر۔ جس کی چھت اور برآمدوں پر عشق پیچاں کی بیلیں پڑی رہتی تھیں۔ مختصر سے ہرے بھرے لان میں کتنے خوبصورت اور ننھے منے پھول اگا کرتے تھے۔ اس کا سکول گھر سے قریب تھا۔ مندر' ہسپتال اور گرجے کی سفید سفید عمارتیں' قصبے کا چھوٹا سا بازار

یہاں ضرورت کی ہر چیز مل جاتی تھی۔ لوگ ایک دوسرے سے کتنی اچھی طرح اور خلوص سے ملتے تھے' ہنس مکھ' خوش اخلاق و ملنسار۔ آپس میں پیار و محبت سے رہنے والے۔ وہاں کوئی شخص دنگا فساد نہ کرتا تھا۔ کتنا اچھا زمانہ تھا۔

وہ بے انتہا یادیں تھیں۔ لاتعداد تصویریں تھیں۔ ان گنت مسکراتے چہرے۔ نہ جانے کتنی مانوس اور وسیع آوازیں تھیں۔ پھر اسے یاد آیا کہ اس کے پتا جی کا ایک حادثے میں دیہانت ہو گیا۔ ان کی لاش جب گھر آئی تو کتنا کہرام مچا تھا۔ اس کی ماں شدت غم سے بیہوش ہو گئی تھی۔ ننھی بہنیں اور چھوٹے بھائی کیسے چیخ چیخ کر روئے تھے اور پچھاڑیں کھا رہے تھے۔ اس پر سکتے کی سی کیفیت طاری تھی اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے باپ کی لاش دیکھ رہا تھا جو خون میں لت پت تھی۔ لوگوں نے بتایا تھا کہ اس کے پتا جی کی گاڑی ایک ٹرک سے ٹکرا گئی تھی۔ پھر پرلیس کے آدمیوں نے گھر پر دھاوا بھول دیا تھا۔

باپ کے دیہانت کے کوئی چھ سات ماہ بعد اس کی پیاری ماں بھی چل بسی۔ وہ صدمے سے وقت سے پہلے ہی بوڑھی ہو گئی تھیں۔ اس کی آنکھیں رو رو کر سوج گئی تھیں۔ چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ ماں نے اس کی خاطر ایک سکول میں ملازمت کر لی تھی۔ یوں وہ گھر میں سب سے بڑا تھا۔ اس لیے اسے ایک ورکشاپ میں کام سیکھنے کے لیے بھیج دیا گیا۔ اب ان کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ تعلیم کے اخراجات اٹھا سکتے۔ ورکشاپ کا ماحول کچھ اچھا نہیں تھا۔ وہاں اس کے ہم عمر بہت سارے لڑکے کام کرتے تھے۔ اکثر بری عادتوں کا شکار تھے۔ وہ نہیں جانتا تھا کیونکہ آہستہ آہستہ وہ بھی انہی جیسا بنتا چلا گیا۔ شور' دنگا فساد' لڑائی مارکٹائی اور اس سے آگے نکل کر چھوٹی موٹی چوریاں کرنے لگا۔ پھر سوبھراج کو ایک سادھو مل گیا۔ اس نے سمجھایا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟ پھر اس کا ایک دوست جو بری بری عادتوں کا شکار تھا اس کی زندگی سامنے تھی۔ اسے چرس کی لت پڑ گئی۔ سوبھراج کو کسی نصیحت اور اچھائی کی فکر نہ تھی۔ وہ جس راستے پر آنکھیں بند کئے جا رہا تھا۔ اسے اچھا لگ رہا تھا۔ چرس کی لت کے بعد شراب منہ کو لگی۔ چاقو اور ریوالور چلانا بھی سیکھ لیا۔ پولیس اسے گھر سے پکڑ کر لے گئی۔ پہلا مقدمہ تھا' جس میں چھ ماہ قید کی سزا ملی۔ اسے جیل کی دنیا ایک عجیب اور نرالی دنیا لگی۔ چھ ماہ بعد جب وہ جیل سے نکل کر گھر واپس آیا تو پتہ چلا کہ اس کی بڑی بہن کو کوئی آشنا فلم نگری میں ہیروئن بنانے کا سبز باغ دکھا کر بہلا پھسلا کر ممبئی لے گیا اور اسے ان بردہ فروشوں کے ہاتھ فروخت کر دیا جو غیر ممالک حسین اور نوجوان لڑکیوں کو لے جا کر فروخت کرتے تھے۔ چھوٹی

بہن کسی شراب خانے میں ساقی گری کا کام کرتی ہے اور راتیں بھی کالی کرتی ہے' بھائی لاپتہ ہے۔ اس کی وہ چھوٹی سی جنت نہ جانے کہاں گم ہوگئی تھی۔ پھر وہ کیا کرتا۔ پھر وہ زیرزمین کی دنیا میں چلا گیا جہاں جرائم پیشہ لوگ تھے اور جہاں سے واپسی مشکل تھی۔ یہ تو ایک سوبھراج کی کہانی نہیں تھی۔ اس کے وطن میں جانے کتنے سوبھراج کو حالات جنم دیتے تھے۔ پھر اس کی زندگی کی فلم چلنے لگی۔ اس کے والدین غریب تھے۔ انہوں نے کسی نہ کسی طرح اعلیٰ تعلیم دلائی۔ اسے اچھی ملازمت اس لیے مل نہ سکی تھی کہ اس کے پاس سفارش نہ تھی۔ ایک دفتر میں اسے کلرک کی ملازمت مل گئی۔ پھر اس کی شادی شیاما سے ہوگئی۔ وہ دونوں بچپن سے محبت کرتے تھے۔ شیاما جتنی حسین تھی اتنی ہی پرکشش بھی۔ اس کا دیوانہ صرف ایک گوتم نہ تھا۔ اس کی بستی کے تمام نوجوان اس کے دیوانے تھے۔ وہ قسمت کا دھنی تھا جو اسے شیاما مل گئی۔ اسے یہ سب کچھ خواب لگتا تھا۔ وہ شیاما کو ایک مہارانی کی طرح رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کی تنخواہ میں بہت مشکل تھا۔ وہ اکثر اس سے کہتا تھا کہ تم نے مجھ سے شادی کر کے غلطی کی۔ تمہیں کسی بڑے گھر کی بہو ہونا چاہیے تھا۔ میں تمہیں احساس محرومیوں کے سوا کچھ نہیں دے سکا۔ وہ اس کے گلے میں اپنی مرمریں بانہیں حائل کر کے اور اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہتی تھی۔ مجھے تم مل گئے سمجھو کہ سب کچھ مل گیا۔ عورت محبت کی بھوکی ہوتی ہے۔ تم نے مجھے جو محبت دی ہے وہ کوئی اور نہیں دے سکتا۔ پھر جب اس کی زندگی میں ایک تاریک لمحہ آیا تو وہ دہل گیا۔ گوتم اس کی بیوی کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر بلیک میل کر کے سود شیاما کو میلا کر کے وصول کر رہا تھا۔ اب اسے گوتم سے نجات دلانا تھا۔ متن بوس کی بیوی کے ساتھ کیا ہوا تھا؟ متن بوس نے اسے جو مشورہ دیا تھا وہ بڑا مناسب تھا۔ وہ متن بوس کی تدبیر پر عمل کر کے گوتم سے نجات پانا چاہتا تھا۔

پھر رندھیر نے محسوس کیا کہ آنسوؤں سے اس کے دونوں رخسار اور گردن تر ہو چکی ہے۔ گوتم نے جو کچھ کیا تھا اس کی یاد اس کے سینے میں خلش کے خنجر کی طرح پیوست تھی۔ اس کے بوجھ سے اس کی آتما دبی جا رہی تھی' زخمی ہو رہی تھی۔ پھر اس کے ذہن پر چلتی ہوئی یہ کرب ناک فلم ایک جھٹکے سے ٹوٹ گئی۔ اس دنیا میں بہت سارے لوگ دکھی اور زخمی ہیں۔ ایک بار پھر وہ اندھے خلا میں بھٹکنے لگا۔ اس کے دل کی دھڑکن آپ ہی آپ تیز ہوگئی۔ پھر کسی خیال سے اس کے رونگٹے کھڑے ہوئے اور دل دھڑکنے لگا تھا۔ پھر بے اختیار اس کا ہاتھ سرہانے رکھی ہوئی رائفل کی طرف بڑھا اور سرد آہن نال کو چھو کر اسے ایک عجیب سی طمانیت کا

احساس ہوا جو اس کے سارے جسم میں دوڑ گیا۔ وہ بے حس و حرکت لیٹا دستک کی آواز پر کان لگائے رکھا۔ اسے ایسا لگا کہ باہر ہوا کے تیز جھکڑ چل رہے ہیں۔ انہی جھکڑوں کے باعث لکڑی کا یہ دروازہ خود بہ خود کھلا ہوگا' مگر نہیں۔ ایک بار پھر دستک ہوئی۔ اس نے محسوس کیا کہ یقیناً کوئی شخص آپ ہی آپ دروازہ غیر محسوس انداز سے آہستہ آہستہ تھپ تھپا رہا تھا۔

"کون ہے۔؟" رندھیر نے اپنے لہجے میں بے خوفی پیدا کرتے ہوئے تیز لہجے میں پوچھا۔

"کوئی جواب نہ ملا۔ چند لمحے گزر گئے۔ پھر وہی دستک۔ اس بار آواز کچھ زیادہ اونچی تھی۔ اس کی آواز سن کر گوتم کی نیند ٹوٹ گئی۔ اس نے رندھیر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔" تم کس سے باتیں کر رہے تھے؟"

"دروازے پر کوئی وقفے وقفے سے دستک دے رہا ہے۔" رندھیر نے جواب دیا۔

"اچھا۔!" گوتم کے لہجے میں حیرت کے ساتھ خوف بھی ابھر آیا۔ "اس وقت کون آیا ہو گا۔"

"معلوم نہیں کون آیا ہے؟" رندھیر نے سرگوشی کی۔ "بس ذرا ہوشیار اور محتاط رہو۔"

اتنے میں دروازہ زور سے یوں ہلا جیسے کوئی توڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔ گوتم نے فوراً ہی اپنی رائفل سنبھالی اور دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہوگیا۔ رندھیر نے آگے بڑھ کر دروازے کی ایک جھری سے آنکھ لگا دی۔ باہر صبح کاذب کا اندھیرا پھیلا تھا اور کوئی شے صاف اور واضح طور پر دکھائی نہ دیتی تھی۔

"باہر تو کوئی نظر نہیں آتا۔ پھر یہ دروازہ کون توڑ رہا تھا؟" رندھیر نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

"تعجب ہے۔" گوتم نے اس کے پاس آ کر جھری سے باہر کا منظر دیکھا' پھر اس نے دوسرے لمحے کہا۔

"اگر دروازہ تیز ہوا سے ہلتا تو اسے مسلسل ہلتے رہنا چاہیے تھا۔ ویسے باہر ہوا تو چل رہی ہے اور خاصی تیز بھی ہے۔ اور شاخوں کے جھومنے اور پتوں کے بجنے کی آواز برابر آ رہی ہے۔"

رندھیر نے پھر جھری سے آنکھ لگا دی۔ اسے یہ بات بڑی عجیب اور پراسراری محسوس ہوئی تھی۔

"چلو چھوڑو۔ بعض اوقات وہم بھی تو ہو جاتا ہے۔" رندھیر نے بستر پر واپس آتے ہوئے کہا۔ "صبح ہونے پر دروازے کا معائنہ کریں گے۔ اگر فی الواقعہ کوئی دستک دینے آیا ہو گا تو اس کے پیروں کے نشان نم آلود مٹی پر ضرور دکھائی دیئے جائیں گے۔"

"پیروں کے نشان تو خود ہمارے بھی باہر موجود ہیں۔" گوتم نے کہا "میری رائے میں باہر نکل کر کیوں نہ دیکھ لیا جائے؟"

"ٹھیک ہے۔ شبہ مٹ جائے تو اچھی بات ہے۔" رندھیر نے دوبارہ اپنی رائفل اٹھا لی۔

ابھی ان کے درمیان یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ دروازہ پھر بجنے لگا۔ تھپ۔ تھپ۔ تھپ۔ تھپ۔ پھر جیسے کسی کے دبے پاؤں چلنے اور کچھ فاصلے تک جانے کی آواز سنائی دی۔

گوتم نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ پھر وہ دونوں باہر نکل آئے۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ ان دونوں نے ادھر ادھر کا اچھی طرح سے جائزہ لیا۔ کیبن کے ارد گرد کی زمین تیس تیس گز کے فاصلے تک گھاس پھونس اور جھاڑ جھنکار سے صاف تھی۔ کوئی بھی شخص اتنے مختصر وقفے میں غائب نہ ہو سکتا تھا۔

"یار! میں نے خود اس کے بھاگنے کی آواز سنی ہے۔" گوتم نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔ "کیا تم نے یہ آواز نہیں سنی۔؟"

"یقیناً۔ میں نے بھی سنی ہے۔" رندھیر نے تائید کی۔ "سوال یہ ہے کہ دستک دینے اور دروازہ کھلنے میں مشکل سے چند پل کا وقفہ رہا ہو گا۔ اتنی دیر میں انسان تو درکنار کوئی جانور بھی ہماری آنکھوں سے اوجھل نہیں ہو سکا؟ پھر یہ کیا بلا تھی؟"

صبح کاذب کا ڈراؤنا سماں، تیز ہوا کا شور، اونچے اونچے درختوں پر چڑھے ہوئے بندروں کی چڑ چڑ۔ ایک انجانے اور ان دیکھے دشمن کی دستک۔ ان کا جتنا بھی برا حال ہوتا کم تھا۔

"ممکن ہے یہ کوئی شریر بندر ہو؟" رندھیر نے کہا "بعض اوقات بندر بھی ایسی حرکتیں کر جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں جب بندر آ جاتے تو ان کی حرکتیں ایسی ہی ہوتی تھیں۔"

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ کوئی بھوت پریت ہو۔" گوتم کا چہرہ اس خوف سے سفید پڑتا چلا گیا۔ اس کی گھگھی بندھی ہوئی تھی۔ "میں نے سنا ہے کہ ایسے ہیبت ناک اور منحوس جزیروں پر بہت ساری آوارہ روحوں کا بسیرا ہوتا ہے۔ وہ راتوں کو منڈلاتی رہتی ہیں۔"

رندھیر نے ایسے موقع پر زندہ دلی کا موقع دیتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

"واہ میرے شیر۔ جناب گائیڈ! بارہ برسوں سے جنگلوں کی خاک چھان رہے ہو۔ بندر اس وقت دستک دیتا ہے جب وہ کسی کو ایسا کرتا دیکھتا ہے۔ وہ نقل اتارتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ یہ کسی بندر کی حرکت تھی۔ بھوت ووت خیالی چیزیں ہیں۔ کم از کم میں نہیں مانتا۔ تمن بوس نے بھوت کی نہیں جادوگر کی کہانی سنائی۔ ہمارے ہاں ایسی بیکار کہانیاں زد عام ہیں۔

گوتم کچھ کہتے کہتے رک گیا اور اس کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخیں نکلنے لگیں اور اس نے دایاں ہاتھ اٹھا کر کچھ اشارہ کیا تو پہلے تو رندھیر کچھ نہ سمجھا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ اس کے اس طرح چیخنے کی وجہ کیا ہے۔ اتنے میں گوتم کیبن میں گھس گیا۔ رندھیر بھی اندر آیا تو گوتم نے اس کا بازو پکڑ کر لرزتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"وہ دیکھو رندھیر۔! وہ۔ اف۔ بھگوان جانے یہ کیا عفریت ہے؟"

* * *

رندھیر نے اس کی انگلی کے اشارے پر نگاہ دوڑائی اور دہشت سے اس کی رگوں میں لہو برف کی طرح جمنے لگا۔ اس کے ہاتھ سے رائفل چھوٹ کر گر پڑی۔ وہ اس طرح سے ساکت و جامد ہو گیا تھا جیسے اس پر کوئی بجلی سی آ گری ہو۔ رندھیر کو اندازہ نہ ہو سکا تھا کہ گوتم کی کیفیت کیا ہے' وہ کس عالم میں ہے۔ اس کا اپنا یہ حال تھا کہ پیروں میں جان نہ تھی۔ وہ چیخنا چاہتا تھا مگر حلق سے آواز نہ نکلتی تھی۔ رندھیر اسے نہ تو نظر کا فریب قرار دے سکتا تھا اور نہ ہی کوئی ڈراؤنا خواب۔

اس سے کوئی پندرہ فٹ کے فاصلے پر فضا میں ایک انسان ہیولا تیر رہا تھا۔ کچھ سفید سفید۔ کچھ سرمئی سرمئی رنگ کا انسانی ہیولا جیسے دھوئیں کا بنا ہوا آدمی۔ دیکھتے دیکھتے وہ زمین پر اتر آیا۔ اس کے بدن پر پرانا بوسیدہ لباس۔ سر پر تنکوں کا بڑا سا ہیٹ۔ چہرہ لمبوترا' رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئیں۔ طویل قامت' دبلا پتلا اور ہڈیوں کا ڈھانچا۔ زمین پر رک کر اس نے آہستہ آہستہ دائیں بائیں گردن گھمائی۔ جیسے کسی کو ڈھونڈ رہا ہو۔ پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا ان کی جانب بڑھنے لگا۔ جوں جوں وہ نزدیک آ رہا تھا۔ رندھیر کے دل دھڑکنے کی رفتار کم ہوتی جا رہی تھی۔ کانوں میں سائیں سائیں ہونے لگی۔ اس کے جسم کا خون سرد ہو کر جیسے دماغ میں جم گیا ہو۔ اسے اتنا احساس ہوا کہ گوتم بھی بے ہوش ہو گیا تھا۔

وہ ہیولا رندھیر سے کوئی دس فٹ کے فاصلے پر آن کر رکا۔ اس کے موٹے بھدے لبوں پر نہایت مکروہ تبسم نمودار ہوا۔ پھر اس نے ہاتھ سے ایسا اشارہ کیا جیسے وہ رندھیر کو قریب بلا رہا ہو۔ برسوں بیت جانے کے باوجود بھی وہ منظر رندھیر کو یاد تھا۔ اس طرح تر و تازہ لگتا تھا جیسے کل کی سی بات ہو۔ رندھیر بے حس و حرکت مٹی کے بے جان پتلے کی مانند اپنی جگہ کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ گوشت پوست کا کوئی جیتا جاگتا انسان یا جزیرے کی کوئی بھٹکتی ہوئی انسانی روح۔ ایسی روح جو ظہور کے لیے انسانی جان کی بہر حال محتاج ہوتی ہے۔ پھر اس

نے کچھ کہا۔ مگر کوئی آواز اس کے کانوں تک نہیں پہنچی۔ اس کے بعد کیا ہوا۔؟ رندھیر کو کچھ یاد نہیں تھا۔

آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو کیبن سے باہر پڑے ہوئے پایا' نہ جانے کتنی دیر ہو چکی تھی۔ دن جس قدر چڑھ آیا تھا اس سے اندازہ ہوا کہ کئی گھنٹے گزر چکے ہیں۔ قریب ہی رندھیر کو گوتم کی لاش دکھائی دی۔ رندھیر نے اسے کئی آوازیں دیں مگر اس میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ پہلا احساس رندھیر کا یہ تھا کہ گوتم ختم ہو گیا ہے۔ پھر بھی اس نے گوتم کا نام لے کر پکارا۔ کوئی جواب نہ ملا۔ رندھیر نے اٹھنے اور جسم کو حرکت دینے کی انتہائی کوشش اور جدوجہد کی' مگر بے سود۔ اسے ایسا لگا کہ اس کے پیروں سے زمین نکل چکی ہے۔ وہ ذہنی اور جسمانی اذیت کے لمحے مرتے دم تک نہیں بھول سکتا تھا۔

پھر یکایک اسے احساس ہوا کہ اس کے اردگرد کچھ ذی روح موجود ہیں۔ گردن گھمائی تو ممکن نہ تھا کہ انہیں دیکھ سکے۔ پھر اس نے ٹیڑھی ترچھی نظروں سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کے کوڑھی دوست موجود ہیں جو ان کی خیریت اور عافیت معلوم کرنے آئے تھے۔ اس نے اس مجمع میں وشوا ناتھ کو پہچانا۔ پھر سریش کمار کو بھی دیکھا۔ دھونی بھی نظر آیا۔ بونا بھی ایک طرف اسے گھور رہا تھا۔ ان سب کی نظروں سے نفرت اور حقارت کا لاوا ابل رہا تھا۔
رندھیر نے دل میں اپنے آپ سے کہا۔ ”رندھیر بیٹے! اب تم موت سے نہیں بچ سکتے؟“

سریش کمار نے بونے کو اشارہ کیا تو اس بدبخت نے آگے بڑھ کر نہایت اطمینان سے ان کی رائفلیں اٹھا کر سریش کمار کے قدموں میں ڈال دیں۔ پھر اس نے باری باری رندھیر اور گوتم کی جیبوں کی تلاشی لی۔ ان میں کیا رکھا تھا' وہ خالی تھیں۔ وہ رقم تلاش کر رہا تھا۔ ان دونوں نے رقمیں نیفے میں رکھی ہوئی تھیں۔ بونے نے سریش کمار کی جانب دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا۔ گویا کہ کہہ رہا ہو' مطلوبہ چیز مل گئی۔

پھر بونا کیبن میں لپک گیا۔ وہاں سے چیزیں الٹنے پلٹنے کی آوازیں آئیں۔ رندھیر سمجھ گیا کہ وہ تلاشی لے رہا ہے۔ رندھیر کو ان کوڑھیوں سے دغابازی کی توقع نہ تھی۔ ”مکیش نے غلط نہیں کہا تھا۔ رندھیر کو اپنی بیوی بچے یاد آئے تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے سوچا' کاش! مرنے سے پہلے وہ اپنی بیوی بچوں کو دیکھ سکتا۔ سریش کمار نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"اب کیوں روتے ہو سوبھراج جی! بہادر آدمی ڈر کر رویا نہیں کرتے۔"

رندھیر نے اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنا چاہا‘ مگر زبان اتنی موٹی ہو چکی تھی کہ اس سے بولا ہی نہ گیا تو پھر اس نے بولنے کی کوشش نہیں کی۔ خاموشی ہی بہتر سمجھی۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر ایک زوردار ٹھوکر اس کی پسلیوں میں ماری اور کرخت لہجے میں بولا۔

"اب بولو سور کی اولاد۔ ہمیں بہت دھمکیاں دیتے تھے کہو۔ تمہارا کیا حشر کریں؟ پہلے ہمارا ارادہ تھا کہ تمہاری مدد کریں اور تمہیں قانون کے حوالے نہ کریں۔ لیکن صاحب تو گھوڑے پر سوار تھے۔ بات بات پر ہم سب کو گولی سے اڑا دینے کے ارادے تھے۔ دیکھا‘ ہمارا کرشمہ۔ ہم چاہیں تو تمہیں ابھی اور اسی وقت کتے کی موت مار دیں۔"

اس کے لہجے میں سفاکی تھی تو چہرے پر درندگی اور اس کی آنکھوں میں ایک وحشی درندے کی سی خوں خواری۔ رندھیر کے سارے بدن اور نس نس میں سنسنی کسی خنجر کی نوک کی طرح اترتی چلی گئی۔ اب اسے اپنی زندگی کی آس بالکل بھی نہ رہی۔ اسے اندازہ تھا کہ واقعی اسے کتے کی موت مار دیا جائے گا۔ اب اسے دنیا کی کوئی طاقت ان کے ہاتھوں سے مرنے سے بچا نہیں سکتی تھی۔

دوسرے لمحے جلتی پر تیل گر گیا۔ بونا ایک بار پھر نظر آیا۔ بونے نے اپنا خنجر برآمد کر لیا تھا۔ وہ رندھیر کو دکھا رہا تھا‘ انگلیوں پر نچا رہا تھا۔ اس کی دھار پر ہاتھ پھیر کر اور ایک درخت کی شاخ کاٹ کر بتا رہا تھا کہ کس قدر تیز دھار ہے۔ موت کا فرشتہ بنا ہوا تھا۔ بونا بھی تو اسے مار سکتا تھا‘ کیونکہ اس نے بونے کی جو درگت بنائی تھی اور خنجر چھین لیا تھا لہٰذا وہ بدلہ لینے سے چوک نہیں سکتا تھا۔

اسے سبھی کوڑھی موت کے فرشتوں کی طرح لگ رہے تھے۔ اس نے یہی مناسب سمجھا کہ ان منحوسوں کی شکلیں نہ دیکھی جائیں۔ وہ ان کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا تھا‘ نہ دفاع اور نہ ہی مداخلت۔ اس کے جسم میں جان اور سکت ہوتی تو وہ کسی نہ کسی طرح رائفل پر قبضہ کر لیتا۔ چنانچہ اس نے آنکھیں موند لیں اور بے سدھ سا پڑا رہا۔ چند لمحوں کے بعد اسے احساس ہوا کہ اس کے ہاتھ پیر مضبوط رسیوں سے باندھے جا رہے ہیں۔ آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اس کا اندازہ درست نکلا تھا۔ کوڑھی جنگل کے کونے کونے سے نکل کر کیبن کی طرف آ رہے تھے۔ ہر لحظہ ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ پھر اسے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ گوتم زندہ سلامت ہے۔ اگرچہ اس کی جسمانی حالت اس کے جیسے ہی تھی۔ وہ چپ چاپ لیٹا ہوا اب کچھ دیکھ رہا تھا۔

رندھیر کی طرح انہوں نے گوتم کی بھی مشکیں کس دی تھیں۔ یہ خبیث لوگ ان کے ساتھ کیا کرنے والے ہیں‘ رندھیر کو اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ اتنا تو اس نے جان لیا تھا کہ کس وجہ سے اسے مار نہیں رہے ہیں۔ شاید قانون کے حوالے کر کے انعام حاصل کرنا چاہتے ہوں۔

رندھیر کو جس بات پر بار بار حیرت ہو رہی تھی وہ یہ تھی کہ گزشتہ رات اس نے اور گوتم نے جو کچھ دیکھا تھا وہ فریب نظر تھا یا پھر کوئی اور حقیقت۔؟ دونوں صورتوں میں ان کے جسمانی نظام کا بے کار ہو جانا سمجھ سے بالاتر بات تھی۔ تو کیا ان پر جادو کیا گیا تھا؟ رندھیر نے سوچا۔ جادو تو ایک حقیقت ہے۔ متن بوس نے جو کہانی سنائی تھی کیراسس کی۔ اس سے یہ ثابت ہوا تھا‘ مگر ایسا جادو۔؟ جادو‘ جادو ہی ہوتا ہے۔

رندھیر نے سوچا کہ سریش کمار کی قیافہ شناسی کی داد نہ دینا ظلم ہوگا کیونکہ اس نے رندھیر کے بشرے سے تاڑ لیا تھا کہ وہ کس فکر میں گم ہے۔

"سوبھراج صاحب جی! فرمائیے۔ آپ نے جو بھوت دیکھا‘ وہ کیسا تھا۔؟ کیا پسند آیا یہ تماشا۔؟ آپ کا خیال تھا کہ ہم کوڑھی۔ اپاہج‘ ضعیف العمر لوگ آپ کا کیا بگاڑ لیں گے؟ یہی وجہ تھی کہ آپ بار بار رائفل اور گولی کی دھمکی دیتے تھے۔ شاید آپ کو علم نہیں کہ ایسے شعبدے میری جھولی میں بند ہیں۔ ایسے شعبدے جو مہذب دنیا میں پہنچ کر دکھاؤں تو لوگ پاگل ہو جائیں گے۔ رات کے دھندلکے میں جو کچھ آپ اور آپ کے ساتھی نے دیکھا وہ سب میرے بائیں ہاتھ کا ایک ادنیٰ سا کھیل تھا۔"

رندھیر کے چہرے پر تجسس اور اس کی آنکھوں میں حیرت دیکھ کر خوش ہوا اور کہنے لگا۔

"تم میری اس بات کا یقین کرو یا نہ کرو۔ میرے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ میری صحت متاثر ہوگی۔ اس عاجز کی عمر اس وقت سو برس کے لگ بھگ ہے۔ میں نے قدیم اور جدید ترین دنیا کا بڑا دور اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ایسے ایسے علاقوں میں مہینوں‘ برسوں رہا ہوں جن تک پہنچنے کا تصور آپ جیسے گدھے احمق نہیں کر سکتے۔ ایسے ایسے مخفی علوم سیکھے ہیں جن کے سامنے موجودہ سائنس پانی بھرے‘ جو شعبدہ آپ نے دیکھا وہ معمولی نوعیت کا تھا۔ موقع ملا تو کچھ اور ایسے تماشے دکھاؤں گا جو آپ کو مدد کے لیے پاگل کر دیں گے۔ فی الحال آپ آرام کریں۔ اس جزیرے کا نظم و نسق جس کونسل کے ہاتھ میں ہے وہی آپ کے بارے میں فیصلہ کرے گی۔ میرا کام ان کے ہر فیصلے کی توثیق کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ کے متعلق جو بھی فیصلہ ہوگا اس کی بھی میں ہی توثیق کروں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے بونے کو ایک عجیب اور پراسرار اشارہ کیا۔

بونے نے رندھیر کے پاس اس کا منہ کھول کر کڑوے کسیلے مشروب کے چند قطرے اس کے حلق میں ٹپکائے۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے آگ کی ایک لکیر حلق سے لے کر معدے تک گہری لکیر ڈالتی چلی گئی۔ اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور پھر اسے دنیا و مافیا کی کچھ خبر نہ رہی۔

جب رندھیر کو ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو گہری تاریکی اور ٹھنڈ میں لیٹے ہوئے پایا۔ ایسا گپ اندھیرا جہاں وہ اپنی آنکھوں سے قریب کی شے کیا ہاتھ تک کو دیکھنے سے قاصر تھا۔ اس کے جسم کے مختلف حصوں سے درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ اس کے ہاتھ پیر کھول دیئے گئے تھے۔ اس نے پھیپھڑوں کی پوری قوت سے گوتم کو آواز دی' مگر بے سود۔ جواب میں اسے اپنی آواز سنائی دی۔ پھر اسے رفتہ رفتہ اندازہ ہوا کہ اسے کسی گہرے یا تاریک غار یا کنوئیں میں پھینک دیا گیا ہے۔

اس اندھی اور سرد جگہ جہاں وہ اپنے آپ کو دیکھنے سے قاصر تھا۔ وقت گزرنے کا احساس بھی ناپید تھا۔ اسے کچھ خبر نہ تھی کہ دن ہے یا رات۔ دلچسپ اور ناقابل یقین بات یہ تھی کہ بھوک پیاس بھی ندارد۔ زمین نرم اور گیلی گیلی۔ وہاں کسی قسم کی گھاس تھی نہ پھونس تھا۔ وہ بمشکل کسی نہ کسی طرح کھڑا ہونے میں کامیاب ہوگیا اور اندھوں کی طرح راستہ ٹٹولتا ہوا آگے بڑھا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ کوئی کنواں ہے تو ہاتھ دیوار سے ضرور ٹکرائے گا' مگر نہیں۔ اندازاً بیس بائیس فٹ چلنے کے باوجود اس کا ہاتھ کسی دیوار سے نہ ٹکرایا۔ وہ واپس ہوا اور اندازے سے اتنا ہی فاصلہ الٹے قدموں طے کیا۔ ادھر بھی کوئی دیوار نہ تھی۔ غرض وہ چاروں کھونٹ گھوما۔ اس کے سامنے بھی کوئی رکاوٹ نہ آئی۔ دہشت کی ایک نئی لہر اس کے رگ و پے میں دوڑنے لگی۔ ”او بھگوان! میں کہاں آ گیا ہوں؟“ وہ بڑبڑایا۔ ایک بار پھر اپنی تنہائی کا احساس دور کرنے کے لیے وہ خوب چیخا چلایا لیکن اس نے جواب میں اپنی ہی صدائے بازگشت سنی۔ اسے ایک بات کا بہرحال یقین ہوگیا کہ وہ کنوئیں میں نہیں۔ کسی زمین دوز اور انتہائی وسیع و عریض گہرے غار میں ڈالا گیا ہے۔ دفعتاً اس کے سر کے اوپر تاریکی کا سینہ چیرتی ہوئی روشنی کی ایک ہلکی سی کرن سورج بن کر چمکی۔ یہ کرن آہستہ آہستہ بڑی ہوتی ہوئی اس کے قریب آ رہی تھی۔ اس کی بصارت لوٹ آئی تھی اور وہ دم سادھے ٹکٹکی باندھے اسے تک رہا تھا۔ یہ کرن نہیں تیل سے جلنے والی لالٹین تھی' جو غار کے منہ سے اس کی جانب لٹکائی جا رہی

تھی۔ رندھیر نے خیال کیا شاید اسے بھی اس طرح سے غار میں اتارا گیا ہوگا۔

لالٹین فرش پر آ کر ٹھہر گئی۔ اس کے ساتھ ایک تھیلا بندھا ہوا تھا۔ اس نے جلدی سے رسی پکڑ لی اور لالٹین کھول کر ایک طرف رکھی۔ پھر تھیلا بھی کھولا۔ اس میں سوکھی ڈبل روٹی کے ٹکڑے بھرے تھے۔ شیشے کی ایک بڑی بوتل میں پانی۔ تھیلے سے کاغذ کا ایک پرزہ بھی برآمد ہوا۔ اس نے لالٹین کی روشنی میں اس پرزہ کاغذ پر ایک نظر ڈالی۔ چند سطریں دکھائی دیں۔

”سوبھراج صاحب بہادر! کہیے کیسے حال چال ہیں۔ امید ہے آپ اس نئی دنیا میں خوش و خرم ہوں گے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ کو یہ تکلیف دوں مگر آپ کے روّیے نے مجھے مجبور کیا۔ بہرحال اس میں آپ کی جان کی سلامتی کا راز پوشیدہ ہے۔ آپ کا ساتھی بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ یقین کیجئے۔ جوں ہی بحری سپاہیوں کی ٹولی واپس گئی' آپ کو اس غار سے نکال کر اس کشتی میں سوار کرا دیا جائے گا جس کا معاملہ آپ سے طے کیا گیا۔ وعدہ کیا گیا۔ اس دوران آپ اتنا کریں کہ نیفے سے رقم نکال کر اس رسی سے باندھ دیں۔ ہم چاہتے تو آپ کی بے ہوشی کی حالت میں با آسانی نیفے سے رقم نکال لیتے لیکن یہ ایک طرح سے صریحاً بدمعاشی اور لوٹ مار ہے۔ اس تھیلے میں ایک چھوٹی سی پنسل اور کاغذ کے ٹکڑے پائیں گے۔ انہیں سنبھال کر اپنے پاس رکھیں جو پیغام آپ مجھے یا اپنے ساتھی کو دینا چاہیں لکھ کر دے سکتے ہیں۔ یہ رسی ہر بارہ گھنٹے کے بعد لٹکائی جائے گی۔ یہ غار ہم نے حشرات الارض سے پاک کر دیا تھا۔ آپ اطمینان سے قیام فرمائیں۔ یہ لالٹین آپ کی نذر ہے۔ جی چاہے تو بجھا دیں' جی چاہے تو جلا لیں۔ اس تھیلے میں آپ کو ماچس کی ڈبیا ملے گی۔ اگر پڑھنے کا شوق ہو تو میں چند دلچسپ ناول روانہ کر دوں۔“

آپ کا خادم سریش کمار

رندھیر نے خط پڑھ کر سوچا کہ ظالم نے کیا خط لکھا؟ طنز کے بے پناہ نشتر چلائے تھے۔ اپنی بے بسی کا خیال کر کے رندھیر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے نیفے سے رقم نکالی جو تین ہزار تھی۔ اس نے تھیلے میں ربڑ بینڈ دیکھا تو نوٹوں پر چڑھا دیا۔ پھر اس نے رسی سے باندھ دیا اور پھر اس کو جھٹکا دیا۔ اس نے اوپر سے رسی کھینچ لی۔ چند لمحوں کے بعد رسی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

رندھیر کی لیٹے لیٹے آنکھ لگ گئی۔ اس نے ایک بھیانک اور دل شکن خواب دیکھا۔ وہ اور گوتم ایک کشتی سے موت کی وادی پہنچے۔ وہاں ایک مقامی آدمی سے پتا چلا کہ بمل داس گپتا

اپنے ساتھیوں سمیت دو دن پہلے آیا تھا۔ وہ لوگ اس کان سے سارا سونا نکال کر لے جا چکے ہیں۔ گوتم کو اس کی بات کا یقین نہیں آیا۔ وہ سونے کی تلاش میں سونے کی کان میں گھس گیا۔ گوتم نے اس سے کہا کہ وہ کان کے باہر کھڑا رہے۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر گزر جانے کے بعد گوتم نہیں آیا تو اسے تشویش سی ہوئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس نے ایک نسوانی ہنسی سنی' یہ ہنسی بالکل شیاما جیسی تھی۔ وہ لپک کر کان میں گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ اس کی بیوی شیاما گوتم کے ساتھ کھڑی ہوئی ہنس رہی ہے' بات کر رہی ہے۔ اس سے برداشت نہ ہو سکا۔ وہ چلایا۔ شیاما۔۔!"

گوتم نے اسے جو دیکھا تو وہ شیاما کا ہاتھ پکڑ کر اندر کی طرف بھاگا۔ وہ شیاما کے تعاقب میں دوڑا۔ دو قدم چلتے ہی ایک دھماکا ہوا۔ کان ایک دھماکے سے گر پڑی اور ایک بڑا سا پتھر اس کے منہ پر آ لگا جیسے کسی نے کھینچ کر دے مارا ہو۔ اس نے ایک دل خراش چیخ ماری۔

پھر ایک دم سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ رندھیر نے دیکھا کہ غار کے دہانے سے جو رسی لٹک رہی ہے وہ اس کے منہ پر کسی پتھر کی طرح گری ہوئی تھی۔ اس رسی کے سرے سے ایک تھیلی بندھی ہوئی تھی۔ کسی نے وہاں سے چیخ کر کہا۔

"سردار نے حسب وعدہ پڑھنے اور وقت گزاری کے لیے ایسی تین کتابیں بھیجی ہیں جو نایاب ہیں۔ انتہائی دلچسپ اور حیرت انگیز اور سنسنی خیز۔ وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوگا۔ یہ وہ کتابیں ہیں جو تم نے نہ تو کبھی دیکھی ہیں اور نہ ہی ان کے بارے میں سنا ہوگا۔ اس لیے کہ یہ کتابیں خلیج کے ممالک میں فروخت کے لیے بھیجی گئی ہیں۔ اس کے نسخے کسی قیمت پر یہاں نہیں ملیں گے' ملیں گے تو اس کی قوت خرید ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ لہٰذا جلدی رسی کھول کر کتابیں رکھ لو۔ کتابوں کو تھیلی ہی میں رکھنا تاکہ یہ خراب نہ ہوں اور صاف ستھری رہیں۔"

جب اس نامانوس نے تقریر جھاڑنے کے بعد رسی ہلائی۔ ان کتابوں کے بارے میں سن کر رندھیر کو حیرت سے زیادہ تجسس ہوا۔ ظاہر تھا زندان میں کسی ساتھی کی ضرورت تھی۔ کتاب سے اچھا ساتھی کون ہو سکتا تھا۔ اس کا مشغلہ فلمیں دیکھنا اور ناول پڑھنا تھا اور ہر اتوار کو وہ بیوی بچوں سمیت فلم دیکھنے جاتا تھا۔ یہ بڑی عجیب ہی نہیں پراسرار سی بات تھی کہ سردار نے اس کی تنہائی اور بوریت دور کرنے کے لیے دلچسپ کتابیں بھیجی تھیں۔ اس نے وعدہ بھی کیا تھا۔

اس نے جیسے ہی رسی کھولی وہ اوپر کھینچ لی گئی۔ دہانے پر اندھیرا تھا۔ کتابیں لانے والا نظر نہ آیا۔

تھیلی میں کل تین کتابیں ناول سائز کی تھیں' وہ مجلد تھیں۔ بڑی نفیس' مضبوط تھیں' خاص ضخیم تھیں۔ تھیلی جو اس کے منہ سے لگ کر سخت چوٹ آئی تھی۔ اس نے تھیلی سے ایک کتاب باہر نکالی۔ سرورق سیاہ چرمی تھا۔ اس پر کتاب کا نام نہیں تھا۔ اندر کے پہلے صفحے پر نام لکھا ہوا تھا۔ یہ ہندی زبان کی کتاب تھی' نام تھا درندے۔ فہرست سے اندازہ ہوا کہ اس میں بیس لڑکیوں کی آپ بیتیاں ہیں۔ ہر آپ بیتی چالیس صفحات کی تھی۔ ہر ایک آپ بیتی کے ساتھ لڑکی کی تصویر بھی تھی۔ اس نے ورق گردانی کی۔ اس نے پڑھنے سے پہلے اس کتاب کا پیش لفظ پڑھا۔ ان لڑکیوں کی کہانیوں کو ایک عورت بملا رامان نے مرتب کیا تھا۔ اس نے پیش لفظ میں لکھا تھا کہ یہ ہندوستان کی ان بدنصیب لڑکیوں اور شادی شدہ عورتوں کی کہانیاں ہیں جو حالات کا شکار ہوئی ہیں۔ رندھیر نے پہلی کہانی پڑھی جو سولہ برس کی دوشیزہ کی تھی کہ وہ کس طرح سے درندگی کا نشانہ بنی۔ اس نے بڑی تفصیل سے کہانی بیان کی تھی۔ اس لڑکی کی تصویر بھی تھی۔ ایک ہائی سکول کی طالبہ بھی تھی۔ یہ ان لڑکیوں اور عورتوں کی کہانیاں تھیں' جنھوں نے محبت کے نام اور خوابوں کے پیچھے بھاگ کر ٹھوکر کھائی تھی۔ کہانی اس انداز سے بیان کی گئی تھی کہ حظ اور لذتیت محسوس ہو۔

رندھیر نے یہ کتاب پڑھے بغیر اس لیے رکھ دی تاکہ دوسری کتابیں دیکھے۔ دوسری کتاب بدنام زمانہ لیڈی چیٹرلو کے ناول کا ہندی ترجمہ تھا۔ اس کتاب پر ہندوستانی حکومت نے پابندی لگا دی تھی' کیونکہ یہ ناول فحاشی' عریانی اور سیکس کے موضوع پر تھا۔ اب چونکہ امریکہ اور یورپ میں اس سے کہیں بے ہودہ ناولوں کی بھرمار تھی اور ہندوستان کی کئی زبانوں کے ترجے بازار میں دستیاب تھے' اس لیے اس پر سے پابندی اٹھالی گئی تھی۔ لیکن ان ہندوستانی ناول میں نامناسب تصویریں شامل کی گئی تھیں۔ اس نے بازار میں جو یہ ناول دیکھی اس پر ایک تصویر بھی ایسی نہ تھی جو اس ناول میں تھی۔

اس نے تیسری کتاب اٹھائی جو باتصویر تھی۔ یہ کتاب نہ صرف بے حد خطرناک' سنسنی خیز بلکہ ممنوعہ قسم کی تھی۔ اس میں ہندوستان فلم انڈسٹری کی چوٹی کی اداکاراؤں کی کہانیاں اور ان کی تصویریں شامل تھیں۔ یہ ماضی کی اداکارائیں تھیں لیکن آج اب بھی فلمی دنیا سے وابستہ تھیں۔ عزت' شہرت اور دولت مند تھیں۔ ان کی کہانیاں بیس بیس صفحات پر مشتمل تھیں۔ ہر اداکارہ کی دس دس عدد پوسٹ کارڈ سائز کی رنگین تصویریں بھی چھاپی ہوئی تھیں۔ جو غلاظت سے بھری ہوئی تھیں۔ وہ ان تصویروں کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اسے اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا۔

وہ ششدر تھا کہ یہ تصویریں کیسے اور کس نے کھینچی ہوں گی؟ کس لیے۔ ہندوستانی فلموں میں عریانی اور بولڈ قسم کے مناظر شامل کیے جانے لگے تھے۔ لیکن یہ تصویریں فطری حالت میں حد سے تجاوز تھیں۔ ان تصویروں کو دیکھ کر رندھیر نے یہ قیاس کیا کہ ان کی بے خبری میں خفیہ کیمروں کی مدد سے بلیک میل کرنے کی غرض سے کھینچی گئی ہوں گی۔ ایک اداکارہ کتنی ہی بے باک‘ بے شرم اور ماڈرن کیوں نہ ہو۔ ایسی تصویر نہیں بنوا سکتی تھی۔ یہ قانوناً جرم تھا۔ ہر تصویر مختلف زاویہ لیے ہوئے تھی۔ مردوں کے ساتھ بھی تھیں۔ اس کے خیال میں یہ کسی بلیک میلر کا ہی کارنامہ تھا۔

ان اداکاراؤں نے اپنی کہانیوں میں بتایا تھا کہ وہ کس طرح سے اور کن حالات سے گزر کر وہ ایک معروف اور چوٹی کی اداکارہ بنیں۔ ایک لڑکی کو بڑی بڑی قربانیاں دینے اور غلاظت کے انجانے راستے سے گزرنے کے بعد عزت‘ شہرت اور دولت ملتی ہے۔ کچھ پانے کے لیے بہت کچھ کھونا بھی پڑتا ہے۔ جب وہ اداکارہ بنتی ہے تو ایک طوائف سے بھی بدتر ہوتی ہے۔

وہ ان تصویروں کے بارے میں سوچنے لگا تو اسے خیال آیا کہ کوڑھیوں میں فلمی کیمرا مین اور میک اپ مین ہیں۔ انہوں نے یقیناً یہ کارنامہ انجام دیا ہوگا۔ یا پھر کسی بلیک میلر نے ان کے تعاون سے یہ تصویریں بنائی ہوں گی۔

رندھیر نے اندازہ کیا کہ یہ پڑھنے کا راشن دس بارہ دن کے لیے بھی بہت ہے۔ ایک ایک تصویر ایسی تھی کہ سارا سارا دن بھی دیکھی جائے تو دل نہ بھرے۔ اس نے ایک اداکارہ کی کہانی جو پڑھی تو جوں جوں اس کی دلچسپی بڑھتی گئی۔ یہ تنہائی کے بہترین ساتھی تھے۔ ان کتابوں نے اسے نہ صرف دنیا و مافیا سے بے نیاز کر دیا تھا بلکہ انجانے خوف اور پریشانیاں بھی کم کر دی تھیں۔

اس نے ایک دو مرتبہ گوتم کو پیغام بھیجا۔ گوتم نے اسے جواب میں بتایا کہ اسے بھی ایک گہرے غار میں قید کیا ہوا ہے۔ اسے جو بھی کتابیں فراہم کی گئی ہیں‘ ایسی ہی ہیں جو اسے دی گئی ہیں۔ اسے سردار سریش کمار پر سخت طیش آیا کہ گوتم کو ساتھ نہ رہنے دینے میں اس کی مصلحت تھی۔ گوتم ساتھ رہتا تو کون سی قیامت آ جاتی۔ گوتم نے یہ بھی بتایا کہ سردار نے اس کی ساری رقم بھی ہتھیا لی ہے۔ گوتم کے پاس سات ہزار کی رقم تھی۔ رندھیر کے حساب سے اس شیطان سردار نے ان سے ساڑھے چار ہزار کی رقم ٹھگ لی تھی۔ ایک طرف کشتی کا معاملہ تھا تو

دوسری طرف جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ اب رندھیر کو کشتی کی کوئی پروانہ تھی۔ اس کے نزدیک کوڑھیوں کا بڑا احسان ہوگا کہ ان کی جان بخش دیں۔ اور پھر رندھیر کی سمجھ سے یہ بات بالاتر تھی کہ انہیں زنداں میں کیوں ڈال دیا گیا ہے؟

رندھیر کے انداز کے مطابق دس دن بیت گئے تھے۔ یوں لگا تھا کہ جیسے دس صدیاں بیت گئی ہوں۔ رندھیر کی عجیب سی حالت ہو رہی تھی۔ بعض اوقات اس کا جی چاہتا تھا کہ کسی سے بات کرے۔ ہنسے اور خوب زور زور سے قہقہے مارے‘ مگر وہاں کوئی دم ساز اور ہم دم نہ تھا۔ چشم تصور میں شیاما سے باتیں کرتا۔ بچوں کو تصور میں پیار کرتا۔ اپنے آپ سے گھنٹوں باتیں کرتا۔ نادیدہ دوستوں کی یاد ستاتی تو ان سے مخاطب۔ وہ جو اداکاراؤں کی رنگین اور فطری حالت کی تصویریں تھیں‘ انہیں دیکھ کر جی بھر گیا تھا۔ اب تو ان تصویروں اور کہانیوں اور آپ بیتیوں اور ناول سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اس نے وہ کتابیں تھیلی میں بند کر کے ایک طرف پھینک دی تھیں۔ پھر شیاما کے ساتھ گزری سہاگ راتیں‘ لمحات اور گھڑیاں یاد کر کے بچوں کی طرح روتا۔ اس کے خواب دیکھتا۔ آخر کب تک۔ جب ان تمام باتوں سے اکتا جاتا اور بے زار ہو جاتا تو عالم وحشت میں لالٹین سے باتیں کرتا۔ وہ لالٹین سے‘ دیواروں سے کہتا کہ قید تنہائی کتنا بڑا عذاب ہے؟ بھگوان دشمن کو بھی نہ دے۔

اس نے چار دن کے بعد کتابوں کا تھیلا اٹھایا۔ اس میں سے فلمی اداکاراؤں والی کتاب نکالی۔ وہ لالٹین کی روشنی میں اس اداکارہ کی تصویر میں کھویا ہوا تھا جو چار برس پہلے حسن کے عالمی مقابلہ میں ملکہ حسن منتخب ہوئی تھی۔ اوپر سے رسی کسی سانپ کی مانند بل کھاتی ہوئی گری۔ اس میں صرف ایک کپڑا بندھا ہوا تھا۔ اس نے یہ کپڑا کھولا۔ ایک تازہ روٹی موجود تھی۔ روٹی کے اوپر ہی کاغذ کا ایک پرزہ موجود تھا‘ لکھا تھا:

”سوبھراج صاحب جی! بھگوان کی بڑی دیا ہے کہ آپ کی رہائی کا وقت آخر کار آ ہی گیا۔ ساحل خالی ہو چکا ہے۔ تین چار گھنٹے کے بعد دوسرا رسہ لٹکایا جائے گا۔ آپ اسے اچھی طرح سے پکڑ لیجیے گا۔ ہم آپ کو باہر کھینچ لیں گے۔ ہاں‘ لالٹین اور کتابیں ساتھ لانا نہ بھولیے گا۔“

جب رندھیر کو غار سے باہر نکالا گیا اور سورج کی روشنی اس کی آنکھوں پر براہ راست پڑی تو اسے یوں لگا کہ جیسے بے شمار سوئیاں اس کی آنکھوں میں گھونپ دی گئی ہوں۔ پھر جسم کے دوسرے حصے یوں جل اٹھے گویا اسے تندور میں پھینک دیا گیا ہو۔ اس نے دونوں ہاتھوں

سے چہرہ ڈھانپ لیا اور کٹے ہوئے جانور کی مانند زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

جب رندھیر کو ہوش آیا تو ایک بار پھر تاریکی اور ٹھنڈ کے سمندر میں اس نے اپنے آپ کو غرق پایا۔

وہ کرب انگیز ذہنی خلا اب بھی اس کے ساتھ تھا جس نے سوچنے' کہنے' سننے اور دیکھنے کی تمام حس چھین لی تھیں' جب اس نے آنکھوں پر بے اختیار ہاتھ پھیرا تو پتا چلا کہ ان پر کس کر پٹیاں باندھ دی گئی ہیں۔ ان پٹیوں پر ہاتھ لگتے ہی وہ ذہنی خلا ایک دم غائب ہو گیا اور یہ پہلا خیال اس کے دماغ میں یہ آیا کہ ہمیشہ کے لیے ان کی آنکھیں جاتی رہی ہیں۔ یہ خیال اتنا قوی تھا کہ اس نے زور زور سے چلانا اور رونا شروع کر دیا۔ یکا یک قریب ہی قدموں کی آہٹ ہوئی' پھر کسی نے سرگوشی میں کہا۔

"کیا بات ہے دوست!۔ کیا بدن میں درد ہو رہا ہے۔"

رندھیر نے آواز پہچان لی۔ اسے جیسے یقین نہ آیا۔ یہ متن بوس تھا۔

"متن بوس۔! آپ کو بھگوان کی سوگند۔ سچ سچ بتائیں' کیا میں ہمیشہ کے لیے اندھا ہو چکا ہوں۔"

"نہیں۔ مسٹر۔ سوبھراج!" آپ کے دشمن اندھے ہوں۔ آپ کی آنکھیں بالکل ٹھیک ہیں۔ غار کی تاریکی میں اتنے دن رہنے کے بعد چونکہ آپ باہر آئے تھے۔ اس لیے سورج کی روشنی برداشت نہ کر پائے۔ اسی سبب سے آپ کو اس تاریک کوٹھری میں رکھا گیا ہے اور آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو آپ کی بینائی کے متاثر ہونے کا خطرہ تھا۔"

متن بوس نے اسے سوبھراج کے نام سے اس لیے مخاطب کیا تھا کہ رندھیر کے جھوٹ کا کوڑھیوں کو علم نہ ہو جائے کہ اس کا نام کیا ہے۔ وہ سوبھراج نہیں ہے۔ یہ بھرم قائم رکھنا ضروری تھا۔

"آپ۔ کیا یہاں موجود ہیں؟" رندھیر نے حیرت سے کہا۔ "ہم تو یہ سمجھے تھے کہ آپ چلے گئے ہیں' کیونکہ آپ کا کیبن خالی تھا۔ کیا آپ یہاں موجود تھے۔؟ آپ کی موجودگی سے میرے دل کو کتنی تقویت ہو رہی ہے' میں بتا نہیں سکتا۔ ایک عجیب سی خوشی جسے میں الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ پلیز! آپ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیں۔ گوتم کہاں ہے۔؟ وہ کس حال میں ہے؟ کیا خیریت سے ہے' زندہ ہے۔"

"آپ کو اس کی زندگی کی اتنی فکر کیوں ہے؟" متن بوس نے بڑی اپنائیت سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "جب کہ اس نے آپ کی بیوی کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھایا' بلیک میل کیا؟ کیا اس کا مر جانا بہتر نہیں؟"

"اس لیے کہ میں اکیلا واپس گیا تو مجھ پر شک پیدا ہو گا کہ میں نے اسے راستے سے اس لیے ہٹا دیا کہ میرے سسر اس کے مقروض تھے۔" رندھیر نے جواب دیا۔ "میں چاہتا ہوں کہ میں اور گوتم زندہ سلامت پہنچیں۔"

"مجھے اس بات کا خیال نہیں رہا۔" متن بوس نے کہا۔ "وہ خیریت سے ہے' قید کے دوران میں گوتم کے ساتھ ہی تھا۔ اس لیے کہ ساحل پر موجود سپاہی مجھے بھی مفرور مجرم سمجھ لیتے۔ قید کے دوران انہوں نے کوئی تکلیف نہیں دی۔ سردار سریش کمار بہت اچھا آدمی ہے۔ یہ آپ کی غلطی تھی کہ آپ دونوں نے اس پر اعتبار نہیں کیا۔ اس نے ہمیں ایسے شعبدے دکھائے کہ عقل اب تک باور نہیں کرتی کہ کیا ایسا ممکن ہے۔؟"

"حیرت کی بات ہے کہ ایسے شعبدے اس نے کہاں سے سیکھے۔؟" رندھیر نے سوال کیا۔ "کیا اس کا باپ شعبدے باز تھا؟"

"جی نہیں۔ وہ شعبدے باز کا بیٹا نہیں۔" متن بوس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "وہ کہتا ہے کہ ایک بار وہ افریقہ ایسی جڑی بوٹیوں کی تلاش میں گیا جو بوڑھوں کو جوان۔ اور عورتوں کو سدا کا صحت مند اور حسین بنا دیتی ہیں۔ ان جڑی بوٹیوں کی تلاش میں وہ افریقہ کے جنگلوں میں برسوں وحشی قبائل کے ساتھ رہ چکا تھا۔ اس نے وہاں رہ کر سیکھے۔ اسے کئی بار اپنی جان کو بھی داؤ پر لگانا پڑا۔ اپنے کیبن میں آپ دونوں نے جس بدروح کو آسمان سے اترتے دیکھا تھا وہ سردار سریش کمار کی بلائی ہوئی تھی۔ ایسی بہت سی روحیں وہ جب چاہے بلا سکتا ہے۔"

متن بوس دیر تک رندھیر کے ساتھ سردار سریش کمار کے کارناموں اور جادو کے کرشموں کا ذکر کرتا رہا۔

متن بوس نے اسے یہ بھی بتایا کہ وہ اس سحر کو ڈوڈو (Doo Doo) کہتے ہیں اور مشرقی افریقہ کے وحشی قبائل میں یہ فن عام ہے۔ اس کے علاوہ بے شمار جڑی بوٹیاں ایسی ہیں جن کے اثرات انسانی بدن اور روح پر عجیب و غریب اثرات ڈالتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے جسم بے حس و حرکت ہو گئے تھے۔ تب آپ صرف آوازیں سن رہے تھے لیکن جسم کو حرکت نہ دے سکتے تھے۔ دراصل آپ کے پینے کے پانی میں اس رات سنٹر میں سفوف ملا دیا گیا۔ یہ

سفوف جادوئی جڑی بوٹیوں کا تھا۔ ایک لمحے کے لیے سوچیے کہ آپ دونوں چوہوں کی مانند ان کوڑھیوں کے بنائے ہوئے پھندے میں پھنس گئے تھے اور یہ لوگ چاہتے تو بڑی آسانی سے آپ دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے۔''

''یقیناً'' رندھیر نے اثباتی انداز میں سر ہلایا۔ ''ہم سے واقعی بڑی احمقانہ حرکت سرزد ہوئی کہ ہم نے انہیں خوامخواہ اپنا دشمن سمجھ لیا۔ ان پر رعب ڈالنے کے لیے میں سوبھراج بن گیا۔ دراصل مکیش نے ان لوگوں کے بارے میں جو تجربات ہمیں بتائے تھے۔ اس کے سبب ہمیں مغالطہ ہوا۔ اس میں اس کا کوئی قصور اس لیے بھی نہیں ہے کہ اس کے علم میں جو باتیں آئی تھیں' وہ ایسی ہی ہوں گی' جس سے اسے مغالطہ ہوا۔ لہٰذا ان باتوں سے ان کوڑھیوں کے کردار پر شک پیدا ہو جانا ایک فطری امر تھا۔''

مکیش کو یقیناً ان کے بارے میں کسی بات سے غلط فہمی ہوئی ہوگی' ورنہ وہ ان کے متعلق غلط بیانی سے کام نہ لیتا۔'' متن بوس نے کہا۔

''اتنا اچھا آدمی کیوں اور کیسے کوڑھ کا مریض بن گیا؟'' رندھیر نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیا اس نے اپنے متعلق آپ کو کچھ بتایا؟''

''اپنے کرتوتوں اور پاپوں کی وجہ سے۔'' متن بوس نے جواب دیا۔ ''ہاں۔ اس نے مجھے بڑی تفصیل سے ان کے متعلق بتایا اور اس کا کہنا ہے کہ قدرت نے اسے ان کی عبرتناک سزا دی ہے۔ وہ جوانی کے دنوں میں جتنا خوبصورت تھا' اتنا ہی وجیہ بھی تھا۔ اس کی قامت نے اس کے مردانہ وجاہت میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔ اس کی شخصیت نوجوان لڑکیوں ہی کے لیے نہیں بلکہ شادی شدہ عورتوں کے لیے بھی سحر انگیز تھی۔ اس کے علاوہ وہ ایک لالچی اور کینہ پرور شخص تھا۔ اس نے ہپناٹائز کا فن بھی سیکھ لیا تھا۔ ہندوستان میں جب تک رہا اس نے کئی لڑکیوں اور عورتوں کی عزت برباد کی' انہیں بلیک میل کیا۔ بعض مجبور اور بے کس عورتوں نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے۔ لیکن ان پر ترس نہ کھایا۔ نہ صرف ان کی عزت سے کھیلتا رہا بلکہ ان سے رقم اور زیورات بھی وصول کیے۔ اس کے علاوہ اس نے تین بے گناہ لوگوں کو اس لیے قتل کیا کہ ان کے دشمنوں نے اس کی خدمات حاصل کی تھیں۔ اس کے ہاتھوں ایک بیمار عورت کا قتل ہوا تو پولیس اسے گرفتار کرنے کے لیے چھاپے مارنے لگی۔ پھر وہ غیر قانونی راستے سے شمالی افریقہ بھاگ گیا۔ افریقی عورتوں میں وہ راجہ اندر اور راسپوٹین بنا رہا۔ وہ قبائلی علاقوں میں بھی رہا۔ اس نے وہاں ایک افریقی سردار کو قتل کر دیا جو اس کا محسن تھا۔ اس

کی بیوی کو محبت کے نام پر بے وقوف بنا کر نہ صرف اس کے شوہر کو قتل کیا تھا بلکہ دولت سمیت فرار ہوا۔ دولت کیا تھی' سونا اور ہیرے جواہرات۔ اس نے اپنی آشنا عورت کو بے رحمی سے قتل کر کے اس کی لاش کے ٹکڑے کر کے درندوں کو کھلا دیا۔ پھر ہندوستان آ گیا۔ وہاں سے آیا تو دولت کے ساتھ ساتھ سوزاک' جذام اور جادو اور شعبدے بازی میں ماہر ہو کر آیا۔ وہ جو دولت لایا تھا وہ چوری ہو گئی۔ پھر وہ جذامی ہو کر اس جزیرے پر آ گیا' چونکہ تیز اور تعلیم یافتہ اور شعبدے باز تھا اس لیے سردار بنا دیا گیا۔ اس نے جو پاپ کیے' جرائم کیے اس کا اسے احساس ہے اور پچھتاوا بھی۔ وہ کہتا ہے کہ قدرت نے اسے ان پاپوں کی عبرتناک سزا جذام کی صورت میں دی ہے۔''

''کیا آپ کو ان کتابوں کے بارے میں علم ہے جو مجھے دی گئی تھیں؟'' رندھیر نے پوچھا۔'' ان میں ایک باتصویر کتاب ہندوستان کی فلمی اداکاراؤں کی تھی۔ وہ ممنوعہ سطح کی تھیں۔ یقین نہیں آیا کہ ان اداکاراؤں کی زندگی اتنی شرمناک اور گھناؤنی تھی۔ یہ تمام تصویریں جو ہیں وہ ایسی ہیں کہ ایک اداکارہ کیا طوائف بھی نہیں کھنچوا سکتی ہے۔''

''سردار جب افریقہ سے ممبئی آیا تو اس کی ملاقات ایک گھوش نامی کیمرا مین سے ہوگئی جو فلمستان سٹوڈیو میں کام کرتا تھا۔'' متن بوس بتانے لگا۔ ''اس کی ایسی دو تین ہیروئنوں نے بھری محفل میں بے عزتی کی جن کی فلمیں کسی وجہ سے فلاپ ہو گئی تھیں۔ انہوں نے اس پر الزام لگایا تھا کہ اس کی عکاسی کے باعث وہ فلموں میں نمایاں نہ ہو سکیں۔ پھر ایک اداکارہ نے جو ایک فلم ساز کی داشتہ تھی اس کے منہ پر کسی بات پر تھپڑ رسید کیا۔ اس نے بھی اداکارہ کے ساتھ بدتمیزی کی۔ پھر دس اداکاراؤں نے اس کے خلاف یہ ایکشن لیا کہ وہ جس فلم میں کیمرا مین ہو گا اس میں وہ کام نہیں کریں گی۔ پھر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسے ملازمت سے نکال دیا گیا۔ وہ بے روزگار ہو گیا۔ اس کے دل میں ان اداکاراؤں کے خلاف نفرت اور انتقام پیدا ہو گیا۔ اتفاق سے اس کی ملاقات سریش کمار سے ہو گئی۔ ان دنوں سریش کمار سونا اور ہیرے جواہرات چوری ہو جانے سے سخت پریشان تھا۔ سریش کمار کے ذہن میں ایک منصوبہ آیا۔ اس نے گھوش سے کہا کہ وہ اپنے جادو کے زور سے جس اداکارہ کے بیڈ روم یا جہاں کہیں بھی کہے پہنچا دے گا۔ کیمرہ سمیت وہ ان کی نظروں سے پوشیدہ رہے گا۔ کیمرے سمیت ان کی فطری حالت کی تصویریں اتار لے۔ انہیں بلیک میل کر کے دولت کمائی جا سکتی تھی' بلکہ ان سے ہر طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ سریش کمار کی شعبدہ بازی نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا۔ اس

نے باری باری ہر اداکارہ کی خواب گاہ میں گھوش کو پہنچایا۔ وہ ایک ماہر کیمرہ مین تھا۔ کوئی بارہ برسوں سے فلم نگری میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منواتا آیا تھا۔ جب ان اداکاراؤں نے یہ تصویریں دیکھیں تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ وہ ان کی ہر بات ماننے پر مجبور ہو گئیں۔ ان میں اتنی ہمت اور جرأت کہاں تھی کہ سرتابی کریں۔ گھوش نے جیسے گن گن کر بدلے لیے۔ وہ دونوں انہیں دونوں ہاتھوں سے لوٹنے لگے۔ سریش کمار نے ہر اداکارہ کو ہپناٹائز کر کے ان کی ذاتی زندگی کے بارے میں معلوم کیا۔ وہ اپنی نجی زندگی کی ایک بات بھی چھپا نہیں پائیں۔ پھر اس نے انہیں قلم بند کیا۔ پھر اس کتاب کو شائع کیا گیا۔ پریس کے مالک کی نیت میں فتور آ گیا۔ وہ اس باتصویر کتاب کو فروخت کر کے لاکھوں کما سکتا تھا۔ سریش کمار نے یہ کیا کہ اس کتاب کی دس جلدیں رات کو پریس جا کر اٹھا لایا۔ پھر پریس کو آگ لگا دی۔ نہ صرف پریس بلکہ تمام کتابیں جل کر خاکستر ہو گئیں۔ ایک روز پولیس نے جوہو کے ساحل پر گھوش اور سریش کو بلیک میلنگ کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ ایک اداکارہ جو پولیس کمشنر کی داشتہ تھی' اس نے اسے اعتماد میں لے کر بتایا تھا۔ ان دونوں کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔ سریش کمار' گھوش سمیت حوالات سے غائب ہو گیا اور پھر وہ دونوں ممبئی سے فرار ہو کر اس جزیرے پر آ گئے۔ باقی جو دو کتابیں تھیں وہ بھی ساتھ لیتے آئے تھے۔ سریش کمار اور گھوش نے ایسا بہروپ بھرا کہ وہ آج تک گرفتار نہ ہو سکے۔ پولیس ان کی تلاش میں کئی بار جزیرے پر بھی آئی تھی۔ یہ کہانی سریش کمار نے سنائی جو میں نے آپ کو سنا دی۔"

"اب سردار کا کیا پروگرام ہے؟" رندھیر نے پوچھا۔ "کہیں وہ کسی دوسرے زندان میں ڈالنے کا تو نہیں سوچ رہا ہے؟"

"وہ کہہ رہا تھا کہ چونکہ ساحل بحری سپاہیوں سے خالی ہو چکا ہے' کوئی خطرے کی بات نہیں رہی اور۔"

"وہ اتنے دنوں تک ساحل پر کیا کرتے رہے۔؟" رندھیر نے درمیان میں کہا۔ "کیا سوبھراج اتنا اہم اور خطرناک ہے؟"

"یہ دس بارہ سپاہیوں کی ٹولی تھی جو تمہاری تلاش میں یہاں آئی اور اس نے ساحل پر ڈیرا ڈال لیا۔" متن بوس بتانے لگا۔

ان کے پاس شراب اور شباب بھی تھا۔ یہ وہ عورتیں تھیں جو کوچین جیل سے فرار ہوئی تھیں۔ اتفاق سے وہ بھی دس گیارہ عورتیں تھیں۔ ان میں تین ایسی تھیں جنہوں نے اپنی

آشناؤں کے ساتھ مل کر اپنے شوہروں کو قتل کر دیا تھا۔ ان میں چار عورتوں نے ایک گروہ بنا رکھا تھا۔ چوری' ڈکیتی اور رہزنی کی وارداتیں کرتا تھا۔ انہوں نے کوئی دس مرد اور عورتوں کو گھروں میں ڈکیتی کی واردات کے دوران قتل کیا تھا۔ دو ایک منشیات فروشی اور جسم فروشی کا دھندا کرتی تھیں۔ وہ ایک موٹر بوٹ میں فرار ہو کر سری لنکا جا رہی تھیں کہ دھر لی گئیں۔ سپاہیوں کی یہ ٹولی اس ساحل پر رنگ رلیاں منانے لے آئی۔ دس دنوں تک ان کے ساتھ خوب جشن منایا۔ شاید یہ سلسلہ دو ایک دن اور جاری رہتا اگر گشتی فورس ادھر چھاپہ نہ مارتی۔ اب چونکہ میدان صاف ہو چکا ہے لہٰذا ممکن ہے کہ آج رات یا کل کسی وقت اس کشتی میں جس میں آپ دونوں کو سفر کرنا ہے' روانہ کر دیا جائے۔ سمندر کے اس سفر میں اچھی خاصی تعداد میں رہنے کے لیے سامان جمع کر لیا ہے۔ مبارک ہو۔"

یہ خبر رندھیر کے لیے حیرت اور خوشی کا باعث تھی۔ کتنی دیر تک وہ اسے سماعت کا فتور سمجھتا رہا۔ چونکہ یہ خوشخبری متن بوس نے سنائی تھی اس لیے اس نے یقین کر لیا تھا اس بات کا۔ پھر اس نے فوراً ہی اپنی پٹی نوچ ڈالی اور آنکھیں کھولیں' وہ کیا دیکھتا ہے کہ وہ ایک دس فٹ لمبی اور چھ فٹ چوڑی کوٹھڑی میں فرش پر لیٹا ہوا ہے۔ قریب ہی متن بوس بیٹھا ہے۔ اس کی شکل صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اتنے میں کچھ لوگ وہاں اور آ گئے۔ انہوں نے رندھیر کو اٹھایا۔ پھر انہوں نے ایک تھیلے میں سے تازہ روٹیاں' مکھن' بھنے ہوئے گوشت کے پارچے نکالے۔ اتنی دیر میں گوتم بھی آ گیا۔ اس نے رندھیر سے گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ انہوں نے بہت دنوں بعد اتنا عمدہ اور اتنا اچھا کھانا کھایا تھا۔ ایسا لذیذ کھانا سفر میں کیا خواب میں بھی ممکن نہ تھا۔ پھر متن بوس نے بتایا کہ وشوا ناتھ اور اس کے دو تین ساتھی کوٹھریوں سے باہر موجود ہیں اور سریش کمار سنٹر میں ان کا منتظر ہے۔

باہر نکلنے سے پہلے متن بوس نے دو سیاہ چشمے میں سے ایک گوتم اور رندھیر کو دیئے۔ سریش کمار نے متن بوس کے ہاتھ سے انہیں بھیجے تھے۔ ان دونوں نے چشمے چڑھا لیے۔ سنٹر کی طرف جاتے ہوئے متن بوس نے کہا کہ وہ کہیں جا نہ سکا تھا۔ ایک غار میں روپوش رہا تھا۔ وہ غار ایسی جگہ تھا کہ کسی سپاہی کا پہنچنا ناممکن سا تھا۔ اس میں صرف ایک آدمی کی گنجائش تھی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ فوجیوں کی ٹولی جب تک ان مفرور عورتوں کے ساتھ ساحل پر رہی' کوڑھیوں کے مزے ہوتے رہے۔ جزیرے کے کوڑی چھپ کر اور قدرے محتاط ہو کر رات کو چاندنی راتوں میں انہیں رنگ رلیاں مناتے صبح ہونے تک دیکھتے رہتے تھے۔ جشن کا سماں

رات آٹھ نو بجے سے پو پھٹنے تک جاری رہتا تھا۔ انہیں ایسا لگتا تھا کہ بہت ہی وسیع و عریض پردے پر کوئی رنگین قیود سے آزاد فلم دیکھی جا رہی ہے۔ مرد اور عورتیں جانوروں کی حالت میں ہوتی تھیں۔ شراب اور شباب کے جلوے نظر آتے تھے۔ کوئی حجاب تھا' نہ شرم تھی۔ یہ مجرم عورتیں تھیں۔ سپاہیوں کو ہر طرح سے خوش کرتی رہتی تھیں۔ ان کی ہنسی' قہقہے' سرگوشیاں اور فیاضی کے نظارے کوڑھیوں کو اپنی جگہ سے ہلنے نہیں دیتے تھے۔ راتیں بڑی پر کیف اور سرور بخش ہوتی تھیں۔ کوڑھیوں نے کبھی سپاہیوں کو ساحل پر رنگ رلیاں مناتے نہیں دیکھا تھا۔ جس کے پاس دوربین تھی وہ دوسروں کو بھی محظوظ کرتے تھے۔

سنٹر میں کوڑھیوں نے ان کا پرجوش استقبال بڑی گرم جوشی سے کیا۔ پھر سریش کمار نے بڑے نرم لہجے میں ان تمام اقدامات پر معذرت کی جو ان کی سرگوشی اور گستاخی کے سلسلے میں مجبوراً اٹھانے پڑے تھے۔ پھر وہ ایک جماعت کے ساتھ سمندر کی طرف گئے۔ سورج کی تیز دھوپ ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔

''ایشور کرے یہ سفر آپ کے لیے مبارک اور بامراد ثابت ہو۔'' سریش کمار نے کہا۔'' ہم نے ہر ممکن کوشش کی جس کشتی میں دوردراز کا سفر کریں وہ ہر طرح سے مضبوط اور قابل اعتماد ہو۔ امید تو یہ ہے کہ آپ کسی تردد کے بغیر اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔ ایک بار آپ گہرے سمندر میں پہنچ گئے تو سمجھیے کہ یہاں کے سپاہیوں کا خطرہ ٹل گیا۔ کوئی آپ کا تعاقب نہ کرے گا۔''

یہ سولہ فٹ' بالکل نئی' بے حد مضبوط بادبانی کشتی تھی۔ بادبان اور اس کے سب رسے سب نئے تھے۔ ایک طرف قدرے درمیان میں کپڑے کا بنا ہوا ایک کیبن تھا۔ کیبن کے اندر لکڑی کے دو نفیس اسٹریچر پڑے تھے اور ان پر باقاعدہ بستر بچھے ہوئے تھے۔ پینے کے پانی کے دو بڑے بڑے ڈرم بھی کشتی کے دائیں بائیں لوہے کے مضبوط کڑوں کے ذریعے اس طرح باندھے گئے تھے کہ کشتی کی حرکت ذرا بھی متاثر نہ ہو اور وہ ٹوٹنے نہ پائیں۔ لکڑی کے ایک بڑے سے ڈبے میں انہوں نے تقریباً دو سو ابلے ہوئے مرغی کے انڈے ایک اور ڈبے میں ایک بھنی ہوئی بھیڑ اور سرمائی مچھلیوں سے بھرا ہوا ایک تھیلا بھی دکھایا۔

''میرے خیال میں راستے کے لیے یہ خوراک آپ دو آدمیوں کے لیے کافی ہو گی۔'' سردار سریش کمار نے کہا۔

''کیا موت کی وادی پہنچنے میں کئی دن لگیں گے؟'' رندھیر نے پوچھا۔'' میرے ساتھی کا

کہنا ہے دو تین دن۔ یہ خوراک چار آدمیوں کے لیے بھی دس بارہ دن تک کیا کافی نہیں ہو گی؟''

''ہاں۔ کئی دن لگیں گے؟'' سردار سریش کمار نے کہا۔'' تین چار دن میں پہنچنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اندازہ غلط ہے' دس سے بارہ دن لگیں گے۔ اس لیے ان چیزوں کے علاوہ تیل سے جلنے والا ایک چولہا۔ تیل سے بھرا ہوا ایک کنستر۔ اور عمدہ باسمتی چاول کا ایک پیکٹ بھی رکھ دیا ہے۔ یہ سارا سامان وہ ہے جو گزشتہ روز ہمارے استعمال کے لیے این جی اوز کے دفتر سے بھیجا گیا تھا اور جراثیم سے بالکل پاک ہے۔ ممکن ہے آپ کو راستے میں اس کی ضرورت پڑے۔ اس میں ہم نے فرسٹ ایڈ کا سامان بھی رکھ دیا ہے۔ یہاں سے سوڈیڑھ سو میل دور نکل جانے کے بعد آپ سمندر کے اس حصے میں پہنچیں گے جہاں شارک مچھلیوں کی حکومت ہے۔ یہ مچھلیاں آدم خور ہیں اور بے شمار مفرور قیدیوں کے گوشت سے اپنا پیٹ بھر چکی ہیں۔ دن کے وقت یہ آپ کی کشتی کے قریب آ جائیں گی' مگر ان کا حملہ رات کی تاریکی میں ہو گا۔ آپ کے لیے دو عدد ہارپون اور سوفٹ لمبی رسی موجود ہے۔ شارک اس ہتھیار سے خوف کھاتی ہے۔ رسی کا سرا خوب اچھی طرح باندھ کر پون پھینکیے گا۔ بعض اوقات کوئی بہت طاقتور مچھلی ہارپون سمیت اپنے شکار کو گھسیٹ لے جاتی ہے۔ لہٰذا یہ بات یاد رکھیے کہ ہارپون پھینکتے ہی رسی کو آپ دونوں مضبوطی سے تھام لیں اور کشتی کو بھی کسی نہ کسی طرح سنبھالے رکھیں۔ بعض اوقات یہ خون خوار مچھلیاں کشتی کو یا اسٹیمرز کو دھکا دے کر الٹنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اس سے بچاؤ کے لیے آپ کو یہ دھیان رکھنا ہو گا کہ مچھلی کشتی کے نیچے یا قریب نہ آنے پائے۔ دن رات آپ کو چوکنا رہنا پڑے گا۔ کبھی کبھی تو اپنے شکار کا تعاقب سو سو میل تک بھی کرتی ہیں۔ ہاں۔ اس دوران میں اگر طوفان آ جائے تو کشتی کا تعاقب ترک کر کے گہرے پانیوں میں پناہ لیتی ہیں۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر آپ دور نکل سکتے ہیں۔ یہ ایک رائفل بھی آپ کی نذر ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو ایک رائفل دے نہ سکوں گا کیونکہ ہمیں ان کی ضرورت ہے۔ ویسے آپ کو رائفل کی ضرورت نہ پڑے گی۔

سریش کمار جب تک ان دونوں کو نصیحتیں کرتا رہا' ہم سب خوب اور حیرت کی حالت میں اس کی تقریر سن رہے تھے۔ یہ رندھیر کے لیے پہلا اتفاق تھا کہ کسی خطرناک سمندر میں محض اپنے بھروسے پر سفر کرنے کا۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی سمندر کے سفر کا ماہر تو درکنار معمولی سا تجربہ بھی نہ رکھتا تھا۔ اور پھر ہر دم سمندری بلاؤں کا خوف۔ طوفانوں کی دہشت۔ پکڑے

جانے کا خوف۔ نامعلوم منزلوں کا سفر۔ اصل منزل تک پہنچیں گے یا نہیں۔ ہر سفر دل دہلانے والا ہوتا ہے۔ کچھ پتا نہ تھا کہ ان پر آگے کیا گزرنے والی ہے۔ رندھیر یہ سب کچھ جذباتی ہو کر سوچ رہا تھا۔ اس وقت گوتم کے بشرے سے اسے ایسا لگا تھا کہ وہ دل میں دہشت زدہ ہو رہا ہے۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ گوتم کی ٹانگیں کانپ رہی ہیں۔ چہرے پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔ رندھیر کے لیے حیرت کی بات تھی کہ گوتم اس کے مقابلے میں مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ اس پر یہ کیفیت کیوں اور کس لیے طاری ہے؟ گوتم کی حالت سے اس کا کلیجہ بار بار منہ کو آ رہا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ اب وہ واپس جا بھی نہیں سکتے تھے۔ سریش کمار کی آواز کہیں دور سے آتی سنائی دے رہی تھی۔ اس نے ایک شخص کو اشارہ کیا تو وہ آگے آیا۔

"یہ صاحب! سمندری اسرار و رموز کے ماہر ہیں۔" سریش کمار نے اس کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "اب یہ آپ کو بتائیں گے کہ راستے میں کیا کرنا ہے اور سمندر کے مزاج کا کس طرح خیال رکھنا ہے۔ جو لوگ سمندر کے مزاج کا خیال نہیں کرتے، سمندر ان سے بھیانک انتقام لیتا ہے۔ بہرحال۔"

"لیجیے۔ ابھی سمندر کا انتقام باقی ہے۔؟" رندھیر نے دل میں کہا۔

رندھیر کے سامنے جو شخص آن کر کھڑا ہوا تھا اس کا دایاں حصہ مفلوج نظر آیا۔ پیر کے انگوٹھے سے لے کر داہنی آنکھ تک تمام جسم بے کار۔ حیرت کی بات یہ کہ داہنی آنکھ کی پتلی گھومتی تو نہ تھی لیکن اس کی روشنی بدستور قائم تھی۔ ٹیڑھی ہوئی یہ پتلی شیشے کی آنکھ معلوم ہوتی تھی۔

"سوبھراج صاحب! بھگوان کرے سمندر آپ پر مہربان ہو۔" اس نے بھاری اور سنجیدہ لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "آپ دنیا کے انتہائی خطرناک اور جان لیوا سمندر میں سفر کرنے والے ہیں۔ آج سہ پہر تین بجے کے بعد سمندر میں جزر پیدا ہونے لگے گا۔ چھ بجے تک پانی خاصا گھٹ جائے گا۔ آپ اس دوران میں چپوؤں کی مدد سے اپنی کشتی کھلے سمندر میں لے جا سکتے ہیں۔ جوں جوں رات بھیگے گی سمندر میں مد آنے لگے گا۔ مزید تین گھنٹے کے بعد مد کی یہ حالت اپنے عروج پر پہنچ جائے گی۔ اس وقت آپ چپوؤں سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ پھر آپ بادبان کھول دیں۔ آپ ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے شمال کے رخ لے جائے گی۔ ساری رات آپ سفر کریں گے۔ صبح سورج طلوع ہونے سے کچھ پہلے پھر سمندر پرسکون ہو جائے گا۔ اور آپ کی کشتی یکے بعد دیگرے دو ویران اور بے آب و گیا جزیروں کے قریب

سے گزرے گی۔ ایک دو پراسرار جزیرے بھی ہیں لیکن وہ جنوب کی جانب ہیں۔ ادھر کشتی جائے تو بھولے سے ان جزیروں پر نہ جائیں۔ فوجی سپاہیوں کی گشتی موٹر بوٹ ان جزیروں تک مار کرتے ہیں، مگر آپ کے پاس ایک رائفل درجنوں کارتوس ہیں۔ جوں ہی آپ کی جانب سے فائرنگ شروع ہو گی یہ فوجی اپنی موٹر بوٹ کا رخ پھیر کر بھاگ نکلیں گے۔ اگر اتفاق سے ان کا اور آپ کا سامنا ہو جائے اور وہ بھاگ نکلیں تو پھر آپ جزیرے پر قیام کرنے کا ارادہ ترک کر دیں، ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کے قیام کے دوران میں کمک لے کر آ جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو پھر آپ بچ نہ سکیں گے۔"

دن کو سفر کرتے وقت آپ سورج سے مدد لیں اور رات کو ستاروں یا قطب نما سے۔ ہر صورت میں آپ کا رخ شمال مغرب کی طرف ہونا چاہیے۔ جبھی آپ موت کی وادی پہنچ سکیں گے۔ اگر کسی غلطی کے باعث راستہ بھٹک گئے تو پھر میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کا کیا حشر ہو گا۔ بس بھگوان آپ پر کرپا کرے۔ آپ کسی ایسے جزیرے پر پناہ لینے کی کوشش نہ کیجیے گا جہاں جہاں کوئی آبادی ہو۔ کیونکہ وہاں کے باشندے آپ کو زیر حراست رکھ کر جب گشتی پولیس یا فوجی آئیں گے ان کے حوالے کر دیں گے، کیونکہ حکومت کی جانب سے انعام ملتا ہے۔ ہاں سری لنکا کا کوئی جزیرہ ہو تو وہاں آپ بے خوف و خطر ٹھہر سکتے ہیں، کیونکہ ان کے اور ہندوستانی حکومت کے درمیان تبادلے یا گرفتاری کا کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ آپ کسی جزیرے ہر دو ایک دن سے زیادہ قیام نہ کریں۔ وہاں سے نکل کر جدھر سینگ سمائیں چلے جائیں۔ چار روز تک شمال کی جانب سفر کرنے کے بعد پھر رخ مغرب کی طرف کر لیں۔"

یہ تفصیلات سننے کے بعد ان دونوں میں جو رہا سہا عزم و حوصلہ تھا وہ رخصت ہو گیا۔ ایسا لگا جیسے ان کے سامنے موت کھڑی انہیں مسکرا کر دیکھ رہی ہے۔ یہ موت کا سفر انہیں ہر صورت میں کرنا تھا۔ اس سے راہ فرار نہیں رہا تھا۔

سہ پہر کے تین بجے جب وہ اپنی کشتی پر اس ہولناک سفر کے لیے سوار ہوئے تو رندھیر کو ایک فیصد امید بھی نہ تھی کہ وہ اور گوتم بچ جائیں گے۔ اسے اس بات کا یقین نہ تھا کہ وہ اپنے گھر جا سکیں گے۔ اسے اپنی بیوی اور بچوں کی صورت دیکھنا نصیب نہیں ہو گا۔

سردار سریش کمار نے انہیں رخصت کرتے وقت توقع کے خلاف ان پر ایک اور کرم کیا۔ اس نے اپنی جیب سے رقم نکالی۔ رندھیر کی جانب اس نے رقم بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آپ کے دوست کے پاس سے دس ہزار کی رقم نکلی اور آپ کے پاس سے تین ہزار۔

یہ آپ کی امانت ہے۔ ہم نے آپ سے کشتی کی فروخت کا جو معاہدہ کیا تھا اس سے ایک روپیہ بھی زیادہ لینا نہیں چاہتے ہیں۔ کشتی کی رقم وضع کر لی ہے۔ یہ بقایا رقم ہے۔"

رقم وصول کرتے وقت رندھیر جذباتی ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں تشکر کے آنسوؤں سے چھلک پڑیں۔ اتنے میں دشوانا تھ آگے بڑھا۔ گوتم غیر جذباتی سا تھا۔ اس نے رندھر کے پاس آ کر ایک تھیلی اس کی طرف بڑھا دی۔

"دوست! یہ کیا ہے؟" رندھیر نے محبت بھرے لہجے میں دریافت کیا۔

"سوبھراج صاحب! ہماری طرف سے ایک حقیر سا نذرانہ ہے۔ اسے قبول فرما کر ہماری عزت بڑھائیں۔ افسوس کہ ہم کوڑھیوں کے پاس اتنی ہی رقم پس انداز تھی۔ اگر زیادہ ہوتی تو ہم وہ بھی پیش کر دیتے۔ یہ ہم نے چندہ جمع کر کے اکٹھی کی ہے۔"

رندھیر اور گوتم دم بخود تھے۔ رندھیر نے تھیلی کھول کر رقم گنی۔ آٹھ سو روپے۔ کچھ نوٹوں اور کچھ سکوں کی شکل میں۔ رندھیر کو ایسا لگا کہ یہ لاکھوں کی رقم سے کہیں بڑھ کر ہے۔ وہ خواب کی سی حالت میں کھڑا اس رقم کو دیکھ رہا تھا۔

"میں اپنی اس بدزبانی کی بھی دست بستہ معافی چاہتا ہوں۔ جو طیش کے عالم میں۔ میں نے آپ سے کی تھی۔" دشوانا تھ نے کہا۔ "ہم معذور' منحوس کوڑھی موت کی دہلیز پر بیٹھے ہیں۔ اور بہت جلد اس سنسار سے رخصت ہونے والے ہیں۔ بھگوان کے واسطے ہم سے جو زیادتیاں ہوئیں اسے شما کر دیجیے۔"

"معافی تو ہمیں آپ سے طلب کرنی چاہیے۔" رندھیر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے اور نہ سوچ بھی سکتے تھے کہ آپ اتنے فیاض' اتنے عظیم اور اس قدر رحم دل ہوں گے۔ آپ کی محبت' خلوص اور انسانیت کے جذبے کو ہم کبھی فراموش نہیں کریں گے۔ زندگی کی آخری سانس تک ہم آپ سب لوگوں کے لیے بھگوان سے پراتنا کرتے رہیں گے۔"

"واقعی یہ کس قدر عظیم لوگ ہیں۔" متن بوس نے کہا۔ "اچھا۔ دوستو! الوداع۔ زندگی رہی تو شاید ملاقات ہو جائے۔"

آنسوؤں' جذبوں اور دعاؤں کی بارش میں۔ رندھیر اور گوتم نے کشتی کو حرکت دی۔ سمندر اس وقت جزر کی حالت میں تھا۔ درخت چپ چاپ اور ہوا بند۔ لہریں بار بار آتیں اور کوڑھیوں کے قدم چوم کر واپس چلی جاتیں۔ دفعتاً رام داس بونا نمودار ہوا۔ اس کا سانس بری

طرح پھولا ہوا تھا۔ ساحل پر آتے ہی اس نے کپڑوں میں لپٹی ہوئی کوئی چیز کشتی میں پھینکی اور پھر اس نے چلا کر ہذیانی لہجے میں کہا۔

"سوبھراج صاحب! اس حقیر بونے کی طرف سے یہ ادنیٰ تحفہ قبول فرمائیے۔"

رندھیر نے لپٹا ہوا کپڑا اٹھایا جو اس کے قدموں میں آ گرا تھا۔ یہ وہی چمک دار خنجر تھا جو اس نے بونے سے چھین کر اپنے پاس رکھ لیا تھا اور پھر اس نے دوبارہ اس وقت حاصل کیا تھا جب وہ اور گوتم سردار سریش کمار کے طلسم میں گرفتار ہو کر سکتے کے عالم میں تھے۔

جوں جوں کشتی ساحل سے دور ہٹ رہی تھی' کوڑھیوں کے چہرے دھندلانے لگے۔ پھر آہستہ آہستہ گہری دھند نے جزیرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اب ہم سمندر میں تھے۔ سورج مغرب کی طرف ڈھل رہا تھا اور ان کے سامنے حد نگاہ تک شمال اور شمال مغرب کی جانب چٹانوں کا طویل سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔

رندھیر نے چپو چلاتے ہوئے پوچھا۔ "ان کوڑھیوں نے تمھیں کہاں نظر بند کیا تھا؟"

گوتم نے جواب میں جو بتایا تھا وہ بھی ایسا ہی غار تھا۔ اس کے ساتھ بھی ایسا سلوک کیا گیا تھا جو رندھیر کے ساتھ کیا گیا تھا۔

کیا انھوں نے تمھیں جو کتابیں پڑھنے کے لیے دیں ان میں فلمی اداکاراؤں کی باتصویر کتاب بھی تھی۔؟"

"ہاں۔" گوتم نے جواب دیا۔ "ان کتابوں نے مجھے قید تنہائی کا احساس ہونے نہیں دیا۔ فلمی اداکارہ شانتی کی تصویروں نے میری نیندیں حرام کر رکھی تھیں۔ میں اس کی ایک ایک تصویر کو گھنٹوں دیکھتا' اس سے باتیں کرتا' آنکھوں سے دل میں جذب کرتا اور سینے سے لگاتا' بوسوں کی بارش کر دیتا۔ کوئی رات ایسی نہ تھی جس میں اس کا خواب نہ دیکھا۔ خواب میں ہم دونوں انجانے راستوں پر چل پڑتے۔ سردار نے تنہائی میں جو وقت گزاری کے لیے یہ کتاب دی تھی اس وجہ سے میں مزے میں رہا تھا۔"

"تمھیں صرف ایک شانتی کی ہی تصویر پسند آئی۔؟" رندھیر متعجب لہجے میں بولا۔ "دوسری اداکارائیں ایک سے ایک بڑھ کر تھیں۔"

"اس کی ایک وجہ تھی۔" گوتم کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"کیا وجہ۔؟"

"شانتی کی ہو بہو میری محبوبہ کی طرح مشابہت ہے' جس کے ساتھ میں وقت گزاری کرتا

ہوں۔" گوتم بولا۔ "وہ بڑی مہربان فیاض قسم کی ہے۔"

"تم نے مجھے اس کے بارے میں بتایا نہیں کبھی۔" رندھیر نے کہا۔ "کیا واپس جا کر اس سے شادی کر لو گے؟"

"اس لیے نہیں بتایا کہ وہ شادی شدہ ہے۔" گوتم بولا۔ "جب میں سونا لے کر جاؤں گا' تب اس کے شوہر سے اسے خرید کر شادی کر لوں گا۔"

"اور ہاں وہ کتاب میں چھپا کر لے آیا ہوں۔ یار! سردار سریش کمار نے کیا آفت کتاب بنائی ہے۔ وہ پانچ چھ برس پرانی ہے۔ میرے خیال میں ان اداکاراؤں کو اب بھی بلیک میل کیا جا سکتا ہے۔ میں واپس جا کر سوچوں گا۔"

دفعتاً رندھیر کے ذہن میں ایک خیال کوندا بن کر لپکا۔ اسے یاد آیا کہ اس کی بیوی شیاما کی شانتی سے گہری مماثلت ہے۔ وہ گوتم کی بات کی تہہ میں پہنچ گیا تھا۔ اس کے جی میں تو آیا کہ چپو اٹھا کر گوتم کے منہ پر دے مارے اور اسے سمندر میں گرا دے۔ لیکن اس کی مجبوری یہ تھی کہ وہ چاہتے ہوئے بھی اسے ختم نہیں کر سکتا تھا۔ رندھیر نے اس کی بات کو سن کر ضبط کیا۔ متن بوس نے کہا تھا کہ اسے واپس پہنچنے تک صبر وضبط اور تحمل سے کام لینا ہو گا۔ اس نے جو تدبیر بتائی ہے' گوتم کو اس پر عمل کر کے اسے موت کی نیند سلا سکتا ہے۔

"گوتم!" رندھیر نے موضوع بدلا۔ "شارٹ کٹ راستہ لمبا ہو گیا۔ کیا اس بات کا امکان ہے کہ آٹھ دس دن میں پہنچ جائیں۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ بمل داس گپتا اور اس کے ساتھی وادی موت کیا پہنچ نہیں گئے ہوں گے؟"

"اگر وہ پہنچ بھی گئے ہوں اور خزانہ نکال کر لے بھی گئے ہوں' تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" گوتم نے کہا۔

"فرق کیوں نہیں پڑتا؟" رندھیر نے حیرت سے کہا۔

"اس لیے کہ سونے کی جو کان ہے اس کے کونے کھدروں میں سے اتنا سونا نکل جائے گا کہ سارے درد دور ہو جائیں گے۔" گوتم بولا۔ "راہ میں جو تکلیف اٹھائی ہے' پریشانیاں ہوئی ہیں' وہ سب دور ہو جائیں گی' زندگی کے سارے درد دور ہو جائیں گے۔"

"میں اب پچھتا رہا ہوں کہ ہم نے اس جماعت سے دھوکا اور لالچ کر کے اچھا نہیں کیا۔" رندھیر نے کہا۔ "تمہارے ساتھ چلنے سے بہتر تھا کہ واپس لوٹ جاتا' خیر۔ اب کیا کیا جا سکتا ہے۔ اوکھلی میں سر دے ہی دیا ہے۔"

"جب تمہارے ہاتھ سونے سے بھرے ہوں گے' تب تم یہ ساری باتیں بھول جاؤ گے۔" گوتم نے قدرے تلخی سے کہا۔

رندھیر نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ ان دونوں کے درمیان کچھ دیر تک تناؤ کی سی کیفیت روا رہی۔ وہ ڈھائی گھنٹے تک چپو چلاتے رہے۔ زندگی میں ان دونوں کے لیے یہ پہلا اتفاق تھا' مرتے کیا نہ کرتے' یہ فریضہ انجام دیتے رہے۔ جوں ہی سورج کا آتشی گولہ مغرب کی آغوش میں سمانے لگا' ہوا ایک دم تیز ہو گئی۔ سمندر کا رنگ بدل گیا۔ اونچی اونچی شوریدہ سر لہریں کشتی سے ٹکرانے لگیں' تو ان دونوں نے بادبان بھی کھول دیئے' پھر چپو ہاتھ سے رکھ دیئے' بادبانوں میں ہوا بھری۔ وہ غبارے کی مانند پھول گئے۔ ان کے پھولتے ہی اسٹیمر کشتی دگنی رفتار سے شمال کی جانب چلنے لگی۔

متن بوس نے چلتے وقت انہیں ایک کافی سے بھرا تھرماس دیا تھا۔ کافی پینے سے ان کی کچھ جان میں جان آئی۔ چپو چلا چلا کر دونوں پسینے میں نہا گئے تھے۔ کافی نے ان کی تھکن خاصی اتار دی تھی اور وہ اپنے اندر قدرے توانائی محسوس کر رہے تھے۔ سورج کے غروب ہوتے ہی انہیں سردی لگنے لگی جو لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ پھر انہوں نے گرم کپڑے نکال کر پہن لیے اور کیبن میں پناہ لے لی۔ وہ یہاں ان پھواروں سے بچ گئے جو لہروں کے ٹکرانے کے باعث اسٹیمر کے اردگرد اٹھ رہی تھیں۔

"کیا تمہیں اندازہ ہے کہ ہم کتنی دور نکل آئے ہوں گے!" رندھیر نے پوچھا۔

"غالباً چالیس پچاس میل۔" گوتم نے جواب دیا۔ "میں دراصل شروع ہی سے رفتار کا حساب لگا رہا ہوں۔ اگر ہم اسی رفتار سے چلتے رہے اور راہ میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی تو تین چار دن میں ہم اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔"

"بھگوان کرے ایسا ہی ہو۔" رندھیر نے بڑے خلوص سے کہا۔

پھر رندھیر نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ یہ رسٹ واچ بھی قطب نما کے ساتھ ہی سردار سریش کمار نے دی تھی۔ وہ دونوں کوڑھی دوستوں کے بارے میں باتیں کرنے اور ان کی عظمت کے گن گانے لگے۔ پھر گوتم نے جلدی سے تیل کا چولہا جلایا۔ اس چولہے کو کیبن کے اندر ایک طرف لکڑی کے تختے میں اس طرح گاڑا گیا تھا کہ کشتی کے ہچکولے اس پر اثر انداز نہ ہو سکتے تھے۔

پندرہ منٹ میں چاول ابل گئے۔ پھر اس نے نمک مرچ ڈال کر مچھلی کا شوربہ تیار کیا۔

یہ لذیذ اور پرلطف کھانا سمندر کی لہروں پر بہتے ہوئے کھایا گیا۔ رندھیر نے کہا کہ اس کا مزا کبھی نہ بھولنے والا ہے۔ کھانے سے فراغت پانے کے بعد گوتم نے قہوہ بنایا۔ گرم گرم قہوہ پیتے ہی سارے دن کی تھکن اتر گئی۔ وہ پھر سے تازہ دم سے ہو گئے۔ پھر اس کے بعد تمباکو نوشی کا دور چلا۔ کچھ دیر کے لیے ان دونوں نے اس مصیبت کو فراموش کر دیا جس میں وہ گرفتار تھے۔ باتوں 'لیڈی چیٹرلو کے ناول کی کہانی' اس پر تبصرے 'لطیفوں اور قہقہوں کے طوفان میں یوں لگا جیسے وہ ہولناک سفر کے مسافر نہیں بلکہ کشمیر کی مشہور جھیل ڈل میں پکنک پر آئے ہوئے لڑکے ہیں۔ ابھی وہ جی بھر کے ہنسنے بھی نہ پائے تھے کہ عین افق کے اس مقام سے جہاں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پیشتر سورج نے پناہ لی تھی۔ کالے کالے طوفانی بادلوں نے سر اٹھایا اور لمحوں کے اندر اندر آسمان کا نصف سے زیادہ حصہ گھیر لیا۔ روشن اور چمکدار ستارے ایک ایک کر کے گھٹاؤں نے نگل لیے۔ بجلی کا زبردست کڑاکا عین ان کے سروں کے اوپر ایسا ہوا کہ ان کے دل دہل کر رہ گئے۔ اندھیرا ایسا گھپ کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے اور پھر ہوا اور تیز ہو گئی۔ بجلی بار بار لہرانے اور کودنے لگی۔ بادلوں کی گڑگڑاہٹ سے ان کے کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ وہ سہم کر کیبن کے اندر چوہوں کی طرح دبک گئے اور کشتی کو بھگوان کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ ایسی تند اور تیز بارش کہ ان دونوں نے اس سے پہلے کہیں نہیں دیکھی تھی۔ اس روز انہیں اندازہ ہوا کہ پانی بعض وقت کیسا مہلک ثابت ہو سکتا ہے۔ کینوس کا بنا ہوا کیبن بارش روکنے میں ناکام رہا۔ وہ دونوں بری طرح بھیگ گئے اور سردی سے کانپنے لگے۔ وہ ایک دوسرے کے دانت بجنے کی آواز سننے لگے۔ پھر انہوں نے ہمت کر کے پتلی رسی سے چند پھٹے پرانے کمبل کیبن پر باندھے جس سے پانی کی بوچھاڑ رکی۔ اس طرح سے انہیں یگونہ اطمینان سا ہوا۔ سارے جسم میں فرحت سی دوڑ گئی۔

اس طوفان میں گوتم نے چولہا دوبارہ جلایا' بچا ہوا جو قہوہ تھا اسے خوب گرم کر کے پیا۔ پھر انہوں نے اپنے جسموں میں گرمی محسوس کی اور دل ہی دل میں بھگوان کو یاد اور موت سے بچانے کی پراتنا کرنے لگے۔ ایک لمحے کے لیے بھی بارش نہیں تھمی۔ بجلی کی چمک کڑک اور بادلوں کی گرج اس طرح ان کے دل دہلا رہی تھی۔ کبھی کبھی تو انہیں یوں لگتا جیسے ان کے سروں پر کسی بھی لمحے بجلی گرنے والی ہے۔ کشتی ہوا میں اڑتی اور باتیں کرتی ہوئی جا رہی تھی۔ اس کی رفتار خطرناک حد تک تیز تھی۔ دائیں بائیں ڈولتی' اچھلتی اور بپھری لہروں کا مقابلہ کرتی وہ انہیں ایک انجانی سمت لے جا رہی تھی۔ کوڑھیوں نے اس کشتی کو اسٹیمر کی طرح بنایا ہوا تھا جس کی

وجہ سے اس کا توازن قائم تھا۔ گوتم کے خیال میں کشتی کی رفتار تیس میل فی گھنٹہ سے کم نہ تھی۔

ادھر بارش تھی کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ گوتم نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"ایسا لگ رہا کہ آسمان میں سوراخ ہو گیا ہے۔ بھگوان جانے یہ کشتی ہمیں کہاں لیے جا رہی ہے۔ کیا ایسا نہیں لگ رہا ہے کہ کوئی نادیدہ ہستی اسے کھینچ کر لے جا رہی ہے۔"

ابھی اس کے الفاظ اس کے منہ میں تھے اور وہ مزید کچھ کہنے جا رہا تھا کہ ایک زبردست لہر کشتی سے ٹکرائی۔ کشتی تقریباً بائیں جانب پینتالیس درجے کے زاویئے پر جھک گئی۔ معاً بجلی چمکی اور اس ایک پل کے لاکھوں حصے کے وقفے میں انہوں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی وہیل مچھلی جا رہی ہے۔ اس کا رخ مشرق سے مغرب کی طرف تھا۔

"او بھگوان۔!" گوتم ہذیانی لہجے میں چلایا۔ "یہ پہاڑ ہے یا وہیل؟"

پھر وہ دونوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سمندر کو گھورنے لگے۔ بجلی دوبارہ کوندی اور پھر انہوں نے اس دیو پیکر وہیل کو دیکھا۔ وہ غوطے لگاتی ان کی کشتی سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر گزر رہی تھی۔ کبھی اس کا غار سا منہ دکھائی دیتا' کبھی حرکت کرتی ہوئی۔ وہیل کی اس حرکت کے باعث اونچی اونچی لہریں اور بھنور اسٹیمر سے ٹکرا رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس کشتی کو اسٹیمر کی طرح خصوصی طور پر مضبوط نہ بنایا گیا ہوتا تو اس کے پرخچے کبھی کے اڑ گئے ہوتے۔ رندھیر کے محتاط اندازے کے مطابق اسی فٹ سے زیادہ ہی تھی۔

"جیسا کہ میں نے وہیل کے بارے میں پڑھا ہے اس کے مطابق اب یہ سینکڑوں میل تک اسی طرح ابھرتی اور غوطے کھاتی چلی جائے گی۔" رندھیر نے بتایا۔ "یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے تعاقب میں وہ چھوٹی چھوٹی خون خوار مچھلیاں لگی ہوں جو وہیل کے گوشت کی بڑی شائق ہوتی ہیں۔ وہیل ان سے بہت ڈرتی ہے اور سمندر کے اس حصے کی طرف کبھی نہیں آتی' جہاں اسے ان مچھلیوں کا لقمہ بننا پڑے۔ لیکن بعض اوقات سمندر میں شدید طوفان کے آثار نمودار ہوتے ہیں' تب وہیل مجبور ہو کر دوسرے حصے میں پناہ لیتی ہے۔ اور یوں وہ موت کا شکار ہو جاتی ہے۔ وہیل کی بو پاتے ہی یہ چھوٹی مچھلیاں جن کی لمبائی آٹھ دس انچ سے زیادہ لمبی نہیں ہوتی' ہزاروں کی تعداد میں اس کے پیچھے لگ جاتی ہیں۔ شارک کے دانتوں کی مانند ان ننھی مچھلیوں کے دانت بھی بے حد تیز اور نوکیلے ہوتے ہیں۔ یہ میلوں تک وہیل کا تعاقب کرتی ہیں اور مسلسل اس کا عقبی گوشت نوچ نوچ کر کھاتی رہتی ہیں۔ حتیٰ کہ وہیل بے دم ہو کر اپنے آپ کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتی ہے۔ پھر منٹوں میں اس کا صفایا ہو جاتا ہے اور سمندر کے سینے

پر ایک عظیم مچھلی کا ڈھانچا تیرتا اور کسی جہاز کی مانند دکھائی دیتا ہے۔"

"رندھیر یار! ایسا لگتا ہے کہ تم پچھلے جنم میں مچھیرے رہے ہو۔" گوتم نے کہا۔ "مچھلیوں کے بارے میں تمہاری معلومات بڑی وسیع ہیں۔" چند لمحے چپ رہنے کے بعد رندھیر نے ایک سرد آہ بھری۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"میں تو نہیں البتہ میرے ماموں اپنے دور کے معروف مچھیرے اور ملاح رہے ہیں۔ میں بچپن میں ان کے ساتھ اکثر مچھلی کے شکار پر جایا کرتا تھا۔ وہ وہیل کے شکاری تھے اور کھلے سمندروں میں کئی سو میل دور جا کر اسے ہارپون سے ہلاک کرتے۔ ان کی پارٹی میں بہت سے شکاری شامل ہوتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہیل سے زیادہ خطرناک حیوان شاید ہی کوئی اور کرہ ارض پر ہو۔ اس کا شکار صریحاً خودکشی ہے۔"

"اب کیا تمہارے ننھیال میں کوئی مچھیرا ہے؟" گوتم نے دریافت کیا۔ "کیا انہوں نے اپنے بیٹے کو مچھیرا بنایا؟"

"نہیں۔" رندھیر نے کہا۔ "زندگی نے ماموں جان کو مہلت نہ دی۔ ان کا نوجوان بیٹا بری صحبت کا شکار' انجانے راستے پر چل پڑا۔ میں ایک بار ممانی کی عیادت کے لیے ان کے ہاں گیا تو ان کا بیٹا روتی ملا۔ اس نے رو کر کہا کہ۔ کاش! میں بھی اپنے باپ کی طرح ایک مچھیرا بن جاتا اور مجھے جرائم کی دنیا سے کبھی واسطہ نہ پڑتا۔ چونکہ نصیب میں دربدر کی ٹھوکریں لکھی تھیں' اس لیے میں بھٹک گیا۔ بھگوان ناس کرے اس بری سوسائٹی کا اور شراب نوشی کی لت کا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ بھیا! وہ مجھے بھیا کہتا تھا۔ یہ شراب ایسی چیز ہے جو انسان کا بیڑا غرق کر دیتی ہے۔ برے' بھلے میں تمیز نہیں رہتی۔ میں آپ سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا۔ میں نے ایک روز شراب کے نشے میں دھت محلے کی ایک لڑکی کی عزت لوٹی۔ ماں نے اپنے گھر کی عزت بچانے کے لیے میرے خلاف کوئی شور شرابا اور قانونی اقدام نہیں کیا۔ اس وقت میری عمر سولہ برس کی تو تھی۔ پھر مجھے شراب اور عورت کی لت پڑی۔ اس کے لیے رقم کی ضرورت ہوتی تھی۔ پھر میں چھوٹی چھوٹی چوریاں کرنے لگا۔ پھر میں بڑے بڑے ڈاکے مارنے لگا۔ پولیس دن رات میرے پیچھے پھرنے لگی۔ میری ماں نے مجھے بچانے کے لیے اور مقدمے لڑنے کے لیے اپنے سہاگ کے تمام زیورات بیچ دیئے اور قلاش ہو گئی۔ مجھے اب ہوش آیا ہے کہ محنت مزدوری کتنی اچھی چیز ہے۔ اس میں سکون کی دولت ہے۔ میں مچھیرا ہوتا تو یہ دن دیکھنا نہیں پڑتے۔ میں اپنے باپ کے ایک دوست کے پاس جا رہا ہوں تاکہ مچھیرا

بن جاؤں۔ مجھے کسی کام سے ممانی کے ہاں جانا پڑا۔ تب دیکھا کہ وہ اور گھر کے حالات بدل گئے ہیں۔ اس نے بتایا کہ ایک روز وہ ایک بڑی مچھلی گھر لایا۔ جب اس کی صفائی کرنے لگا تو اس کے پیٹ میں سے دو ہیرے نکلے۔ اب وہ اپنی کشتی خریدنے والا ہے۔ اب جب وہ کبھی اپنی بدکاریوں اور جرائم کی فہرست پر نگاہ ڈالتا ہے تو لرز کر رہ جاتا ہے۔ روز وہ مندر میں جا کر بھگوان اور دیوتا اور دیوی سے معافی مانگتا ہے۔ پھر وہ میرے سامنے ہچکیاں لے کر روتا رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ میں نے دو ایک شادی شدہ عورتوں کو خراب کیا۔ میرے نزدیک اس سے شرمناک فعل کوئی اور نہیں ہے۔ وہ سب سے ذلیل ہوتے ہیں۔"

اس آخری جملہ نے گوتم کا چہرہ متغیر کر دیا۔ اسے ایسا لگا تھا کہ رندھیر نے اسے ساری دنیا کے سامنے گالی دی ہے۔ اسے برہنہ کر دیا ہے' لیکن وہ یہ جانتا تھا کہ رندھیر کو علم نہیں ہے کہ وہ اس کی بیوی کو بلیک میل کر رہا ہے' ورنہ وہ اس سفر پر ساتھ نہ ہوتا۔

دفعتاً بادل بڑے زور سے گرجا' بجلی پھر کوندی اور انہوں نے دیکھا کہ کشتی سیاہ سمندر کے سینے پر گرتی پڑتی اور کارک کی مانند اچھلتی اس مہیب چٹانی سلسلے کی طرف بڑھ رہی ہے جو شمال کی جانب سے ان سے کوئی تین چار میل پھیلتا چلا گیا تھا۔

"کشتی کو سنبھالو ورنہ یہ چٹانوں سے ٹکرا کر تباہ ہو جائے گی۔" رندھیر نے کہا۔ "پھر ہم بھی تباہ ہو جائیں گے۔"

بجلی پھر چمکی اور اس مرتبہ دہشت سے ان کی گھگھی بندھ گئی۔ کشتی بے پناہ رفتار سے چٹانوں کی طرف بڑھ رہی تھی اور لحہ بہ لحہ ان کا چٹانوں سے فاصلہ کم ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ یہ چٹانیں سمندر کے سینے سے ابھری ہوئی تھیں اور بے حد گہرے سیاہ رنگ کی تھیں۔

"بھگوان کے لیے کوئی تدبیر سوچو رندھیر!" گوتم کی کپکپاتی آواز اسے سنائی دی۔

بارش اور تیز ہو گئی۔ تیز ہوا کے ساتھ پانی کی بوچھاڑ پتھروں کی مانند ان کے ہاتھوں اور چہروں پر مسلسل پڑ رہی تھی۔ اس آفت سے بچاؤ کا کوئی امکان نہیں تھا۔ رندھیر کی ساری توجہ کشتی کو چٹانوں سے ٹکرانے سے بچانے پر مرکوز تھی۔

یکا یک گوتم چلا اٹھا۔

"مارے گئے یار! کشتی کے اندر پانی بھر رہا ہے۔"

یہ سن کر رندھیر کا کلیجہ بیٹھ گیا کہ کشتی میں پانی کیسے بھر گیا۔ رندھیر کو اچانک خیال آیا کہ شاید اس کا وہ پچھلا پائپ کسی سبب سے بند ہو گیا ہوگا جو پانی کے اخراج کے لیے اس کے عقبی

حصے میں لگایا گیا تھا۔ اگر چند لمحوں کے اندر اندر کشتی میں بھرا ہوا پانی نکالا نہ جائے تو اس کے ڈوب جانے میں کوئی شک نہ تھا۔ وہ پانی میں پوری طرح شرابور تھے اور سردی کے باعث تھر تھر کانپ رہے تھے۔ رندھیر نے بادبان کا رسہ تھام کر بڑی مشکل سے اپنا رخ پھیرا اور کیبن کے پچھلے حصے میں جا کر اس پائپ کا سوراخ ٹٹولا جس کے ذریعے سے پانی باہر نکلتا تھا۔ اس کے اندر نہ جانے کس طرح سے ایک کپڑا پھنس گیا تھا۔ کپڑا نکالتے ہی کشتی میں بھرا ہوا پانی باہر نکلنے لگا لیکن اس دوران میں خوراک کا تمام سامان تباہ ہو چکا تھا۔ چاولوں کے تھیلے میں پانی بھر چکا تھا۔ مچھلیاں اور ابلے ہوئے انڈے پیروں تلے آ کر برباد ہو رہے تھے۔ کمبل' بستر اور کپڑے ناس ہو چکے تھے۔ تیل سے بھرا ہوا کنستر ٹوٹ چکا تھا۔ لیکن وہ ان نقصانوں سے بے پروا کشتی کا رخ بدلنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے۔ طوفان کے باعث کشتی کو ایک جگہ قرار نہ تھا۔ کبھی دائیں طرف جھکتی تو کبھی بائیں طرف۔ ایک مرتبہ تو ایسا جھٹکا لگا کہ اگر رندھیر لپک کر گوتم کا ہاتھ نہ پکڑتا تو وہ سمندر کی لہروں میں ہمیشہ کے لیے گم ہو چکا ہوتا۔

جب بادبان کھولا گیا تو ہوا کے دباؤ میں کمی ہوئی اور کشتی کی رفتار آپ ہی آپ کم ہونے لگی۔ مگر اس کا رخ اب بھی چٹانوں کی طرف تھا اور ان میں سے کسی میں اتنی جان نہ تھی کہ چپوؤں کے ذریعے کشتی کا رخ بدل سکتے۔

''او بھگوان۔ تو ہماری مدد کر۔ ہمارے پاپ معاف کر دے۔'' رندھیر گڑگڑایا۔

''ہاں بھگوان۔ ہاں بھگوان۔'' گوتم نے گھٹنوں کے بل جھک کر آسمان کی طرف نگاہ کی۔

سیدھا ہونے سے پہلے ہی وہ جھٹکا کھا کر اوندھے منہ کشتی میں فرش پر گر گیا۔ اس کے ماتھے پر چوٹ آئی تھی۔ اس کی کھوپڑی گھوم گئی تھی۔ رندھیر نے لپک کر اسے اٹھایا' نہ اٹھاتا تو شاید وہ لڑھکتا ہوا سمندر میں جا گرتا۔ اسے گوتم کو اٹھا کر کھڑا کرنے میں اپنا پورا زور لگانا پڑا تھا۔ پھر وہ چند ہی لمحے میں سنبھل گیا۔ آخر کار ان دونوں نے ہمت کر کے اور طاقت مجتمع کر کے چپو سنبھالے'' سچ ہے۔'' رندھیر نے دل میں سوچا۔'' انسان ہمت کرتا ہے تو قدرت بھی مدد کرتی ہے۔''

رندھیر نے دو مرتبہ اس کی جان بچائی تھی۔ یہ جانتے ہوئے کہ [illegible] کمینے اور ذلیل شخص نے اس کی بیوی کو کھلونا بنایا ہوا تھا۔ اس کی بیوی کی مجبوریوں سے فائدہ [illegible] تھا۔ کبھی ترس اور رحم نہیں کھایا تھا۔ ابھی بھی اس کے مذموم ارادے ہیں۔ اس کی بھی یہ مجبوری تھی کہ وہ اسے

قتل نہیں کر سکتا تھا اور نہ مرنے پر چھوڑ سکتا تھا۔

چپو چلاتے ہی انہوں نے کشتی کا رخ موڑنے کی کوشش کی۔ چند ہی لمحوں کے بعد کشتی کا رخ چٹانوں کی مخالف سمت میں یوں ہو گیا جیسے کسی نادیدہ ہستی کی طاقت نے اسے پکڑ کر گھما دیا ہو۔ اتنے میں بارش بھی کم ہونے لگی اور کم ہوتے ہوتے یک لخت رک گئی۔ بوندا باندی بھی نہیں ہو رہی تھی۔

ان دونوں نے سکون کا سانس لیا' مگر بھیگے ہوئے کپڑے اتارنے اور ٹھنڈ سے نجات پانے کا فوری طور پر کوئی انتظام ان کے پاس نہ تھا۔ لہٰذا سکڑ اور سمٹ کر بیٹھ گئے۔

ایک کرب ناک اذیت سے صبح ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ پھر بادل چھٹے اور پچھلی رات کی نصف سے بھی کم چاند ان کی حالت زار کا مشاہدہ کرنے کے لیے جھانکنے لگا۔ ان کے گرد ایک عجیب۔ مگر نہایت پراسرار منظر میلوں کا پھیلا ہوا تھا۔ آسمان پر خراٹے بھرتے ہوئے بادلوں کے آوارہ ٹکڑے' زرد رنگ کا کبھی نکلتا۔ کبھی ڈوبتا اور کبھی تیز تیز سفر کرتا ہوا چاند سمندر کی دیو پیکر سیاہ موجیں۔ شمال سے ہٹ کر جنوب کی طرف سرکتا ہوا وہ سنگلاخ کالی چٹانوں کا طویل مہیب سلسلہ اور ایک سولہ فٹ لکڑی کی کشتی پر سوار دو بے یار و مددگار اور انتہائی ناتجربہ کار خزانے کی تلاش میں منزل پر جانے کے لیے موت کا سفر کر رہے تھے۔

جب ان دونوں نے یہ محسوس کیا کہ خطرہ ٹل گیا ہے۔ گونڈھال ہو کر چپو رکھ دیئے اور کشتی کو سمندر کی موجود کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ وہ اس قدر تھک چکے تھے کہ ان کے لیے ایک دوسرے سے بات کرنا بھی مشکل تھا۔ بہت ہی دشوار سا لگا۔ گوتم نے تمباکو تھیلی کھول کر سگریٹ بنانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ پتا چلا کہ سارا تمباکو بھیگ کر ایک گولے کی شکل اختیار کر گیا ہے اور سگریٹ بنانے کا کاغذ غائب ہے۔ غالباً پانی میں بھیگ کر برباد ہو گیا تھا۔ دیا سلائی کی ڈبیا کا بھی یہی حال تھا۔ ساری کشتی میں تیل کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ یہ وہ تیل تھا جو کنستر کے الٹ جانے سے بہہ گیا تھا۔ رندھیر نے چولہا اور کنستر اٹھایا اور سمندر میں پھینک دیا۔ کیوں کہ یہ چیزیں اب ان کے کسی کام کی نہ تھیں۔ تھوڑی دیر بعد گوتم نے ابلے ہوئے انڈے جمع کرنے شروع کیے جو پیروں تلے آ کر بھی کچل جانے سے بچ گئے تھے۔ ان کی تعداد کچھ زیادہ نہ تھی۔ دو سو انڈوں میں سے بیس پچیس اس حالت میں تھے کہ انہیں کھایا جا سکے۔

کشتی نامعلوم منزل کی طرف بڑھتی رہی۔ رات دھیمے دھیمے کٹتی رہی۔ وہ مردوں کی مانند سردی کھاتے ہوئے' گٹھڑی سی بن کر ایک گوشے میں پڑے رہے۔ مشرقی افق پر ایک

سنہری لکیر نمودار ہوئی۔ یہ لکیر آہستہ آہستہ رنگ بدل رہی تھی۔ کبھی نارنجی تو کبھی سرخ، کبھی نیلی۔ پھر سورج کی پہلی کرن نے کشتی میں پہنچ کر انہیں جیسے نمسکار کیا۔ یہ منظر ایسا دل فریب تھا کہ اسے بیان کرنے کے لیے ان کے پاس جو الفاظ تھے وہ عاجز تھے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور دم بہ دم ابھرتے ہوئے سورج کے سنہری تھال کو دیکھنے لگے۔ ان کی کشتی روشنی کی ایک جھل مل کرتی سڑک بن گئی تھی اور اس سڑک کے نیچے بے شمار چھوٹی بڑی رنگین مچھلیاں پارے کی مانند تڑپ رہی تھیں، اچھل رہی تھیں۔

سردی کے باعث واقعی ان کا برا حال تھا۔ کپڑوں کی گٹھڑی ٹٹولی گئی تھی اور یہ دیکھ کر انہیں مایوسی ہوئی کہ ہر کپڑا پانی سے بھیگ چکا ہے اور پہننے کے لائق نہیں ہے۔ ان کے چہرے اتر گئے۔ سورج کو دیکھ کر ان کی کچھ ڈھارس بندھی۔ آہستہ آہستہ دھوپ تیز ہوئی تو ان کے جسموں میں گرمی آنے لگی۔ گوتم کے ہونٹ نیلے پڑ چکے تھے اور اس کی دانت ابھی تک بج رہے تھے۔ پھر گوتم بے دم ہو کر اوندھے منہ لیٹ گیا اور ٹانگیں موڑ کر پیٹ سے لگا لیں۔ دراصل وہ تمباکو نوشی کا عادی تھا۔ سگریٹ نہ ملنے کے باعث اس کی حالت مزید غیر ہو رہی تھی۔ رندھیر بھی اپنے قوی تن و توش کے باوجود خشک پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ اس نے گردن گھما کر چاروں طرف دیکھا اور اس کے چہرے پر ایک گھٹا سی چھا گئی۔

"یہ سمندر تو لگتا ہے کہ قیامت کے دن ہی ختم ہوگا۔" رندھیر زیر لب بڑبڑایا اور گوتم کی طرف دیکھا۔ "معلوم نہیں موت کی وادی ابھی کتنی دور ہے۔ کوڑھیوں کو بھی اس کا کوئی اندازہ نہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں اپنی حالت درست کرنے کے لیے کسی ایک جزیرے پر کچھ مدت پناہ لینی ہوگی۔ زیادہ نہیں تو دس بارہ گھنٹے تو ستا سکتے ہیں۔"

"دیکھا جائے گا۔ گھبراؤ مت۔" گوتم نے اسے دلاسا دیا۔ "جس طرح ہم یہاں تک پہنچے ہیں اس طرح منزل تک بھی پہنچ جائیں گے۔ دیکھو، امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ خزانہ ہمارا ہے، اسے صرف ہم حاصل کریں گے۔"

"لیکن جانے کیوں میرا دل اندر سے کہہ رہا ہے کہ ہمیں سفر اور کوڑھیوں کے جزیرے پر اتنا عرصہ لگ گیا۔ وہ لوگ کان صاف کر کے جا چکے ہوں گے۔ مجھے ایک فیصد بھی امید نہیں ہے کہ ایک تولہ سونا بھی ملے گا۔"

"کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ انہیں میں نے ایسی جگہ لے جا کر بھٹکایا ہے کہ وہ مہینوں میں بھی شاید پہنچ سکیں۔" گوتم بولا۔

"خود فریبی، خوش فہمی اور جھوٹی تسلیاں آخر کب تک ہم دیتے رہیں گے؟" رندھیر تیز لہجے میں بولا۔

"جب تک سانس ہے، اس وقت تک آس باقی ہوتی ہے۔" گوتم بولا۔ "میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ راستہ بھولنے کی وجہ سے یہ خواری ہو رہی ہے، کاش! میں نے جلد بازی نہیں کی ہوتی۔ خیر جو نہیں ہونا تھا، وہ ہو گیا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر آج رات بھی ایسا ہی طوفان آیا تو کم از کم میں چل بسوں گا۔" رندھیر نے بے جان لہجے میں کہا۔ "بھوک کے ہاتھوں دم نکلا جاتا ہے۔ لاؤ، دو چار انڈے تو کھا لوں۔ بھگوان کی بڑی کرپا ہے کہ پانی کا ڈرم تباہ ہونے سے بچ گیا۔ گوتم! اگر یہ ڈرم تباہ ہو جاتا تو ہمیں دنیا کی کوئی طاقت پیاس کے ہاتھوں مرنے سے نہیں بچا سکتی تھی۔"

پھر رندھیر نے دو چار انڈے جلدی جلدی نگلے۔ اس سے بھوک برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے تین انڈے گوتم کو بھی دیئے۔ پھر اس نے اور گوتم نے دو دو گھونٹ پانی پیا۔ پھر ان کی جیسے جان میں جان آئی۔

سورج آسمان پر خاصا بلند ہو چکا تھا اور کھلے آسمان پر دور دور تک اب بادل کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ پھر انہوں نے بادبان کھول دیا۔ کشتی کی رفتار بڑھ گئی۔ وہ ٹھیک شمال کی طرف جا رہے تھے۔ یک لخت شدید نیند نے انہیں دبوچ لیا، کیونکہ وہ رات بھر کے جاگے ہوئے تھے اور طوفان سے لڑتے رہے تھے۔ اگرچہ ان کی حالت ایسی نہ تھی۔ مگر وہ جو کسی نے کہا ہے کہ نیند سولی پر بھی آ جاتی ہے۔ تو غلط نہ تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دنیا و مافیا سے بے نیاز ہو کر نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

سب سے پہلے رندھیر کی آنکھ کھلی۔ شاید اس لیے کہ غیر شعوری طور پر اپنی اور اپنے ساتھی کی جان کی سلامتی کا احساس اس میں بیدار تھا۔ پھر رندھیر نے دیکھا کہ سورج مغرب کی جانب ڈھل رہا ہے اور سمندر میں جوار بھاٹا کی سی کیفیت تھی۔ کشتی اسی رفتار سے لہروں پر اچھلتی، دائیں بائیں ڈگمگاتی اور اوپر نیچے حرکت کرتی آگے بڑھ رہی تھی۔ دھوپ اس قدر تیز تھی کہ نہ صرف ان کے بدن سے چپٹے ہوئے کپڑے سوکھ گئے تھے بلکہ کشتی کے اندرونی حصے کا پانی بھی خشک ہو چکا تھا۔ ان کے اندازے کے مطابق یہ غلط بھی ہو سکتا تھا کہ کشتی نے اسی میل کا فاصلہ طے کر لیا ہوگا۔ اس افراتفری میں انہیں کوئی اندازہ نہ رہا تھا۔

پھر رندھیر کو ان شارک مچھلیوں کا خیال آیا جن کے بارے میں انہیں خبردار کیا گیا تھا کہ

سو ڈیڑھ سو میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ان کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس نے غور سے پانی کو دیکھا۔ وہاں شارک تو درکنار کسی اور مچھلی کا بھی نام و نشان نہ تھا۔ اتنے میں گوتم بھی جاگ گیا۔ رندھیر نے اسے بتایا کہ شاید اب ہم اس حصے میں پہنچنے والے ہیں یا پہنچ گئے ہیں جہاں شارک مچھلیاں پائی جاتی ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ سمندر کا یہ ٹکڑا ہر قسم کی چھوٹی بڑی مچھلی سے خالی دکھائی دیتا ہے۔

یہ سن کر گوتم کے چہرے پر زلزلے کے سے آثار پیدا ہوئے۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا اور پھر سمندر کا جائزہ لینے لگا۔ پھر اس نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی اور پھر ایک گوشے میں پڑے ہوئے ہارپون پر ایک نظر ڈالی۔

"میرا اندازہ ہے کہ ہمیں اپنے ہارپون تیار رکھنے چاہئیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "شارک مچھلیوں کا سمندر شروع ہو چکا ہے اور اس کی علامت جو ہمیں اس شخص نے بتائی تھی وہ یہ ہے کہ جہاں شارک مچھلی موجود ہو وہاں کوئی دوسری مچھلی پائی نہیں جاتی۔ لہٰذا ہمیں ہوشیار اور چوکنا رہنا ہوگا۔"

"او بھگوان۔" رندھیر نے کہا "میں تو اس کی یہ بات بھول گیا تھا۔"

"میں نے اپنی زندگی میں شارک نہیں دیکھی صرف اس کی تصویریں اور فلموں میں اسے دیکھا ہے۔" گوتم نے کہا۔

"اب ہمیں حوصلہ رکھنا ہوگا۔" رندھیر نے کہا۔ "بقول اس شخص کے کہ یہ مچھلیاں بڑی مکار اور دھوکے باز ہوتی ہیں۔ ان کا کوئی بھروسا نہیں۔ کیا معلوم یہ غیر محسوس انداز سے ہماری کشتی کا پیچھا کر رہی ہوں گی۔ بھگوان ان کا بیڑا غرق کرے۔ ان کا حملہ بہت خطرناک، اچانک اور زوردار ہوتا ہے۔"

وہ دونوں دیر تک سمندر کی لہروں کا جائزہ لیتے رہے۔ کوئی شارک دکھائی نہیں دی۔ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے دونوں ہارپون دیکھے بھالے۔ ان کے سروں پر لوہے کا انتہائی مضبوط اور سوئی کی مانند نوکیلا سا چاقو لگایا جاتا ہے۔ اس چاقو کا نام ہی ہارپون رکھا گیا تھا۔ بقیہ حصہ لکڑی سے بنا ہوا تھا جس کی لمبائی آٹھ دس فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ نیزے کی طرح اسے شارک مچھلی پر پھینکا جاتا ہے۔ اگر نشانہ صحیح ہو تو ہارپون کی انی مچھلی کے جسم میں کھب جاتی ہے اور خون کے فوارے چھوٹ جاتے ہیں۔ جونہی کوئی شارک زخمی ہوتی ہے اور اس کا خون بہنے لگتا ہے۔ دوسری شارک مچھلیاں اپنی ہی جنس پر ٹوٹ پڑتی ہیں اور پھر دیکھتے ہی

دیکھتے اسے چٹ کر جاتی ہیں۔ ہارپون سے مضبوط رسی بندھی ہوئی تھی تاکہ حملے کے بعد اسے واپس لایا جا سکے۔

انہوں نے ہارپون کی رسیوں کے آخری سرے بادبان کے مضبوط شہتیر سے باندھ دیئے اور کشتی کے دائیں بائیں مسلسل جائزہ لیتے رہے کہ شارک کس طرف سے نمودار ہوتی ہے۔ ان دونوں نے ہارپون پھینکنے کی ریہرسل بھی کی جس سے اندازہ ہوا کہ یہ کام کس قدر توانائی اور مہارت کا ہے۔ گوتم ہدایتیں دے رہا تھا۔ رندھیر کا خیال تھا کہ وہ دونوں ہی اناڑی ہیں۔ کیا اس کا استعمال وہ بہترین طریقہ سے کر سکیں گے؟

شارک کا انتظار شدید سے شدید تر ہوتا جا رہا تھا۔ اشتیاق، خوف اور جرأت کے ملے جلے احساسات ان دونوں میں بیدار تھے۔ گوتم بار بار بے چینی سے پانی میں دیکھتا، مگر وہاں مچلتی، پھرتی اور آپس میں لڑتی ہوئی موجود کے سوا کچھ نہ تھا۔ سورج کی بے پناہ چمک رفتہ رفتہ سرخی میں تبدیل ہونے لگی۔ مغرب میں ایک بہت بڑا آتشیں گولہ اتر رہا تھا۔ ایک بار پھر نارنجی رنگ کی ایک روشن سڑک آسمان سے لے کر ان کی کشتی تک بن گئی۔ اس سڑک میں کئی رنگ مچل رہے تھے، بل کھا رہے تھے۔ وہ دونوں اس منظر میں گم تھے۔ رندھیر مشرق کی سمت میں دیکھ رہا تھا۔ اچانک گوتم کی آواز گونجی۔

"خبردار۔ ہوشیار۔ دشمن آ پہنچا۔"

انہوں نے دیکھا کہ کشتی کے عقب میں ایک بڑا سا بھنور نمودار ہو رہا ہے۔ چند لمحوں کے بعد بھنور غائب ہو گیا۔ پھر وہ کیا دیکھتے ہیں کہ کشتی کے آگے کوئی پچیس تیس گز کے فاصلے پر نمودار ہو گیا۔ پانی اس تیزی سے چکر کھا رہا تھا کہ انہیں حیرت ہوئی تھی کیونکہ انہوں نے کبھی پانی کا ایسا چکر نہیں دیکھا تھا۔

"اس بھنور کے اندر شارک ہی ہو گی۔" رندھیر نے کہا۔

پھر ان دونوں نے اپنے اپنے ہارپون مضبوطی سے پکڑ لیے تھے لیکن ان کے ہاتھ اور بازو پوری طرح لرز رہے تھے۔

"لیکن مجھے جانے کیوں نظر نہیں آ رہی ہے؟" گوتم نے کہا۔

رندھیر نے پیچھے ہٹ کر اس لکڑی کے ڈبے سے ایک کچھوا نکالا۔ کوڑھیوں نے ایک ڈبے میں کچھوے بھی رکھ دیئے تھے۔ جو طوفان میں بہنے اور سمندر میں گرنے سے محفوظ رہے تھے۔ رندھیر نے اسے پانی میں پھینک دیا۔

پھر ان دونوں نے دیکھا کہ مچھلی کی مانند ایک سولہ سترہ فٹ لمبی ایک مہیب شکل کی مچھلی نمودار ہوئی۔ اس نے اپنا بھیانک جبڑا کھول کر اس کچھوے کو نگل لیا اور پھر دم ہلاتی ہوئی پانی کے اندر غائب ہوگئی۔

"او بھگوان۔" گوتم کے منہ سے نکلا۔ "فلموں میں اور حقیقت میں دیکھنے میں کتنا فرق ہے۔"

شارک کی جلد کا رنگ گلابی تھا اور وہ نہایت ہی قوی ہیکل تھی۔ اس کے جبڑے کی لمبائی کم از کم چار فٹ تھی۔ جبڑے کا نچلا حصہ چھوٹا اور اوپر کا بڑا تھا۔ جب اس نے منہ کھولا تو لمبے لمبے چمکدار سفید اور بے حد نوکیلے دانتوں کی قطاریں دکھائی دیں۔

"یہ دوبارہ سر اٹھائے تو بے کھٹکے ہارپون پھینک دینا۔" رندھیر بولا۔

ہم لوگوں نے حملے کا بہترین موقع کھو دیا بلکہ یہ ابھی ہمیں کچھ نہ کہے گی بلکہ کشتی کے ساتھ میلوں سفر کرے گی۔ اس کے دائیں بائیں اور چند مچھلیاں بھی ہوں گی۔ یہ بات تو اس شخص کی یاد ہے کہ شارک کبھی تنہا شکار کی مہم پر نہیں نکلتی۔" گوتم نے کہا۔

* * *

شارک مچھلی دیکھنے کے بعد ان کی جو دہشت ان کے دلوں پر بیٹھی' ان کے لیے ناقابل بیان تھی۔

کبھی وہ اسے کشتی کے آگے اور کبھی پیچھے دیکھتے تھے۔ سورج کبھی کا غروب ہو چکا تھا' مگر آسمان پر شفق کی سرخی ابھی موجود تھی اور انہیں سمندر دو تین میل تک آسانی سے نظر آ رہا تھا۔

ہارپون سنبھالے رندھیر اور گوتم کے بازو شل ہو گئے تھے۔ شارک نے پھر سمندر سے سر نہیں نکالا۔

ادھر رندھیر نے رائفل بھی قدموں کے پاس رکھ لی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ گولی شارک کے جسم کے نچلے حصے پر لگے تو بہت ہی کارگر ہوگی۔ اس لیے اس کے جسم کا نچلا حصہ بے حد نرم اور گداز ہوتا ہے۔

موت سامنے کھڑی ہو اور بچنے کی کوئی راہ ہو نہ امید تو ایک ڈرپوک موت سے ڈرنے والے شخص کا جو حال ہو سکتا ہے' کم از کم اس وقت رندھیر کا بھی یہی حال تھا۔ وہ اب تک حیران تھا کہ اس کے دل کی حرکت کیوں بند نہ ہوگئی اور وہ ہمیشہ کے لیے اپنا ذہنی توازن کیوں نہیں کھو بیٹھا۔ آخر بے حیائی اور ڈھیٹ پن کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ یہ اس کے صبر و تحمل کا امتحان تھا۔ رندھیر نے شارک کے حملے اور بعد میں جو کچھ ہوا اس کے بارے میں سوچا کہ وہ اپنی بیوی کو ضرور بتائے گا۔

شارک کو اتنے قریب اور حقیقی طور پر دیکھنے کا اس کی زندگی کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ اس کی خون آشامی کے بے شمار قصے کئی مرتبہ سنے تھے اور انگریزی فلمیں بھی دیکھی تھیں جن میں ان مچھلیوں کے گرد کہانیاں گھومتی تھیں۔ کبھی اس کے وہم و گمان میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ ایک دن ایسا بھی ہوگا جب اسے موذی اور انسانی لہو پینے کی شوقین آبی مخلوق کا سامنا کرنا پڑے

گا۔ اس کی شکل بنانے والے نے اتنی ہیبت ناک بنائی تھی کہ محض صورت دیکھ کر ہی پیشاب خطا ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ جب اس نے دو تین مرتبہ دیکھا تو اس کا پیشاب خطا ہوتے ہوئے رہ گیا تھا۔ گو کہ اسے بہادری کا اتنا دعویٰ نہ تھا' گوتم کو تھا۔ لیکن اس کا حال یہ تھا کہ تین مرتبہ ہارپون اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پانی میں گر پڑا تھا۔ اور شارک نے پلٹ پلٹ کر اسے چبانے کی کوشش کی تھی۔ اگر ہارپون کے ساتھ موٹی رسی بندھی نہ ہوئی ہوتی تو یہ قیمتی ہتھیار ہمیشہ کے لیے ہاتھ سے نکل جاتا۔ سورج غروب ہونے کے ٹھیک پون گھنٹے کے بعد شارک نے پہلا حملہ کیا تھا جس کی انہیں کوئی توقع نہ تھی۔

اندھیرے کی وجہ سے انہیں بھنور نظر نہ آیا اور نہ ہی شارک کی صحیح سمت کا اندازہ ہوا اور پھر یہ بھی پتا نہ تھا کہ شارک ایک ہے یا دو ہیں یا کئی ایک۔ رندھیر کو اندازہ ہو رہا تھا کہ حقیقت میں یہ لمحات بڑے جان لیوا ہیں اور اسے زندہ بچ جانے کا بالکل یقین نہ تھا۔ اب تک جتنی صعوبتیں اس سفر پر روانہ ہونے کے بعد اٹھائی تھیں وہ سب کی سب ہیچ اور بے سود دکھائی دینے لگیں۔ ویسے بھی اب تک اس کے حواس اس حد تک زائل ہو چکے تھے کہ اس آفت سے نمٹنے کی کوئی تدبیر سوچ کر نہ دیتی تھی۔ تدبیر کا یہاں کوئی دخل بھی نہ تھا۔ قدرت کی مدد اور اس کا آسرا تھا کہ وہ ہارپون سنبھالے کھڑے تھے۔ رندھیر سوچ رہا تھا کہ اس سفر میں دو ایک مزدوروں کو ساتھ لے لیا جاتا تو وہ کتنا کام دے جاتے۔

دفعتاً کشتی کو ایک زور کا جھٹکا لگا جیسے الٹ جائے گی۔ لیکن مخالف سمت سے آنے والی ایک شوخ اور سرکش لہر نے اس کا توازن آپ ہی آپ درست کر دیا۔ پھر مسلسل بھنور پڑنے لگے' جس میں کشتی پھنس کر لٹو کی طرح گھومتی رہی۔ وہ ایک دوسرے کے اوپر گرتے۔ قلابازیاں کھاتے اور پھر اٹھ کھڑے ہوتے۔ گوتم کا غصے سے برا حال تھا۔ وہ زور زور سے چیخ کر نہ جانے کیا اول فول بکتا رہا تھا۔ رندھیر نے اسے چپ کرانے کی کوشش کی اور اسے سمجھایا کہ اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ گلا یوں نہ پھاڑو۔ لیکن وہ اپنی حرکت سے باز نہ آیا۔ پھر رندھیر خاموش ہی رہا۔ اس سے کچھ نہ کہا۔

اب وہ خون خوار مچھلی کبھی بے ضرر جان کر آگے دکھائی دیتی' کبھی پیچھے۔ کبھی انہیں اس کا سرخ سرخ سر دکھائی دیتا تھا کبھی دم۔ اسے جیسے ایک ثانیے بھی قرار نہ تھا اور وہ پارے کی مانند سمندر میں تڑپ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں مشعل کی مانند روشن تھیں۔ انہیں ان آنکھوں سے شعلے اور چنگاریاں اٹھتی نظر آئی تھیں۔ وہ کشتی سے کوئی تیس فٹ کے فاصلے پر اس کے

ارد گرد چکر کاٹ رہی تھی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ لحہ بہ لحہ اس کا فاصلہ کشتی سے کم ہوتا جا رہا ہے۔ وہ اس تیزی سے چاروں طرف تیر رہی تھی کہ ان دونوں کو نگاہ جمانا مشکل تھا۔ ایک بار جو دھچکا سا لگا تھا وہ اس کی ٹکر تھی جو اس نے کشتی کے نچلے حصے میں ماری تھی۔ شاید وہ اندازہ کرنا چاہتی تھی کہ کشتی کس قدر مضبوط ہے۔

شارک مچھلیوں کے خطرے اور ٹکر سے بچاؤ کے لیے اس کے پیندے سے کوئی تین فٹ اوپر تھیں اور لوہے کی چادریں لگائی گئی تھیں اور ان چادروں میں چار چار انچ لمبی' موٹی موٹی اور بے حد نوکیلی میخیں بھی کثرت سے ٹھونکی گئی تھیں تا کہ شارک کا سر ان سے بار بار ٹکرائے تو زخمی ہو سکے۔

رندھیر نے شارک کی ہوشیاری کا اندازہ اس بات سے کیا کہ صرف ایک مرتبہ ٹکر مارنے کے بعد اسے پتا چل گیا ہے کہ یہ کام خطرناک ہے۔ چنانچہ اس لیے اس نے دوبارہ ٹکر نہ ماری۔

ادھر رندھیر اور گوتم کی کوشش یہ تھی کہ اسے کشتی کے نیچے نہ آنے دیں اور برابر اسے ڈراتے رہیں۔ ان دونوں نے کئی مرتبہ اس پر ہارپون پھینکے ہر بار وہ بڑی خوبصورتی اور چالاکی سے بچ کر نکل گئی اور شاید اس نے یہ بھی محسوس کر لیا تھا کہ وہ دونوں مسلح ہیں۔ جانور کو دشمن کے بارے میں اندازہ ہو جاتا تھا اس کے لیے خطرہ ہے۔ اس لیے وہ بڑی محتاط اور چوکنا رہتی تھی۔ رندھیر کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ ان کا واسطہ ایسی شارک سے ہے جو خاصی تجربہ کار اور نڈر ہے اور بھگوان ہی جانے کے وہ اب تک کتنے آدمیوں کے گوشت سے پیٹ بھر چکی ہو گی۔ ایک چیز ان دونوں کے لیے اطمینان بخش تھی کہ ان کا مقابلہ صرف ایک شارک سے ہے۔ اگر دو ہوتیں تو وہ کیا کرتے۔؟

'' بھگوان دیا کرے۔'' رندھیر نے گوتم کی آواز سنی۔ '' اس ایک شارک کی موجودگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم سمندر کے مخصوص حصے میں داخل نہیں ہوئے جہاں ان کی کثرت ہے۔ غالباً یہ اکیلی شارک شکار کی تلاش میں دور تک نکل آنے کی عادی ہے۔''

یہ سن کر رندھیر کے جو ہوش و حواس باقی تھے' وہ بھی جاتے رہے۔

'' کیا کہتے ہو گوتم۔!'' رندھیر نے ہانپتے ہوئے کہا۔ '' اس ایک مچھلی نے ناطقہ بند کر دیا ہے۔ اگر دس بارہ آ جائیں تو ہمارا نام و نشان بھی نہیں ملے گا۔ اور تم جیسے یہ خوش خبری سنا رہے ہو کہ ہم ان کے علاقے میں داخل نہیں ہوئے۔''

اندازہ تو میرا یہی ہے اور بھگوان کرے کہ یہ اندازہ غلط ہو۔ ان خون خوار مچھلیوں سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ سمندر میں ہولناک طوفان آنے کی دعا کرو۔ طوفان میں زیادہ سے زیادہ ہم اپنی منزل اور مقررہ راستے سے کسی قدر دور ہو جائیں گے۔ لیکن شارک مچھلیوں سے بہرحال نجات مل جائے گی۔ یہ طوفان سے بہت ڈرتی ہیں' فوراً ہی تہہ میں چلی جاتی ہیں۔"

ابھی اس نے یہ الفاظ ادا ہی کئے تھے کہ کشتی کو ایک زبردست دھچکا لگا۔ وہ ایسا دھچکا تھا کہ دونوں توازن برقرار نہ رکھ سکے آپس میں ٹکرا گئے اور پاگلوں کی طرح چیخنے چلانے لگے۔ انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ موت ان کے سروں پر ناچ رہی ہے۔ ہنس رہی ہے۔ قہقہے لگا رہی ہے۔ وہ چیخنے چلانے لگے اور پھر دھائیں سے ان کے سر پانی کے ڈرم سے ٹکرائے۔ گوتم بے ہوش ہو گیا اور پھر اپنے ساتھ اس نے رندھیر کو بھی گرا دیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے شرارے ناچ گئے۔ کشتی ایک کھلونے کی طرح پانی میں اچھل رہی تھی۔

"ہارپون۔ ہارپون۔" رندھیر نے چلا کر کہا۔

اس لمحے شارک کا مہیب سر کشتی کے بالکل قریب اٹھتا نظر آیا۔ رندھیر نے پوری قوت سے اپنا ہارپون پھینکا۔ شائیں کی آواز سے ہارپون مچھلی کی طرف گیا اور جبڑے کے نچلے حصے میں پیوست ہو گیا۔ شارک نے بل کھا کر کشتی پر دم ماری اور آناً فاناً پانی میں غوطہ لگا گئی۔

سو فٹ لمبی مضبوط رسی اس تیزی سے ہارپون سمیت کھلی کہ پانی سے باہر مستول سے بندھا ہوا سرا یک لخت تن گیا اور جھٹکے پر جھٹکے کھانے لگا۔

"رسی کاٹ دو۔ رسی کاٹ دو۔" گوتم ہوش میں آتے ہی زور سے چلایا۔ اس نے ایک لمحے میں سب کچھ جان لیا تھا۔

رندھیر نے رام داس بونے کا دیا ہوا چاقو جو کمر میں اڑسا ہوا تھا نکالا اور تنی ہوئی رسی پر ہاتھ مارا۔ کھچ سے رسی کٹ کر سمندر میں جا گری۔ رندھیر نے سوچا کہ اگر اس میں ایک لمحے بھی تاخیر ہو جاتی تو کشتی الٹ چکی ہوتی۔ شارک کا وزن ہی اتنا تھا کہ کوئی کشتی کو الٹ جانے سے بچا نہ سکتا تھا۔ رسی کٹتے ہی اس کا توازن درست ہو گیا۔ پانی کی ایک زبردست لہر کشتی سے ٹکرائی اور پھر وہ دونوں قلابازیاں کھانے لگے۔ ان کے بدن پانی میں شرابور اور کپڑے جسموں سے چپکے ہوئے تھے۔ شارک سے لڑائی میں ایک ہارپون ضائع ہو گیا تھا۔

جنوب کی طرف یکا یک ہوا کا ایک ریلا آیا اور اسٹیمر کی رفتار تیز ہونے لگی۔ دیکھتے ہی

دیکھتے ان کی کشتی بہت آگے نکل گئی۔ ایک خطرہ جو سر پر تھا اس سے نجات مل گئی تھی۔ لیکن انہیں اب بھی شارک کا خوف تھا۔

"شارک ہارپون کی ایک ضرب سے مرنے والی نہیں ہے۔" رندھیر نے خیال ظاہر کیا۔ "وہ کسی بھی وقت تعاقب میں آ سکتی ہے۔"

"یہ کیا ہے۔؟" یکا یک گوتم نے مشرقی افق کی طرف اشارہ کیا اور وہ تحیر زدہ سا ہو گیا۔

رندھیر نے اس سمت چونک کر دیکھا ایک سیاہ کثیف بادل کا بہت بڑا فضا میں اڑتا بڑا گولا سا کشتی کی طرف آ رہا تھا۔ اس کے سارے بدن پر خوف کی لہر بجلی کی طرح اڑ گئی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ وہ اپنی جگہ ساکت جامد سا ہو گیا۔

"یہ کیا۔ کوئی بلا ہے جو دھوئیں کی شکل میں ادھر آ رہی ہے۔؟" گوتم نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"ایسا ہی لگتا ہے۔" رندھیر نے ایک دم سے چونک کر کہا "کوڑھی نے کیا کہا نہیں تھا کہ سمندر اور قرب و جوار کے جزیروں میں بدروحیں' راتوں کو گھومتی رہتی ہیں۔ شاید کوئی بدروح ادھر آ رہی ہے۔"

سیاہ کثیف بادل کا جو دھواں ایک بڑے غبارے کی طرح تھا' وہ کشتی کے عرشہ پر ان کے سامنے اتر گیا۔ پھر وہ بادل رفتہ رفتہ چھٹ گیا اور اس میں سے بونا رام داس نمودار ہوا۔ وہ دونوں بھونچکے ہو گئے۔ رام داس ان کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

وہ سیاہ کثیف بادل فضا میں تحلیل ہو کر ان کی نظروں سے غائب ہو گیا۔

"تم۔؟" رندھیر نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ "کہیں ہم خواب تو نہیں دیکھ رہے ہیں؟"

"نہیں۔ یہ خواب نہیں ہے۔" بونے نے جواب دیا۔

"یہ دھواں کیسا تھا۔؟" رندھیر نے سوال کیا۔

"یہ سردار سریش کمار کا جادو۔" بونے نے جواب دیا۔ "ان کی تابع بدروحیں ہیں۔ ان کے حکم پر ایک بدروح نے مجھے یہاں پہنچایا اور واپس چلی گئی۔ اسے جو کام سونپا گیا تھا' اس نے پورا کیا۔"

"لیکن تم یہاں کیوں اور کس لیے آئے ہو۔؟" گوتم نے ناگواری سے کہا۔ "کیا سونے کے حصول کی خواہش کے لیے؟"

"آپ لوگوں کی مدد کے لیے۔" بونے نے کہا۔ "مجھے ذرہ برابر بھی سونے کی خواہش اور لالچ نہیں ہے۔ سونا میرے کس کام کا۔ دولت ایک عذاب سے کم نہیں ہوتی ہے۔ وہ انسان کا سکون چھین لیتی ہے۔" اس کا انداز کسی فلسفی کا سا تھا۔

"ہماری مدد کے لیے۔؟" رندھیر نے پلکیں جھپکائیں۔ "میں سمجھا نہیں۔ کس قسم کی مدد؟"

"سردار سریش کمار نے ہم تمام کوڑھیوں کو جمع کر کے کہا کہ اس وقت ہمارے مہمان دوست جو کشتی میں سفر کر رہے ہیں۔ وہ سخت مصیبت میں گرفتار ہیں۔ سمندر کے اس حصے میں ہیں جہاں شارک مچھلیاں ہوتی ہیں۔ انہیں ایک مچھلی بہت پریشان کر رہی ہے۔ میں ان کی مدد کے لیے وہاں کسی ایک کو روح کے ساتھ بھیجنا چاہتا ہوں۔ کیا کوئی جانے کے لیے تیار ہے۔ لیکن ایک بات سوچ لو۔ زندگی کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ میں نے فوراً اپنی خدمات پیش کر دیں۔"

اس کے عظیم جذبے پر رندھیر انگشت بدنداں رہ گیا۔ اس نے دل میں سوچا کہ یہ کوڑھی۔ بونا۔ ایک جرائم پیشہ تھا لیکن آج ایک اوتار کی مانند سامنے موجود تھا۔ ایک عظیم انسان۔ وہ اس کے سامنے اپنے آپ کو بونا محسوس کر رہا تھا۔ لوگ خوشیوں میں شریک ہوتے ہیں لیکن مصیبت میں کوئی بھی قریب نہیں پھٹکتا۔ نہ دوست۔ بھائی بہن۔ آخر اس بونے سے اس کا رشتہ کیا تھا۔ وہ نہ تو بھائی تھا نہ باپ۔ خونی کیا دور کا بھی کوئی رشتہ نہیں۔ وہ اس کے سامنے اتنا بلند ہو گیا تھا کہ وہ اسے چھو بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ اس گھڑی ان کی مدد کے لیے آیا تھا کہ موت سروں پر منڈلا رہی تھی۔ شارک موت بن کر تعاقب کر رہی تھی۔ وہ بونے کو چھو تو نہیں سکتا لیکن اس کے چرن تو چھو سکتا ہے۔!

جب وہ اس کے چرن چھونے کے لیے جھکا تو رام داس ہڑبڑا کے تیزی سے پیچھے ہٹا۔

"سوبھراج جی! یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ بھگوان کے لیے میرے پاس نہ آئیں۔"

"میں اپنے دیوتا کے چرن چھونا چاہتا ہوں۔؟" رندھیر نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"وہ کس لیے۔؟" بونا ایک دم سے بھونچکا ہو گیا۔ "دیوتا۔؟ کون میں۔؟ نہیں۔ میں دیوتا نہیں ہوں۔ میں بڑا پاپی ہوں۔"

"اس لیے کہ تم نے اپنی جان کی کوئی پروا نہیں کی' ہماری مدد کو آ گئے۔ جب کہ اس وقت ہم موت کے منہ میں ہیں۔" رندھیر نے جواب دیا۔

"جبکہ میں نے تمہاری زبردست ٹھکائی کی تھی۔ تذلیل اور نفرت کی۔ حقیر جانا تھا۔ مجھے شما کر دو دوست!"

"بھگوان کے لیے میری اتنی تعریف نہ کریں۔" رام داس نے کہا" میں یہ جانتا ہوں کہ اگر میں کسی کی مدد کرتے ہوئے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تو بھگوان میرے سارے پاپ معاف کر دے گا۔ میں سورگ میں ہوں گا۔ نرک کے عذاب سے بچ جاؤں گا۔"

ان دونوں کے درمیان یہ باتیں ہو رہی تھیں لیکن گوتم کچھ اور سوچ رہا تھا۔ دال میں کالا ہے۔ سردار سریش کمار نے اس بونے کو اس لیے کسی بلا کے ذریعے یہاں اتارا ہے کہ وادی موت پہنچ کر وہ ان دونوں کو موت کی نیند سلا دے' تاکہ اس خزانے پر قبضہ کیا جا سکے۔ سریش کمار نے چال چلی ہے۔ لہٰذا موقع پا کر اس بونے کو موت کی نیند سلا دینا ہو گا۔ وہ خاموش ہی رہا۔ اس نے بونے کی آمد پر کسی قسم کے جذبات اور خیالات کا اظہار نہیں کیا۔

گوتم نے اس زخمی شارک مچھلی کو کشتی کے تعاقب میں تیزی سے آتے دیکھا۔ ان کے خوف و دہشت کی انتہا نہ رہی' جب انہوں نے آس پاس تین شارک مچھلیوں کو گھومتے دیکھا۔ غالباً وہ اپنی ساتھی شارک خون کی بو سونگھ کر کشتی کے پیچھے پیچھے آئی تھیں اور ان تینوں میں وہ شارک بھی شامل تھی جسے رندھیر کے ہارپون نے زخمی کر دیا تھا۔

"اگر دوسرا ہارپون بھی ہاتھ سے نکل گیا تو بے موت مارے جائیں گے۔" گوتم نے کہا۔ "یہ ہتھیار ہی ہماری سلامتی کا ضامن ہے۔ لہٰذا اسے احتیاط سے پھینکنا۔"

یہ کہتے ہی اس نے رندھیر کے ہاتھ سے فوراً ہی رائفل لے کر ایک ابھرتی ہوئی شارک کا نشانہ بنایا۔ جونہی پانی سے باہر اس نے اپنا بڑا سر نکالا تو گوتم نے دھائیں سے فائر جھونک دیا۔ وہ چونکہ شکاریوں کی جماعت کے ساتھ شکار پر جاتا اور شکار کھیلتا تھا اس لیے بہترین نشانچی بن گیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ گولی شارک کی آنکھ میں لگی' وہ غوطہ کھا گئی۔

چند لمحوں کے بعد ان کے عقب میں ایک بڑا سا بھنور پیدا ہوا۔ رندھیر نے لپک کر ہارپون سنبھالا۔ اب وہ اسے پھینکنے میں خاصا مشاق ہو گیا تھا۔ یوں بھی اس کے بازوؤں میں ابھی بھی گوتم کے مقابلے میں زیادہ جان تھی۔ اس نے دانت بھینچ کر شارک کو فحش گالی دی۔ پھر دونوں بازوؤں کی ملی جلی قوت سے ہارپون تاک کر اس شارک کے مارا جو کشتی کو عقب سے اٹھانے آئی تھی۔ شارک اور کشتی کا فاصلہ کم تھا۔ اسی لیے ہارپون سنسناتا ہوا گیا اور اس کے کھلے جبڑے میں خپ سے کھب گیا۔

شارک نے تڑپ کر بل کھایا اور اس کی دم گھومتی ہوئی کشتی پر لگی۔ اس سے بیشتر کہ وہ کچھ سوچتے سمجھتے بونا فضا میں اچھلا اور دھڑام سے سمندر میں جا گرا۔ بھگوان کرپا کرے۔ رندھیر وہ منظر کبھی نہیں بول سکتا نہ بھولا تھا۔ آناً فاناً تمام شارک مچھلیاں وہاں آ گئیں اور انہوں نے بونے کی تکا بوٹی کر ڈالی۔ یہ مرحلہ چشم زدن میں طے ہو گیا اور انہیں اس وقت ہوش آیا جب کشتی اس مقام سے تقریباً نصف میل دور آ چکی تھی۔

"رام داس۔ رام داس۔" رندھیر نے گھٹی گھٹی آواز میں گوتم کی طرف دیکھ کر کہا۔

"صبر۔ صبر۔" گوتم نے اسے دلاسا دیا۔ اس کے لہجے میں افسوس تھا نہ دکھ تھا۔ سپاٹ سا لہجہ جو ہر قسم کے جذبات سے یکسر عاری تھا۔ اسے بونے کی موت پر دکھ کے بجائے ایک عجیب طرح کی خوشی ہو رہی تھی۔ "تم جذباتی نہ ہو۔"

"کیسے جذباتی نہ ہوں۔" رندھیر نے حیرت اور تکرار کے انداز میں کہا۔ "وہ آیا اور چند لمحوں کے بعد ہی موت کی نذر ہو گیا۔ کتنا عظیم جذبہ لے کر آیا تھا۔ ہم نے اسے حقیر جانا تھا لیکن وہ کتنا بے لوث اور پرخلوص نکلا۔ جب کہ ہم نے اس پر نہ تو کوئی احسان کیا اور نہ ہی کوئی بھلائی کی تھی۔ میں اسے مرتے دم تک فراموش نہ کر سکوں گا۔"

"دراصل اس بدنیت کی موت پر تمہیں اس قدر دکھ اور غم کس لیے ہو رہا ہے؟" گوتم نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"بدنیت۔؟ کس بات کی بدنیتی۔؟" رندھیر نے بھی تیز لہجے میں کہا۔

"وہ دراصل سونے کے حرص کے چکر میں آیا تھا۔ دنیا میں ہر شخص خود غرض ہے۔ وہ بھی خود غرض تھا۔ اس کا مر جانا ہمارے حق میں بہتر بھی ہوا ہے۔ سردار سریش کمار نے اسے ایک منصوبے کے تحت بھیجا تھا۔" گوتم نے بحث کی۔

"اگر ایسی بات ہوتی تو سردار کو ہماری کوئی ضرورت نہ تھی۔ اسے سونے کی خواہش یا لالچ ہوتا تو وہ اپنی بدروحوں سے کام لیتا۔ نہ تو ہمیں سپاہیوں سے بچاتا اور نہ ہی اتنی عمدہ کشتی خصوصی طور پر بنا کر دیتا اور نہ ہی بونے کو مدد کے لیے بھیجتا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم اس کے اور اپنے محسن کے بارے میں غلط انداز میں سوچ رہے ہو۔" رندھیر نے کہا۔

رندھیر نے جو ہارپون پھینکا تھا وہ شارک کے جبڑے سے الگ ہو کر پانی کے اندر ہی اندر الٹتا پلٹتا کشتی کے ساتھ ساتھ آ رہا تھا۔ رندھیر نے جلدی سے رسی پکڑی اور ہارپون کو کھینچ کر ہاتھ میں پکڑ لیا۔ بونے کی قربانی قبول کر کے شارک مچھلیاں خوش تھیں۔ اس لیے انہوں

نے اس کشتی کا تعاقب کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ اب انہیں کیا ضرورت محسوس ہوتی۔

اس حادثے نے رندھیر کو حد درجہ مایوس اور بددل کر دیا تھا۔ بار بار بونے کا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے آ جاتا تھا کہ ابھی وہ چند لمحے پہلے زندہ تھا۔ ساتھ تھا۔ لیکن اب وہ زندگی کی حدیں پھلانگ کر موت کے ایک لمبے سفر پر روانہ ہو گیا تھا۔

رندھیر کا دل اسے یاد کر کے دیر تک روتا رہا۔ واقعہ یہ تھا کہ بونے کی بے رحمانہ موت کے باعث اسے زندہ رہنے کا کوئی ارمان نہ رہا تھا' نہ کوئی خواہش۔ وہ جتنا بدصورت تھا' اس کا دل اندر سے بہت ہی خوبصورت تھا۔ اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ رندھیر کو اس دن اندازہ ہوا تھا کہ مصیبت میں ساتھ دینے والے کے ساتھ کیسی محبت اور کتنا انس پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ اس کا کوئی عزیز اور رشتہ دار نہ تھا۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ اس کے مرنے کا صدمہ کم از کم اسے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے اس کا حقیقی بھائی مر گیا ہو۔ لیکن گوتم کو کوئی دکھ نہیں ہوا۔ شاید اس لیے کہ وہ ایک سفاک اور بے رحم شخص تھا۔

شاید بونے کی اس قربانی کا نتیجہ تھا کہ شارک مچھلیوں نے ان کا پیچھا چھوڑ دیا۔ وہ دونوں اس اندھی اور سرد طوفانی رات میں بھگوان کے سہارے ایک سولہ فٹ لمبی اسٹیمر کشتی میں کس سمت جا رہے ہیں' انہیں کچھ اندازہ نہ تھا۔ رات کی وجہ سے سمت کا بھی تعین نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اندھیرے میں بھٹک گئے تھے۔

عارضی طور پر بونے کی موت کا غم بھلا کر رندھیر نے جائزہ لیا' اس لیے اب بھوک ستانے لگی تھی۔

یہ دیکھ کر اس کا دل بیٹھ گیا' چند ابلے ہوئے انڈوں اور ایک زندہ کچھوے کے سوا ان کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ شارک مچھلیوں سے جنگ کے دوران نہ جانے کس وقت پینے کے پانی کے ڈرم میں کئی سوراخ ہو گئے تھے اور اب اس میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں رہا تھا۔ ان کے جسم کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے جو فالتو تھے ان کی بھی یہی حالت تھی۔ فرسٹ ایڈ کا سارا سامان ناکارہ ہو چکا تھا۔ فی الحال اس کی انہیں کوئی ضرورت بھی نہ تھی۔ دن بھر کی شدید تھکن اور سفر کا یہ نتیجہ نکلا کہ انہیں بھوک نے بے حال کر دیا تھا۔ جب صبر و ضبط کا یارا نہ رہا تو باقی بچے ہوئے انڈے بھی ہڑپ کر لیے۔ تب انہیں قدرے سکون سا ملا۔

اب وہ بے چینی سے ان جزیروں کی راہ دیکھنے لگے جن کا پتا انہیں بتایا گیا تھا۔ انہیں کچھ اندازہ نہ تھا کہ انہوں نے کتنا فاصلہ طے کیا ہے۔ وہ کدھر جا رہے تھے۔ وہ ویران

جزیرے کتنی دور تھے۔

رات بھر سمندر کی موجوں پر کشتی چلتی رہی۔ کبھی وہ اس کا بادبان کھول دیتے' کبھی بند کر دیتے۔ افسردگی اور مایوسی کی انتہا کو پہنچے ہوئے اور آپس میں بات چیت کرنے کو ان کی طبیعت بھی نہیں چاہ رہی تھی۔ جیسے تیسے کر کے صبح ہوئی تو سورج نے اپنا مکھڑا دکھایا اور یہ معلوم کر کے ان کی پریشانی کی حد نہ رہی کہ وہ شمال کے بجائے مغرب کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ گویا رات بھر انہوں نے غلط سفر کیا تھا۔ فوراً ہی کشتی کا رخ بدلا۔ دن بھر چلتے رہے۔ دھوپ تیز تھی۔ فائدہ یہ ہوا کہ کشتی کا کیبن اور کپڑے خشک ہو گئے۔ بھوک دبانے میں کامیاب رہے' لیکن پیاس کہاں برداشت ہوتی۔

گوتم نے بے صبر ہو کر سمندر کا پانی ڈول میں بھر کر تھوڑا سا منہ میں ڈالا اور فوراً ہی تھوک دیا۔

''یہ پانی ہے یا زہر۔'' وہ چلایا۔ ''رندھیر اگر مجھے پانی نہ ملا تو میں مر جاؤں گا۔ کچھ کرو یار!''

''ذرا اٹھ کر دیکھو۔ ممکن ہے' پانی کے ڈرم کی تہہ میں شاید کچھ قطرے موجود ہوں۔'' رندھیر نے کہا۔

گوتم نے اٹھ کر ڈرم کا جائزہ لیا اور خوشی سے کہا۔ ''ہاں۔ ہاں۔ اس کی تہہ میں پانی موجود ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسے نکالا کیوں کر جائے۔ بس ایک ہی تدبیر ہے۔ کوئی کپڑا لے کر پانی میں بھگولوں اور اسے چوستا رہوں۔''

پھر اس نے لپک کر کپڑوں کا بنڈل کھولا۔ اس میں سے ایک رومال نکال کر ڈرم میں ڈالا اور تھوڑی دیر بعد نکال کر رومال اپنے کھلے منہ میں نچوڑ لیا۔ مشکل سے پانی کا ایک گھونٹ اس رومال سے برآمد ہوا۔ لیکن یہ گھونٹ کئی گھنٹے تک پیاس بجھانے کے لیے بہت تھا۔ گوتم نے ایک لمبا سانس لیا۔

''پانی بھی کتنی بڑی نعمت ہے۔'' رندھیر نے کہا۔ ''پانی زندگی ہے' امرت ہے۔''

''ہاں۔'' گوتم نے سر ہلایا۔ ''یہ ایک گھونٹ پانی نہیں ملتا تو میں مر جاتا۔''

ان کا ایک ایک لمحہ جان کنی کے عالم میں کٹنے لگا تو گوتم نے اس سے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''اب کیا سردار سریش کمار کو اس بات کا علم نہیں ہوا ہوگا کہ ہم پر کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ کیا وہ ہماری مدد کے لیے کسی کو نہیں بھیج سکتا۔!'' کیا اسے بونے کی موت کا علم نہیں ہوا ہو

گا؟''

''یقیناً ہوا ہوگا۔'' رندھیر نے جواب میں کہا۔ ''اسے بونے کی موت کا گہرا صدمہ ہوا ہوگا۔ اس لیے کہ وہ ہماری کسی قسم کی مدد کرنے سے قاصر ہے اور پھر وہ کسے بھیج سکتا ہے' کون آ سکتا ہے۔ وہ سب کے سب کوڑھی ہیں۔ بونے کو جذام کا مرض لاحق نہیں تھا اس لئے اسے یہاں بھیج دیا تھا۔ اور ہاں' ایک بات کان کھول کر سن لو۔ اب ہماری مدد کو کوئی بھی نہیں آئے گا۔ بھگوان بھی نہیں۔ ہمیں خود ہی اپنی جان پر کھیل کر منزل تک پہنچنا ہے۔''

گوتم اس کی بات سن کر خاموش ہو گیا۔ اس کے پاس رندھیر کی کسی بات کا جواب نہیں تھا۔

پہلے تو پانی کی آفت تھی لیکن اب انہیں دھوپ نے ستانا اور پریشان کرنا شروع کر دیا تھا۔ دھوپ کیا تھی' نری آگ تھی جو آسمان سے برس رہی تھی۔ اس مختصر سے کیبن کا سائبان کبھی کا پھٹ چکا تھا۔ یوں بھی جگہ اتنی تنگ تھی کہ اس میں بہ مشکل دو آدمی پناہ لے سکتے تھے۔ وہ دونوں بھی ایسے مصائب برداشت کرنے کے قابل نہ تھے۔ اس لیے ان کی کوشش تھی کہ کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو آرام پہنچایا جائے۔ لیکن آرام کہاں۔؟ اب ایک اور نیا عذاب ان پر مسلط ہو گیا تھا۔

سمندر کے نمکین پانی میں مسلسل دو شب و روز بھیگنے کے بعد جب کڑی دھوپ نے انہیں خشک کر دیا تو وہ نمک ہمارے جسموں میں سوئیوں کی طرح چبھنے لگا جو پانی کے ساتھ چمٹ گیا تھا۔ ایسی بے پناہ اذیت زدہ خارش ہوئی کہ وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپنے' لوٹنے اور تڑپنے لگے۔ ان دونوں نے نمک اتارنے کے لیے سمندر کا پانی استعمال کیا۔ وقتی طور پر تو سکون ملا مگر دس منٹ کے بعد ان کے بدن خشک تھے اور وہی خارش انہیں تڑپانے لگی۔ کھجاتے کھجاتے بدن پر نیل پڑ گئے۔ آخر خون رسنے لگا۔ فرسٹ ایڈ کے نام نہاد سامان میں کوئی چیز نہ تھی جو انہیں اس آفت سے نجات دلا سکتی۔ گوتم کی حالت بھی اچھی نہ تھی۔ وہ کشتی کے ایک تختے سے پیٹھ لگائے گردن جھکائے افیمیوں کی طرح جھوم رہا تھا۔ رائفل اس کے دونوں گھٹنوں پر دھری تھی۔ اس کے برہنہ بازوؤں کی مچھلیاں کبھی کبھی اس انداز میں پھڑکتیں جیسے وہ رائفل اٹھانا چاہتا ہو لیکن پھر ساکت ہو جاتیں۔ اس کی نظریں سمندر کی موجوں پر مرکوز تھیں۔ صبح سے اب تک ان دونوں کے منہ میں غذا کے نام سے ذرہ بھی نہیں گیا تھا۔ بھوک سے بے حال تھے۔ رندھیر کی حالت بھی گوتم سے بہتر نہ تھی۔ خارش کے باعث یہ حال۔ ہونٹوں پر پیاس

کے مارے پپڑیاں جمی ہوئیں۔ حلق کے اندر اسے انگارے بھرے ہوئے لگ رہے تھے۔ اٹھنے اور کھڑے ہونے کی سکت بھی نہیں تھی۔ کیبن کے بائیں پانی کے خشک ڈرم کے نزدیک رندھیر اوندھا پڑا موت کو یاد کر رہا تھا۔ موت اتنی بے رحم تھی کہ اس کی داد و فریاد سن نہیں رہی تھی۔

دماغ بے انتہا وہموں اور پریشان کن خیالوں کا مرکز بنا ہوا اس کا چین غارت کر رہا تھا۔ چند لمحوں کے لیے آنکھ لگتی تو اسے عجیب عجیب خواب نظر آتے۔ کبھی دیکھتا کہ وہ اپنے گھر پہنچ گیا ہے اور اس کی بیوی شیاما لپک کر آتی ہے اور اس کے گلے میں اپنی مرمریں سڈول اور گداز بانہیں حمائل کر دیتی ہے۔ پھر وہ والہانہ پن اور اس قدر وارفتگی اور خودسپردگی سے پیش آتی ہے کہ جذبات کی رو میں بہہ کر دور نکل جاتے ہیں۔ بچے اسے دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ کبھی دیکھتا کہ بہترین ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں بیٹھا نہایت لذیذ کھانے کھا رہا ہے۔ پھر خواب بدل جاتا ہے‘ وہ دیکھتا ہے کہ گوتم اس کی بیوی کے ساتھ غلاظت کے دلدل میں دھنسا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ آپے سے باہر ہو کر گوتم کو قتل کر دیتا ہے۔ پھر وہ اپنے آپ کو جیل کی کوٹھڑی میں بند پاتا ہے۔ اس کی بیوی جیل میں اس سے ملنے آتی ہے۔ گوتم نے ذلالت کی حدوں کو چھو لیا ہے۔ وہ مجھے کسی گدھ کی طرح نوچتا پھرتا ہے۔ اب ہر دو تین دن میں آتا ہے۔ سوچتی ہوں کہ اسے قتل کر دوں۔ پھر بچوں کا خیال آ جاتا ہے۔ پھر خواب بدل جاتا ہے۔ وہ گوتم کے ساتھ کوڑھیوں کی بستی میں پہنچتا ہے۔ پھر ہولناک غار میں قید۔ پھر اداکاراؤں کی باتصویر کتاب۔ وہ اسے ساری تصویریں اپنی بیوی کی لگتی ہے۔ پھر وہ یہ دیکھتا ہے کہ سمندر میں گر جاتا ہے اور شارک مچھلیاں اسے کھانے کے لیے اپنے بڑے جبڑے کھولے اسے کھانے کے لیے آ رہی ہیں۔ خوف زدہ ہو کر آنکھ کھل جاتی ہے اور وہ واقعی چیخ رہا ہوتا ہے۔

سارا دن اسی عالم میں گزر گیا۔ گوتم کا بھی یہی حال تھا۔ لیکن وہ خواب دیکھ رہا تھا۔ شیاما اور ان لڑکیوں اور عورتوں کا جو اس کی زندگی میں آئی تھیں۔ ان کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہا ہے۔ ان کی مہربانی اور فیاضی سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔

سارا دن اسی عالم میں گزر گیا۔ ان دونوں کو اتنا بھی خیال نہ رہا کہ کم از کم ایک زندہ کچھوا باقی رہ گیا ہے جس کے کچے گوشت سے بھوک مٹائی جا سکتی ہے‘ لیکن کچھوے کو مارتا کون۔؟ رندھیر کے اپنے آپ میں اتنی طاقت نہ رہی تھی کہ چاقو تک مضبوطی سے پکڑ سکے۔

یہی حال گوتم کا تھا۔ وہ نیم بے ہوشی کی سی کیفیت میں پڑا سہانے خواب دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد گوتم کو جب ہوش آیا تو اس نے زندہ کچھوے کے بارے میں بتایا۔ دفعتاً مغرب کی جانب بادلوں کے گرجنے کی آواز آئی۔ رندھیر نے بہ مشکل گردن اٹھا کر دیکھا تو اس کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ کالی کالی گھٹاؤں کا ایک عظیم بادل تیزی سے بڑھا آ رہا تھا۔ اس کے عقب میں بجلی کی کڑک اور چمک موجود تھی۔ چمک سے سارا آسمان لمحے کے لیے روشن ہو جاتا۔ وہ بارش جو دو روز قبل زحمت بن گئی تھی اب سراسر رحمت نظر آتی تھی۔ انسان بھی کس قدر عناصر فطرت کا محتاج ہے۔ یہ اس روز رندھیر پر ظاہر ہوئی تھی۔ یہ بارش زندگی کا پیامبر بن گئی تھی۔

آدھ گھنٹے کے بعد موسلا دھار پانی پڑ رہا تھا۔ رندھیر نے اپنا منہ کھول دیا اور اپنا حلق تر کیا۔ گوتم نے بھی یہی کیا۔ ان کی جیسے جان میں جان آئی۔ پھر ان دونوں نے مل کر جلدی جلدی خالی برتنوں میں پانی کا ذخیرہ کیا۔ پھر بڑے ڈرم کے سوراخ کپڑوں کی دھجیوں سے بند کئے اور اس کا منہ بھی کھول دیا۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ بعد بارش تھم گئی۔ آسمان صاف ہو گیا۔ پھر آسمان تاروں سے بھر گیا پھر انہوں نے کشتی کا جائزہ لیا۔ یہ دیکھ کر انہیں بڑا اطمینان ہوا کہ وہ صحیح سمت میں جا رہی تھی۔ اس کی رفتار معمول سے تیز تھی۔

"میرا خیال ہے کیپٹن رندھیر مکرجی۔ کیوں نہ کشتی کا بوجھ کچھ ہلکا کر دیں۔" گوتم نے کہا۔ "فالتو سامان سمندر کے حوالے کر دیا جائے تاکہ اس کی رفتار میں اور تیزی آ جائے۔ یہ کاٹھ کباڑ رکھ کر کرنا بھی کیا ہے؟"

"جو تمہاری سمجھ میں آئے کرو۔" رندھیر نے اکتا کر اس سے کہا۔ اس کے اس لہجے کی پشت پر گوتم کے خلاف نفرت بھری ہوئی تھی۔ اس نے جو دو ایک خواب میں گوتم کو اس کی بیوی کے ساتھ غلاظت کے دلدل میں دیکھا تھا اسے خواب سمجھ کر بھلایا نہیں تھا۔ اس کا دل پر بڑا اثر لے لیا تھا۔ اس لیے بھی کہ یہ ایک حقیقت تھی۔ گوتم اس کی بیوی کے ساتھ اسی طرح پیش آتا تھا۔

گوتم نے لکڑی کے ڈبے اٹھا کر لہروں کے سپرد کر دیئے۔ کچھوا ایک کونے میں پڑا تھا۔ کبھی کبھار وہ اپنے خول میں سے سر نکالتا اور حیرت کی نظروں سے اپنی گول گول پتلیاں گھما کر انہیں دیکھتا اور پھر خول میں گھس جاتا۔ گوتم نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ بونے والا چاقو جو رندھیر کے پاس تھا وہ لے کر اس پر پل پڑا۔ چند لمحوں کے بعد وہاں گوشت کے چند پارچوں

کے سوا کچھ نہ تھا۔ خول اور ہڈیاں اٹھا کر سمندر میں پھینک دی گئیں۔

"کاش۔ چولہا اور تیل سلامت رہتا تو یہ گوشت بھون لیا جاتا۔" رندھیر نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

رندھیر نے اپنا شک دور کرنے کی غرض سے ایک ٹکڑا اٹھا کر کتے کی طرح سونگھا اور ڈرتے ڈرتے زبان باہر نکال کر چکھا مگر کراہت سے منہ بنا کر اسے ایک طرف پرے پھینک دیا۔

کچھوے کا گوشت نہ صرف بہت سخت بلکہ کڑوا بھی ہوتا ہے رندھیر!" گوتم نے استہزائیہ انداز سے کہا۔ "بہتر تو یہ ہے کہ اسے یوں ہی پڑا رہنے دو۔ پر اتنا کرو کہ آج کی طرح کل بھی تیز بارش نکلے تاکہ ہم اسے دھوپ میں پکا سکیں۔ شاید اس کے بعد یہ کھانے کے قابل ہو جائے۔ فوراً مجھے وہ تھیلا اٹھا کر دے دو جس میں فرسٹ ایڈ کا سامان بھرا گیا تھا۔ مجھے یاد آ رہا ہے کہ اس میں ہمارے کوڑھی دوستوں نے مچھلی پکڑنے کے کانٹے اور کچھ ڈوری بھی رکھ دی تھی۔"

وہ رات انہوں نے فاقے سے کاٹی۔ نیند تو انہیں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں آئی۔ یوں بھی رندھیر طرح طرح کے بھیانک خواب دیکھ کر اس قدر بدحواس ہو چکا تھا کہ اسے پلک جھپکتے ہی خوف آتا تھا کہ گوتم اور اس کی بیوی غلاظت کے دلدل میں دھنسے نظر نہ آ جائیں۔ ایسا خواب تو نظر نہیں آیا تھا۔ لیکن ایسا خواب دو ایک مرتبہ شیاما کے ساتھ آیا تھا جس میں وہ جذبات کی افراتفری میں بہتا گیا تھا۔ لیکن جب اس کی آنکھ کھل جاتی تو اس ڈر سے آنکھیں بند نہیں کرتا تھا کہ کہیں خواب نہ بدل جائے۔ ایک بار اسے ایسا لگا کہ عرشہ پر شیاما حشر سامانیوں کے ساتھ کھڑی اپنی حسین' مرمریں' سڈول اور عریاں بانہیں پھیلائے اسے بلا رہی ہے۔ لیکن جب وہ بڑھا تو وہاں کچھ نہ تھا۔ بس ایک واہمہ سا تھا' نظروں کا فریب تھا۔ اسے شیاما اس قدر یاد آئی کہ وہ دیر تک اسے یاد کر کے پھوٹ پھوٹ کر روتا رہا۔ اب اس کے پاس آنسوؤں کا خزانہ رہ گیا تھا۔

رات کے پچھلے پہر تاروں کی مدھم روشنی میں شمال مغرب کی طرف افق کے نزدیک سرمئی رنگ کی ایک لکیر بہت دیر سے اسے نظر آ رہی تھی۔ رندھیر نے پہلے تو اسے اپنا وہم سمجھا اور گوتم کو نہیں بتایا۔ اس کے نزدیک ایسی بات نہ تھی کہ اس کا ذکر گوتم سے کیا جائے لیکن جب یہ لکیر زیادہ واضح اور نمایاں اور گہری ہونے لگی تو اس نے گوتم کا شانہ ہلایا۔ وہ غنودگی کے عالم

میں چت لیٹا ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی سہانے خواب میں کھویا ہوا ہے۔

"کیا بات ہے۔؟ کوئی نیا خطرہ میری جان۔؟" اس نے سکون سے پوچھا۔ "یا کوئی نئی آفت؟"

"ممکن ہے آفت ہو۔؟ کوئی نئی مصیبت ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ راحت ہو۔" رندھیر نے جواب دیا۔ "مغربی افق پر مجھے سرمئی رنگ کی ایک گہری اور نمایاں لکیر دکھائی دے رہی ہے۔ شاید ہماری کشتی خشکی کے قریب پہنچنے والی ہو۔ شاید کوئی جزیرہ آ رہا ہے جس کے بارے میں ہمیں بتایا گیا تھا۔؟"

"کیا کیا۔؟" گوتم حیرت اور خوشی سے اچھل پڑا۔

پھر وہ کھڑا ہو گیا۔ پھر ہاتھوں کی دوربین بنا کر مغرب کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہارا خیال سو فیصد درست ہے رندھیر!" گوتم نے سرشاری کے لہجے میں کہا۔ "یہ کوئی جزیرہ ہے۔"

"وہی جزیرہ ہوگا جس کا ہم سے ذکر کیا گیا تھا۔" رندھیر نے کہا۔ "انہوں نے ایک دو تین جزیروں کے متعلق کہا تھا؟"

"ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی ایک ہو۔؟ باہر کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔" گوتم نے خیال ظاہر کیا۔

اس سرمئی لکیر تک پہنچنے میں ان کی کشتی کو دو دن لگے تھے۔ جوں جوں وہ اس کے نزدیک ہو رہے تھے۔ ان کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ جزیرے پر اونچی اونچی پہاڑیاں دکھائی دیں۔ ان پہاڑیوں کے دامن میں گھنا جنگل بھی نظر آیا۔ یہ جزیرہ ویران نہیں سرسبز شاداب تھا' لیکن اس وقت اس حال میں نہ تھے کہ ساحل سمندر اور جزیرے کی دلکشی اور حسن و جمال سے متاثر ہو سکتے۔ کیوں کہ انہیں جلد از جلد بھوک اور پیاس مٹانے کی فکر تھی۔

جیسے تیسے کر کے کشتی کنارے پر آئی۔ ان دونوں نے اپنی پوری قوت صرف کر کے اس کا لنگر پانی میں گرایا اور پھر ریت کے اندر تین بڑی بڑی آہنی میخیں ٹھونک کر اسے رسوں سے باندھ دیا۔ اس کے بعد رندھیر نے رائفل سنبھالی اور چاقو ساتھ لے لیا۔ پھر وہ گرتے پڑتے جزیرے کی سیاحت پر روانہ ہوئے۔ اردگرد کے آثار سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہاں کوئی آدمی ہے نا حیوان۔ انہیں اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ جزیرہ خاصا سرسبز تھا۔ یہاں پھل دار درختوں کی کثرت تھی اور قدرتی چشمے بھی پہاڑی کے دامن سے پھوٹ رہے تھے۔

وہ ندیدوں کی طرح اس پانی پر ٹوٹ پڑے، جی بھر کر پانی پیا۔ پھر درختوں سے آلوچے کے ذائقے اور خوشبو والا ایک سرخ پھل توڑ کر ان دونوں نے کھایا۔ ہر طرف خودرو لمبی لمبی گھاس سر اٹھائے کھڑی تھی۔ اس گھاس کے اندر جانے سے انہوں نے اس لیے احتراز کیا کہ مبادا کوئی سانپ ہو اور جان کے لالے پڑ جائیں۔ حیرت کی بات تھی کہ درخت بندروں سے خالی تھے۔ جہاں تک انہیں گھومنے پھرنے کی ہمت پڑی اور جزیرے کی دیکھ بھال کی اور یہ دیکھ کر حیرت کے ساتھ ساتھ خوف طاری ہونے لگا کہ وہاں کوئی ذی حیات نہیں۔ آخر کیوں اور کس لیے۔ گوتم کہنے لگا۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم زمین کے دائرے سے نکل کر کسی اور سیارے میں تو نہیں پہنچ گئے ہیں؟۔ ایسے حالات تو کبھی دیکھے نہ سنے۔ بھگوان جانے اس میں کیا اسرار ہے۔؟ آدمی نہ آدم زاد۔ نہ بندر، چوہا نہ سانپ اور نہ ہی گیدڑ۔ نہ کیڑے مکوڑے اور نہ ہی پرند چرند۔ کوئی جاندار نہیں بستا۔ یار رندھیر! میرا دل اندر سے بہت گھبرا رہا ہے۔ جتنی جلد ممکن ہو اس منحوس مقام سے نکل چلو۔ بھگوان کے لیے ایک پل کی بھی دیر نہ کر، ورنہ کوئی ناگہانی آفت ہم پر ٹوٹ پڑے گی۔"

گوتم جیسا متحمل مزاج اور پرسکون شخص جو گائیڈ تھا اور جس کی معلومات شکاریوں کے ساتھ رہ کر بڑی وسیع تھیں۔ وہ بے حد خوف زدہ اور مضطرب تھا۔ رندھیر نے یہ وہم اس کے دماغ سے نکال دینے کے لیے بحث کرنا چاہی۔ مگر وہ سنی ان سنی کر کے ساحل کی طرف سرعت سے لپکا۔ مجبوراً رندھیر بھی اس کے پیچھے پیچھے دوڑا۔ ساحل پر پہنچ کر وہ ریت پر لمبا لمبا لیٹ گیا جیسے کسی نے اسے گھونسا مار کر گرا دیا ہو۔ وہ بری طرح ہانپنے لگا۔

رندھیر کی سانس تیز دوڑنے کے باعث بری طرح پھول رہی تھی۔ اس نے سانس بحال کرنے کے بعد پوچھا۔

"گوتم۔! آخر بات کیا ہے۔ تم اس قدر گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟ کیا تم نے کوئی عفریت دیکھ لیا؟ لیکن مجھے تو بظاہر کوئی خرابی دکھائی نہیں دیتی، سوائے اس کے کہ کوئی جاندار نظر نہیں آتا۔"

"بس یہی تو سب سے بڑی خرابی ہے رندھیر۔!" گوتم نے بدستور ہانپتے ہوئے جواب دیا۔ "جانوروں اور پرندوں کے یہاں نہ پائے جانے کی وجہ صرف یہ ہو سکتی ہے کہ جزیرے کی آب و ہوا سخت زہریلی ہے۔ اگر ہم یہاں زیادہ دیر تک رہے تو دیکھ لینا کہ ہم دونوں باری

باری مر جائیں گے۔ حماقت یہ ہوئی کہ سوچے سمجھے بغیر ہم نے پہاڑی چشموں کا پانی پی لیا۔"

"وہ سرخ آلوچے بھی تو کھائے ہیں ہم نے۔؟" رندھیر نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں، ہاں۔ اگل دو۔ سب کھایا پیا۔ اس میں دیر نہ کرو۔ فوراً قے کر ڈالو۔"

اس نے اپنے حلق میں انگلی ڈال کر قے کر ڈالی۔ رندھیر نے بھی اس کی پیروی کی۔ اسے الٹی کرنی پڑی۔ قے کرنے کے بعد وہ دونوں کنارے پر گئے۔ سمندر کے کنارے پانی سے اپنا منہ صاف کیا۔ اس وقت نقاہت اتنی تھی کہ ذرا سی حرکت کرنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ کبھی جزیرے کی سرسبزی اور شادابی پر نظر جاتی اور ان کا جی چاہتا کہ ساری زندگی یہیں بسر کیوں نہ کی جائے۔ زندگی کتنی حسین اور رنگین ہو جائے گی۔ کبھی اس کے ڈراؤنے اور پراسرار ماحول کا خیال آتا تو بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ رندھیر نے سوچا کہ کتنی عجیب بات ہے کہ تقریباً چار میل لمبے اور چوڑے جزیرے پر کوئی حیوان اور کیڑا مکوڑا تک نہ تھا

قے کرنے سے انہیں قدرے تسکین تو ہوئی۔ مگر تھوڑی دیر بعد ہی معدے میں انتڑیوں نے ایک دوسرے کو کھانا شروع کر دیا۔ وہ دونوں پاس پاس لیٹے ہوئے تھے اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھول کر اطمینان کر لیتے کہ وہ زندہ ہیں یا مر گئے ہیں؟

"گوتم! مر...... میں مر...... رہا ہوں۔" رندھیر نے حد درجہ تڑپتے ہوئے کہا۔ "ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی میرا گلا گھونٹ رہا ہے؟ میری آتما جسم سے نکالنا چاہتا ہے۔" شاید کوئی۔

گوتم یہ تفسیر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ اپنے دوست کی کوئی مدد کرنے سے مطلق قاصر تھا۔ اسے کیا ہوتا جا رہا ہے؟ کہیں کوئی بدروح تو نہیں ہو گی جو اس کی جان لینے کی کوشش کر رہی ہے۔ گوتم نے حیرت اور خوف سے سوچا۔

"نہیں۔ یہ کوئی بدروح نہیں ہے بلکہ یہ سب اس منحوس جزیرے کے پانی اور پھلوں کی کارستانی ہے۔" گوتم نے یہ کہہ کر جھک کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا۔ "بھگوان کرپا کرے۔ تمہارا جسم تو آگ ہو رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ معدے میں زہریلے پانی اور سرخ پھلوں کے گودے کی کچھ نہ کچھ مقدار اب بھی موجود ہے۔ جلدی سے ایک قے اور کر ڈالو، جلدی کرو۔"

لیکن اس کی حالت لحہ بہ لحہ بگڑتی جا رہی تھی۔ ہونٹوں کے کناروں سے جھاگ برابر بہہ کر گردن تک آ رہا تھا۔ چہرے کا رنگ ہلدی کی طرح زرد پڑ چکا تھا۔ جیسے جسم کا تمام خون کسی ان دیکھی خبیث روح نے چوس لیا ہو۔

"گوتم۔! اگر تمہیں میری اور میری بیوی اور بچوں کی زندگی عزیز ہے تو اب بھی وقت ہے۔ ہمت سے کام لو۔ اس جزیرے سے نکل بھاگو۔ میں بھی کوشش کرتا ہوں کسی نہ کسی طرح کشتی تک چلوں۔"

گوتم نے اس کے دونوں بازو پکڑے اور اسے سہارا دے کر تقریباً گھسیٹتا ہوا اس مقام کی جانب لے چلا جہاں کشتی پانی میں کھڑی ہلکی ہلکی لہروں کے تھپیڑے کھا رہی تھی۔ رندھیر کوئی بھاری بدن کا نہ تھا لیکن نصف فرلانگ کا فاصلہ طے کرنا اس کے لیے قیامت ہو گیا تھا۔ بازوؤں اور ٹانگوں سے جان نکلی جا رہی ہے گوتم کو محسوس ہو رہا تھا۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ اس نے تین چار بار رک کر سانس درست کیا۔ رندھیر کی کرب ناک حالت کے باعث اس کے ہوش و حواس کام نہیں کر رہے تھے۔ رندھیر کو کچھ ہو جانے کی صورت میں اس کا خود زندہ رہنا اور سفر جاری رکھنا دشوار تھا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ یکایک کس مرض نے رندھیر کو گرفت میں لے لیا ہے۔

گوتم نے جیسے تیسے کر کے رندھیر کو کشتی میں ڈالا۔ پھر اس نے جلدی جلدی میخیں اکھاڑیں، لنگر اٹھایا۔ بادبان کھولے اور جزیرے پر الوداعی نظر ڈالتے ہوئے چپو سنبھالے پھر کھلے سمندر میں آ گئے۔ سورج نکلے دو گھنٹے ہو چکے تھے۔ ہوا کا رخ بھی شمال مغرب کی جانب تھا۔ آدھے گھنٹے تک چپو چلانے کے بعد گوتم تھک کر بے دم ہو گیا اور اس نے کشتی کو لہروں کے سپرد کر دیا۔

رندھیر آنکھیں بند کیے بے حس و حرکت پڑا تھا۔ لیکن نیلا نیلا جھاگ اس کے منہ سے نکلنا بند ہو گیا تھا۔ لیکن سانس کی آمد و رفت بہت سست تھی۔ گوتم نے بارش کا جمع کیا ہوا پانی نکال کر چند قطرے اس کے حلق میں ٹپکائے اور آہستہ آہستہ اس کے تلوؤں کی مالش کی۔ چند لمحوں کے بعد رندھیر نے کروٹ لی اور آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھوں میں دہشت کے سائے لرزاں تھے۔

"اب کیا حال ہے رندھیر!" گوتم نے پوچھا۔ "یہ تمہیں کیا ہو گیا تھا؟"

"کیا ہم سمندر میں سفر کر رہے ہیں؟" رندھیر نے کھلے اور پھولے ہوئے بادبان پر نگاہ جماتے ہوئے جواب دیا۔

گوتم نے اثبات میں سر ہلایا تو رندھیر کچھ دیر اس کی آنکھوں میں جھانکتا رہا۔ پھر وہ مردہ لہجے میں بتانے لگا۔

"نہیں۔ معلوم نہیں کیا ہو گیا تھا۔ ایسا لگا کہ جیسے معدے میں کسی نے تیزاب ڈال دیا ہو۔ سینے میں تیز تیز ٹیسیں اٹھنے لگیں اور سینے میں سانسیں رکنے لگیں۔ سارا بوجھ میرے گلے پر پڑ رہا تھا۔ میں سمجھا کہ کوئی میرا گلا گھونٹ رہا ہے۔ لیکن وہاں تو تمہارے سوا کوئی نہ تھا۔ شاید یہ سرخ آلوچوں کا اثر تھا۔ جو میں نے ضرورت سے زیادہ کھا لیے تھے یا پھر چشمے کے پانی میں زہر ہو گا۔ بہرحال اب میں بہت بہتر ہوں، فکر اور پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔

ان دونوں کا خیال تھا کہ یہ محض کمزوری اور وہ بھی بھوک کے باعث۔ کچھوے کا جو گوشت انہوں نے تین روز قبل دھوپ میں ڈال دیا تھا اس خیال سے کہ اچھی طرح سوکھ جائے، سخت بدبودار اور بدذائقہ ہونے کے باوجود وہ ہڑپ کر گئے تھے۔ اس کے علاوہ کشتی کے کونے کھدروں میں پڑی ہوئی سرمائی مچھلی سے بھی بھوک مٹائی اور اب ان کے پاس کھانے کے لیے کوئی چیز تو درکنار کیل تک نہ تھی جو ان کے منہ میں اڑ کر جائے۔

رندھیر نے اردگرد چھوٹی موٹی مچھلیوں کو پانی میں اچھلتے اور غوطے لگاتے دیکھا تو پھر کانٹا اور ڈوری سنبھالی، تلاش کر کے بطور چارہ کچھوے کے گوشت کا لوتھڑا اس میں پھنسایا اور ڈوری سمندر میں پھینک دی۔ حرکت کرتی ہوئی کشتی پر سے اس انداز میں مچھلی کو شکار کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن عمل ہوتا ہے۔ لیکن انسان امید اور قدرت کے اعتبار پر اس طرح کی غیر ممکن حرکتیں کر کے دل و دماغ کو تسکین دیتا رہتا ہے۔ گوتم نے کانٹا اور ڈوری یہ کہہ کر سنبھال لی کہ وہ آرام کرے۔

رندھیر اوندھے منہ کر کے لیٹ گیا پھر سو گیا اور دیر تک سوتا رہا۔ اس نے پہلا خواب جو دیکھا وہ اپنی بیوی شیاما کا تھا۔ شادی کی سہاگ کی پہلی رات۔ شیاما دلہن بنی انتہائی حسین دکھائی دے رہی تھی۔ شرم و حیا نے اس کے چہرے پر ایسا نکھار پیدا کیا تھا کہ وہ مبہوت سا ہو گیا پھر ان کے عہد و پیمان اور محبت کا سفر ساری رات جاری رہا تھا۔ ایک نئی دنیا سے وہ آشنا ہوئے تھے۔ ایک نئی منزل پائی تھی اور ایسی سرشاری انہوں نے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔

دوسرا خواب جو اس نے دیکھا تھا وہ یہ تھا کہ وہ اور گوتم بمل داس گپتا کے ساتھ وادی موت پہنچے ہیں۔ سونے کی کان میں ایک خزانہ دفن ہے۔ خزانے سے میرا صندوقچہ نکالا گیا تو اس میں ہیرے جواہرات بھرے ہوئے تھے۔ گوتم نے اس کے سوا بمل داس گپتا کے آدمیوں کو شوٹ کر دیا۔ جب وہ ہیرے جواہرات کو تھیلے میں بھرنے لگا تو وہ سانپوں میں تبدیل ہو گئے۔ اس میں سے ایک سانپ نے نکل کر گوتم کو ڈس لیا۔ ایک دم سے اس کی آنکھ کھل گئی۔

رندھیر کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ سورج حسب معمول مغرب کی وادی میں روپوش ہونے کی تیاری کر رہا ہے۔ اس کے پاس ہی گوتم لمبا لیٹا ہوا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ چند دن کے اندر اس کے گال اندر کو دھنس گئے تھے۔ رخساروں پر تین چار انچ لمبی گھنی داڑھی اگ آئی تھی۔ اس کے کپڑے پھٹ کر تار تار ہو رہے تھے۔ اسے اپنے ساتھی کی یہ حالت دیکھ کر افسوس ہو رہا تھا۔ حالانکہ وہ اس کا دشمن تھا۔ اس کی بیوی کو بلیک میل کر کے اسے کھلونا بنایا ہوا تھا۔ ایک درندہ صفت ہوس پرست اور بدمعاش تھا۔ وہ جن حالات میں پھنسے ہوئے تھے' یہاں دشمنی کا کام نہ تھا۔

جب رندھیر نے اپنی حالت پر نگاہ کی تو وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ وہ اس سے بھی بدتر کیفیت سے گزر رہا تھا۔ فرسٹ ایڈ کے تھیلے سے آئینہ نکال کر اپنا جائزہ لیا تو خوش رو' صحت مند اور نوجوان رندھیر کی جگہ ایک عجیب الخلقت انسان نظر آیا۔ زرد زرد آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئیں۔ گالوں کی ہڈیاں دق کے مریض کی مانند ابھری ہوئیں۔ ہونٹ خشک' سر اور داڑھی اور مونچھوں کے بال بے تحاشا بڑھے اور الجھے ہوئے۔ گلے کی قمیص اور اس کے اوپر سوئیٹر جگہ جگہ سے پھٹا ہوا۔ پتلون کے پائنچے پھٹے ہوئے' کہیں کہیں سے ادھڑے ہوئے بھی۔ گھٹنوں پر سے دو دو انچ کپڑا غائب۔ جابجا ہاتھوں پیروں پر زخموں کے نشان۔ ران پر کالا سیاہ کھرنڈ جما ہوا۔ اس حالت میں اس کی سگی ماں بھی دیکھتی تو کبھی نہ پہچان پاتی۔ شیاما بھی اسے اپنا پتی ماننے سے انکاری ہو جاتی۔

پانی کے ڈرم میں اتنا پانی موجود تھا کہ اگر وہ کفایت سے کام لیتے تو کئی دن آرام سے نکال سکتے تھے۔ پھر بھی اس نے چلو بھر پانی سے حلق تر کیا۔ اسی پر اس لیے اکتفا کیا کہ پانی زیادہ دن تک چل سکے۔ کیونکہ پانی زندگی تھا۔ پھر اس نے کشتی کا جائزہ لیا۔ وہ صبا رفتار تھی اور شام کے وقت تیز ہو جانے والی ہوا کے سہارے ایک نامعلوم انجانی منزل کی طرف انہیں لے جا رہی تھی۔

توقع کے خلاف کانٹے میں پانچ پونڈ وزن کی ایک مچھلی پھنس گئی تھی۔ گوتم نے یک دم آنکھیں کھولیں اور نحیف آواز میں رندھیر کو خوش خبری سنائی۔ "اس کے لیے مجھے مسلسل تین گھنٹے تک بیٹھنا اور انتظار کرنا پڑا۔ وہ دیکھو کونے میں پڑی ہے۔ چاہو تو اسے کچا چبا لو۔ چاہو تو اسے کل کے لیے رکھ لو۔ دھوپ میں نمک لگا کر رکھ دیں گے۔ دو گھنٹہ بعد خستہ ہو جائے گی اور اس کا بدبودار پانی بھی نکل جائے گا۔"

"آہ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں آج بھی فاقے کا بھیانک منہ دیکھنا ہوگا۔" رندھیر نے کہا۔

"اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے۔" گوتم نے سپاٹ سے لہجے میں کہا۔ "اس لیے بھی کہ سمندر ہم سے انتقام لے رہا ہے۔"

"خوب ہے یہ انتقام۔؟" رندھیر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کیا ایک انسانی جان لے کر بھی سمندر کے انتقام کی پیاس نہیں بجھی۔؟ اگر ایسا ہی ہے تو میں سمندر میں کود جانے کے لیے تیار ہوں۔"

یہ سن کر گوتم بھی ہنس دیا اور بولا۔

"نہیں۔ سمندر تمہاری جان کا نذرانہ قبول نہیں کرے گا۔ اگر تم پانی میں بھی کود جاؤ گے' تب بھی مجھے یقین ہے کہ سمندر تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ آزمائش شرط ہے۔"

رندھیر نے پانی پر نگاہ ڈالی' کسی سبک رو ندی کی طرح سمندر خاموشی سے بہہ رہا تھا۔ اونچی اونچی تند خو لہریں اور دیو پیکر برافروختہ موجیں نہ جانے کہاں چلی گئی تھیں۔ رندھیر اسے آج کی غیبی قدرت کا کرشمہ ہی کہتا ہے جس نے اسے اس حماقت پر مجبور کیا تھا۔ سوچے سمجھے بغیر وہ اٹھا' اس سے پہلے کہ اسے گوتم روکنے کی کوشش کرتا' سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

جس وقت رندھیر نے سمندر میں چھلانگ لگائی۔ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کون سا لمحہ تھا۔ دیوانگی کا یا فرزانگی کا یا پھر اس سے بھی کوئی اور ذہنی کیفیت تھی۔ گوتم کے چلانے کی آواز اس کے کان میں آئی۔ وہ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

"ارے یار۔! کیا غضب کرتے ہو؟ میں تو مذاق کر رہا تھا۔"

پانی میں گرتے ہی جیسے ان دیکھی قوت نے رندھیر کے لیے اپنی آغوش وا کر دی تھی۔ وہ سر کے بل گہری۔ اندھی اور تاریک دنیا میں ڈوبتا چلا گیا۔ صرف ایک ثانیے کے لیے گردن موڑ کر کشتی کی طرف دیکھا۔ اسے گوتم کا حسرت زدہ چہرہ نظر آیا جو پلک جھپکتے میں غائب ہو گیا۔

پھر اس نے اپنے آپ کو بہاؤ کے ساتھ تیرتے' ڈوبتے' اچھلتے اور قلابازیاں کھاتے پایا۔ سمندر کی لہریں اس سے شوخیاں اور اٹکھیلیاں کر رہی تھیں۔ ابھی مشکل سے وہ سو سوا سو گز دور گیا ہوگا کہ عقب سے دس بارہ فٹ اونچی ایک تیز و تند لہر بل کھاتی اور جھومتی ہوئی آئی اور اس نے رندھیر کو آہستہ سے اوپر اٹھایا اور وہ فضا میں تیرتا ہوا چلا۔

جب اس کے اوسان بحال ہوئے تو اس نے دیکھا کہ وہ اسٹیمر کے اندر پڑا ہوا ہے۔

اس دیو پیکر لہر نے اسے ٹھیک کشتی کے اندر پٹخا تھا۔ یہ نہایت حیرت انگیز اور ناقابل یقین کرشمہ تھا۔ اگر کوئی بھی لاکھ قسمیں کھا کر بھی یقین دلاتا کہ ایسا ممکن ہے وہ کیا۔ کوئی بھی اعتبار نہ کرتا۔ اسے مذاق سمجھ کر اڑا دیتا۔

رندھیر کو ایک نئی زندگی ملی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں یقیناً کوئی بھلائی کی تھی جس کا صلہ اسے ملا تھا۔ اسے یہ سب کچھ ایک خواب کی طرح لگا تھا جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔

وہ رات انہوں نے کروٹیں بدل بدل کر ہذیان ہیجان میں گا گا کر۔ گالیاں بک بک کر بڑی اذیت سے کاٹی تھی۔ سورج کے طلوع ہوتے ہی ان کے ہوش و حواس جیسے خود بہ خود درست ہو گئے۔ پاگل پن کا دورہ ختم ہو گیا۔

ان دنوں ان پر عجیب عجیب انکشاف ہوئے تھے۔ پہلا انکشاف کوڑھیوں کے ہاں سے رہائی کے بعد ہوا تھا کہ آزادی کتنی بڑی نعمت ہے۔ سفر کے دوران پانی کی نعمت۔ پھر بارش جو زحمت سے نعمت میں بدل گئی۔ اور اب اس وقت سورج کا دیدار اور اس کی روشنی۔ کتنی عظیم نعمت ہے۔ ایسی نعمت جو ہزاروں وسوسے' لاکھوں وہم اور نہ جانے کتنے بھیانک احساسات اور تصورات کو چشم زدن میں ذہن سے کھرچ کر پھینک دیتی ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ زمانہ قدیم میں اور اب بھی افریقہ اور کئی ممالک کے قبائل سورج کی پوجا کرتے ہیں۔

شکار کی ہوئی مچھلی کے قتلے کیے گئے اور وہ فاقہ زدہ شکاری کتوں کی طرح ان قتلوں کے دھوپ میں خستہ ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ ہماری بے صبر نظریں ان چھوٹے چھوٹے سفید گوشت کے لوتھڑوں پر یوں جمی ہوئی تھیں کہ نگہبانی میں ذرا سی غفلت ہوئی تو انہیں کوئی اور اچک کر لے جائے گا۔ نقاہت اس درجے بڑھ چکی تھی کہ ہوا نے جب کشتی کا رخ شمال جنوب سے کچھ ہٹا دیا تب بھی انہوں نے کچھ پروا نہیں کی اور یہ سوچ کر دل کو تسلی دے لی کہ کشتی خود بہ خود ہی راہ راست پر آ جائے گی۔ وہ کہاں تک بازو آزماتے جائیں۔ اس یقین کا نتیجہ بلا شبہ یہی نکلا کہ چند میل دور کشتی خود بخود صحیح راستے پر گامزن ہو گئی۔

وہ پانچ روز تک کسی نئے حادثے کے بغیر مسلسل سمندر میں سفر کرتے رہے۔ یہ زندگی اور اس کی تمام دلچسپیوں سے بیزار کر دینے والا سفر تھا۔ گوتم حیران اور پریشان تھا کہ یہ سفر روز بہ روز نہ صرف لمبا بلکہ اذیت ناک ہوتا جا رہا ہے۔ منزل ہے کہ آنے کا نام نہیں لے رہی ہے۔ وہ نہ صرف خود کو بلکہ رندھیر کو تسلی دیتا' آس دلاتا رہتا تھا کہ منزل پر پہنچ جائیں گے۔ بمل داس گپتا کی جماعت جنگلوں میں بھٹک رہی ہو گی۔ باہر وحشی قبائلوں کے جو آدم خور بھی

ہیں ان کی خوراک بن گئی ہو گی۔ بالفرض وہ کسی نہ کسی طرح چل بھی پڑے تو ایک ڈیڑھ دو ماہ لگ سکتا ہے۔ اس لیے تو برسوں سے کئی پارٹیاں کوشش کرنے کے باوجود وادی موت پہنچ نہیں سکیں اور پھر اس نے دانستہ اس پارٹی کو وہاں چھوڑا کہ وہ مہینوں میں پہنچ پائیں گے۔

رندھیر اس کی باتوں کا یقین کر لیتا' مرتا کیا نہ کرتا۔ وہ جو اس کے رحم و کرم پر تھا۔

گوتم۔ دن دن بھر ایک اونچے سے تختے پر بیٹھا ڈوری اور کانٹا پانی میں پھینک کر مچھلیوں کا انتظار کرتا۔

ایک آدھ بار کوئی مچھلی پھنس جاتی اور وہ دونوں بہ مشکل ڈوری گھسیٹ کر مچھلی پکڑ لیتے' ورنہ تمام دن فاقے سے گزر جاتا۔ ان کی پسلیاں نمایاں ہو گئی تھیں اور پیٹ سکڑ کر پیٹھ سے جا لگے تھے۔ وہ بازو جن میں کبھی مچھلیاں تڑپتی تھیں۔ اب خشک لکڑیوں کی مانند سوکھ گئے تھے۔ کولہوں کی ہڈیاں ابھر آئی تھیں۔ داڑھی' مونچھوں اور سر کے بال بڑھ کر آپس میں بری طرح الجھ گئے تھے۔ وہ قدیم دور کے وحشی معلوم ہوتے تھے۔

چھٹے روز رات کے وقت پھر ایک ہولناک طوفان نے انہیں دبوچ لیا۔ پہلے تو موسلادھار بارش ہوئی جس میں انہوں نے منہ کھول کر کئی روز کی پیاس بجھائی۔ پھر خوب نہائے اور جسموں سے سمندری نمک اتارا۔ اس کے بعد ڈرم میں پانی جمع کیا۔ کشتی کو اونچی اونچی لہریں جھولا جھلا رہی تھیں۔ کبھی وہ ایک طرف لڑھک جاتے' کبھی دوسری طرف۔ جوں جوں رات بھیگتی گئی' طوفان کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا۔ گوتم کی شوخی عود آئی۔ اس نے کہا۔

''یار۔ کاش! اس سفر میں دو حسین ساتھی ہوتے۔ سفر اور بارش کا لطف دوبالا ہو جاتا۔''

رندھیر اس کی بات کی تہہ میں پہنچ گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس وقت شیاما کی کمی محسوس کر رہا ہے۔ اس نے گوتم کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس نے اپنی نفرت اور غصے کو دبا لیا۔ اسے خاموش پا کر گوتم نے پھر یہ موضوع نہیں چھیڑا۔

سورج نکلنے سے تھوڑی دیر پہلے یہ طوفان کم ہوا۔ البتہ بارش برابر ہوتی رہی تھی۔ اس میں کمی بیشی ہوتی رہی۔

البتہ کشتی برق رفتاری سے نامعلوم منزل کی طرف اڑتی جا رہی تھی۔ ان کے پاس پینے کے پانی کی خاصی مقدار جمع ہو گئی تھی اور کشتی کے اندر بھی پانی خوب بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اگر پانی اس طرح بڑھتا رہا تو کشتی کسی بھی وقت ڈوب سکتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے پانی نکالا۔ اتنے ہی سے کام نے انہیں بری طرح نڈھال کر دیا تھا۔

سورج جب اس وقت عین سروں پر تھا انہوں نے بہت دور ایک دھبے کی مانند آہستہ آہستہ حرکت کرتا ہوا ایک بحری جہاز دیکھا۔ پھر ان کے دیکھتے ہی دیکھتے یہ دھبا خاصا بڑا ہو گیا اور تھوڑی دیر بعد انہیں پتا چل گیا کہ یہ جہاز ان کی طرف بڑھ رہا ہے لیکن ایک گھنٹے اس کی حرکت کا جائزہ لینے سے احساس ہوا کہ یہ ان کی جانب تو نہیں بڑھ رہا ہے۔ البتہ یہ اس سمت آ رہا ہے جدھر ان کی کشتی کا رخ ہے۔ ممکن ہے جہاز والے ان کی کشتی کو دیکھ لیں۔ رندھیر نے رخ بدل کر اس سمت ہی آ جائیں۔

کوئی ڈیڑھ گھنٹے بعد گوتم نے خوشی سے چلا کر کہا۔

"اندھیر۔! وہ ہماری طرف آ رہے ہیں۔ انہوں نے ہمیں دیکھ کر راستہ بدل لیا ہے۔"

"کہیں ایسا تو نہیں' اس جہاز میں فوجی بھرے ہوں۔؟" رندھیر نے خوف و خدشہ ظاہر کیا۔

"نہیں۔" گوتم نے سر ہلایا۔ "یہ ایک مسافر بردار جہاز ہے۔ اس کے پرچم سے اندازہ ہو رہا ہے۔"

وہ دھڑکتے دل' تجسس اور اشتیاق بھری نظروں سے بحری جہاز کو آتا ہوا دیکھنے لگے۔ وہ ایک چھوٹا سا آئل ٹینکر جہاز تھا۔ جب وہ قریب آیا تو انہوں نے دیکھا کہ اس کے برج پر نوجوان لڑکیوں' عورتوں اور آدمیوں کا ایک ہجوم ہے جو انہیں حیرت اور تجسس سے دیکھ رہا تھا۔ جہاز کے وردی پوش آفیسر اور ملاح بھی تھے۔ عورتوں کے لباس نہ صرف شوخ بلکہ بھڑکیلے بھی تھے' جس میں ان کے پرکشش جسم اور نشیب و فراز اور خدوخال کی نمائش ہو رہی تھی۔ مردوں نے موسم کے مطابق سوٹ پہن رکھے تھے۔ یہ بات ان کے لیے حیرت کی تھی کہ ایک آئل ٹینکر پر بھی مسافر ہو سکتے ہیں۔ جہاز نے اپنی رفتار خاصی ہلکی کر دی تھی۔ کشتی سے ان کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو فٹ ہو گا۔ اتنے میں نیلی وردی میں ملبوس کپتان نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بھونپو تھا۔ اس نے پکار کر انگریزی زبان میں کہا۔

"تم لوگ کہاں سے آئے ہو۔؟"

"بحرالاصوبے سے۔" گوتم نے جواب دیا۔

"کیا تم فرانسیسی بول سکتے ہو۔؟" ایک عورت نے اپنے منہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"نہیں۔" گوتم نے سر نفی میں ہلا دیا۔ "ہم صرف ہندوستانی اور انگریزی بول سکتے

ہیں۔"

"اس گہرے سمندر میں اتنی چھوٹی سی کشتی میں سفر کرنا بے وقوفی ہے۔" کسی مرد کی آواز آئی۔

"یقیناً۔" رندھیر نے جواب دیا۔ "ہم مہم جو ہیں اور جزیروں کی سیاحت پر نکلے ہیں تاکہ معلومات حاصل کی جا سکیں۔"

یہ آئل ٹینکر برٹش تھا' کیونکہ کپتان اور ملاح انگلش بول رہے تھے۔ وہ فرانسیسی نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے اس فرانسیسی عورت کو ترجمان بنا کر ان سے کہا کہ وہ انہیں جہاز پر سوار کرانے کے لیے تیار ہیں اور ہماری کشتی کو جہاز سے باندھ لیں گے۔ رندھیر نے گوتم سے مشورہ کیا۔ اس کا جواب یہ تھا کہ اگر وہ کیرالہ یا مدراس گئے تو انہیں کوڑھیوں کے جزیرے کے پاس سے گزرنا ہو گا اور ادھر لے جائیں گے اور پھر ان کی منزل اور ہے۔ یوں بھی سفر میں کتنے ہی دن ضائع اور برباد ہو گئے ہیں۔

رندھیر نے تھوڑی دیر کے بعد چلا کر کہا۔

"اس مدد کے لیے ہم کپتان اور خاتون کے شکر گزار ہیں۔ ہم اس کشتی میں ہر طرح خوش اور محفوظ ہیں۔ چونکہ ہماری منزل اور ہے اور تین چار دن کی مسافت پر ہے۔ اس لیے اس خلوص اور محبت کے ممنون ہیں۔"

کپتان نے عورت کے کہنے پر ان سے کہا۔

"آپ لوگوں کی حالت بڑی ابتر ہے اور کشتی کی بھی۔ کیا آپ لوگوں کے پاس کھانے پینے کی اشیاء موجود ہیں؟"

"دراصل طوفان کی زد میں کوئی دو تین مرتبہ آئے' اس لیے یہ حالت ہوئی ہے۔ سارا سامان سمندر میں بہہ گیا ہے۔ ہم تین دن سے بھوکے ہیں۔ بارش کا جمع کیا ہوا پانی پی کر گزارا کر رہے ہیں۔" رندھیر نے بتایا۔

چند لمحوں کے بعد کپتان نے کشتی کو جہاز کے قریب اور نیچے لانے کے لیے کہا۔ کچھ دیر بعد بید کی ایک خاص بڑی ٹوکری جہاز کے بالکل نیچے کشتی لانے کے بعد اوپر سے لٹکا دی گئی۔ اس ٹوکری میں کھانے پینے کی اشیاء بھری ہوئی تھی۔ ہنٹر بیف' چکن بروسٹ کے بند ڈبے۔ ابلا ہوا مٹن۔ مچھلی' انڈے' مکھن' جام جیلی اور مایونیز بھی تھا۔ اس ٹوکری میں اردگرد کے تمام جزائر اور ریاستوں پر مشتمل ایک عمدہ نقشہ بھی تھا۔

"نقشے کو غور سے دیکھو۔" کپتان نے کہا۔ "یہ مشرق کی جانب سفر مت کرنا۔ وہاں بحری قزاق ہوتے ہیں۔ وہ بڑے ظالم اور سفاک ہوتے ہیں اور ان کی عورتیں بھی لبھا کر لانچوں، اسٹیمروں اور کشتیوں کو لوٹ لیتی ہیں۔ وہ حسین اور نوجوان لڑکیوں کا چارہ ڈال کر شکار کو جال میں پھانس لیتی ہیں۔"

"قریبی جزیرہ یہاں سے کتنے فاصلے پر ہوگا؟" رندھیر نے سوال کیا۔

"ایک جزیرہ امریکن فیلڈ ہے جو دو دن کی مسافت پر آتا ہے۔" کپتان نے کہا "یہ امریکیوں کی کالونی ہے جو انہوں نے کیرالہ حکومت کی اجازت سے قائم کی ہے۔ اس میں کیا کچھ نہیں ہے۔ ہر وہ تفریح موجود ہے جو امریکہ کے کسی بھی شہر میں ہوتی ہے۔ امریکی سمندر سے موتی نکال کر ساری دنیا میں فروخت کرتے ہیں۔"

"کہیں تمہاری منزل امریکن فیلڈ تو نہیں ہے۔؟" فرانسیسی عورت نے دریافت کیا۔

"نہیں۔" رندھیر نے جواب دیا۔ "دراصل ہم ایک ایسے جزیرے کی طرف جا رہے ہیں جو غیر متمدن اور غریب تہذیب یافتہ اور انسانیت سے نا آشنا ہے۔ ہم انہیں تہذیب، تمدن اور انسانیت سے آشنائی کرانا چاہتے ہیں۔"

ہم سب تمہاری کامیابی کے خواہش مند ہیں۔" کپتان نے کہا۔ "اس جرأت و استقلال پر آفرین ہے۔"

ان لوگوں کا ان دونوں نے شکریہ ادا کیا۔ جہاز خاصی دیر تک کھڑا رہنے کے بعد دور ہٹنے لگا۔ ان کی نگاہوں کی گرفت میں جو لڑکیاں اور عورتیں تھیں۔ ان کے منی سکرٹ، سڈول گوری پنڈلیوں، مرمریں عریاں بانہیں اور کھلے گریبانوں کے نظاروں نے ان کی ساری تھکن، کوفت اور بے زاری اتار دی تھی۔ اس ہیجان خیز نظاروں سے ان کا جی نہیں بھرا تھا۔ وہ حسینائیں ان دونوں کو ستائش بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ ہاتھ ہلا ہلا کر اس وقت تک الوداع کرتی رہی تھیں کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ افق کی سیاہ لکیر کے پاس پہنچ کر سیاہ دھبا نظر آنے لگا۔

یہ بلاشبہ ان کے لیے بہت بڑی غیبی امداد تھی جس کا انہیں وہم و گمان نہ تھا۔ رندھیر سوچ رہا تھا کہ زندگی میں اس نے ہمیشہ بھوکوں کو کھانا کھلایا تھا اور کھلاتا رہتا تھا۔ کبھی بخل سے کام نہیں لیا تھا۔ اس کا ایک مسلمان دوست بشیر روزانہ تین چار بھوکوں کو کھلاتا تھا۔ بھوکوں اور محتاجوں کو ڈھونڈتا تھا۔ ایک روز اس نے بشیر سے پوچھا تھا کہ تم ان پر اتنا خرچ کیوں کرتے

ہو؟ اس نے جواب دیا تھا کہ ہمارے مذہب میں بہترین عمل بھوکے کو کھانا کھلانا ہے۔ جب وہ کسی نشہ باز کو بھی کھانا کھلاتا تو رندھیر کہتا تھا کہ یہ شخص تو نشہ باز ہے۔ بشیر جواب دیتا کہ بھوکا تھا۔ پھر وہ بھی بھوکوں کو کھانا کھلانے لگا تھا۔ اسے ایک دن کسی وجہ سے بھوکا رہنا پڑا تو احساس ہوا تھا کہ بھوک کیا ہوتی ہے۔؟ کتنی ظالم ہوتی ہے۔ شاید اس کی وہی بھلائیاں آج کام دے گئی تھیں۔ اچانک اور غیر متوقع۔ ایسا لذیذ اور پر تکلف کھانا جس کا خواب میں بھی نصیب ہونا ممکن نہیں تھا۔

اس میں نہ صرف خوش ذائقہ اور تازہ روٹی تھی بلکہ کلب سینڈوچز، منرل واٹر اور کولڈ ڈرنکس بھی تھیں۔ کلب سینڈوچز کھاتے ہی ان کا پیٹ بھر گیا۔ ٹوکری میں اتنی خوراک موجود تھی کہ جوان کے لیے تین چار دن تک با آسانی تین وقت کھانے سے کم نہ پڑتی۔ گوتم نے نقشہ دیکھ کر بتایا کہ امریکن فیلڈ سے وادی موت تین چار دن کی مسافت پر ہے۔ وہاں سے روانہ ہو کر وہ اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔

"اس امریکن فیلڈ کے بارے میں کیا تم نے کبھی سنا؟" گوتم نے کوک حلق سے اتارتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" رندھیر نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "اس جہاز کے کپتان سے اس جزیرے اور امریکیوں کے بارے میں علم ہوا۔"

"امریکیوں نے وہ جزیرہ کیرالا حکومت سے پٹے پر لیا ہوگا۔" گوتم بولا "یہ گویا ان کے ہاتھ موتیوں کا خزانہ لگا ہے۔"

"یہ امریکی بڑے غاصب، ذلیل اور سانپ فطرت کے ہوتے ہیں۔" رندھیر نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ "وہ ساری دنیا کی دولت پر اپنی اجارہ داری قائم کرتے ہیں۔ وہ تیل کے خزانوں پر قابض ہیں۔ قابض ہونے کے لیے دہشت گردی، سازشوں اور خون خرابوں سے باز نہیں آتے ہیں۔ انہوں نے ساری دنیا کو انتشار کا شکار کیا ہوا ہے۔ یہاں دور افتادہ مقام پر انہوں نے اپنی کالونی بنائی ہوئی ہے۔ اس جزیرے کو امریکی شہر کا نمونہ بنا دیا ہے۔ بقول کپتان، ہر قسم کی تفریح موجود ہے۔ یہ ایک عیاش قوم ہے۔ مرد اور عورتیں بھی مادر پدر آزاد ہیں۔ ان کے ہاں قیود نہیں ہیں۔ آزاد معاشرہ ہے، ان کے ہاں بے شرمی، بے حیائی اور عیاشی عام ہے۔ ان میں اور حیوانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ان کے ہاں حرام اولادوں کا تناسب زیادہ ہے۔ غیر مردوں اور عورتوں کے تعلقات ان کے معاشرے کا ایک حصہ ہے۔ دراصل

وقت کی بانہوں میں بہت دور چلے جاتے ہیں۔ مجھے ان امریکیوں سے سخت نفرت ہے۔ اس لیے کہ ساری دنیا میں انہوں نے انارکی پھیلائی ہوئی ہے۔"

"سنو دوست۔؟" گوتم نے اسے ٹوکا۔ "تم بے حد جذباتی ہو رہے ہو؟ وہاں جا کر اپنی نفرت اور حقارت کا اظہار نہیں کرنا۔ ہم وہاں ایک دو دن رہ کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ ہماری بہتری اسی میں ہے کہ اپنے احساسات کا کوئی ذکر نہ کریں۔"

"اور وہاں۔ تم بھی ایک بات کا خیال رکھنا۔؟" رندھیر نے تاکیدی لہجے میں کہا۔

"کس بات کا؟" گوتم نے اس کی طرف متعجب نظروں سے دیکھا۔

"وادی موت کا۔" رندھیر نے جواب دیا۔ "یہ امریکی بڑے سور ہوتے ہیں۔ ان کے علم میں یہ بات آ گئی کہ وہاں کروڑوں کی مالیت کا خزانہ ہے' سونے کی کان ہے۔ وہ ہم سے پہلے پہنچ کر قابض ہو جائیں گے اور ہمیں وہاں جانے نہیں دیں گے۔"

"تم سچ کہتے ہو۔ ہمیں محتاط رہنا ہوگا۔" گوتم نے کہا۔ "بھولے سے بھی اس کا ذکر کر دیا تو یہ امریکی کسی بہانے ہمیں موت کا نشانہ بنا دیں گے۔ ان سے کون پوچھے گا کہ ہمیں کس لیے اور کیوں موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ وہ ہمیں دہشت گرد قرار دے کر مار دیں گے۔ ان کے نزدیک یہ ایک عام سی بات ہے۔"

وہ دو دن بعد ایک طرح سے پکنک مناتے ہوئے بخیر و عافیت امریکن فیلڈ پہنچے۔ ان کے پاس جو خوراک تھی' اس سے انہوں نے خوب لطف اٹھایا تھا اور پھر سمندر پرسکون اور آسمان معتدل۔ امریکن فیلڈ کا ساحل ابھی نگاہوں سے اوجھل تھا کہ سفید سفید مرغابیوں اور چھوٹے چھوٹے جن بگلوں کی لمبی لمبی ڈاریں۔ مشرق سے مغرب کی جانب پرواز کرتی دکھائی دیں۔ بحری پرندوں کا دکھائی دینا اس بات کی نشانی تھی کہ زمین قریب ہے۔ ان دونوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ نئی دنیا اور نئی سرزمین دیکھنے کا شوق کسے نہیں ہوتا۔ ایک جوش و خروش کا عالم ہوتا ہے اور پھر کپتان نے یہ بھی تو بتایا تھا کہ جس سے ان کا تجسس اور اشتیاق جنون کی حد تک بڑھ گیا تھا کہ یہ جزیرہ امریکی کالونی ہے۔ امریکی شہر کی مانند۔ اس جزیرے پر ہر وہ تفریح موجود ہے جو کسی بھی امریکی شہر میں موجود ہے۔ ایک طرح سے یہ منی امریکہ ہے۔ چونکہ وہ مہم جو تھے اس لیے انہیں اس بات کی قوی امید تھی کہ امریکن فیلڈ میں ان کا استقبال خوش دلی اور گرم جوشی سے کیا جائے گا۔ کیونکہ کھلے سمندر میں جو بہت خطرناک ہے ایک کشتی میں سفر کرنا بہت بڑی بات ہے۔ وہ ان کی پذیرائی کھلے دل سے کریں گے۔

سونے کے حصول اور شیاما کو ایک ناگ' سود' قرض اور احساس محرومیوں سے نجات پانے کے لیے سیر و سیاحت اور مہم جوئی کا ولولہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا تھا۔ اس کے سامنے زندگی کی وہ منزلیں جنہیں دیکھنے کا کبھی بھولے سے بھی خیال نہ آیا تھا۔ اب یہاں وہ ڈر اور خوف نہ تھا' جو کوڑھیوں کی آبادی اور جزیرے کے ساحل پر بحری سپاہیوں کا تھا۔ اس امریکن فیلڈ کالونی میں ایک دو دن ستانے کی غرض سے جا رہے تھے۔ اس منی امریکہ کو دیکھنے کے خیال نے ایسی سرشاری طاری کر دی تھی کہ وہ سب کچھ فراموش کر بیٹھے تھے۔

صبح نو بجے کا وقت تھا کہ مغربی افق پر ایک سرمئی لکیر انہیں نظر آنے لگی۔ وہ دونوں خوشی سے اچھل پڑے اور آپس میں بغل گیر ہونے لگے۔ پھر بچوں کی طرح اچھلتے کودتے اور گلے پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگانے لگے۔ اس وقت انہیں اس عالم میں کوئی دیکھتا تو یہی کہتا کہ پاگل ہو گئے ہیں۔ مشرقی ہوائیں کشتی کو دھکیل کر مغرب کی جانب لے جا رہی تھیں اور وہ دونوں آنکھوں کی دوربینیں بنائے' اس سرمئی لکیر کو دیکھ رہے تھے جو کبھی پوری طرح نظر آنے لگتی اور کبھی غائب ہو جاتی۔ ایک تماشا سا ہو رہا تھا۔

سہ پہر چار بجے وہ اس قدر نزدیک پہنچ گئے کہ اس لکیر کے ساتھ ساتھ درختوں کے جھنڈ اور ان درختوں کے عقب میں چھوٹی بڑی اور خوبصورت اور پرشکوہ عمارتوں کی چھتیں صاف دکھائی دینے لگیں۔ پھر ایک گھنٹے کے بعد انہیں ساحل پر چلتے پھرتے لوگ' وہاں ٹھہری کشتیاں اور اسٹیمر نظر آنے لگے اور پھر مرد' نوجوان لڑکیاں اور عورتیں بچے پیراکی کے منفرد لباس میں نہاتے ہوئے ایک جگہ جمع ہونے لگے۔ کوئی بیس منٹ کے اندر اندر کوئی سینکڑوں بلکہ ہزاروں افراد کا مجمع تھا اور وہ سب کے سب حیرت و شوق سے ان کی آمد کے منتظر' بہت سوں نے اپنے رومال اور اپنی ٹوپیاں ہلا ہلا کر اور فضا میں اچھال اچھال کر مسرت سے بھرپور نعرے بھی لگائے کہ جیسے وہ بہت بڑے ہیرو ہوں جو سمندر کی تسخیر مہم کامیابی کے ساتھ سر کر کے آ رہے ہوں۔

پھر جوں ہی ان کی کشتی ایک جگہ رکی بے شمار آدمی دوڑتے ہوئے اور گھٹنوں گھٹنوں پانی میں اچھلتے کودتے ان کی طرف بڑھے۔

ان کے آگے آگے تین آدمی وردیاں پہنے اور پیٹی کے ساتھ ساتھ لمبے لمبے ریوالور لٹکائے چل رہے تھے۔ ان میں دو سیاہ فام اور ایک سفید چمڑی والا امریکی بھی تھا۔ چھ فٹ سے زیادہ قامت کا۔

"خوش آمدید۔ دوستو۔" سفید فام نے ہاتھ اٹھا کر انہیں سلیوٹ کیا۔ "امریکن فیلڈ

کالونی آپ کا استقبال کرتی ہے۔ آپ ایک جزیرے پر ہیں۔ ہماری روایت ہے کہ ہم مہمانوں کا استقبال کرتے ہیں' چاہے وہ کوئی بھی ہوں۔"

انہیں اس بات کی خوشی ہوئی کہ ایک امریکی ہندوستانیوں سے اس عزت اور محبت سے بات کر رہا تھا۔ وہ ایشیائیوں سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ یہ بات رندھیر کے علم میں تھی۔ اس نے باری باری ان دونوں سے گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔

مجمع میں ہر فرد ان سے ہاتھ ملانے اور ان کی جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب تھا۔ لڑکیاں اور عورتیں بھی تھیں جو سمندر میں نہاتی اور تیرتی ہوئی آ گئی تھیں۔ ان کے گیلے بدن اور نیم عریانی اور جسمانی کشش اور شادابی ان دونوں کو متوجہ کر رہی تھی۔ وہ نوجوانوں اور مردوں کے پیچھے کھڑی ہوئیں انہیں مسکرا کر دیکھتی جا رہی تھیں۔

دونوں سیاہ فام سپاہیوں نے مجمع سے بڑی نرمی سے کہا کہ وہ مہمانوں کو پریشان نہ کریں۔ وہ تھکے ماندے ہیں۔ لہٰذا پیچھے ہٹ جائیں اور دھکم پیل سے باز رہیں۔ اس سفید فام کے سینے پر ایک بیج تھا جس پر شیرف کندہ تھا۔ وہ دونوں سمجھ گئے کہ یہ شخص اس جزیرے کی پولیس کا اعلیٰ ترین افسر ہے۔

اس اعلیٰ افسر نے گوتم اور رندھیر سے کہا۔

"آپ اپنی کشتی یہیں چھوڑ دیں۔ بے فکر رہیں' کوئی شخص کسی چیز کو نہ چھیڑے گا۔ اطمینان سے شہر بھر میں گھومیں پھریں اور پولیس اسٹیشن میں متعلقہ انچارج کو اپنی آمد کی اطلاع دے دیں۔ یہاں کے یہ قواعد وضوابط ہیں۔"

کشتی کو لنگر انداز کر کے انہوں نے بچا کھچا سامان لیا اور کشتی سے اترے۔ لوگ مصافحے کے لیے ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ ان کے اس انداز میں اس قدر والہانہ پن' خلوص اور شفقت تھی کہ انہیں شبہ ہونے لگا کہ کہیں یہ لوگ ان کا مذاق تو نہیں اڑا رہے ہیں' کیونکہ ان کی وضع قطع اور چہرے مہرے مسخروں کی طرح ہو رہے تھے۔ لیکن ایسی کوئی بات نہ تھی۔ ان میں سفید فام مرد اور عورتوں کی ایک بڑی تعداد تھی۔ اس کے علاوہ دو ایک سیاہ افریقی باشندوں کے علاوہ ایشیائی قوموں کے افراد بھی نظر آئے۔ بنگالی' سری لنکن اور ہندوستانی۔ ایک دو انڈونیشی' ملائشین اور فلپائنی بھی تھے۔ ہندوستانی اور بنگالی عورتیں ساڑھیاں باندھے اور چوٹی کے بال جوڑے کی شکل میں باندھے ادھر ادھر گھوم رہی تھیں۔

جب کہ امریکن لڑکیاں جو سمندر میں نہا رہی تھیں وہ اس وقت پیراکی کے لباس میں

تھیں۔ گوتم اور رندھیر نے دیکھا۔ ان کے جسموں پر دھجیاں تھیں۔ ایک طرح سے بے لباسی کی سی حالت تھی۔ کوئی ریت پر تختہ رکھ کر اس پر لیٹی سن باتھ لے رہی تھی تو کوئی کسی ہندوستانی ملازمہ سے جسم اور پیروں پر تیل کی مالش کروا رہی تھی۔ اس کے علاوہ بوس وکنار کے دو ایک مناظر بھی دکھائی دیئے۔ اس کے علاوہ جو کیبن بنے ہوئے تھے ان میں لڑکیاں کپڑے بدل رہی تھیں۔

ساحل سمندر پر جو حسن' رنگینیاں اور حشر سامانیاں اور جلوے تھے ان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ نظارہ کرتے رہیں۔ چونکہ یہ معیوب سی بات تھی۔ سیاہ فام سپاہی نے بتایا تھا کہ ساحل پر قریب ہی جو ریسٹورنٹ ہے وہ وہاں چل کر کچھ کھا لیں۔

کیا یہاں ہندوستانی کرنسی میں لین دین ہوتا ہے؟"

رندھیر نے پوچھا۔

"ڈالر اور پونڈ یا کوئی اور کرنسی ہمارے پاس نہیں ہے۔"

"یہاں دنیا کی ہر کرنسی میں لین دین ہوتا ہے۔"

اس نے جواب دیا۔

"لیکن آپ یہاں جتنے دن بھی رہیں' اس کے پیسے نہیں لیے جائیں گے۔ دکاندار بھی۔ ہوٹل میں بھی۔ آپ لوگوں کو ہر بات کی مفت سہولت حاصل ہوگی۔"

"وہ کس لیے......؟"

رندھیر نے حیرت سے سوال کیا۔

"اس لیے کہ مہمانوں سے رقم لینا معیوب سمجھا جاتا ہے۔" وہ بولا۔ "ہاں اگر آپ مستقل سکونت اختیار کریں تو اس صورت میں آپ کو باشندہ تصور کر کے قانونی حیثیت دی جائے گی۔ اس صورت میں پھر آپ کو خریداری اور دیگر امور پر خرچ کرنا ہوگا۔"

پھر وہ ساحلی ریسٹورنٹ کی طرف بڑھے' شیرف جا چکا تھا۔ رندھیر نے اسے کشتی سے اترتے وقت ریسٹورنٹ کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ یہ ریسٹورنٹ اندر سے بہت ہی خوبصورت تھا۔ اس کا ماحول بڑا خواب ناک تھا۔ ہال بہت بڑا تھا۔ اس کی میزیں بھری ہوئی تھیں۔ وہاں بہت سے لوگ بیٹھے اپنی اپنی پسند کے مشروب اور کھانے کی چیزوں سے شغل کر رہے تھے۔ ان کے ریسٹورنٹ کے دروازے تک جو مجمع ساتھ آیا اور سوالات کر رہا تھا وہ چھٹ گیا تھا۔ انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

یہاں لوگوں نے رندھیر کو خود بہ خود کیپٹن کیپٹن کہہ کر مخاطب کرنا شروع کر دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ایسے چھوٹے سے کشتی نما اسٹیمر میں دو آدمیوں کا انتہائی خطرناک سینکڑوں میل کا سمندری سفر حد درجہ مہارت اور دلیری کا سفر ہے۔ وہ دونوں ایک ایسے گوشے میں بیٹھے جس میں دو ایک میزیں خالی پڑی تھیں۔ ان کے بارے میں ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے تک آناً فاناً ان کی کہانی پہنچ گئی۔ رندھیر نے شیرف کو جو مختصر طور پر بتایا تھا وہ شیرف نے شاید ہوٹل میں چند ایک کو بتا دیا تھا۔ اس لیے مرد و زن سبھی انہیں اپنی اپنی میزوں پر سے دیکھ رہے تھے۔

ہوٹل کا مالک کاؤنٹر پر سے اٹھ کر ان کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ کیا کھانا پینا پسند کریں گے؟

رندھیر نے اسے بتایا کہ ان کے پاس تھوڑی بہت ہندوستانی کرنسی ہے۔ بہت ساری کرنسی سمندری طوفان میں بہہ گئی۔

ہوٹل کے مالک نے انہیں بتایا کہ وہ اس کے ہوٹل میں جو بھی کھائیں پئیں، دنوں کی کوئی قید نہیں ہے۔ جب تک ان کا قیام ہے ہر چیز مفت پیش کی جائے گی جب بھی جس چیز کی خواہش ہو حکم دیں، ہم حاضر کر دیں گے۔

مالک چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ویٹر ایک بڑی سی ٹرے لے کر آیا تو چکن بروسٹ اور بھنے ہوئے گائے کے گوشت کے پارچے اور وہسکی بھی لے آیا۔ اس کے علاوہ انڈوں کا آملیٹ، مکھن اور تازہ ڈبل روٹی بھی تھی۔ دونوں نے ڈٹ کر کھایا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ویٹر ان کے لیے سگریٹ اور ماچس بھی لے آیا۔ ان دونوں نے وہسکی کے بجائے کافی کی خواہش کی تو وہ بھی آ گئی۔

ابھی انہوں نے سگریٹ سلگا کر دو تین کش لیے تھے کہ بائیں جانب کی میز سے اٹھ کر ایک باوقار سا شخص آیا، جس کی عمر چالیس، پچاس برس کی ہوگی۔ پھر اس کے ساتھ ایک عورت تھی اور اٹھارہ بیس برس کی نوجوان لڑکی بھی تھی۔

"اگر اجازت ہو تو ہم آپ کی میز پر بیٹھ جائیں؟" اس شخص نے بڑے شائستہ لہجے میں پوچھا۔

"ہمیں آپ شرمندہ نہ کریں۔ اجازت کی کیا ضرورت ہے۔ شوق سے تشریف رکھیں۔"

رندھیر نے جواب دیا۔

ان کی میز پر صرف دو کرسیاں تھیں جن پر وہ بیٹھے تھے۔ ویٹر نے جلدی سے تین کرسیاں لا کر رکھ دیں۔

وہ تینوں کرسیوں پر براجمان ہو گئے۔ پھر اس شخص نے کہنا شروع کیا۔

"میں سب سے پہلے اپنی بیوی کا تعارف کرا دوں۔ یہ میری بیوی ایستھر ہے اور یہ لڑکی میری بیٹی جوزفین ہے۔ میرا ایک دس برس کا بیٹا ہے جو کیلی فورنیا کے ایک سکول میں زیر تعلیم ہے۔ وہ ہر سال تعطیلات پر گھر آتا ہے۔ ابھی ابھی شیرف نے ہمیں بتایا کہ آپ بہت دور سے خطرناک سمندر میں ایک عام سی کشتی میں یہاں آئے ہیں۔ آپ دونوں مہم جو ہیں اور جزیروں کی سیاحت اور ان کے متعلق معلومات حاصل کرنے نکلے ہیں۔ آپ نے سفر کے دوران بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں اور صعوبتیں برداشت کی ہیں۔ بہرحال میں آپ دونوں حضرات کو رہائش کے لیے اپنا گھر پیش کرتا ہوں۔ امید ہے آپ میری درخواست مسترد نہ فرمائیں گے؟

اوہ معاف کیجئے۔ میں اپنا تعارف کرانا بھول گیا۔ مجھے جیمز ڈین کہتے ہیں۔ لوگ مجھے ڈین کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ میرا پیشہ وکالت ہے۔ یہ جزیرہ یہاں کے تمام جزیروں میں سب سے بڑا ہے۔ اس پر ایک پورا شہر آباد ہے۔ اس کا رقبہ تیس میل سے بھی بڑا ہے۔ اس امریکن فیلڈ کالونی میں کیا کچھ نہیں ہے۔ ہر قسم کی تفریح۔ نائٹ کلب، ریسٹورنٹ، ہوٹلز۔ شاپنگ ہال، کارخانے، قمار بازی، ہر قسم کی پرانی شراب، گیراج۔ کون سی ایسی چیز نہیں ہے جو یہاں نہیں ہے۔ اس کے علاوہ مرد اور عورتوں کو ہر طرح کی آزادی حاصل ہے۔ جائیدادیں بھی ہیں اور جرائم پیشہ بھی ہیں۔ لیکن ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ اس لیے جیل بہت چھوٹی سی ہے۔ قانون کی بالادستی بھی قائم ہے۔ آپ یہاں جب تک رہیں جو بھی تفریح کرنا چاہیں کریں۔

میں ایک اور بات بتا دوں کہ اس سمندر میں موتیوں کی بہتات ہے۔ اس جزیرے کے چار مالک ہیں۔ ہماری کمپنی کے ملازم کے علاوہ ہر کوئی موتی نکالتا ہے اور نکال سکتا ہے۔ لیکن اسے موتی ہماری کمپنی کو فروخت کرنا لازمی ہوتا ہے۔ اس کے عوض ہم اسے بہت اچھی قیمت دیتے ہیں۔ ہم ہر طرح سے خوش رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک سب سے بڑا گناہ دل گیر ہونا ہے۔ میرا دفتر یہاں سے کوئی پانچ سات میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ میرے

گھر میں چھ بیڈ رومز ہیں۔ یہ دو منزلہ مکان ہے۔ یہاں آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ میری بیوی اور بیٹی آپ لوگوں کا ہر طرح سے خیال رکھیں گی۔"

"آپ اس قدر عنایت کیوں کر رہے ہیں؟"

رندھیر نے سوال کیا۔

"اس لیے کہ ہم بہادر اور مہم جو جوانوں کو بہت پسند کرتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ بہت عظیم ہوتے ہیں۔" ڈین نے جواب دیا۔

جیمز ڈین اپنی بات ختم کر کے مسکرانے لگے۔ ان کی بیوی اور صاحبزادی اس امید پر ان دونوں کو تکنے لگیں جیسے ان کی پیشکش قبول کرنے والے ہیں۔ جیمز ڈین جس وقت تفصیل سے جزیرے کے بارے میں بتا رہے تھے۔ اس دوران رندھیر نے ماں بیٹی کا تنقیدی نظروں سے جائزہ لیا۔ ان کی بیوی ایستھر تقریباً چالیس برس کی تھی۔ وہ ایک شاداب بدن کی پرشباب عورت تھی۔ اس کے جسم میں ایسا گداز اور کشش تھی کہ اس نے رندھیر کو تڑپا دیا تھا۔ اس کی بیٹی جوزفین اٹھارہ برس کی تھی لیکن اس کے جسم میں وہ گداز اور شادابیاں نہیں تھیں جو اس کی ماں میں موجود تھیں۔ حالانکہ وہ بھی ایک قیامت تھی۔ لیکن اس کی ماں ایک بھرپور اور متاثر کن عورت تھی۔ ان دونوں نے ان کی پیشکش قبول کر لی۔

ان تینوں کے چہرے خوشی سے ایک دم روشن ہو گئے۔ اس کی نظر گوتم پر پڑی جو جوزفین کو ندیدی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک ناپاک مسرت ابھر آئی تھی۔

رندھیر نے جیمز ڈین کو بتایا کہ گوتم کے پیروں میں تکلیف ہے جس کے باعث اسے پیدل چلنا دشوار اور تکلیف دہ ہو جاتا ہے۔ انہوں نے اسی وقت ریسٹورنٹ سے ایک ڈاکٹر کو فون کیا اور گوتم کو بتایا ڈاکٹر نے کل دوپہر میں اپنے کلینک پر بلایا ہے۔ پھر انہوں نے بتایا کہ کل ایکس رے وغیرہ بھی نکالا جائے گا۔ پھر انہوں نے خدمت خلق کے رضاکاروں کے آفس فون کیا اور ہدایت کی کہ ان کی کشتی کی نگرانی کے لیے ایک آدمی کو ساحل پر بھیج دیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ اب آپ میرے گھر چلیں۔

ان کی گاڑی مورس تھی۔ گوتم اگلی نشست پر جیمز ڈین کے ساتھ بیٹھ گیا۔ وہ پچھلی نشست پر۔ جوزفین کنارے، ایستھر درمیان میں اور رندھیر اس کے برابر۔ اس گاڑی میں صرف چار کی گنجائش تھی۔ پچھلی نشست پر وہ تینوں ٹھنسے بیٹھے تھے۔ چند لمحوں کے بعد گاڑی جزیرے کی بارونق، اجلی اور صاف ستھری سڑک پر سے گزرنے لگی۔ ایستھر کا بوجھ اس پر آ گیا تھا۔ اسے

ایسا لگا جیسے اس کے پہلو میں کوئی آتش فشاں دہک اٹھا ہو۔ وہ جیسے جھلس رہا ہو۔

ایک سوندھی سوندھی سی خوشبو اس کے حواس پر چھانے لگی تو اس کے سارے بدن میں خون کی گردش تیز ہو گئی۔ ایک سنسنی تھی کہ جو اس کے رگ و پے میں سما رہی تھی۔ ایستھر کا لمس اتنا انوکھا اور پرکیف تھا کہ ہزار ضبط کے باوجود اس کی رگوں میں چنگاریاں سی بھر گئیں۔ وہ عجیب سی کشمکش میں مبتلا تھا۔ کونے میں سمٹنے کی کوشش میں اس کا ہاتھ ایستھر کی پشت پر چلا جاتا تو اسے لگتا کہ گرم توے پر ہاتھ پڑ گیا ہو۔ اس کی آنکھیں دھندلائی سی جا رہی تھیں۔

* * *

ایک ایک لمحہ رندھیر پر بھاری ہو رہا تھا۔ اس کی زندگی میں کوئی اور عورت اس کی بیوی کے سوا نہیں آئی تھی اور نہ ہی کبھی اسے ایسے کسی اتفاق سے واسطہ پڑا تھا۔ اس کے لئے یہ بڑی آزمائش تھی۔ وہ دل ہی دل میں پراتھنا کر رہا تھا کہ مکان جلد آ جائے تاکہ اس قرب اور جذبات کو تند کرنے والے لمحات سے نجات مل جائے۔ اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید وہ خوش ہوتا اور گداز اور پرشباب جسم کے لمس سے محظوظ ہوتا رہتا' لیکن وہ ان مردوں میں سے تھا کہ کسی غیر عورت کو میلی نظروں سے دیکھنا اور ہاتھ غلطی سے بھی جسم کو چھو جانا پاپ ہوتا ہے۔ موسم خنک اور خوش گوار ہونے کے باوجود اس کی پیشانی عرق آلود ہو رہی تھی۔

اس نے محسوس کیا کہ ایستھر بڑے سکون' آرام اور اطمینان سے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اس کے جسم کا بوجھ محسوس کر رہی ہے۔ یہ ایسی بات نہ تھی کہ محسوس نہ کیا جا سکے۔ وہ کوئی بچہ نہیں تھا۔ ایک نوجوان تھا۔ یہ عورت پتھر کی یا مٹی کا تودہ نہیں تھی۔ ایک بھرپور جوان اور پرشباب عورت تھی۔ اس کی بے نیازی' بے پروائی اور نیم بے حجابی کی حالت جذبات کو بھڑکانے والی تھی۔ اس کا شوہر گاڑی چلا رہا تھا۔ باتیں کئے جا رہے تھے۔ تبھی آئینے میں انہیں دیکھتا بھی جا رہا تھا لیکن اس پر اس بات کا کوئی اثر نہیں تھا کہ اس کی بیوی ایک غیر اور اجنبی مرد کے ساتھ ٹھنسی بیٹھی ہے۔ اگر اسے یہ بات ناگوار سی لگتی تو اس کے چہرے سے ظاہر ہو جاتی۔ وہ گوتم سے سفر کے دوران پیش آنے والے واقعات کی تفصیلات ہمہ تن گوش ہو کر پوچھ رہا تھا اور درمیان میں سوالات بھی کرتا جا رہا ہے۔ اس کے چہرے پر حیرت اور تجسس چسپاں تھے۔

"جان!" ایستھر نے اچانک اپنے شوہر کو مخاطب کیا "ایک بات تو سنو۔"

"کیا بات ڈارلنگ۔!" اس نے سڑک سے نظریں ہٹا کر آئینے میں اپنی بیوی کو دیکھا۔

"کسی باربر شاپ پر گاڑی روک دو تاکہ یہ لوگ حجامت اور شیو بنا لیں اور نہا بھی لیں۔" ایستھر بولی۔ "یہ جتنی دیر میں فارغ ہوں گے ہم ان کے لئے لباس اور جوتے اور

زیر جامے خرید لیتے ہیں۔"

"اوہ۔ مجھے تو اس بات کا خیال نہیں رہا۔" جیمز ڈین بولا۔ "انہیں ہم پہلے باربر شاپ لے کر چلتے ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد جیمز ڈین نے ایک مارکیٹ کے سامنے گاڑی روک لی۔ یہ بہت بڑی خوبصورت' پرشکوہ اور تین منزلہ عمارت تھی۔ گراؤنڈ سے لے کر تیسری منزل تک اس میں ہر قسم کی نہایت آراستہ اور خوب صورت' سجی سجائی اور چھوٹی بڑی ہر قسم کی دکانیں تھیں۔ یہاں خریداری ہو رہی تھی۔ وہ گاڑی سے باہر آئے۔ گراؤنڈ فلور پر تین باربر شاپ ایک قطار میں تھیں۔

"میں ڈین کے ساتھ گھر جا رہی ہوں تاکہ تم دونوں کے لئے کپڑے ٹھیک کروں۔" ایستھر نے کہا۔ "تم دونوں حجامت بنوا کر باربر شاپ میں جو واش روم ہے ان میں نہا لینا۔ جوزفین تم دونوں کے لئے کپڑے اور جوتے فارغ ہونے سے پہلے ہی لا کر پہنچا دے گی۔ اسے مردانہ ملبوسات کا تجربہ ہے۔ اگر کپڑے اور جوتے سائز کے نہ ہوئے تو بدلوا دے گی۔"

جوزفین ان دونوں کو ساتھ لے کر ایک باربر شاپ میں داخل ہوئی۔ یہ اندر سے بہت ہی خوبصورت' شان دار اور نہایت ہی انفرادی انداز سے سجا ہوا تھا۔ اس میں کوئی تیس کرسیاں تھیں۔ بال بنانے کے لئے لڑکیاں اور عورتیں تھیں۔ یہ فلپائنی اور بنگالی عورتیں تھیں۔ دو ایک مرد بھی تھے۔ تین مرد باربر عورتوں کے بال تراش رہے تھے اور چار لڑکیاں مردوں کے۔ انہیں دیکھ کر اس باربر شاپ کی مالک عورت اپنے کاؤنٹر سے اٹھ کر ان کے استقبال کے لئے آئی۔ اس کے علاوہ دکان کے اندر ہر فرد نے ان کا پرتپاک اور والہانہ انداز سے استقبال کیا اور بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔

ان دونوں کو اس بات پر حیرت تھی کہ ان کے متعلق ہر بات جنگل کی آگ کی طرح اس پورے جزیرے پر پھیل چکی ہے جیسے وہ دنیا کی سب سے بڑی چوٹی سر کر کے آئے ہوں۔

دو لڑکیوں نے ان کی حجامت اور شیو بنائی۔ جوزفین انہیں دکان میں چھوڑ کر ان کے لئے کپڑے اور جوتوں کی خریداری کے لئے چلی گئی۔ ان کے بال ان لڑکیوں نے بڑی مہارت سے تراشے اور شیو بھی بنائی۔ انہوں نے نہانے میں خاص دیر لگائی۔ خوب اچھی طرح نہایا۔ اعلیٰ درجے کے نفیس صابن تھے جن کی خوشبو سے واش روم مہک اٹھا۔ جس وقت نہا کر فراغت پائی تب ان کے لباس اور جوتے واش روم میں جوزفین دے گئی۔ جب انہوں نے

کپڑے پہنے تو ان کی شخصیت نکھر آئی تھی۔ لباس اور جوتے بالکل ان کے سائز کے تھے۔ لباس بھی بیش قیمت تھا اور چرمی جوتے بھی۔

جوزفین نے اجرت دینا چاہی تو اس باربر شاپ کی مالکن نے نہ صرف لینے سے انکار کر دیا بلکہ اسے پیار بھرے انداز سے ڈانٹ دیا۔ جن عورتوں نے ان کے بال اور شیو بنائی تھی پہلے تو انہوں نے ٹپ لینے سے انکار کیا۔ جوزفین کے اصرار پر لے لی۔

جیمز ڈین نے گھر پہنچ کر کسی کے ہاتھ گاڑی بھیج دی تھی۔ پھر جوزفین انہیں ساتھ لے کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئی۔ گھر زیادہ دور نہ تھا۔ گاڑی کمرشل ایریا سے نکل کر پوش علاقے میں داخل ہوئی۔ انہوں نے راستے میں ایک بہت بڑی آبادی دیکھی تھی جس میں ایک ہی سائز اور قسم کے مکانات ایک میل کے رقبے پر واقع تھے۔ جوزفین نے گوتم کے پوچھنے پر بتایا کہ یہ کالونی اس فیلڈ پر کام کرنے والے ملازمین کی ہے۔ انہیں ہر قسم کی سہولت اور آزادی ہے۔ ان کے لئے ایک ریسٹورنٹ' ایک شراب خانہ' قمار خانہ اور نائٹ کلب بھی ہے۔ انہیں مشاہرہ بھی معقول دیا جاتا ہے۔

گاڑی ایک خوش نما اور پرشکوہ بنگلے پر رکی جس کے دروازے پر عشق پیچاں کی بیلیں لپٹی ہوئی تھیں۔ مکان ایک حسین باغیچے کے وسط میں بنایا گیا تھا جہاں دائیں بائیں' اندرون برآمدے کے سامنے دو فوارے بھی چل رہے تھے۔

ایستھر اور جیمز ڈین نے انہیں دیکھا تو وہ خوش ہو گئے۔ وہ خوش دلی سے بولے۔

"آپ دونوں اس قدر خوبصورت اور وجیہ ہوں گے اندازہ نہ ہوتا تھا۔ آپ دونوں کو ڈیڑھ دو مہینے بغیر شیو اور حجامت کے رہنا پڑا۔ آپ دونوں کا حلیہ ایسا ہو گیا تھا کہ شاید آپ کو آپ کی مائیں بھی نہیں پہچانتیں۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"جی نہیں۔" رندھیر نے گردن ہلا کر تائید کی۔ ہمارا سارا سامان طوفان اور بارش کی نذر ہو گیا تھا۔

"میں نے تم دونوں کا بستر اور کمرہ ٹھیک کر دیا ہے۔" ایستھر نے کہا۔ "جوزفین! تم مسٹر گوتم کو لے جا کر اپنے برابر والا کمرہ دکھا دو۔ میں مسٹر رندھیر کو ان کا کمرہ دکھانے لے جا رہی ہوں۔ اور ہاں۔ آپ دونوں کے کمروں کے ملحق واش رومز میں شیونگ کا سامان رکھ دیا گیا ہے۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا تکلف بتا دیں۔"

رندھیر اپنے کمرے میں پہنچا تو اسے یقین نہ آیا۔ اتنا خوبصورت' کشادہ اور آراستہ

و پیراستہ کمرہ اور آرام دہ گداز بستر اس نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کا ماحول بڑا خواب ناک تھا۔ ایک بڑی سنگار میز جو پلنگ کے عین سامنے تھی اس کا آئینہ ایسا' اس میں نہ صرف بستر بلکہ کمرے کی ایک ایک چیز صاف اور نمایاں نظر آ رہی تھی۔

"مسٹر رندھیر۔!" ایستھر نے کہا۔ "اب تم آرام کرو۔ میں شام کو آ کر جگا دوں گی۔ ہم ڈنر باہر لیں گے۔ ہم کہیں نائٹ کلب' قمار خانہ اور شراب خانہ بھی لے چلیں گے' تفریح رہے گی۔ یہاں کی راتیں جاگنے کی ہوتی ہیں۔"

پھر ایستھر نے الماری کھول کر دکھائی۔ "اس میں شب خوابی کا لباس اور سلیپر بھی ہیں۔"

ایستھر نے کمرے سے جاتے ہوئے اسے جن نظروں سے دیکھا اس نے رندھیر کے سارے بدن پر ایک عجیب سی سنسنی دوڑا دی۔ اس کی نگاہوں میں ایک انجانا سا پیام تھا۔ وہ خوب صورت اور بڑی بڑی آنکھوں کے سحر میں کھو سا گیا تھا۔ ایک پل میں ایستھر کی نگاہ جو کہہ گئی تھی وہ سینکڑوں جملوں میں بھی نہیں کہہ سکتی تھی۔

رندھیر نے اپنے دل کو سمجھایا تھا کہ یہ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ ایستھر ایک مخلص اور شریف عورت ہے۔ ایک شریف شخص کی بیوی ہے اور ایک جوان لڑکی کی ماں بھی ہے۔ اسے سطحی انداز سے اس عورت کے بارے میں سوچنا نہیں چاہئے۔

وہ شب خوابی کا لباس پہن کر بستر پر دراز ہو گیا۔ بستر اتنا آرام دہ' گداز اور فرحت بخش تھا کہ نیند نے فوراً ہی اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ ایسا بستر اور ایسی نیند اسے کبھی نہیں آئی۔ وہ سوتا ہی رہتا اگر اسے جگایا نہ جاتا۔ اس نے گہری نیند میں محسوس کیا تھا کہ ایک مانوس سوندھی سوندھی خوشبو اس کے دماغ کو معطر کر رہی تھی۔ پھر اس نے اپنے ہونٹوں پر ایک ایسی تپش محسوس کی جس میں مٹھاس ہی مٹھاس تھی اور گرم گرم مہکتی سانسیں اس کے رخساروں کو جھلسا رہی تھیں اور کوئی اس کا شانہ بڑی آہستگی سے ہلا رہا تھا جس میں گرماہٹ' گداز اور انوکھا لمس سا بھرا ہوا تھا۔ لطیف اور اچھوتا سا احساس اس رگ و پے میں دوڑنے لگا۔

جب اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو اس پر ایستھر جھکی ہوئی تھی۔ اس نے جو فراک پہن رکھا تھا اس کا گریبان اس قدر کھلا ہوا تھا کہ لمحے کے لئے اس کی آنکھیں ہیجان خیز نظارہ دیکھ کر دھندلا سی گئیں۔ وہ فوراً ہی سیدھی ہو کر کھڑی ہو گئی۔

"مسٹر رندھیر۔" اس نے اس کا چہرہ نظروں کی گرفت میں لے کر کہا "جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ جوزفین اور گوتم بھی تیار ہو رہے ہیں اور میں بھی تیار ہونے جا رہی ہوں۔ صوفے پر

تمہارا سوٹ رکھا ہوا ہے۔ اسے پہن لینا۔ ہم لوگ ڈنر پر اور رات تفریحات میں گزار کر لوٹیں گے۔ تم خوب انجوائے کرو گے۔"

ایستھر نے کمرے سے باہر نکل کر دروازہ بند کرلیا۔ اسے یقین نہیں آیا۔ اس نے جسم کی سوندھی سوندھی خوشبو۔ اپنے ہونٹوں پر جو تپش اور مٹھاس' رخساروں پر جو گرم گرم مہکتی سانسیں محسوس کیں' کیا وہ ایستھر کی تھیں یا اس کے پراگندہ احساسات تھے جو گہری نیند کی حالت میں اس نے محسوس کی تھیں۔؟

جب وہ تیار ہو کر نیچے آیا تو اس نے دیکھا تینوں اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ جوزفین اور ایستھر نے جو لباس زیب تن کر رکھا تھا اس نے ماں بیٹی کو بے حجاب سا کر دیا تھا۔ لباس ایک تکلف سا تھا۔ ماں بیٹی بے لباس سی لگ رہی تھیں۔ ہوش ربا حالت تھی۔ حسن وشباب کی حشر سامانیاں اس قدر واضح تھیں کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔ اسے اور گوتم کو جو سوٹ دیئے گئے تھے وہ سیاہ تھے۔

رندھیر نے دیکھا کہ جیمز ڈین نظر نہیں آرہے ہیں۔ اس نے ادھر ادھر دیکھ کر پوچھا۔

"مسٹر جیمز ڈین نظر نہیں آرہے ہیں۔ کیا وہ تیار ہو رہے ہیں؟"

"وہ دفتر گئے ہوئے ہیں اور اب وہ صبح دس بجے ہی لوٹیں گے۔" ایستھر نے جواب دیا۔

"دفتر۔؟" رندھیر کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔ "دفتر میں کیا رات میں بھی کام کرتے ہیں وہ؟"

"وہ دراصل ایک بہت ہی اہم کیس کی تیاری کے سلسلے میں گئے ہیں جس کی تیاری وہ کوئی دو دن سے کر رہے ہیں۔" ایستھر نے بتایا۔

پھر وہ چاروں گاڑی میں ایک شاندار قسم کے ریسٹورنٹ میں پہنچے۔ وہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ایستھر نے میز مخصوص کروائی ہوئی تھی۔ وہاں بھی ان دونوں کی بڑی عزت سے پذیرائی کی گئی۔ جب وہ لوگ میز پر بیٹھے تو رندھیر نے دیکھا وہ توجہ کے مرکز بنے ہوئے ہیں۔ لڑکیاں اور عورتیں تو جوزفین اور ایستھر سے بھی کہیں بے حجابی کی حالت میں تھیں۔ رندھیر کے علم میں یہ بات تھی کہ امریکہ اور یورپ میں تن کی عریانی ایک عام سی بات ہے۔ ان کے معاشرے اور زندگی کا ایک جزو ہے۔

ڈنر بہت ہی شاندار' پرتکلف اور لذیز کھانے کا مجموعہ تھا۔ اس نے شراب نہیں پی جبکہ

ہندوستان میں شراب روز بروز عام ہوتی جارہی تھی البتہ گوتم نے شراب پینے میں ماں بیٹی کا ساتھ دیا تھا۔

وہاں سے وہ قمار خانہ کی عمارت میں آئے۔ نیچے اوپر کمروں میں کوئی ٹی وی' فلیش اور دوسرے کھیلوں سے وقت گزاری کر رہا تھا۔ مرد اور عورتوں کے علاوہ لڑکیاں بھی تھیں۔ ایک بہت بڑا ہال جس میں ایک بہت بڑی میز کے گرد عورتیں اور مرد جمع تھے۔ نمبروں سے قسمت آزمائی کی جارہی تھی۔ ایک تیر تھا جسے گھمانے پر وہ جس نمبر پر آکر رکتا تھا وہ بہت بڑی رقم جیت جاتا تھا۔

ایستھر نے اپنے پرس سے دس ہزار ڈالر نکال کر قسمت آزمانے کے لئے اسے دیئے تو اس نے کہا۔

"مسز ڈین۔! دس ہزار ڈالر تو بہت بڑی رقم ہے۔ اگر میری قسمت نے ساتھ نہیں دیا اور میں پوری رقم ہار گیا تو میں کیسے اور کہاں سے ادائیگی کر سکوں گا۔؟ میرے پاس چند سو ہندوستانی کرنسی پڑی ہے۔"

"ہمارے نزدیک اس رقم کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔" وہ بولی۔ "تم اس رقم کے ہار جانے کی ذرہ برابر فکر اور غم نہ کرو۔ میں دس ہزار ڈالر کیا بلکہ ایک لاکھ ڈالر بھی دے سکتی ہوں۔ میں اس سے زیادہ رقم لائی ہوں۔ تم جیت گئے تو جیتی ہوئی رقم تمہاری ہوگی۔ ہار گئے تو وہ میری۔ لٰہذا تم بے خوف ہو کر کھیلو اور اپنی قسمت آزماؤ۔ میرے پاس رقم کی کوئی کمی نہیں ہے۔"

رندھیر جانتا تھا کہ ہندوستانی کرنسی کے حساب سے امریکی دس ہزار ڈالر بہت بڑی رقم تھی۔ اس عورت کے نزدیک دس ہزار ڈالر کی کوئی حقیقت بھی نہیں تھی۔ اگر دس ہزار ڈالر وہ جیت جاتا تو شیاما کے باپ کا سارا قرض معہ سود اتار سکتا ہے۔

دوسری طرف وہ اس بات پر حیران تھا کہ ایستھر کو اس کا اتنا خیال کیوں اور کس لئے ہے۔ وہ اس کی اتنی خاطر مدارت کس لئے کر رہی ہے۔؟ کون سا جذبہ کارفرما ہو سکتا ہے۔ جب وہ گہری نیند کے عالم میں تھا' تب ایستھر نے اس کے ساتھ جو حرکت کی تھی' وہ اسے محض خیال اور شک سمجھ رہا تھا لیکن اب اس کے شبے کو تقویت مل رہی تھی۔ وہ یقین میں بدلتا جا رہا تھا۔

جوزفین اور گوتم ان کے ساتھ نہ تھے۔ وہ کوئی اور جواء کھیلنے نکل گئے تھے۔ ایستھر نے

رقم کو کوئینز میں بدل کر دیا تھا۔ پھر وہ اس میز پر آ گئے' جہاں قسمت آزمائی کی جا رہی تھی۔
رندھیر نے دیکھا کہ کوئی نمبر 13 پر داؤ نہیں لگا رہا ہے۔ یہ گورے اس ہندسے کو منحوس سمجھتے
تھے۔ اس نے 13 پر کوئین رکھ دیا۔ پھر قسمت کا تیر چلایا گیا۔ وہ تیزی سے چکر کھاتا ہوا رفتہ
رفتہ کم ہونے لگا۔ وہ نمبر 13 پر رکا تو ایستھر نے خوشی سے بے قابو ہو کر اس کا گال چوم لیا۔
''مبارک ہو۔''

وہ کوئی ایک گھنٹے تک اس میز پر کھیلتے رہے۔ ایستھر جیتی ہوئی کوئینز کیش کاؤنٹر پر لے
گئی۔ وہ ایک لاکھ بیس ہزار ڈالر جیتا تھا۔ ایستھر نے اپنی دس ہزار ڈالر کی رقم وضع کر کے باقی
رقم اسے دے دی۔

''کیا اس جیتی رقم میں ففٹی ففٹی نہیں ہو سکتی۔'' رندھیر نے سوال کیا۔

''وہ کس لئے۔؟'' ایستھر کے عین چہرے پر گہرا استعجاب چھا گیا۔

''اس لئے کہ آپ کی رقم کی بدولت میں اتنی بڑی رقم جیت پایا ہوں۔'' رندھیر بولا۔
''اس لئے میں ففٹی ففٹی اس جیت میں کرنا چاہتا ہوں۔''

''او۔نو۔'' وہ پیار سے اس کے رخسار پر ایک چپت لگا کر بولی۔ ''تم کتنے اچھے اور سادہ
دل ہو۔ تمہارے دل کے کسی کونے میں حرص وطمع بالکل بھی نہیں ہے۔ تم ریاکاری اور منافقت
سے بھی ناآشنا ہو۔ میں اس میں سے ایک ڈالر بھی نہیں لوں گی۔''

وہ اسے ریسٹورنٹ میں لے آئی۔ اس نے اپنے لئے بیئر اور رندھیر کے لئے کوک
منگوائی تو رندھیر نے کہا۔

''میں آپ سے ایک وعدہ لینا چاہتا ہوں۔ کیا آپ اس کی پابند ہوں گی؟''

''کیسا وعدہ۔؟'' وہ بولی۔ ''میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ وعدے کی پابند رہوں گی۔''

''میں نہیں چاہتا کہ میں نے جو اتنی بڑی رقم جیتی ہے اس کا علم میرے دوست گوتم کو
ہو۔؟'' رندھیر نے کہا۔

''وہ کیوں۔؟''

پھر رندھیر نے اس سے کوئی بات نہیں چھپائی۔ ساری رام کہانی سچ سچ بتا دی۔ اس نے
وادی موت کے بارے میں بھی بتایا۔

''یہ شخص اتنا کمینہ اور ذلیل ہے؟'' ایستھر نے حقارت بھرے لہجے میں کہا۔ ''وہ تمہاری
بیوی کو بلیک میل کر رہا ہے۔ میرے نزدیک یہ مذموم فعل ہے۔ شرمناک اور گھناؤنی حرکت

ہے۔ ہمارے اور تمہارے معاشرے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ہمارے معاشرے میں مرد
اور عورت کا آزادانہ میل ملاپ بری بات نہیں ہے۔ اس امریکن فیلڈ میں امریکی اور اسرائیلی
لڑکیوں اور عورتوں کی اکثریت ہے۔ برٹش اور فرانسیسی بھی ہیں۔ ہر قسم کی آزادی ہے۔ غیر
مردوں سے تعلقات معیوب بات نہیں ہے لیکن جبر وزیادتی سے کسی عورت یا لڑکی کو کوئی درندگی
کا نشانہ بناتا ہے تو پھر اسے بڑی کڑی سزا دی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں ایسی ایسی پارٹیاں بھی
ہوتی ہیں کہ تم اندازہ تک نہیں کر سکتے۔ ایک لحاظ سے ہم مہذب حیوان ہیں۔ انسانیت سے
ہٹ جاتے ہیں۔

تم نے اچھا کیا جو مجھے گوتم کے بارے میں بتا دیا۔ مجھے تمہاری دکھ بھری کہانی سن کر
بہت دکھ اور افسوس ہوا۔ اس نے جوزفین پر جانے کیا جادو کیا کہ وہ اس کے ساتھ شام تک
کمرے میں بند تھی۔ جوزفین انیس برس کی ہے۔ ہم اس پر کسی قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں کر
سکتے۔ وہ اپنے ہر قسم کے فعل اور معاملات میں آزاد اور خودمختار ہے۔

''میں آپ کا یہ احسان آخری سانس تک بھی فراموش نہیں کروں گا۔'' رندھیر نے
جذباتی لہجے میں کہا۔

''اس میں احسان کی کوئی بات نہیں یہ تو میں نے ایک دوست کے ناطے اپنا فرض ادا کیا
ہے۔'' وہ بولا۔ ''کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ تم واپس لوٹ جاؤ۔ وادی موت کے جزیرے میں
سونے کی کان کا راز اور خزانہ موجود ہے۔ یہ امریکیوں کے علم میں نہیں ہے' ورنہ اب تک اس
جزیرے سے خزانے کو نکال لیا جاتا اور قابض ہو جاتا۔ بہرحال میں یہ راز کی بات چھ ماہ تک
یہاں کی انتظامیہ کو نہیں بتاؤں گی۔ ویسے کشتی سے اس جزیرے پر پہنچنا بہت ہی مشکل ہے۔''

''کیا ایسی کوئی صورت ہے کہ ہوائی جہاز سے میں واپس ہندوستان پہنچ جاؤں۔''
رندھیر نے کہا۔ ''میں نے آپ کے گھر جاتے ہوئے رن وے اور ایک ہیلی کاپٹر دیکھا تھا۔
گویا ہوائی جہازوں کی آمد و رفت ہوتی رہتی ہے۔''

''نہیں۔'' ایستھر نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''ویزا اور پاسپورٹ کے قوانین کی رو سے تم
ہوائی جہاز پر سوار نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ یہ جہاز امریکہ' اسرائیل' یورپ اور دبئی سے آتے
ہیں۔ ہندوستان نہیں آتے جاتے ہیں۔ ہاں ایک اسٹیمر کیرالا کی بندرگاہ کو تین ہفتے میں ایک
بار کوڑھیوں کے لئے امدادی سامان لے کر جاتا ہے۔ وہاں این جی اوز کا دفتر ہے۔ وہ لوگ
دنیا بھر سے امدادی سامان وصول کر کے کوڑھیوں کو بحری فوج کے ذریعے پہنچاتے ہیں۔ تم اس

اسٹیمر سے جاسکتے ہو۔"

"لیکن اس کے لئے گوتم کسی صورت سے تیار نہیں ہوگا۔" رندھیر نے کہا۔

"وہ کس لئے۔؟" ایستھر نے متعجب ہو کر پوچھا۔ "تم کیرالا سے بذریعہ ہوائی جہاز بغیر پاسپورٹ اور ویزا کے کسی بھی شہر جاسکتے ہو اس لئے کہ تم ہندوستانی ہو اور کیرالا ہندوستان کا صوبہ ہے۔"

"اس لئے کہ گوتم کسی صورت میں تیار نہ ہوگا۔" رندھیر نے جواب دیا۔ "میں اکیلا واپس اس لئے نہیں جاسکتا۔ کہ گوتم کے متعلق ہر کوئی پوچھے گا اور شک کرے گا کہ میں نے شاید اس لئے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا کہ میرے سسر اس کے مقروض ہیں۔ میری یہ مجبوری ہے کہ میں اسے ساتھ لے کر واپس پہنچوں۔ اس کے ساتھ وادی موت تک سفر کروں۔ اس پر خزانے کے حصول کا جنون سوار ہے۔ کاش! میں نے اس کی بات نہ مانی ہوتی۔"

"مجھے امید تو نہیں کہ ایک اونس خزانہ ملے گا۔" ایستھر بولی۔ "اس لئے کہ وہ جماعت خزانہ لے کر نہ جانے کب کی چلی گئی ہوگی۔ ان کے پاس نقشہ بھی تھا۔ یہ گوتم کی خام خیالی ہے کہ وہ جماعت سکی کر رہی ہوگی۔"

"میں خود بھی دل سے چاہتا ہوں کہ خزانہ نہ ملے اور ہم خالی ہاتھ واپس جائیں۔" رندھیر نے کہا۔

"اچھا اب چلو۔" ایستھر نے دستی گھڑی میں وقت دیکھا۔ "نائٹ کلب چلتے ہیں تاکہ تم دیکھو کہ اسرائیلی' امریکی اور یورپی کیسی غلاظت اور شرمناکی سے دل بہلاتے ہیں۔ یہ دنیا کی مہذب ترین قومیں ہیں لیکن حیوانوں سے بھی بدتر ہیں۔ آرٹ کے نام پر کیا کچھ نہیں ہوتا ہے۔"

ایستھر بل ادا کر کے نائٹ کلب پہنچی۔ رندھیر نے جوزفین اور گوتم کو ایک گوشے میں دیکھا۔ اس وقت سٹیج کا پردہ اٹھا تو تالیوں کا بے پناہ شور فضا میں گونج اٹھا۔ بہت ساری میزیں بھری ہوئی تھیں۔ ان پر ہر عمر کے جوڑے بیٹھے ہوئے تھے۔

دو نوجوان اور خوبصورت لڑکیاں اور دو اینگرو مرد سٹیج پر نمودار ہوئے۔ پروگرام جو شروع ہوا تو رندھیر نے جو امریکی نائٹ کلبوں کے بارے میں سنا تھا وہ غلط نہ تھا۔ نہ ہی اس میں کوئی مبالغہ آرائی تھی۔ ایک ایک بات سچ تھی۔ سٹیج پر ناچ کی آڑ میں جو کچھ پیش کیا جا رہا تھا ایسا تھا کہ حیوان بھی شرما جائے۔

رندھیر نے ایستھر کے کان کے پاس منہ لے جا کر سرگوشی میں نہایت آہستگی سے کہا۔

"کیوں نہ ہم باہر چلیں۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے کہ میں قے کر دوں گا۔"

"چند منٹ کی بات ہے اس وقت تک آنکھیں بند کر کے رہو۔" وہ بولی۔ "اس لئے کہ یہ ایکٹ ختم ہونے والا ہے۔ پروگرام کے دوران اٹھ کر جانا خلاف تہذیب ہے۔ مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میں تمہیں یہاں کیوں لائی؟"

تھوڑی دیر بعد پہلا ایکٹ ختم ہوا۔ پردہ گرا تو ایستھر اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آئی۔ پھر وہ اسے لے کر گھر پہنچی۔

رات کے بارہ بج چکے تھے۔ رندھیر نے سوٹ اتار کر ہینگر کر کے الماری میں رکھ دیا۔ پھر شب خوابی کا لباس پہنا۔ پھر اس نے جیتے ہوئے ڈالر اسی پتلون کی پاکٹ میں ایک لفافے میں رکھ کر حفاظت سے رکھ دیئے۔ یہ بڑے بڑے نوٹ تھے۔ وہ بستر پر دراز ہو کر سوچ رہا تھا کہ امریکی معاشرے میں کتنی غلاظت ہے۔ امریکہ اور یورپ میں ناجائز بچے روزانہ سینکڑوں کی تعداد میں جنم لیتے تھے۔ وہاں جو حرام کی اولادیں تھیں ان میں حد درجہ اضافہ ہو رہا تھا۔ ایڈز بھی پھیلا ہوا تھا۔ یہ سزا قدرت کی جانب سے تھی۔ انہوں نے جو بویا تھا' وہ کاٹ رہے تھے۔

وہ ایستھر کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا۔ ایستھر شب خوابی کے لباس میں داخل ہوئی۔ وہ آگ بن کر آئی تھی۔ رندھیر اس آگ سے اپنے آپ کو بچا نہ سکا تھا۔ جب آگ بجھ گئی تو رندھیر نے کہا۔

"آپ نے کیا اپنے شوہر سے بددیانتی نہیں کی؟ آپ کی اس حرکت نے مجھے خود اپنی نظروں میں ذلیل وخوار کر دیا ہے۔"

"بات یہ ہے کہ جیمز کو شراب' عورت اور غلط کاریوں نے عورت کے قابل نہیں رکھا۔ اس کی طرف سے اجازت ہے کہ میں جس سے چاہوں دوستی رکھوں۔ اپنے جذبات اور خواہشات کو نہیں دباؤں۔ اس لئے کہ میں ایک جوان عورت ہوں۔ میں کوئی تین برس سے مرد کے قرب سے محروم رہی۔ یہاں مردوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ جانے کیوں میں ان کی طرف بڑھ نہ سکی۔ ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ایک برس کے بعد علیحدگی کر لیں تاکہ میں کسی مرد سے شادی کر کے اپنے آپ کو غلاظت سے محفوظ رکھ سکوں۔"

وہ دونوں کوئی ایک ہفتہ تک جیمز ڈین کے گھر میں رہے تھے۔ وہ اس طرح رہ رہے تھے جیسے سورگ میں رہ رہے ہوں۔ بہترین ناشتہ۔ دوپہر کا عمدہ اور لذیز کھانا۔ رات کو کسی نہ کسی ہوٹل یا ریسٹورنٹ میں پرتکلف ڈنر۔ پھر ایک ریسٹورنٹ میں ڈائننگ فلور میں نوجوان لڑکیاں اور عورتیں' مردوں اور لڑکوں کے ساتھ ہیجان خیز رقص کرتی تھیں۔ ایستھر اور جوزفین بھی کسی نہ کسی لڑکے یا مرد کے ساتھ رقص کرتی تھیں۔ جیمز ڈین ڈنر کے بعد اپنے دفتر چلے جاتے۔ وہ صبح دس بجے سے ڈنر تک ساتھ رہتے تھے۔ رندھیر اور ایستھر میاں بیوی کی طرح رہنے لگے۔ ادھر جوزفین اور گوتم بھی۔ ایستھر نے اسے بتایا تھا کہ یہ جیمز ڈین کی بیٹی نہیں ہے بلکہ ان کے ایک یہودی دوست کی ناجائز بیٹی ہے۔ وہ جوزفین کو اپنی ہی اولاد سمجھتے ہیں اور ایستھر نے انہیں اندھیرے میں ہی رہنے دیا ہوا ہے۔ اس بات سے جوزفین بھی بے خبر ہے۔ اس زندگی نے ان کا رنج اور سفر کے تمام مصائب بھلا دیئے تھے۔ جیمز ڈین نے گوتم کو لے جا کر ڈاکٹر سے معائنہ کروایا تھا۔ ایکسرے بھی لیا گیا اور پھر ڈاکٹر نے بتایا کہ تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔ اس نے درد دور کرنے والے کیپسول دیئے تھے جس سے افاقہ ہو گیا۔ گوتم کا دل نہیں کرتا تھا کہ وہ یہاں سے جائے۔ جوزفین نے اسے دیوانہ بنا رکھا تھا لیکن وہ خزانے کا سپنا پورا کرنا چاہتا تھا۔

اس نے انہیں اعتماد میں لے لیا تھا۔ ان سے کہا گیا تھا کہ چونکہ وہ جزیروں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی مہم پر نکلے ہیں' لہٰذا انہیں اجازت دی جائے۔ جیمز ڈین نے ان کی مہم جوئی کو سراہا تھا اور کہا تھا کہ تم لوگ ابھی جوان ہو۔ تمہارا اونچا نصب العین ہے۔ میں تم لوگوں کی کامیابی کے لئے دعا گو ہوں۔ اپنی ہمت اور حوصلہ نہ ہارنا۔ یہ سفر پرخطر ہے۔

ایک ہفتہ کی مدت ہی کیا تھی۔ یہ سب کچھ ایک سندر سپنے کی مانند تھا۔ امریکن فیلڈ کی آخری رات رندھیر اور ایستھر کے لئے بڑی جذباتی تھی۔ اس نے صبح کے وقت ایک ہیرا تحفے میں دیتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہاری بیوی کے لئے ہے۔ اسے تم چاہو تو فروخت کر سکتے ہو۔ لندن اور امریکہ میں اس ہیرے کی مالیت بیس ہزار ڈالر ہے یا اسے میری محبت کی نشانی سمجھ کر رکھ لو تو زیادہ بہتر ہے۔ اس کے علاوہ میں تمہیں دس ہزار ڈالر بھی دوں گی۔"

ایستھر کو اس جدائی کا بڑا صدمہ تھا۔ اسے رندھیر سے ایک طرح سے محبت ہو گئی تھی۔ رندھیر کو بھی جدائی کا غم تھا۔ اس لئے کیونکہ اس عورت نے اسے بڑی محبت دی تھی۔ وہ اس کی

محبت اور جذبے کو کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔ اس نے ایک ایسا خزانہ دیا تھا جو ساری زندگی کے لئے تھا۔

ایک بار پھر وہ دونوں سمندر کے بے کراں سینے پر سفر کر رہے تھے۔ جیمز ڈین کی ہدایت پر نیوی کے انجینئروں نے ان کی کشتی پر بھرپور توجہ دی تھی۔ اس کے جتنے حصے سمندر کی لہروں کے تھپیڑے کھا کھا کر کمزور ہو گئے تھے وہاں انہوں نے نہایت مضبوط اور نئے تختے لگائے تھے اور ان پر فولادی کیلیں ٹھونک دی تھیں جو آہنی کیلوں کے مقابلے میں کئی گنا مضبوط اور سخت تھیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے کیبن کو بھی پختہ کر دیا تھا۔ دو دو نئے بادبان اور ایک نیا مستول بھی لگا دیا تھا۔ عام حالات میں وہ اس کشتی کی مرمت کرواتے تو دس ہزار روپے سے زیادہ ہی خرچ آتا۔ انہوں نے انہیں دو نئے قطب نما' ایک تھرما میٹر اور دواؤں کا ایک بکس بھی دیا تھا۔ سب سے قیمتی چیز انہوں نے جو دی تھی اور جو نیوی سے ملی تھی وہ بیٹری سے چلنے والا چھوٹا سا سرچ لائٹ سسٹم تھا اور پھر ان دونوں کو اچھی طرح سے کہہ دیا تھا کہ اسے کیوں کر اور کن کن مواقع پر کام میں لایا جا سکتا ہے۔ ہمارا کام جیمز ڈین کی ہدایت پر مفت ہوا تھا۔

اس کے علاوہ ایستھر نے ایک بہت بڑی باسکٹ میں ہنٹر بیف' کلب سینڈوچز' کافی' چینی' چائے پتی اور بہت ساری کھانے کی اشیاء مونگ پھلی' پستہ اور بادام اور ڈبل روٹی کئی دنوں تک خراب نہ ہونے والی دی۔ اس کے علاوہ مشروبات تھے۔ انہیں رخصت کرنے نہ صرف جیمز ڈین' ایستھر بلکہ جوزفین اور جزیرے کی عورتیں' لڑکیاں اور لڑکوں اور مردوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ پورا جزیرہ امڈ آیا ہے۔ ایستھر اپنے شوہر اور بیٹی سے ہٹ کر کھڑی ہوئی تھی۔ رندھیر نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں صاف وشفاف موتی بھرے ہیں۔ گوتم نے رندھیر کو بتایا کہ جوزفین تنہائی کی بہترین رفیقہ ثابت ہوتی رہی۔ اس نے بڑی بے شرمی اور بے حیائی سے ہی نہیں بلکہ بڑے فخر سے بتایا کہ اس کی زندگی میں کتنے مرد اور لڑکے آچکے ہیں۔ امریکی لڑکی وہ بڑی خوش قسمت اور قابل فخر ہوتی ہے جس کی زندگی میں زیادہ سے زیادہ مرد آئیں۔ یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ وہ نہایت حسین' پرکشش اور لاکھوں میں ایک ہوتی ہے۔

"اگر ایسی بات ہے تو ایک امریکی لڑکی اور طوائف میں کیا فرق ہوا۔" رندھیر نے کہا۔

"امریکی معاشرے میں کتنی بدکاریاں ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو مہذب قوم کہلاتی ہے لیکن انہیں اس بات پر کوئی تاسف' ندامت اور شرم نہیں کہ ان کے ہاں ناجائز بچوں

کی ایک بڑی تعداد موجود ہے اور پھر انہیں قانونی تحفظ بھی حاصل ہے۔''

''اور پھر ان کی دنیا کی دوسری اقوام کو غلام بنانے اور ان کی دولت اور وسائل پر قابض ہونے کی حرص بڑھتی جارہی ہے۔'' گوتم نے کہا۔ ''اس نے یہ جزیرہ کیرالا حکومت سے کوڑیوں کے مول خرید کر اپنی کالونی بنا لیا ہے۔ ہر ماہ لاکھوں ڈالر کی آمدنی صرف موتیوں سے ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ہیرے بھی کثرت سے ملتے ہیں اور سونا بھی نکالا جاتا ہے۔ یہ دونوں ہاتھوں سے کھا رہے ہیں۔ لوٹ کھسوٹ کر رہے ہیں۔''

''بڑی مچھلی بڑی ہی ہوتی ہے اور چھوٹی مچھلیوں کو نگلتی رہتی ہے۔'' رندھیر نے کہا۔ ''یہ ہندوستانی حکومت اور کیرالا صوبے کی کمزوری ہے کہ انہوں نے اس جزیرے کو سو سال کے پٹے پر دے دیا ہے۔ یہ ساٹھ برس میں تمام دولت نکال کر لے جائیں گے۔''

تیسرے اور چوتھے روز کی درمیانی رات میں انہوں نے محسوس کیا کہ ایک نادیدہ قوت ان کی کشتی کو زبردست دھچکے دے رہی ہے اور اس صورت حال سے وہ دونوں خوف زدہ ہو گئے۔ لہریں بظاہر پرسکون تھیں اور دور دور تک کسی طوفان' آندھی کی آمد کے کوئی آثار نہ تھے۔ وہ حیران تھے کہ یہ کیا بلا ہے جو ان کی کشتی سے چمٹ گئی ہے۔ دھچکا کبھی دائیں طرف لگتا۔ کبھی بائیں طرف سے اور بھی وہ پشت سے۔ آسمان پر گہری دھند کے باعث کوئی ستارہ جھلملاتا دکھائی نہ دیتا تھا اور ہر طرف گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کشتی کے چاروں طرف سے عجیب وغریب ڈراؤنی آوازیں آنے لگیں جیسے بے شمار گیدڑ اور الو چیخ رہے ہوں۔ یہ آوازیں کبھی تیز ہو جاتیں۔ کبھی ہلکی۔ دہشت سے وہ تھر تھر کانپ رہے تھے۔ گوتم کا برا حال تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ بدروحوں نے انہیں گھیر لیا ہے۔ اگر یہ عام قسم کی کشتی ہوتی تو نادیدہ قوت کے ایک ہی دھچکے میں الٹ چکی ہوتی۔ رندھیر سوچ رہا تھا کہ سمندر میں بھلا بدروحوں کا کیا کام۔؟ کئی میل تک یہی کیفیت رہی تھی۔ کشتی مسلسل دھچکے کھاتی رہی۔ آوازیں۔ ہیبت ناک' ڈراؤنی اور پراسرار آوازیں برابر کانوں میں آتی رہیں۔

رات بھر یہ انوکھا اور لرزہ خیز کھیل جاری رہا۔ نہ جانے وہ کتنی دور نکل گئے انہیں کوئی اندازہ نہ ہو سکا۔

صبح کاذب کے دھندلکے میں یک بار رندھیر کو یوں محسوس ہوا جیسے دائیں جانب سے کوئی سفید سفید جسم سیاہ پانی میں اچھلا اور وہ دوبارہ پانی میں غڑاپ سے ڈوب گیا۔ اس پراسرار سفید جسم کی اونچائی یا چھلانگ بارہ چودہ فٹ سے کچھ زائد ہی بلند تھی۔ گوتم نے بھی

اسے دیکھا پھر تو ان کے اردگرد ان کے بہت سارے جسم سمندر میں سے ابھرنے اور ڈوبنے لگے۔ انہی جسموں کے اندر ڈراؤنی چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ کبھی کبھی تو انہیں ایسا دھوکا ہوتا تھا جیسے عورتیں کسی کی موت پر بین کر رہی ہوں یا گیدڑ چلا رہے ہوں۔ کشتی تھی کہ جھٹکے پر جھٹکے کھا رہی ہو۔

جب مشرقی افق کا اجالا ان کی کشتی کے آس پاس منڈلانے لگا تو یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جن سفید سفید جسموں سے وہ تھر تھر کانپ رہے تھے وہ ڈولفن مچھلیاں ہیں۔ ہر مچھلی کی جسامت تیس چالیس فٹ سے کم نہ ہوگی۔ سب سے چھوٹی مچھلی جو انہوں نے دیکھی وہ دس بارہ فٹ سے کم نہ ہوگی۔ دراصل وہ ڈولفن مچھلیوں کے علاقے میں گھس آئے تھے اور انہوں نے جہاز رانوں کی عادت کے برعکس ان مچھلیوں کی ضیافت کے لئے کوئی خوراک وغیرہ پانی میں نہیں پھینکی تھی۔

یہ بات ہر کوئی جانتا تھا کہ ڈولفن مچھلی انسان سے محبت کرتی ہے اور میلوں تک اس کے ساتھ سفر کر کے خوشی محسوس کرتی ہے۔ گوتم نے کہا کہ یہ بالکل بے ضرر ہیں۔ بعض اوقات شوخی پر کچھ زیادہ ہی اتر آئے تو چھوٹے جہاز اور اسٹیمر کو بھی الٹ دیتی ہے۔

مچھلیاں اردگرد بالکل قریب سے اپنا لمبا سا منہ کھول دیتیں۔ پھر طرح طرح سے جیسے ان سے کھانے کے لئے کچھ مانگ رہی ہوں۔ رندھیر نے گائے کے گوشت کے کچھ پارچے ان کی نذر کئے۔ تب کہیں جا کر پیچھا چھوٹا اور کشتی کو ان کے دھکوں سے نجات ملی' تاہم ایک رات میں ان کا سیروں خون خشک ہو گیا۔ وہ خوف و دہشت سے کانپتے رہے تھے۔

اس سے اگلی صبح ہلکے سے سمندری طوفان کا سامنا کرنا پڑا لیکن یہ طوفان ان کے حق میں فائدہ مند ثابت ہوا۔ اس کا رخ اس جانب تھا جدھر وہ جا رہے تھے۔ کشتی تقریباً دگنی رفتار سے چلنے لگی۔ یہ کیفیت تمام رات جاری رہی پھر ان میں سے کوئی بھی پلک جھپک نہ سکا۔ کشتی کی حد سے بڑھی ہوئی رفتار خطرناک بھی ثابت ہو سکتی تھی۔ بڑی مشکل سے انہوں نے بڑا بادبان کھول کر ہوا کو قابو کرنے کی کوشش کی۔ اس میں انہیں قدرے کامیابی نصیب ہوئی مگر بے پناہ مشقت نے ان کے جسموں کا ایک ایک بند ڈھیلا کر دیا۔ طلوع آفتاب کے ساتھ ہی کوئی بیس پچیس میل دور سمندر میں ابھری ہوئی چٹانوں کا بے حد طویل سلسلہ نظر آیا۔ ان چٹانوں کے درمیان روشنی کا ایک بہت قدیم مینار سر اٹھائے کھڑا تھا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ چٹانوں کے اندر سے گزرنا جان لیوا ثابت ہو سکتا ہے۔ کشتی جس برق رفتاری سے بڑھ رہی تھی اس

سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ چٹانوں کی طرف معانقے کے لئے بڑھ رہی ہو۔ اسے روکنے کی تمام کوششیں ناکام ہوگئی تھیں۔ انہوں نے مزید دو بادبان جو مخالف رخ پر کام کرتے تھے پوری طرح کھول دیئے تھے۔ اس کے باوجود کشتی کسی ہاتھی کی مانند جھومتی ہوئی چٹانوں کی سمت دوڑ رہی تھی۔ جیسے کوئی مقناطیسی کشش آواز دے رہی ہو۔ ایک دھماکے کے ساتھ کشتی اگلی چٹان سے ٹکرائی اوراس کا رخ مغرب سے مشرق کی طرف ہوگیا۔

اگر نیوی کے فرشتوں نے اس کے سامنے والے حصے میں لوہے کی چادریں نہ لگائی ہوتیں تو اس ٹکر سے اس کے پرخچے اڑ جاتے تاہم یہ حصہ ٹیڑھا ہوگیا تھا ٹوٹا نہیں۔ لیکن نقصان یہ ہوا کہ لکڑی کا کیبن ٹوٹ کر ان پر آن پڑا اور کیلیں انہیں زخمی کر گئیں۔

گوتم کا چہرہ خون میں لتھڑ گیا تھا۔ رندھیر کی پیشانی سے خون کا فوارہ جاری تھا اوراس کی ہتھیلیاں بھی زخمی ہوگئیں اور گردن پر بھی خراشیں آئیں۔ اس دھکے سے کشتی کا رخ جو بدلا اس نے ان کے لئے عافیت کی راہ نکال دی۔ مخالف ہوا کا زور کم کرنے کے لئے جو بادبان انہوں نے کھولا تھا اس کی ہوا نے حفاظت کی راہ نکال دی۔ ہوا نے انہیں چٹانوں کے اس دورے میں پہنچا دیا جس کا درمیانی فاصلہ لگ بھگ پچاس ساٹھ فٹ تھا۔ یہاں بے شمار چٹانیں سینہ تانے کھڑی تھیں۔ ان کے لئے بھگوان کا کرنا یہ ہوا کہ اس دھکم پیل اور مسلسل جھٹکوں کے باعث بہت سست پڑ گئی تھی۔ اس موقع پر چپوؤں نے بڑا کام کیا۔ کشتی اب ٹوٹے پھوٹے ناکارہ ڈھانچے میں بدل چکی تھی۔ ڈیڑھ دو گھنٹے کی جان توڑ مشقت کے بعد وہ کسی قدر کھلے ہوئے حصے میں پہنچے۔ کشتی کی حالت یہ تھی کہ وہ کسی بھی وقت ڈوب سکتی تھی۔ ایک جزیرے کا ساحل لحہ بہ لحہ قریب ہوتا جا رہا تھا۔ لہروں کا جوش وخروش مدھم پڑ گیا اور ہوا ایک دم تیز ہونے لگی تھی۔

رندھیر نے گوتم سے کہا کہ ہوا کا تیز ہونا ایک اچھی علامت ہے۔ تین گھنٹے کے بعد ساحل پر پہنچ کر کشتی نے دم توڑ دیا۔ انہیں بچی کھچی چیزوں میں سے جو بھی اٹھانے کا موقع ملا اٹھا کر پانی میں چھلانگیں لگا دیں۔

جوں توں کر کے اور ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہوئے انہوں نے یہ فاصلہ طے کیا۔ ساحل پر پہنچتے ہی وہ بے دم سے ہو کر نرم گیلی ریت پر لیٹ گئے۔ دیر تک انہوں نے پھولا ہوا سانس درست کیا۔ نیند اور مشقت کے باعث دم لبوں پر تھا۔ بھوک کا یہ حال کہ ناقابل برداشت اور کھانے کے لئے کچھ نہیں۔ ایستھر نے جو کھانے کے لئے دیا تھا اس میں کوئی

احتیاط نہیں برتی گئی تھی۔ خوب مزے لے کر کھایا تھا جیسے پکنک منا رہے ہوں۔ اس لئے بھی کہ گوتم کے خیال میں تین دنوں میں وادی موت پہنچ جائیں گے۔ یہ اس کی بھول تھی۔ وہ سمندر میں راستہ بھٹک گئے تھے۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ کتنے دن لگیں گے۔

رندھیر نے جزیرے کی طرف نظریں دوڑائیں تو دور دور تک آدمی نہ آدم زاد۔ ریت کا ایک وسیع وعرض سمندر۔ جابجا مویشیوں اور پرندوں کے ڈھانچے پڑے ہوئے۔ اس خوف سے ان کی حالت غیر ہونے لگی کہ وہ کسی آسیب زدہ جزیرے پر آ گئے ہیں۔ ان مویشیوں اور پرندوں کو بدروحیں کھا گئی ہیں۔

سہ پہر تک وہ وہیں ساحل پر لیٹے رہے۔ فضا میں ٹھنڈ بڑھتی جا رہی تھی اور اڑنے والے بگلوں اور مرغابیوں کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی اور پھر پرندے اترا اترا کر ساحل پر ادھر ادھر بیٹھنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کی تعداد ہزاروں سے بھی تجاوز کر گئی تھی۔ گوتم نے ادھر ادھر متلاشی نظروں سے دیکھا اور پھر وہ رندھیر کے سہارے اٹھ بیٹھا۔ گوتم جزیرے کے اندر کی طرف بڑھا تو رندھیر حیران تھا کہ اس کے ذہن میں کیا ہے۔ کوئی دو سو قدم چلنے کے بعد گوتم رک گیا۔ پھر اس نے جھک کر ریت کے مختلف گڑھوں کا گہری نظروں سے جائزہ لیا۔ پھر اس نے رندھیر سے کہا ”ریت ہٹاؤ۔“

رندھیر نے اس کی بات کی تعمیل کی۔ اس نے کوئی دو فٹ تک ریت ہٹائی تو اس کا ہاتھ کسی نرم نرم بیضوی چیز سے ٹکرایا۔ اس نے نگاہ ڈالی تو وہاں کچھوے کے بہت سے انڈوں کا ڈھیر تھا۔ یہ انڈے خاصے بڑے تھے۔ تعداد پچاس ساٹھ سے بھی زیادہ لگی۔ پھر رندھیر نے سارے انڈے ایک ایک کر کے نکال لئے۔ پھر وہ دونوں اسے توڑنے لگے اور زردی اپنے حلق میں انڈیلنے لگے۔ اس تدبیر سے بھوک کچھ مٹ گئی اور جسم میں جان آ گئی۔

”یہ بات میرے علم میں تھی کہ ویران ساحلوں پر مادہ کچھوے بہ کثرت انڈے دیتی ہے۔“ گوتم نے بتایا۔ ”صرف تلاش کا مسئلہ ٹیڑھا ہے۔ اگر ہم ابھی جستجو کریں تو مختلف جگہوں پر سے بے شمار انڈے برآمد کر سکتے ہیں۔ آؤ پہلے معلوم کریں کہ یہ جزیرہ ویران ہے یا اس جگہ کوئی رہتا ہے۔ جیمز ڈین نے بتایا تھا کہ کچھ جزیرے ایسے ہیں جہاں آبادی ہے۔ کچھ ملکی اور غیر ملکی ان پر آباد ہیں جو وہاں کے وسائل سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ امریکی فیلڈ کی طرح وہاں ان کی حکومت بھی ہے۔ ان کا اپنا قانون ہے لیکن وہ امریکن فیلڈ والوں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ ان کی انتظامیہ امریکن فیلڈ کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ دو ایک، جزیرے ایسے

ہیں جہاں خاصی آبادی رہتی ہے۔ اس لئے انہیں امید تھی کہ اس جزیرے پر بھی آبادی ہوگی۔

وہ جوں جوں آگے بڑھ رہے تھے ان کی حیرت اور خوف میں اضافہ ہو رہا تھا۔ گدھوں کے ڈھانچوں اور سڑے ہوئے گوشت کی بو سے ناک بیٹھی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ تھوہڑ کے خودرو پودوں اور خاردار جھاڑیوں کی بھی کثرت تھی کہ ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ گدھے کہاں سے آئے ہیں۔ آگے چل کر انہیں مری ہوئی بکریاں بھی دکھائی دیں جو تھوہڑ کے پودوں کے پاس پڑی تھیں۔

وہ رکے بغیر چلتے رہے۔ انہیں ایک مکان نظر آیا۔ دبے پاؤں ڈرتے ڈرتے وہ اس کے قریب گئے۔ دروازہ کھلا تھا۔ وہ دونوں ایک ایک کر کے اندر گئے۔ فرش پر ایک جانب تیل سے جلنے والا چولہا پڑا تھا۔ چند چینی' مٹی اور ایلومینیم کے برتن۔ پانی کی ایک صراحی۔ نہایت کثیف اور میلا دسا بستر' لوہے کے پرانے پلنگ پر بچھا ہوا تھا۔ ایک طرف لکڑی کی میز پر آئینہ' کنگھا' سر میں ڈالنے والے تیل کی شیشی۔ کھونٹی پر لٹکا ہوا ایک کینوس کا تھیلا جسے رندھیر نے ٹٹول کر دیکھا۔ اس میں ریزگاری بھری ہوئی تھی۔ شاید ہالینڈ یا انگلینڈ کی۔ رندھیر نے اس میں سے کوئی سکہ نکالے بغیر جوں کا توں وہیں ٹانگ دیا۔ اس کے بعد صراحی میں سے پانی نکال کر پیاس بجھائی۔ پھر طے پایا کہ مالک مکان کو تلاش کیا جائے۔

سورج مغرب کی جانب خاصا جھک گیا تھا اور وہ اس جانب ایک پگڈنڈی پر چلے جا رہے تھے۔ ابھی انہوں نے بہ مشکل نصف میل کا فاصلہ طے کیا ہوگا انہیں ایک حیرت انگیز تماشا دکھائی دیا۔ اس لق ودق ویرانے میں ایک شخص پرانی فورڈ گاڑی میں بیٹھا اسے چلاتا ہوا آ رہا تھا۔ اس نے ان کے قریب آ کر بریک لگائی۔ اس نے اوپر سے نیچے تک ان کا جائزہ لیا۔ اس کے چہرے پر حیرت نمودار ہوئی۔ اس نے انگریزی زبان میں انہیں مخاطب کیا۔

"آؤ بیٹھو میری گاڑی میں۔؟"

اس نے اس طرح سے تحکمانہ لہجے میں کہا جیسے وہ اس کے زرخرید غلام ہوں۔ وہ اس کی گاڑی میں لد گئے۔ اس نے گاڑی چلا دی' چند لمحوں کے بعد اس نے کہا۔

"تم لوگ غالباً سمندر کے راستے سے آئے ہو۔ تمہارا حلیہ بتا رہا ہے کہ۔"

"جی سر!" رندھیر نے درمیان میں اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ہماری کشتی چٹانوں سے ٹکرا کر تباہ ہوگئی۔ ہم بہ مشکل تمام جان بچاتے ہوئے اس جزیرے کے ساحل تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔"

"بڑے سخت جان ہو تم لوگ۔" اس نے تعریف کی نظروں سے ان دونوں کو باری باری دیکھا۔ "اچھا تو یہ بتائیں کہ آپ دونوں کی تشریف آوری کہاں سے ہو رہی ہے۔؟" اس کا لہجہ ایک دم طربیہ ہو گیا۔

"کوڑھیوں کے جزیرے سے۔" رندھیر نے جواب دیا۔

"کوڑھیوں کے جزیرے سے؟" اس نے چونک کر دیکھا۔ "وہاں تو مفرور و مجرم پناہ لیتے ہیں۔ تم دونوں کس جرم میں جیل میں قید تھے اور وہاں سے فرار ہو کر کوڑھیوں کے جزیرے سے نکل کر اس طرف آ نکلے؟"

"قتل اور آبروریزی کے جرم میں' میں نے کئی کئی قتل کئے۔ آبروریزی کی تعداد یاد نہیں۔ قتل سے زیادہ آبروریزی کے مقدمات کچھ زیادہ ہیں۔" رندھیر نے ذرا مزہ لینے کے لئے حاشیہ چڑھایا۔

"تم خاصے جی دار نظر آتے ہو۔ کیا تمہارے اس ساتھی نے قتل اور آبروریزی کی ہے؟"

"میرے اس ساتھی نے کوئی دس قتل کئے ہیں۔" اس کے بارے میں رندھیر بتانے لگا۔ "اس نے اپنے دوستوں کی بیویوں اور بیٹیوں کو جبر و زیادتی سے نشانہ بنایا۔ اس کے کسی دوست کی بیوی اور بہن کی عزت اس سے محفوظ نہ رہی۔ اس نے اپنی بھابی کے ایک آشنا کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ ہم دونوں کے کارناموں کی بڑی لمبی فہرست ہے۔"

وہ رندھیر کی باتیں بڑے غور سے سنتا اور مسکراتا رہا۔ جب اس نے اپنی بات پوری کر لی تو اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"مجھے ڈاکٹر رابرٹ کہتے ہیں۔ اس جزیرے کا نام ڈنگی آئی لینڈ ہے۔ یعنی گدھوں کا جزیرہ۔ یہاں کی تین چیزیں مشہور ہیں۔ گدھے' بکریاں اور تھوہڑ۔ میں اس پورے جزیرے کا واحد مالک ہوں۔ چوں کہ اسے میں نے حکومت سے خریدا ہے اسے ترقی دینے کے منصوبے بنا رہا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ یہاں اچھی کالونیاں بن جائیں۔ یہاں بڑے قدرتی وسائل ہیں۔ یہ جزیرہ امریکن فیلڈ سے کہیں بہتر ہے۔ یہاں کی زمین سونا اگلنے والی ہے اور میں سرمایہ داروں کو پٹے پر زمین دینے کے لئے سوچ رہا ہوں۔"

ڈاکٹر رابرٹ ایک دلچسپ اور باتونی آدمی ثابت ہوئے۔ تھوڑی دیر ہی میں وہ ان سے خاصا بے تکلف ہو گیا۔ پھر رندھیر نے اسے بتایا کہ وہ نہ تو قاتل ہیں اور نہ ہی انہوں نے

عورتوں پر مجرمانہ حملے کئے ہیں۔ محض تفریح طبع کی خاطر گپ ہانکی تھی۔ وہ مہم جو ہیں۔ وہ جزیروں کے متعلق سروے اور فیچر تیار کرنے کے لئے نکلے ہیں۔ راستے میں انہوں نے بڑے بڑے مصائب جھیلے ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنی مہم جوئی ترک نہیں کی۔ وہ مزید آگے جانا چاہتے ہیں۔ اس نے انہیں یقین دلایا کہ وہ ہر ممکن حد تک ان کی مدد کرے گا۔

سورج کے چھپتے چھپتے ڈاکٹر رابرٹ کی فورڈ ایک ہموار میدان میں پہنچی جس کے عین درمیان دو منزلہ مکان بنا ہوا تھا۔ اس مکان پر شاید قلعی حال ہی میں پھیری گئی تھی۔ مکان کے اردگرد چار دیواری تھی جس کی اونچائی اندازے کے مطابق آٹھ فٹ ہوگی۔ لوہے کی خاردار تار جو لگائی گئی تھی وہ تین فٹ اونچی تھی۔ گاڑی ایک مضبوط پھاٹک پر رکی۔ ڈاکٹر نے تین بار ہارن بجایا۔

کوئی چند لمحوں کے بعد ایک قوی ہیکل حبشی نے دروازہ کھولا اور گاڑی اندر داخل ہوئی۔ حبشی نے اتنا بھاری دروازہ جس آسانی سے کھولا اس آسانی سے بند بھی کر دیا تھا۔ لوہے کا بھاری قفل اندر سے ڈال دیا۔ پھر وہ دوڑتا ہوا گاڑی کی طرف آیا اور ادب سے گردن جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

"ڈاکٹر! آپ کو یہ حبشی غلام کہاں سے مل گیا؟" رندھیر نے سوال کیا "کیا اسے آپ افریقہ سے لائے ہیں؟"

"میں نے اسے ایک بردہ فروش سے خریدا ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "افریقی غلام دنیا میں سب سے زیادہ پھنسے ہوئے ہیں۔"

ڈاکٹر نے رندھیر کی بات کا جواب دینے کے بعد اس سے ایسی زبان میں بات کی جو ان کے پلے نہیں پڑی۔ رندھیر نے قیاس کیا کہ ڈاکٹر اسے ان کے بارے میں کچھ ہدایتیں دے رہا ہے۔ وہ انگریزی میں جواب دے رہا تھا۔

"یس سر۔ یس سر۔ یس سر۔"

اس نے ایک جملہ اور انگریزی میں کہا تھا جو ان کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ اس کے بعد ڈاکٹر نے رندھیر سے کہا۔

"یہ میرا زرخرید ملازم ہے۔ میں نے اسے سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ ویسے یہ ہندوستانی بول اور سمجھ سکتا ہے کیونکہ ہندوستانی بہت آسان زبان ہے وہ ایک ہندوستانی بزنس مین کے ہاں دو برس ملازم رہا ہے۔ یہ آپ کے لئے کمرہ اور بستر تیار کرے گا۔ مکان میں کھانے پینے کا

سامان وافر مقدار میں موجود ہے۔ جو جی چاہے اس سے مانگ کر کھائیں۔ میں آج رات ایک بہت ہی ضروری کام سے ایک جزیرے پر جا رہا ہوں۔ صبح واپس آؤں گا آپ کو اپنا مکان دکھاؤں گا۔"

مکان باہر سے جس قدر چھوٹا نظر آیا اندر سے اتنا ہی وسیع تھا۔ ڈاکٹر نے اس کی مضبوطی اور خوبصورتی پر خاصا زور دیا ہوا تھا اور دل کھول کر روپیہ پانی کی طرح خرچ کیا تھا۔ اس کا ماسٹر بیڈ روم عشرت کدہ لگا تھا۔ اس میں تین بڑے بڑے پوسٹرز فریموں میں آویزاں تھے۔ یہ تین لڑکیاں بے لباسی کی حالت میں تھیں۔ ایک یورپی اور ایک پرتگالی۔ وہ ہر لحاظ سے بہت حسین اور ہیجان خیز تھیں۔ دیواروں پر جو آئینے تھے وہ چھت سے فرش تک تھے۔ چھت پر بھی آئینے تھے۔

"یہ تینوں لڑکیاں ماڈل گرلز ہیں اور لندن میں اور پھر یہاں بھی جب تک رہیں میرے بستر کی زینت بنی رہیں۔"

ان دونوں نے اس بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ جواب نہیں دیا۔ لیکن جب تک کمرے میں موجود جائزہ لے رہے تھے ان کی نگاہیں ان پر سے ہٹنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ ان تینوں میں جو کشش تھی، جاذبیت اور دل کشی تھی اس نے انہیں ایستھر اور جوزفین کی یاد دلا دی تھی۔ ان کے ساتھ گزارے لمحات یاد آ گئے تھے۔

انہوں نے تیل سے چلنے والا ایک جنریٹر بھی دیکھا جو بجلی پیدا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ مکان کے اندر ایک بہت بڑا تہہ خانہ بھی تھا جس میں مختلف اجناس کی بوریاں بڑے قرینے سے رکھی ہوئی تھیں۔ یہ ذخیرہ سال ڈیڑھ سال کے لئے کافی تھا۔

یہ بات ان کے فہم و ادراک سے بہت بالاتر تھی کہ ڈاکٹر کو آخر اس لمبے چوڑے مکان اتنی وسیع چار دیواری اور چار دیواری کے اوپر تین فٹ اونچی آہنی خاردار باڑ۔ لکڑی کے مضبوط پھاٹک۔ پھاٹک میں اندرونی جانب لگائے جانے والے بھاری قفل اور اس قوی ہیکل حبشی غلام کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ انہیں یہ شخص نہ صرف بے حد پراسرار بلکہ خطرناک بھی لگا۔ رندھیر کا خیال اجناس کی بوریوں کے ساتھ رکھی ہوئی ان بوریوں کی جانب گیا جن میں اجناس نہیں کچھ اور تھا۔ اس کے خیال میں شاید اس میں سونا بھرا ہوا ہوگا۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ اس جزیرے کی زمین سونا اگلتی ہے۔

ایک بار پھر ڈاکٹر اس حبشی غلام سے عجیب و غریب زبان سے باتیں کر کے رخصت ہو

گیا۔

حبشی پھاٹک بند کر کے آیا اور انہیں ایک کمرے میں لے گیا جہاں لوہے کے پلنگ پڑے تھے۔ ایک گوشے میں دریوں اور چادروں کا ایک انبار لگا تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے ان کے لئے بستر بچھائے اور بٹن دبا کر بتی جلائی۔ پھر معنی خیز انداز میں اپنے سفید سفید دانت نکال کر ہندوستانی میں بولا۔

کھانا تیار کرنے میں ایک گھنٹہ لگے گا۔ میں کچھ پھل اور بسکٹ پیش کرتا ہوں۔ جتنی دیر میں آپ یہ کھائیں میں کھانا بنا کر لے آتا ہوں۔

ادھر انتظار کی تاب کہاں تھی۔ وہ ایک ٹرے میں ایک درجن سیب' تھوڑے سے ابلے ہوئے آلو کیلے اور نمکین بسکٹ بھی لے آیا۔ بسکٹ کے یہ دو ڈبے تھے۔ پھر کچھ کہے بغیر واپس ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بغیر دودھ کی کافی دے گیا۔ وہ کھاتے رہے اور کافی پینے کے درمیان ڈاکٹر کے بارے میں رائے زنی ہوتی رہی۔ اس دوران میں انہوں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ چار فٹ لمبا اور سات فٹ چوڑا۔ اونچائی کوئی اٹھارہ فٹ کے لگ بھگ۔ اس میں صرف ایک روشن دان اور ایک کھڑکی جس میں پون انچ موٹی لوہے کی سلاخیں لگی تھیں۔ البتہ ایک گوشے میں پانی سے بھری ہوئی بالٹی۔ المونیم کا ایک مگ اور حوائج ضروریہ کے لئے پاٹ دھرا تھا۔

وہ حیرت سے سوچنے لگے کہ آخر اس کمرے میں پاٹ رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ طرح طرح کے وہم' وسوسے اور شبہے ان کے ذہنوں میں سر اٹھانے لگے۔ رندھیر ایک نئے خیال کے زیر اثر اپنی جگہ سے اٹھا اور دبے پاؤں دروازے کی جانب بڑھا۔ کان لگا کر پرلی طرف کی آوازیں سننے کی کوشش کرنے لگا اور یہ معلوم کر کے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ دروازے کے باہر یقیناً کوئی ذی روح دیوار سے چپکا کھڑا ہے۔ اس کے سانس لینے کی مدھم آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

کون ہو سکتا ہے۔؟ حبشی غلام کے سوا پورے مکان میں اور کوئی نہ تھا۔ تو کیا یہ کالا دیو باہر کھڑا ان کی باتیں سننے کی کوشش کر رہا ہے؟

اس خیال کے آتے ہی رندھیر نے دروازہ کھولنا چاہا مگر دروازہ باہر سے بند تھا۔ پھر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی جو آہستہ آہستہ دور ہوتی چلی گئی۔ اب صرف ایک سناٹا سا تھا۔

گوتم کا دہشت سے برا حال تھا۔ رندھیر نے دیکھا کہ مضبوط اعصاب کے مالک ہونے کے باوجود گوتم کی ٹانگیں کانپ رہی ہیں۔ بغیر کچھ کہے وہ دونوں صورت حال سمجھ چکے تھے۔

''گوتم۔ ہمیں دھوکے سے اس کمرے میں قید کر دیا گیا ہے۔'' رندھیر نے آہستگی سے سرگوشی کی۔

پھر ان دونوں نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے پہلے کھڑکی' روشن دان کی طرف دیکھا اور مایوس ہو کر انہوں نے سر لٹکا لئے۔

''یہ حبشی غلام ہم دونوں پر بھاری ہے۔'' رندھیر نے بے دھیانی میں کہا۔ ''بدقسمتی سے ہمارے پاس نہ تو چاقو ہے نہ پستول اور نہ ریوالور۔''

رندھیر کی بات سنتے ہی گوتم نے فوراً ہی اپنی ڈب میں ہاتھ ڈال کر چاقو نکال لیا جو کوڑھیوں کے جزیرے پر رندھیر نے بونے سے حاصل کیا تھا۔ بونے نے واپس حاصل کرنے کے بعد اسے تحفتاً رندھیر کو دیا تھا۔ رندھیر کے ذہن سے نکل گیا تھا۔ چاقو دیکھ کر ان کا حوصلہ بڑھ گیا۔

رندھیر نے کھڑکی سے دیکھ کر اطمینان کر لیا کہ باہر کوئی نہیں ہے ان کی باتیں سننے والا تاہم اس نے گوتم کے پاس آ کر سرگوشی کی۔

''حبشی پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا جائے کہ ہم چال بازی کو سمجھ گئے ہیں۔ وہ جیسے ہی کھانا لے کر آئے اسے دبوچ لیں گے۔''

''پہلے تو کھانا کھالیں۔'' گوتم نے کہا۔ ''جب وہ برتن لینے آئے گا تب اس کالے سور کو سبق دیں گے۔''

ایک گھنٹہ کیا' دو گھنٹے گزر گئے۔ جب وہ کھانا لے کر نہ آیا تو ان کا شبہ یقین میں بدل گیا۔ پھر ان دونوں نے پلنگوں کا معائنہ کیا۔ یہ لوہے کے ایسے پلنگ تھے جو عموماً ہسپتالوں میں ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر نے شاید اسے کسی کباڑیے یا پھر نیلام میں خریدا ہو گا۔ تھوڑی سی جدوجہد کے بعد انہوں نے دو آہنی پائے الگ کر لئے۔ یہ بڑی حوصلہ افزاء بات تھی۔ دو لوہے کے پائے اور ایک خوفناک قسم کا چاقو۔ اب ان کا حوصلہ دو چند ہو گیا تھا۔ لوہے کے پائے بھی پانچ پانچ کلو وزنی تھے۔ یہ حبشی سوا چھ فٹ کا تھا۔ دیو پیکر تھا۔ اس پر قابو پانا اتنا آسان نہ تھا۔ وہ ایسا قوی تھا کہ بیک وقت چار پانچ آدمیوں کا آسانی سے مقابلہ کر سکتا تھا۔

اب یہ مسئلہ تھا کہ حبشی کو کس بہانے کمرے میں داخل ہونے پر مجبور کیا جائے۔ یہ تدبیر رندھیر کے زرخیز ذہن نے سوچی کہ وہ دونوں آپس میں زور زور سے دھینگا مشتی کریں۔ ایک دوسرے کو فحش گالیاں دیں۔ جس قدر ہنگامہ کر سکتے ہیں کریں۔ ہم میں سے کوئی چند لمحوں کے

بعد اس انداز میں چیخے چلائے جیسے اس کا گلا گھونٹا جا رہا ہو۔ حبشی غلام اس دھوکے میں آ کر ضرور دروازہ کھولے گا اور پھر اندر ان کی خبر لینے آئے گا۔ تب اس کالے سور کو ختم کر دیا جائے۔

یہ طے کرنے کے بعد ان دونوں نے ہنگامہ شروع کیا اور کمرہ سر پر اٹھا لیا۔ چند لمحوں کے بعد حبشی کا مکروہ چہرہ کھڑکی کی سلاخوں سے باہر دکھائی دیا۔ پہلے تو ان کے درمیان ہونے والی لڑائی کو دلچسپی سے دیکھتا رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ لڑائی کم ہونے کے بجائے اس کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے تو اس نے بری طرح چیختے ہوئے کہا۔

''شیطانو یہ دنگا فساد بند کرو۔ ورنہ میں اندر آ کر تم دونوں کو مار مار کر بھرکس نکال دوں گا۔''

''ابے جا۔ بڑا آیا مارنے والا کالے سور کی اولاد۔'' گوتم نے یہ کہہ کر اس کی ماں بیٹی کی شان میں گالیاں بک دیں۔

گالیاں سن کر جیسے اس کا ناریل چٹخ گیا۔ کھڑکی سے ہٹ کر دندناتا ہوا راہ داری کی طرف بڑھا۔ بس یہی وہ چند قیمتی لمحے تھے اور سنہرا موقع تھا جس سے انہیں فائدہ اٹھانا تھا۔ ان دونوں نے ایک پل بھی ضائع نہیں کیا۔ رندھیر نے لوہے کا پایہ اٹھایا اور دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ قفل اور کنڈی کھلنے کی آواز آئی پھر دونوں کواڑ جدا ہوئے اور حبشی کا سیاہ پہاڑی جسم کمرے میں نظر آیا۔ رندھیر نے اپنے بدن کی پوری قوت سمیٹ کر جمع کی۔ دونوں بازو بلند کئے اور دھائیں سے آہنی سریا سے حبشی کی کھوپڑی بجا دی۔ ایک پل کے ہزارویں حصے کے وقفے میں وہ کالا دیو گھوما۔ اس نے رندھیر کو غیظ آلود نظروں سے دیکھا۔ رندھیر کو یوں لگا جیسے اس ضرب کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے سریا دوبارہ اٹھایا لیکن دوسری ضرب لگانے کی نوبت نہیں آئی۔ کیوں کہ وہ دوسرے ہی لمحے کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح دھڑام سے پیٹھ کے بل فرش پر گرا۔

حبشی کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ بے ہوش پڑا تھا۔ پھر رندھیر نے اس کی نیکر کی جیب سے بیرونی پھاٹک کے قفل کی چابی نکالی۔ دروازہ بند کر کے قفل لگایا۔ دور تہہ خانے کی طرف سے جنریٹر چلنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس وقت سارا مکان بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ وہ کچن کی طرف گئے۔ وہاں کھانے کی چیزیں وافر مقدار میں تھیں۔ ہرن کے گوشت میں بھی مسالحہ لگا کر رکھا ہوا تھا۔ وہ سارا چٹ کر گئے۔ پھر وہ نشست گاہ میں آ کر گہری نیند سو گئے۔ پیٹ کو ایندھن

ملا تو انہیں بڑا سکون سا ملا تھا۔

رندھیر نے نیند کے عالم میں جو پہلا خواب دیکھا تھا وہ بڑا سہانا اور رنگین تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایستھر کے کمرے میں وہ موجود ہے۔ وہ ایسے لباس میں کھڑی ہے' اس کے حسن وشباب کی کرشمہ سازیاں واضح ہیں۔ اس کے انگ انگ سے مستی ابل پڑ رہی تھی۔ پھر وہ اس پر بڑے والہانہ پن' وارفتگی اور خودسپردگی اور بڑی فیاضی سے اس پر مہربان ہو گئی ہے۔ وہ انجانے راستے پر جنون کی حالت میں جا رہے تھے۔ ایستھر کی محبت بھری باتیں اس کے کانوں میں رس انڈیل رہی ہیں۔ اس سے کہہ رہی ہے کہ رندھیر تم نے مجھ پر یہ کیا جادو کر دیا۔ میں تمہارے بغیر ایک لمحہ بھی نہیں گزار سکتی۔ دیکھو۔ اب مجھے چھوڑ کر نہ جانا ورنہ میں مر جاؤں گی۔ پھر یہ خواب ایک دم بھیانک بن جاتا ہے۔ وہ حبشی غلام اس کے سرہانے کھڑا اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہا ہے۔ ابھی تک اس کی کھوپڑی کے زخم سے خون رس رس کر اس کے خوف ناک چہرے کو اور مکروہ بنا رہا ہے۔ وہ اس سے کہہ رہا ہے۔ میں نے تمہارے دوست ساتھی کو قتل کر دیا ہے۔ وہ دیکھو۔ حبشی غلام اشارہ کرتا ہے۔ گوتم کی خون میں لت پت لاش فرش پر پڑی ہے پھر وہ حبشی غلام کے ہاتھ میں وہی چاقو دیکھتا ہے جو بونے نے دیا تھا۔ چاقو لہراتے ہوئے کہتا ہے کہ بستر سے نکلو۔ اب میں اس عورت کے ساتھ وقت گزاروں گا۔ یہ عورت کتنی حسین' جوان اور غضب کی ہے۔ ایستھر اس کے بدن سے چپک جاتی ہے۔ کہتی ہے کہ نہیں۔ نہیں۔ میں اس کالے کو خوش نہیں کروں گی۔ مر جاؤں گی۔ پھر حبشی غلام آگے بڑھ کر ان پر سے چادر کھینچ لیتا ہے پھر یکایک وہ اپنا ہاتھ بلند کرتا ہے اور چاقو اس کے سینے میں گھونپنا چاہتا ہے۔ وہ بری طرح چیختا ہے لیکن آواز اس کے حلق سے نہیں نکلتی ہے۔ حبشی ایک شرمناک گالی دے کر زور سے ٹھوکر اس کی پسلیوں میں رسید کرتا ہے اور پھر وہ ایستھر کو اپنی آغوش میں لے کر من مانیاں کرنے لگتا ہے۔ پھر ایک ہولناک چیخ کے ساتھ اس کی آنکھ کھل جاتی ہے۔

وہ دیکھتا ہے کہ قالین پر چت پڑا ہوا ہے۔ کمرے کی چھت کے وسط میں لٹکا ہوا تیز روشنی کا بلب جل رہا ہے۔ اس کے خواب کا ایک حصہ حقیقت کا روپ دھار چکا ہے۔ اس کے سرہانے خون میں نہایا ہوا حبشی غلام کھڑا ہوا ہے اور پھر ڈاکٹر کا چہرہ بھی دکھائی دے رہا ہے۔ اس کے ہونٹ سختی سے بھنچے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر کے پیچھے وردیوں میں ملبوس تین پولیس والے بھی موجود ہیں۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ریوالور ہے اور باقی دونوں رائفلوں سے مسلح ہیں۔ گوتم اپنی جگہ بے حس وحرکت بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ ڈاکٹر انگریزی زبان میں

ان سے کچھ کہہ رہا ہے۔ وہ اثبات میں سر ہلا رہا ہے۔ اور اس کی طرف خون خوار نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ پھر ڈاکٹر نے تیز و تند لہجے میں مخاطب کیا۔

"اب تم پولیس کی حراست میں ہو۔ خبردار اب تم نے ایسی ویسی کوئی حرکت کی تو میرے ساتھی تمہیں بلا تامل شوٹ کریں گے۔ اٹھو۔ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہے۔"

حبشی غلام نے ایک اور ٹھوکر رندھیر کی پسلیوں میں دے ماری۔ رائفل بردار سپاہیوں کے پاس ہتھکڑیاں بھی تھیں۔ انہوں نے گوتم کے ہاتھوں میں پہلے ہی سرکاری زیور پہنایا ہوا تھا۔ پھر اس کی باری آئی۔ اس کے بعد وہ انہیں دھکے دیتے' گھونسے مارتے اور ٹھوکروں پر رکھتے ہوئے بیرون پھاٹک کی طرف لے گئے۔ ڈاکٹر اور حبشی پولیس والوں کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔

حبشی کی مار پیٹ ایسی تھی کہ پکے پھوڑے کی طرح رندھیر کا بدن دکھ رہا تھا۔ رندھیر کو بخوبی اندازہ تھا کہ اب ان پر بہت سارے مصائب اور آلام کے پہاڑ ٹوٹنے والے ہیں۔ تمام راستہ ویران اور بے آب و گیاہ پڑا ہوا تھا۔ کوئی بارہ تیرہ میل کا فاصلہ پرانی جیپ نے ایک گھنٹے میں طے کیا۔

جس عمارت میں پولیس سٹیشن قائم تھا وہ حد درجہ بوسیدہ اور مخدوش حالت میں تھی۔ رندھیر کے اندازے اور خیال کے مطابق دو برس قبل کی تھی۔ یہ برطانوی طرز تعمیر کا بہترین نمونہ تھا۔ تنگ کمرے اونچی چھتیں۔ پلستر ادھڑے ہوئے فرش' لکڑی کی کھڑکیوں میں لوہے کی سلاخیں' دروازے اتنے نیچے کہ لمبے قد کا آدمی گردن جھکا کر اندر داخل ہونے پر مجبور ہو۔

سیاہ فام پولیس افسر نے انہیں لے جا کر تھانے کے حوالات میں بند کر دیا۔ یہ سیاہ فام پولیس افسر حبشی نہ تھا بلکہ مدراسی معلوم ہوتا تھا۔ حوالات کا یہ کمرہ کیا تھا۔ ٹین کی چھت کا ایک چھ فٹ کا لمبا اور پانچ فٹ چوڑا کیبن جس کے فرش پر میلی اور موٹی سی دری پڑی تھی۔ چھت کے عین درمیان لوہے کی زنجیر سے پرانی طرز کا لیمپ لٹکا ہوا بھڑ بھڑ جل رہا تھا۔ اس کی زرد روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ دری پر نہ جانے حشرات الارض کی قسم میں سے کون کون سے کیڑے مکوڑے رینگ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ مچھروں کی بہتات۔

یہ رات ان دونوں کو ایسی لگی جیسی وہ نرک میں کاٹ رہے ہوں۔ مچھروں نے کاٹ کاٹ کر ان کے برہنہ بدن سوجا دیئے۔ ایسی اذیت اس سے پہلے کبھی نہیں اٹھائی تھی۔ سورج نکلا تو مچھر غائب ہوئے اور انہیں نیند نے آ دبوچا۔ مگر مشکل سے وہ چند منٹ ہی سونے پائے

ہوں گے کہ ایک مکروہ شکل کے کالے سپاہی نے اشارے سے بتایا کہ چیف بلاتا ہے۔

رندھیر نے اس سے پوچھا "یہاں کوئی منہ دھونے کا بندوبست ہے؟" تیل وغیرہ کہاں لگا ہے؟"

وہ نہ جانے کس ملک وقوم کا تھا۔ اس نے کچھ نہ سمجھ کر نفی میں سر ہلا دیا۔ پھر اس نے انہیں اٹھنے کا حکم صادر کیا۔ اس نے اپنی پیٹی میں لکڑی کا ڈنڈا بھی اڑس رکھا تھا اور پستول بھی۔ چار و ناچار وہ اٹھے اور اس کے ساتھ لڑکھڑاتے قدموں سے عمارت کے پرلے حصے میں داخل ہوئے۔ وہ انہیں ایک اور سپاہی کی تحویل میں دے کر جانے کہاں گدھے کے سینگ کی طرح غائب ہو گیا۔

کوئی آدھا گھنٹہ کھڑے رہنے کی سزا بھگتنے کے بعد انہیں ایک کمرے میں جانوروں کی طرح دھکیل دیا گیا۔

یہ پولیس چیف کا کمرہ تھا۔ ایک بڑی سی میز کے پیچھے بھاری بھرکم اور عتابی نظروں والا ایک خرانٹ قسم کا انگریز براجمان تھا۔ یہاں وہ تینوں پولیس والے بھی ایک گوشے میں اٹن شن کھڑے دکھائی دیئے جو انہیں آدھی رات کو گرفتار کر کے اس مخصوص جگہ پر لائے تھے۔ ان کے علاوہ سر سے پیر تک سفید براق وردیاں پہنے چند اور افسر بھی کرسیوں پر بیٹھے نظر آئے۔ چیف کا کمرہ خاصا سرد تھا۔ ان سب کے چہرے بھی سرد سفاک تھے۔

پولیس چیف نے عینک آنکھوں سے سرکا کر پیشانی پر لٹکائی اور اس نے انہیں خشمگیں نظروں سے غور سے دیکھا جیسے نگاہوں ہی نگاہوں میں ان کی شخصیتوں کو تول رہا ہو۔ پھر سامنے پڑے ہوئے ایک کاغذ پر سرسری نظر ڈالی۔ پھر اس نے انگریزی میں اس پولیس افسر سے کچھ کہا جو انہیں گرفتار کر کے لایا تھا۔ اس نے جواب میں ایک لمبی تقریر جھاڑ ڈالی۔ اس کے لب و لہجے کی خشونت اور الفاظ سے ان کے لئے یہ اندازہ کرنا کچھ مشکل نہ تھا کہ یہ تقریر سراسر ان کے خلاف تھی۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے چیف کو یہ بھی بتایا تھا کہ کس طرح انہوں نے حبشی کے سر پر پلنگ کا آہنی پایہ دے مارا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ پھر چیف ان کی طرف متوجہ ہوا اور بولا۔

ڈاکٹر رابرٹ کا تحریری بیان یہ ہے کہ وہ تمہیں اپنے گھر میں چھوڑ کر کسی ضروری کام سے ایک قریبی جزیرے پر گیا ہوا تھا۔ محض اس واسطے کہ اس کو شک تھا کہ تم دونوں منشیات کے سمگلر ہو اور مفرور مجرم معلوم ہوتے ہو۔ اور پھر تم دونوں نے کئی قتل کے علاوہ ہندوستان میں عورتوں

کی آبروریزی بھی کی۔ بولو اب تم اپنی صفائی میں کیا کہنا چاہتے ہو۔ اگر وہ حبشی مر گیا جیسا کہ ڈاکٹر رابرٹ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی کھوپڑی کو صدمہ پہنچا ہے تو تم دونوں پر قتل کا مقدمہ چلایا جائے گا اور جرم ثابت ہونے پر شاید سزائے موت دی جاسکتی ہے۔

یہ سن کر دونوں کے پیروں تلے زمین نکل گئے۔ تب رندھیر نے خود پر قابو پا کر کہا۔

"ہم مفرور مجرم ہیں نہ قاتل اور نہ ہی عورتوں کی بے حرمتی کے مجرم۔ ہم نے ڈاکٹر رابرٹ سے مذاق میں یہ بات کہی تھی کہ ہم نے کئی قتل اور نجانے کتنی عورتوں کی آبروریزی کی۔ ہم ہندوستان کے ایک معزز شہری ہیں۔ ہمارا کردار صاف شفاف آئینے کی مانند ہے۔ ہم سیاح ہیں' مہم جو' ہم جزیروں کی سیاحی اور ان کے متعلق معلومات کے لئے ایک کشتی میں نکلے تھے۔ ہمارے اس بیان کی تصدیق امریکن فیلڈ کے مسٹر جیمز ڈین بھی کر سکتے ہیں۔ انہوں نے ہمیں ایک ہفتہ تک اپنا مہمان رکھا۔ ان کی اہلیہ ایستھر اور ان کی بیٹی جوزفین نے ہماری بڑی خاطر مدارت کی اور ہر طرح سے ہر بات کا خیال رکھا۔" یہ بات کہتے رندھیر کی نظروں کے سامنے ایستھر کے ساتھ دن رات گزرے لمحات گھوم رہے تھے۔ ان مناظر نے اس کے سینے میں ایک کسک اور جسم پر میٹھی سنسنی دوڑا دی۔ آپ چاہیں تو میرے اس بیان کی تصدیق ان سے اور ان کی اہلیہ اور بیٹی سے بھی کر سکتے ہیں۔ دراصل ہمیں شبہ تھا کہ وہ ڈاکٹر ہمیں پراسرار طریقے پر اپنے مکان پر لے گیا۔ اس کا کمرے میں قید کرنا ہمارے شبہے کو یقین میں بدل رہا تھا۔ ہماری کسی بات پر حبشی غلام ہماری جان لینے کے درپے ہو گیا۔ پھر وہ ہمیں قتل کرنے کے ارادے سے اندر آیا کہ ہم نے اپنا بچاؤ کیا۔ میں نے اس کے سر پر آہنی پایہ سے ضرب لگائی۔ میرے ساتھی نے اس پر قاتلانہ حملہ نہیں کیا۔ وہ محض دفاع اور مزاحمت پر مستعد تھا۔"

مسٹر جیمز ڈین کا نام سن کر پولیس چیف نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر ایک پولیس افسر سے کچھ کہا۔ وہ جلدی سے باہر گیا اور ایک فائل اٹھا کر لایا۔ پولیس چیف نے یہ فائل کھول کر اس میں سے ایک کاغذ برآمد کیا۔ پڑھا اور مسکرایا۔

"ٹھیک ہے مسٹر رندھیر۔! وہ ایک دن قبل مسٹر جیمز ڈین کا ایک تار آپ کے بارے میں موصول ہوا تھا۔ میں انہیں ذاتی طور پر جانتا ہوں' وہ بڑے مہمان نواز ہیں۔ میں ایک دو مرتبہ امریکن فیلڈ گیا تو انہوں نے میری بڑی مہمان نوازی کی۔ ان کی بیوی ایستھر نہ صرف خوب صورت ہیں بلکہ نفیس اور شائستہ بھی۔ لوگ ان دونوں میاں بیوی پر رشک کرتے ہیں۔ بہرحال ہم ان سے بھی تصدیق کریں گے۔ فی الحال آپ کو پولیس سٹیشن میں ہی رہنا ہو گا۔

میں آج ہی آپ کا کیس گورنر کو بھجوا رہا ہوں۔ وہی فیصلہ کرے گا کہ آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس دوران میں آپ ایسی کوئی حرکت نہیں کریں گے جو آپ کا جرم مزید سنگین بنا دے۔ اس کے علاوہ یہ بھی دعا کریں کہ ڈاکٹر رابرٹ کا سیاہ فام ہلاک نہ ہو جائے۔"

اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ان دونوں سے باری باری بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ پھر اس نے ایک پولیس افسر کو کچھ ہدایات دیں اور ہمیں رخصت کر دیا۔ اس مرتبہ انہیں ایک کشادہ اور آرام دہ کمرے میں لے جایا گیا جہاں دس بارہ حوالاتی پہلے سے موجود تھے۔ دروازے پر مسلح سپاہیوں کا پہرہ تھا۔ حوالاتیوں نے فرش پر بستر جمائے ہوئے تھے۔ ان میں سے دو تین جرمن' کئی ایک سیاہ اور ایک اطالوی۔ جیسا کہ انہیں بعد میں پتا چلا تھا کہ یہ تمام منشیات کے چکر میں ہندوستان لائے تھے اور جزیروں پر بھی۔ یہ جرم پیشہ تھے۔ سنتری نے ان سے اشاروں میں پوچھا کہ کسی چیز کی ضرورت ہے؟ رندھیر نے ان سے کہا کہ ناشتے میں ان کے لئے کچھ لاؤ۔ رندھیر نے کچھ ڈالر اوپر رکھے تھے ساتھ میں ہندوستانی کرنسی بھی۔ جوئے میں جیتی ہوئی ایک لاکھ ڈالر کی رقم اس نے اندر چھپائی ہوئی تھی تاکہ گوتم یا کسی اور کی نظر نہ پڑے جائے۔ رندھیر نے سنتری سے پوچھا کہ کیا ہندوستانی رقم چل جائے گی۔ اس نے کہا کہ ڈالر کی زیادہ قیمت ہے۔ ہندوستانی روپے کے بجائے ایک ڈالر زیادہ قیمت رکھتا ہے۔ پھر ایک ڈالر بھی رندھیر کو اس نے جو لا کر دیا وہ وافر مقدار میں تھا۔

دوسرے حوالاتیوں نے انہیں گھیر لیا اور بڑی مشکل سے وہ انہیں سمجھا پائے کہ انہیں شک وشبہ میں دھر لیا گیا ہے۔ وہ مہم جو ہیں۔ جزیروں کے بارے میں معلومات کرنے ایک کشتی میں نکلے۔ اس جزیرے پر ڈاکٹر مل گیا۔ وہ اپنے ہاں چھوڑ گیا تھا۔ اس دوران اس کا حبشی غلام مشتعل ہو کر مارنے آیا تھا۔ دفاع میں اسے زخمی کر دیا۔ اس جرم کی پاداش میں حوالات ڈال دیا گیا ہے۔ سبھی نے ہمدردی کا اظہار کیا اور امید دلائی کہ جلد رہا کر دیئے جاؤ گے۔

رندھیر نے ایک قیدی سے دریافت کیا کہ اس جزیرے پر یہ انگریز کہاں سے آ گئے۔ انہیں ہندوستان سے گئے چالیس پچاس برس ہو چکے ہیں۔ اس نے بتایا کہ انگریز ہندوستان' سری لنکا اور پاکستان سے چلے گئے لیکن ہندوستانی جزیروں پر یہ دو سو برس سے ہیں۔ ان میں کچھ جزیرے ان کی ملکیت ہیں۔ یہاں ان کا قانون ہے' لوگ ہیں۔ وہ اس لئے رہ رہے ہیں

کہ وہ یہاں کے وسائل سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ سب سے مزے میں امریکی ہیں۔ امریکی فیلڈ سے وہ مالا مال ہو رہے ہیں۔ یہ انگریز بھی لندن میں دولت اور جائیدادیں بنا رہے ہیں۔ چوں کہ یہ ہندوستانی حکومت کو ٹیکس دیتے ہیں اس لئے حکومت ان کی آمدنی اور معاملات میں بالکل بھی دخل اندازی نہیں کرتا ہے۔ بہت سارے جزیروں پر تو سیاہ فام ہیں۔ وہ ان کے لائے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی باقیات بھی ہے۔ مگر یہ لوگ اپنی عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہیں رکھتے ہیں۔ انہیں جب کبھی عورت کی طلب محسوس ہوتی ہے تو وہ امریکن فیلڈ چلے جاتے ہیں۔ نائٹ کلب کی رقاصائیں جسم فروشی کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ امریکی دوست عورتیں انہیں مفت میں ہر قسم کی تفریح فراہم کرتی ہیں۔

ان کے لئے یہ انکشاف نیا تھا۔ انہوں نے کبھی نہیں سنا تھا کہ آج بھی انگریزوں کی نوآبادیات موجود ہیں۔ چوں کہ یہ جزیرے بہت دور تھے مواصلاتی نظام بھی نہیں تھا۔ ادھر سیاح جاتے نہیں تھے اس لئے وہ ان سب باتوں سے بے خبر تھے تاہم یہ حیران کن بات تھی۔ اب انہیں بہت ساری باتوں کا علم ہوا تھا۔

انہیں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ گورنر بہت اچھا اور انصاف پسند آدمی ہے۔ وہ تین دن تک حوالات میں رہے۔ چوتھے روز شام دو پولیس افسر وہاں آئے اور رندھیر کو اپنے ساتھ چیف کے پاس لے گئے۔ وہاں اس نے ڈاکٹر رابرٹ کو بھی دیکھا جس کا چہرہ ازحد سنجیدہ تھا۔

پولیس چیف نے افسوس اور ہمدردی کے ملے جلے تاثرات سے بتایا کہ حبشی مر گیا ہے۔ اس کی موت زیادہ خون بہہ جانے کے سبب واقع ہوئی ہے۔ ڈاکٹروں نے اسے بچانے کی حتی المقدور کوشش کی تھی۔

یہ سن کر رندھیر کا کلیجہ بیٹھ گیا اور اسے نظروں کے سامنے پھانسی کا پھندا لہراتا دکھائی دیا۔

''مسٹر رندھیر! گھبراؤ نہیں۔'' چیف نے اسے دلاسا دیا۔ ''میں نے مسٹر جیمز کو اس حادثے کے متعلق تار دے دیا ہے اور ٹیلی فون بھی کر دیا ہے۔ امید ہے کہ وہ تمہارا مقدمہ ہاتھ میں لے لیں۔ مسز ایستھر ڈین نے مجھے فون کیا تھا کہ میں تمہیں اس جرم وسزا سے نجات دلانے کی ہر ممکن کوشش کروں۔ اور ہاں مجھے امید ہے کہ اس کے رشتہ دار کو افریقہ میں رہتے ہیں وہ خون بہا لینے پر آمادہ ہو جائیں۔ اور اب ہم مقدمے کے فیصلے تک آپ کو دوسرے حوالاتیوں اور آپ کے ساتھی سے الگ رکھنے پر مجبور ہیں۔ اور ہاں ایک بات اور بتا دوں کہ مسز ایستھر نے صرف آپ کی سفارش کی ہے کہ آپ کو تکلیف نہ ہونے دی جائے۔''

ایستھر کی محبت، چاہت اور خلوص کا اب اس وقت رندھیر کو اندازہ اور احساس ہوا تھا۔

اس کا خیال تھا کہ ایستھر بھی ان امریکی عورتوں میں سے ہے، جو مردوں کے قرب کی بھوکی ہوتی ہیں۔ غیر مردوں سے جسمانی تعلقات استوار کرتی ہیں جیسا کہ اس بات سے خوشی ہوتی ہے کہ اس کی زندگی میں بہت سارے مرد آئے جیسا کہ جوزفین تھی۔ ایستھر نے اسے بتایا تھا کہ اس کے معاشرے میں جو جنسی تصور ہے وہ ہندوستانیوں میں نہیں ہے لیکن یہ تعلقات جسمانی ہوتے ہیں۔ ان میں محض ایک ضرورت اور پیاس ہوتی ہے۔ محبت کا جذبہ نہیں ہوتا ہے۔ عورت اور مرد کے تعلقات میں جب تک روح نہ ہو وہ کھوکھلی ہوتی ہے۔ تم میری زندگی میں آنے سے پہلے آدمی ہو جس نے محبت اور اس کی روح سے آشنا کیا۔ شاید یہی بات تھی جس سے ایستھر اس سے محبت کرنے لگی۔ ایک ہفتہ تک بیوی کی طرح رہی۔ اس نے شیاما کی محبت اور تصور کو دھندلا کر دیا تھا۔ ایستھر ایک اور بات کہتی تھی کہ ہم میں اور حیوانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

وہ ایستھر کو چشم تصور میں دیکھتا ہوا اس کے بارے میں جذباتی انداز سے سوچ رہا تھا کہ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگا دی گئی تھی۔ اس کا جرم ثابت ہو چکا تھا۔ اب وہ ملزم نہیں مجرم تھا۔ وہ اسے ایک ایسی کوٹھری میں لے گئے جہاں اس کی طرح ایک بدنصیب شخص پہلے سے موجود تھا۔ اس کے چہرے پر گھنی داڑھی تھی۔ سر کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔ آنکھیں خون کبوتر کی مانند سرخ، ہونٹ موٹے۔ جسم پر بے حد کثیف اور بدبودار لباس۔ اس کے ہاتھوں میں ڈبل ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں پڑی تھیں۔ وہ اس وقت کچھ کھا رہا تھا اور اس کا جبڑا اس طرح حرکت کر رہا تھا جیسے مویشی جگالی کرتے ہیں۔

وہ رندھیر کو دیکھ کر کچھ متعجب ہوا، کچھ مسکرایا اور غرانے کی سی آواز حلق سے نکالنے لگا۔

رندھیر نے خیال کیا کہ شاید یہ گونگا ہے۔ مگر فوراً ہی ساتھ آنے والے محافظ نے اس سے گفتگو شروع کر دی۔ اس نے رندھیر کے بارے میں بتایا تھا۔ پھر اس نے رندھیر کو ٹوٹی ہوئی ہندوستانی زبان میں بتایا۔

اس شخص کا نام رومیو ہے اور یہ اٹلی کا نہ صرف بڑا نامور بدمعاش اور منشیات کا سمگلر ہے بلکہ قاتل ہے۔ جنونی قسم کا ہے۔ اس نے لڑکیوں اور عورتوں کی بے حرمتی کی ہے۔ بے حرمتی کرنے کے بعد انہیں قتل کر دیا کرتا تھا۔ وہ یہ کہتا ہے کہ عورت کی بے حرمتی کر کے جو لطف آتا ہے اس سے زیادہ اس پر تشدد اور وحشیانہ انداز سے قتل کرنے میں۔ اس نے صرف ایک عورت

کی بے حرمتی نہیں کی جو اس کی ماں تھی۔ اپنی سگی بہن کو اس نے دو برس تک داشتہ کی طرح رکھا۔ وہ اس لئے اسے قتل نہ کر سکا تا کہ وہ اپنے کسی آشنا کے ساتھ فرار ہو گئی۔ افغانستان اور پاکستان اور ہندوستان سے منشیات لے جاتا رہا۔ اس نے ایک ہندوستانی بارہ برس کے لڑکے کے ساتھ امریکن فیلڈ میں بدفعلی کر کے اسے مار دیا پھر وہ فرار ہو کر اس جزیرے پر آیا تو گرفتار کر لیا گیا۔ اس کا کیس آج کل گورنر کے پاس زیر غور ہے۔ امید تو یہ ہے کہ اسے بہت جلد تختہ دار پر لٹکا دیا جائے۔

رندھیر نے احتجاج کیا کہ اسے ایسے خطرناک شخص کے ساتھ کیوں رکھا جا رہا ہے لیکن اس نے رندھیر کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور سلاخوں والے دروازے میں قفل ڈال کر چلا گیا۔ اس تمام عرصے میں رومیو اسے عجیب نظروں سے دیکھتا رہا۔ کئی بار اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا مگر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

"تم نے حبشی غلام کو مار کر اچھا کیا۔ یہ نمبرون حرامی' ظالم و جابر ہوتے ہیں۔ اگر تم اسے نہ مارتے تو وہ تمہیں مار دیتا۔"

"نادانستگی میں میرے ہاتھوں اس کا قتل ہو گیا جبکہ ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔" رندھیر نے صفائی پیش کی۔

"اچھا تو تم مہم جو اور ایک سیاح ہو۔" وہ بولا۔ "اچھا یہ بتاؤ کہ اب تک تم نے اور کیا کیا مہم جوئی کی ہے؟"

"یہ پہلی مہم جوئی تھی۔" رندھیر نے کہا۔ "ایک عام آدمی کا زندگی گزارنا مہم جوئی سے کم نہیں ہوتا ہے۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے کبھی لڑکیوں اور عورتوں کی مہم جوئی کی ہے؟" اس نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"کیا مطلب۔؟" رندھیر اس کی بات کو سمجھ گیا' کچھ نہیں سمجھا۔

"مطلب یہ کہ لڑکیاں اور عورتیں اغوا کیں؟ انہیں یرغمال بنا کر دل کے ارمان پورے کئے؟" وہ مسکرایا۔

"نہیں۔ میں ایک شریف آدمی ہی نہیں بلکہ بال بچے دار بھی ہوں۔" رندھیر نے جواب دیا۔ "میں نے اپنی زندگی میں اپنی بیوی کے سوا کسی اور عورت یا لڑکی کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھی۔ یہ ہمارے ہاں پاپ کہا جاتا ہے۔"

اس نے رندھیر کی بات سن کر ایک زوردار قہقہہ لگایا پھر وہ ہنس کر بولا۔

"تم صرف احمق ہی نہیں بلکہ گدھے ہو گدھے۔ عورت کو کس لئے پیدا کیا ہے اوپر والے نے۔ کہیں بھی موقع ملے تو کسی لڑکی یا جوان حسین عورت کو اغوا کر کے دیکھو۔ لڑکی کنواری ہو اور عورت شادی شدہ۔ مزا تو کنواری لڑکیوں کا ہے۔ وہ بڑی منت سماجت کرتی ہے' گڑگڑاتی ہے۔ خدا کا واسطہ دیتی ہے۔ لیکن شادی شدہ میں جو بات ہوتی ہے خصوصاً بچے والی میں وہ نوجوان لڑکیوں میں نہیں ہوتی۔ شادی شدہ عورت پرشباب گداز بدن کی ہوتی ہے۔ یہ گداز مار دیتا ہے' قتل کر دیتا ہے' وہ کسی پکے پھل کی طرح ہوتی ہے۔ وہ عورت اور لڑکی بدذائقہ ہوتی ہے جو بدکار ہوتی ہے۔ ان میں نہ تو رس ہوتا ہے نہ کشش۔"

"تم کچھ بھی کہو۔ میں تمہاری باتوں سے اتفاق نہیں کرتا ہوں۔" رندھیر بولا۔ "کیا یہ ظلم اور بے رحمی کی بات نہیں ہے کہ ایک مرد بھیڑیا بن جائے۔ عورت بڑی نازک' خوب صورت اور پھول کی طرح ہوتی ہے۔"

"لیکن دوست! جو بات غیر عورت میں ہوتی ہے وہ بیوی میں نہیں۔ دوسروں کا مال کھانے میں جو مزا ہے اس طرح ایک عورت میں بھی۔ کسی شادی شدہ عورت سے دوستی کر کے دیکھو۔ اپنی بیوی کو بھول جاؤ گے۔ دراصل آدمی یکسانیت سے اکتا جاتا ہے۔"

وہ مسلسل بکواس کئے جا رہا تھا لیکن ایک بات جو اس نے بڑے پتے کی کہی تھی جس سے وہ انکار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ایک حقیقت تھی کہ جس طرح دوسرے کی پلیٹ کا کھانا اچھا معلوم ہوتا ہے اسی طرح دوسری غیر عورت بھی۔ ایستھر کے ساتھ وقت گزارتے ہوئے وہ شیاما کو بھول گیا تھا۔ حالاں کہ ایستھر شیاما سے حسین نہ تھی۔ کسی بھی لحاظ سے وہ شیاما کے مقابلے میں کچھ نہ تھی لیکن ایستھر نے شیاما کا سحر توڑ دیا تھا۔

یہ تھا انجام اس جان لیوا تگ و دو کا۔ خزانے کا چکر۔ شیاما کو ناگ سے بچانے کے لئے اس نے اپنے آپ کو نرک کی بھٹی میں جھونک دیا تھا۔ پتا ہے بعض اوقات آدمی جو سوچتا ہے وہ ہوتا نہیں۔ گوتم اسے فریب دیتا ہوا لے چلا تھا۔ مصائب ہی مصائب' اس نے اپنے آپ سے کہا۔

موت کا فرشتہ کہاں سے چلا اور کہاں تک گھسیٹ لایا ہے؟ اب بولو رندھیر! کیا ارادے ہیں۔؟ اس منحوس جزیرے کی ہیبت ناک پھانسی کی کوٹھڑی میں مرنا کیوں ہے؟ یار ابھی کچھ دم خم باقی ہے تمہاری رگوں میں۔ پولیس چیف نے بتایا ہے کہ جیمز ڈین بہت جلد یہاں پہنچیں

گے۔ کتنی جلدی آئیں گے۔ وہ بہت ہی معروف ترین وکیل ہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ وہ اس کا مقدمہ جیت ہی جائیں؟ حبشی غلام بہرحال موت سے ہم کنار ہو چکا ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ اس نے لوہے کی آہنی سلاخ اس کی کھوپڑی پر دے ماری تھی۔ سنتے ہیں کہ انگریز قاعدے قانون کے بڑے پابند ہیں۔ اگر ان کا قانون یہ کہتا ہے کہ قاتل کو موت کی سزا ہونی چاہئے تو ایسی صورت میں جیمز ڈین کی وکالت کیا کام دے گی۔؟"

غرض کہ سینکڑوں وسوسے اور اوہام تھے جو رندھیر کے دماغ میں ہجوم کئے ہوئے تھے۔ طرح طرح کی اگلی پچھلی تصویریں بن رہی تھیں۔ اسے گوتم کا خیال آیا۔ اب اسے پتا چلے گا کہ ان کا کیا حشر ہونے والا ہے۔ وہ تو جیتے جی مر جائیں گے۔ غلام حبشی کو مارنے میں وہ بھی تو شریک تھا۔ ممکن ہے اسے شریک ممانعت جرم کے الزام میں دھر لیا جائے۔ اسے بھی سزا ملنی چاہئے۔ اسے بھی مر جانا چاہئے۔ تاکہ کوئی بھی ثبوت محفوظ باقی نہ رہے۔ ادھر گوتم جب اس کی پھانسی کی سزا کے بارے میں سنے گا تو بہت خوش ہوگا کہ کسی نہ کسی بستی پہنچ کر شیاما کے ساتھ عیش کرے گا۔ گدھ بن کر اسے نوچتا رہے گا۔ نہیں گوتم۔ نہیں۔ تمہیں کسی صورت میں جانے نہیں دوں گا۔ تمہیں ایسا پھنسواؤں گا کہ عمر قید کی سزا مل کر رہے گی۔

رندھیر کو کچھ خبر نہیں ہوئی کہ وقت کس طرح کٹا اور دن کا اجالا غائب ہو کر رات کب آئی۔؟

رومیو ایک گوشے میں بیٹھا اسی طرح جگالی کر رہا تھا۔ اس دوران اس نے متعدد بار تھیلے میں ہاتھ ڈال کر وہ پتے نکالے اور منہ میں رکھ لئے۔ اس نے رندھیر کو قریب آنے اور اس سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ رندھیر نے اس کے بشرے کے بارے میں بھانپ لیا کہ وہ شاید اس کے بارے میں سوچ رہا ہے کہ وہ اس سے بڑا مجرم تو نہیں ہے۔ بے حد خطرناک۔ رندھیر نے اپنے بارے میں جو کچھ بتایا شاید غلط ہوگا۔ آج آدمی کسی بھروسے کے قابل نہیں رہا۔

اندھیرا بڑھ گیا تو ایک سیاہ فام گن مین نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں تیل سے جلنے والی لالٹین تھی۔ لوہے کی سلاخوں میں سے یہ ننھی منھی سی لالٹین اس نے رندھیر کی طرف بڑھائی۔ اس نے کچھ کہے بغیر لالٹین لے کر ایک طرف رکھ دی۔ تھوڑی دیر بعد دوسرا آدمی آیا۔ اس کی بغل میں ایک کمبل دبا ہوا تھا اور بائیں ہاتھ میں ایلومنیم کا ایک ڈول تھا جس کے اوپر ایک پلیٹ دھری تھی۔

یہ دونوں چیزیں بھی رندھیر نے وصول کر لیں۔ ڈول کے اندر ابلے ہوئے چاول تھے اور پلیٹ میں تھوڑا سا دہی تھا۔ اس کی بھوک پیاس اڑ چکی تھی تاہم اس نے چند لقمے زہر مار کئے اور اشارے سے رومیو کو کھانے کی دعوت دی۔ وہ مسکرایا۔ رندھیر نے پہلی بار اس کے سفید موتی جیسے دانت دیکھے۔ یہ دانت لمبے اور بے تکے سے تھے جس نے اس کی شکل اور منحوس بنا دی تھی۔ اس نے نفی میں سر ہلایا اور پھر اس کی دعوت کے جواب میں تھیلے کے اندر ہاتھ ڈال کر ایک پتا نکالا اور اس کی طرف بڑھایا۔

اس مرتبہ رندھیر نے نفی میں گردن ہلا دی۔ وہ کچھ سنجیدہ ہو گیا۔ پھر ایک دم ہنس پڑا۔ پھر اس نے نہ جانے کہاں سے ایک سگار برآمد کر کے اس کی طرف پھینکا۔ رندھیر کبھی کبھی سگریٹ پی لیتا تھا۔ ویسے وہ تمباکو نوشی کا عادی نہ تھا۔ اسے یہ تحفہ قبول کرنا پڑا۔ چار پانچ انچ لمبا پتلا سگار تھا۔ رندھیر نے لالٹین کی چمنی اونچی کر کے سگار سلگایا۔ دو تین کش لیتے ہی اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

او بھگوان تو دیا کر۔ کس قدر تیز اور کڑوا تمباکو ہے۔ رندھیر زیر لب بڑبڑایا لیکن واقعہ یہ تھا کہ چند لمحوں کے بعد ہی وہ اپنے تن بدن میں ایک نیا سرور اور نئی قوت کی لہریں ابلتی ہوئی محسوس کرنے لگا۔ اس جادو اثر سگار نے تمام وسوسے‘ تمام اوہام اور فاسد ڈراؤنے تصورات ذہن سے نوچ کر پھینک دیئے۔ رومیو نے اس کی یہ کیفیت بھانپ لی پھر اظہار مسرت کے طور پر اس نے زور زور سے ہنس کر گردن ہلائی۔ پھر اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا جس کا ایک لفظ بھی رندھیر کے پلے نہیں پڑا۔ وہ سمجھ گیا کہ رندھیر کچھ نہیں سمجھا ہے۔ چنانچہ اس نے اشارے سے رندھیر سے سگار مانگا۔ رندھیر نے اسے دے دیا۔ یوں اس کی رندھیر کی دوستی کا آغاز ہوا۔ جس میں فی الحال اشارے تھے۔ کنائے تھے اور زبان کا کوئی دخل نہ تھا۔

رومیو نے ایک پتلی سی کیل کے ذریعے کوٹھری کے کچے فرش پر نقشہ بنا کر اسے سمجھایا کہ اس کا اصل دھندا کیا ہے۔ اور کن کن علاقوں میں اس کے آدمی کام کر رہے ہیں۔ یہاں اس کی حکومت قائم ہے۔ زیر زمین وہ ایک مافیا تھا۔ سمگلروں کے بہت بڑے گروہ کا سرغنہ تھا۔ اردگرد کے کچھ ایسے جزیروں پر جہاں منشیات کی پیداوار تھی اس کے تنخواہ دار ایجنٹ پھیلے ہوئے تھے۔ امریکن فیلڈ میں اس کا ہیڈ کوارٹر تھا جس کے متعلق وہاں کسی کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی۔ اس کے علاوہ کوڑھیوں کے جزیرے چرس‘ کوکین‘ ہیروئن‘ افیم مختلف زیر زمین کمین گاہوں میں چھپا رکھے تھے۔ ہندوستان میں چھپا رکھنا قدرے مشکل تھا۔ وہاں کی نسبت وہ ذخائر زیادہ

محفوظ تھے۔

اس کے آدمیوں کے پاس اس قدر جدید ترین برق رفتار موٹر بوٹ تھے کہ گھنٹوں میں چین، مدراس اور ممبئی کے ساحلوں پر پہنچادی جاتی تھی اور ممبئی سے دبئی اور ایران بھی جاتی تھی۔ ہیروئن اور چرس افغانی سپلائی کرتے تھے۔ اس کے بدلے وہ اسلحہ لیتے تھے۔ اس کے علاوہ آدمی اور اسلحہ کی بھی سمگلنگ کی جاتی ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ اب تک پچاس ساٹھ آدمی موت کے گھاٹ اتار چکا ہے جن میں امریکی اور یورپی افواج کے لوگوں کی اکثریت ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اس کی گرفتاری کے لئے دس لاکھ برٹش پاؤنڈ کا انعام بھی مقرر ہے۔ یہ جزیرہ جو ڈنگی آئی لینڈ ہے اور اس سے متصل ہے، یہ جزیرہ الربتھ آئی لینڈ کہلاتا ہے۔ اس کے ساحل پر اس نے دو گورے پولیس محافظوں کو شوٹ کر دیا۔ اس نے فرار ہونے کی کوشش کی تو موٹر بوٹ الٹ جانے کے باعث وہ پکڑا گیا۔ اس کی گرفتاری ایک چھوٹے سے جزیرے پر ہوئی تھی۔ اسے پولیس کے دو سو جوانوں نے گھیر لیا تھا۔ اس نے اس جزیرے میں تیر کر پناہ لی۔ اسے دوربین کی مدد سے دیکھ لیا گیا تھا۔ اتفاق سے اس وقت وہ تن تنہا تھا۔ جب تک اس کی پٹی میں لگے کارتوس کام دیتے رہے اس نے اپنے آپ کو پولیس کے حوالے نہ کیا۔

پھر اس نے اشارے سے سمجھایا کہ ان کے فرشتے بھی خواہ کتنی ہی کوشش نہ کرلیں وہ اسے پھانسی پر لٹکا نہیں سکتے۔ صرف چند دنوں کی بات ہے میں اس کے اندر اندر اس منحوس کوٹھری سے آزاد ہو کر دوبارہ اپنے گروہ سے جاملوں گا۔ پھر اس نے پوچھا۔

"کیا تم میرے ساتھ فرار ہونا پسند کرو گے؟"

"ہاں۔"

رندھیر نے اقرار میں سر ہلا کر جواب دیا۔ اس سے اچھی کیا بات ہو سکتی ہے۔ رندھیر نے سوچا۔ اسے گھپ اندھیرے میں امید کی شعاع نظر آئی۔ اس کے لیے یہ ایک طرح غیبی امداد تھی۔

* * *

رندھیر کو ایسا لگ رہا تھا کہ وہ جیسے کوئی سندر سپنا دیکھ رہا ہو۔ آزادی کا۔ آزادی کتنی بڑی نعمت ہے اور موت سے نجات پانے کا۔ یہ کیسا قانون تھا؟ کیسا انصاف تھا؟ ایک شخص اپنی جان بچانے کے لئے حملہ آور کو قتل کر دیتا ہے تو جرم بن گیا۔ یہ لوگوں کا بنایا ہوا قانون ہے۔ امریکہ اور انگریز سامراج ہر جگہ اپنا قانون چلاتے ہیں۔ ان انگریزوں کو دیکھو یہ ابھی ہندوستانی جزائر پر قابض ہیں جو سمندر کے ساحلوں پر واقع ہیں۔ دور افتادہ مقامات پر۔

رندھیر یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ اس نے ایک بار تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹا سا پتہ نکالا۔ آدھا خود اپنے منہ میں رکھا اور آدھا رندھیر کو دیا۔ چوں کہ وہ اس سے پہلے سگار کا لطف اٹھا چکا تھا اس لئے اس نے نصف پتہ بلا تامل منہ میں رکھ لیا اور چبا ڈالا۔

جوں ہی اس کا عرق حلق سے اترا اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے اس نے منہ میں دہکتا ہوا انگارہ رکھ لیا ہو۔

اس کی روح کھنچ کر زبان پر آگئی۔ زور کا ایک چکر آیا۔ اسے یوں لگا جیسے کوٹھری کی ہر شے رقص کر رہی ہو۔ اس نے اپنے آپ کو کئی میل کی رفتار سے خلا میں پرواز کرتے ہوئے پایا۔ رومیو۔ لالٹین، چاول کا ڈول اور کمبل سب اس کے ساتھ خلائے بسیط میں اڑ رہے تھے۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں بند کیں تو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ پاتال کی گہرائیوں میں گرتا چلا جا رہا ہے۔ پھر گپ اندھیرے نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

جب رندھیر کی آنکھ کھلی تو کھڑکی کے باہر صبح کا اجالا پھیل چکا تھا اور اس کے بدن کا جوڑ جوڑ بری طرح فریاد کر رہا تھا جیسے رات بھر اس کی دھنائی کی گئی ہو۔ اسے اپنے حلق میں کانٹے سے پڑتے ہوئے لگ رہے تھے اور ہونٹ سوج کر موٹے موٹے ہو گئے تھے۔ اس نے گارڈ کو آواز دینے کی کوشش کی، مگر زبان نے کام کرنے سے انکار کر دیا۔ کسی نوزائیدہ بچے کی طرح غاؤں کر کے رہ گیا۔ زبان کو ہاتھ لگایا تو پتہ چلا کہ ہونٹوں کی مانند اس کی زبان بھی بری

طرح سوچ چکی ہے۔ اس کا سراب بھی چکرا رہا تھا۔ اس نے گردن گھما کر رومیو کو ڈھونڈنا
چاہا۔ پھر لگا اس کی نظر رومیو پر پڑی جو ہاتھ پھیلائے گہری نیند کے مزے لے رہا ہے۔ پھر وہ
کسی نہ کسی طرح خود کو گھسیٹ گھسیٹ کر اس کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور پھر اس کے
منہ پر طمانچے مار کر اسے جگایا جو گہری نیند کے مزے لے رہا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ رندھیر
کی حالت دیکھ کر اس نے دانت نکال دیئے پھر بے تحاشا ہنسنے لگا۔

''سور کی اولاد تو ہنس رہا ہے اور یہاں میری یہ حالت ہے کہ جانے کب دنیا سے
سدھار جاؤں۔''

رندھیر نے دانت پیس کر دل میں اسے سینکڑوں گالیاں دیں۔ اس نے لپک کر اپنا تھیلا
اٹھایا پھر وہی پتہ نکال کر اسے دینے لگا۔ رندھیر کو یاد آ گیا۔ ممکن تھا کہ رندھیر مشتعل ہو کر اس
بدمعاش کی خوش ٹھکائی کرتا' لیکن یہ سوچ کر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا کہ آدمی بے ڈھب
ہے۔ ذرا سی بات پر دشمنی مول لینا درست نہیں ہے ویسے اس نے فرار کرانے کا وعدہ بھی کیا
ہوا ہے۔

رندھیر نے اپنا فیصلہ ترک کر کے اشارے سے بتایا کہ اس کی کیا حالت ہو رہی ہے؟
وہ رندھیر کی یہ حالت دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ پھر اس نے رندھیر کو بتایا کہ یہ کوکین کے
پتے ہیں اور کیا اس نے کبھی کوکین چکھی ہے۔ کوکین کا نام سن کر اس کے جی میں آیا کہ اس
خبیث کو واقعی موت کی بھینٹ چڑھا دے' مگر اس کی آنکھوں میں خلوص اور محبت کے جذبات
مچلتے دیکھ کر اسے بھی اپنی باچھیں چیر کر دانت دکھلانے پڑے۔ پھر اس نے رومیو کو بتایا کہ اس
نے اپنی زندگی میں کبھی یہ نہیں کیا بلکہ کسی قسم کا کوئی بے ہودہ نشہ نہیں کیا ہے۔ یہ سن کر رومیو نے
اس طرح منہ بنایا جیسے اس نے کوکین نہ کھا کر اپنی زندگی تباہ کر دی۔

پھر رومیو نے رندھیر کو بتایا کہ یہ جزائر سری لنکا اور ہندوستان کے درمیان واقع ہیں اور
یہاں دو ایک جزیروں پر کوکین کے بے شمار درخت موجود ہیں۔ ہم یہاں سے فرار ہو کر سری
لنکا کے قریب کس جزیرے پر روپوش رہیں گے۔ پھر وہاں سے غیر قانونی طور پر لے جانے
والے ایک آدمی کی مدد سے ہندوستان پہنچیں گے۔

اتنے میں دو گارڈ آئے۔ ایک نے دروازے کا قفل کھولا اور باہر ہی رکا رہا۔ دوسرا نہ
آیا۔

اس نے چائے سے بھرے ہوئے دو مگ ان کے حوالے کئے۔ چائے کے ساتھ کھانے

کے لئے ڈبل روٹی کے دو دو ٹکڑے بھی لئے ہوئے تھے۔ پھر اس نے چاولوں کا ڈول اٹھایا اور
ساتھ ہی لالٹین بھی لے لی۔ پھر باہر نکل گیا۔

چند لمحوں کے بعد واپس آیا اور اس نے شکستہ ہندوستانی زبان میں رندھیر سے کہا۔ ''رفع
حاجت کی ضرورت ہے تو ساتھ چلو؟''

رندھیر فوراً ہی کھڑا ہوا۔ اس نے لپک کر رندھیر کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال
دی۔ پہلے گارڈ کے ہاتھ میں ٹامی گن تھی اس نے لوہے کے دروازے میں بھاری قفل ڈالا اور
دوسرے گارڈ کے ساتھ مل کر ایک بار پھر اس حصے میں لے گیا جہاں دوسرے قیدی رکھے گئے
تھے۔ جیل کے احاطے میں نل لگا تھا اس کے ساتھ ہی دو یا تین بیت الخلا تھے۔ وہ بہت صاف
ستھرے تھے۔ صفائی کا شاید اس لئے خیال رکھا ہوگا کہ اسے سٹاف بھی استعمال کرتا ہوگا۔
رندھیر نے سوچا۔ اس نے نل کے پاس پہنچ کر اطمینان سے منہ ہاتھ دھویا۔ وہاں صابن بھی
تھے۔ اسے نہاتے وقت ایستھر کے گھر کا واش روم بھی یاد آ گیا۔ اس کے واش روم میں ان
دونوں نے دو ایک بار نہایا بھی تھا۔ رندھیر کو وہ دن اور مناظر یاد آتے ہی سینے میں ایک ہوک
سی اٹھی اور اس کے منہ سے ایک سرد آہ نکل گئی۔ منہ ہاتھ دھونے سے اس کی کچھ جان میں
جان آئی۔ اس وقت تک اس کے ہونٹوں اور زبان کی سوجن بھی کم ہو چکی تھی لیکن اس کے
باوجود بولنے میں بڑی دقت تھی۔

وہ جلد سے جلد حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر کال کوٹھری کی طرف جا رہا تھا کہ قیدیوں
کی ایک جماعت کے ساتھ گوتم اس کی طرف آتا دکھائی دیا۔ ان کی نظریں ملیں۔ پھر چشم زدن
میں وہ رندھیر کے پاس آیا تو غم زدہ سا لگا۔ اس نے کہا۔

''یہاں سب کہہ رہے ہیں ہر صورت میں تمہیں پھانسی ہو جائے گی۔ لیکن مجھے دو تین ماہ
کی سزا ہو جائے گی۔ اگر تمہیں سزا ہوئی تو میں یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کروں گا کیونکہ
کچھ قیدی فرار کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔''

''مجھے اپنی موت کی نہیں بلکہ شیام اور بچوں کی فکر ہے۔؟'' رندھیر نے یہ بات اس کی
نیت اور ارادہ کے بارے میں معلوم کرنے کے لئے کہی۔ ایک طرح سے اس نے گوتم کا دل
ٹٹولا تھا۔ غم زدہ لہجے میں کہا تھا۔ اسے اعتماد میں نہیں لیا کہ وہ ایک مافیا کے سرغنہ کے ساتھ فرار
ہونے والا ہے۔

''تم اپنی بیوی کی فکر نہ کرو دوست!'' گوتم نے بڑی ریاکاری اور منافقت کے انداز میں

تسلی دیتے ہوئے کہا۔ آخر میں کس لئے ہوں؟ میں تمہارا دوست ہوں۔ کڑے وقت کام نہ آیا تو کب کام آؤں گا۔ میں بھابی کا ہر طرح سے خیال رکھوں گا' بچوں کا بھی۔ میں نہ صرف اس کے پتاجی کا قرض اور سود معاف کر کے گھر اور زمین لوٹا دوں گا بلکہ ہر ماہ اتنی رقم دے دوں گا کہ وہ نہ صرف گھر کے اخراجات پورے کر لے بلکہ بچوں کو بھی تعلیم دلا دے۔ ہر دو تین دن میں جا کر خبر گیری کرتا رہوں گا۔"

گویا تم میری بیوی کو اپنی سگی بہن اور ماں کی طرح سمجھ کر اس کا پالن کرو گے؟ تم بھگوان کی سوگند کھاؤ کہ اسے اپنی سگی ماں اور بہن کہو گے۔ اسے کسی آدمی سے بیاہ دو گے۔ وہ ودھوا اور دو بچوں کی ماں ہے تو کیا ہوا؟ چوں کہ وہ غیر معمولی حسین اور پرکشش ہے لہٰذا اس سے کوئی بھی شادی کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔"

گوتم کا چہرہ لمحے کے لئے متغیر ہو گیا۔ اس سے کوئی جواب بن نہ پایا۔ اس نے سوچا کہ رندھیر سے کیا کہے کہ وہ ایسی عورت کو کیسے اپنی ماں اور بہن کی جگہ دے جن کی وہ بے حرمتی کر کے سود وصول کرتا آ رہا ہو۔

"تم کیا سوچنے لگے گوتم...!" رندھیر نے اسے سوچ میں پا کر تیل چھڑکا' تم اسے بھابی نہیں بہن کہتے آئے ہونا؟"

ایک سپاہی نے ان دونوں کو الگ کیا۔ اس کی جان میں جان آئی۔ رندھیر نے اسے ایک آزمائش میں ڈال دیا تھا۔ اسے اپنی بہن یاد آئی جس کا بیاہ ماں کے مرنے سے پہلے ہو گیا تھا۔ اسے ایسا لگا جیسے شیاما اس کی جگہ ہے۔ اور وہ۔

رندھیر کوٹھری میں واپس آیا تو رومیو وہاں موجود نہ تھا۔ آدھے گھنٹے بعد پہرہ دار نے اس کے پوچھنے پر بتایا کہ اسے گورنر کی عدالت میں لے جایا گیا ہے۔ غالباً اس کے فیصلہ کا دن ہے۔ جو مقدمہ اس پر چل رہا تھا شاید اس کا فیصلہ سنا دیئے جانے کا امکان ہے۔

پھر اس نے اس پہرہ دار سے کہا کہ وہ اسے پولیس چیف کے پاس لے چلے۔ وہ اس سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ اس نے بتایا کہ پولیس چیف بھی رومیو کے ساتھ گیا ہوا ہے۔ چوں کہ بہت سارے اغوا کے مقدمات کا فیصلہ سنانا ہے لہٰذا وہ دونوں شاید کل دوپہر تک ہی آئیں گے۔ گورنر کے لئے یہ مقدمات دردِ سر بنے ہوئے ہیں اس لئے وہ ان سے نجات پانا چاہتا ہے۔

وہ قید تنہائی پہلے بھی کوڑھیوں کے جزیرے میں کاٹ چکا تھا۔ وہ اس لئے اس قدر

اذیت ناک کرب کا باعث نہیں بنا تھا کہ ہندوستانی ٹاپ دس اداکاروں کی بے لباسی کی تصویریں۔ ہر اداکارہ کی دس دس تصویریں اور ان کی زندگی کی کہانی جو دس دس صفحات پر مشتمل تھیں۔ یہ کہانیاں کیا تھیں۔ الف لیلیٰ کی ہزار داستان کہ وہ اداکارائیں کس طرح ہیروئنیں بنیں۔ انہیں کیسے کیسے مرحلے طے کرنا پڑے۔ انہیں کیا کیا قربانیاں دینا پڑیں۔ کس کس کو کس طرح خوش کرنا پڑا۔ تب کہیں جا کر انہیں منزل ملی۔ ان کہانیوں میں ایسی چاشنی' اسلوب اور انداز بیان تھا کہ ایک ایک کہانی اس نے کئی بار پڑھیں۔ دوسری کتابیں جو فحاشی اور عریانی اور بے ہودہ کہانیوں سے بھری تھیں۔ لیکن وہ یہاں کی تنہائی جو زہرناک تھی ایک ایک لمحہ صدی کی طرح بھاری ہو کہ گزرنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

رندھیر کو ایک خیال اور آیا کہ رومیو کو سزائے موت سنانے کے بعد اسے کہیں اور منتقل کیا جائے تو کیا ہو گا۔ فرار کا منصوبہ دھرا رہ جائے گا۔ اس نے پہرہ دار سے معلوم کیا کہ رومیو کو سزائے موت سنا دینے کی صورت میں کیا اسے اس کوٹھری میں لایا جائے گا۔؟ پہرہ دار کا جواب اثبات میں تھا۔

رندھیر کے دل کو یک گونہ اطمینان سا ہوا۔ اس نے گہری سانس لی۔ پھر وہ فرش پر لیٹ کر جیمز ڈین کے بارے میں سوچنے لگا۔ اگر وہ کسی وجہ سے نہ آ سکے اور اسے سزائے موت سے بچا نہ سکے تو۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ ایستھر اپنے شوہر کو مجبور کرے گی کہ اس کی رہائی کی ہر ممکن کوشش کرے۔ پھر اس نے اپنے ذہن کو مزید اس ضمن میں سوچنے کی زحمت نہیں دی۔ کیونکہ ایستھر اس کے چشمِ تصور میں آ کھڑی۔ اس کے ساتھ گزرے لمحات فلم کے مناظر کی طرح ایک ایک کر کے گزرتے گئے۔ چند لمحات اور چند گھڑیوں کی فلم نہ تھی۔ پورے ایک ہفتے کی فلم تھی۔ ایک ایک لمحہ جو ناقابل فراموش تھا وہ سامنے آتا رہا۔

اس فلم کے ختم ہونے کے بعد اس نے سونے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ جو ہونا ہے وہ جلد ہو جائے۔ انتظار اور امید وبیم کی یہ کیفیت ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ ایک ایسی اذیت تھی' جس نے اسے تنور میں دھکیل دیا تھا۔

پہلے والے پہرہ دار کی جگہ دو مسلح سیاہ فام گارڈ کوٹھری کے دائیں بائیں مستعدی سے شارٹ گنیں تھامے کھڑے ہوئے تھے۔ ان کی نگاہوں میں اس کے لئے نفرت' حقارت اور غصے کے سوا کچھ نہ تھا۔ کیوں کہ ان کے علم میں یہ بات تھی کہ اس نے غلام حبشی کو قتل کیا ہے۔

رندھیر نے ان سے دو ایک مرتبہ وقت معلوم کیا اور جواب میں جھڑکیاں سن کر خاموش ہو گیا۔

کوٹھری میں پینے کا پانی نہ تھا۔ پانی مانگنے پر وہ یوں انجان بن گئے جیسے وہ اس کی بات سنتے ہی نہیں۔ اس نے انہیں بار بار اشارے سے بتایا کہ وہ پیاس کے مارے مرا جا رہا ہے۔ ایک گلاس پانی لا دو۔ مگر وہ پتھر کے بے جان مجسموں کی مانند اپنی جگہ کھڑے رہے جبکہ وہ بھونکتا رہا' بلکتا رہا۔ پھر چلاتا بھی رہا۔ دوپہر کیا' سہ پہر بھی بیت گئی۔ ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔

رومیو ابھی واپس نہ آیا تھا۔ کیا معلوم انہوں نے لے جا کر اسے پھانسی پر ہی نہ لٹکا دیا ہو۔ اس تصور سے رندھیر کے بدن میں جھرجھری سی چھوٹ گئی اور جسم میں خون منجمد ہونے لگا۔

سورج کے ڈوبنے سے تھوڑی دیر پہلے وہ آ گیا۔ اس کی آنکھیں پہلے سے کہیں زیادہ سرخ تھیں۔ داڑھی اور مونچھوں کے بال کھڑے اور اس کے موٹے موٹے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ محافظوں نے اسے ہتھکڑی اور بیڑی سمیت اندر دھکیل دیا اور دروازہ بند کر دیا۔ رندھیر کو دیکھ کر رومیو کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی بے معنی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ سیدھا اس گوشے میں گیا جہاں اس کا کمبل بچھا تھا۔ کمبل کے سرہانے کی جانب اندر ہاتھ ڈال کر اس نے اپنا تھیلا برآمد کیا۔ اس میں سے دو پتے نکالے۔ اس نے دوسرا پتہ رندھیر کی طرف پھینکا تو اس نے نفی میں سر ہلا کر لینے سے انکار کر دیا۔

رومیو نے اس مرتبہ اس کے انکار کا برا نہ مانا۔ پتہ اٹھا کر تھیلے میں ڈال لیا پھر اس نے انگلیوں کے اشارے سے اسے بتایا کہ آج سے ٹھیک تیسرے روز سورج نکلنے سے پندرہ منٹ پہلے اسے پھانسی دے دی جائے گی۔ گورنر نے رحم کی اپیل مسترد کر دی ہے لیکن خوف زدہ اور پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اس کے آدمی موقع کی تاک میں ہیں اور انہوں نے اپنے تمام انتظامات مکمل کر لئے ہیں۔ وہ ہر قیمت پر اپنے لیڈر کو آزاد کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اس شام رومیو سے ملنے کے لئے تین آدمی آئے تھے۔ ان میں سے ایک نے پادریوں کا سا لباس پہن رکھا تھا۔ دائیں ہاتھ میں بائبل اور بائیں ہاتھ میں صلیب۔ دوسرے دو آدمی شاید اس کے نائب تھے اور انہوں نے سیاہ لبادے پہن رکھے تھے۔ محافظوں نے انہیں کوٹھڑی میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ اندر آ کر انہوں نے بائبل پڑھنا شروع کر دی اور پادری اِدھر اُدھر چور نگاہوں سے دیکھنے کے بعد رندھیر سے سرگوشی میں ہندوستانی زبان میں کہنے لگا۔

"رندھیر۔! خاموشی سے میری بات سنئے! ہم رومیو کے آدمی ہیں۔ اس نے بتایا ہے کہ آپ فرار ہونا پسند کریں گے۔ یقین کیجئے جناب! اگر آپ اس کوٹھری سے نہ نکلے تو یہ لوگ آپ کو پھانسی پر لٹکا دیں گے۔ انگریزوں نے سیاہ فام باشندوں کو بسایا ہوا ہے۔ اس لئے ان کی یہاں اکثریت ہے اور چوں کہ ان کی برادری کا ایک آدمی آپ کے ہاتھوں مارا جا چکا ہے اس لئے وہ بہت مشتعل ہیں۔ آج بھی انہوں نے گورنر کی رہائش گاہ کے سامنے زبردست مظاہرہ کیا کہ قاتل کو کھلے میدان میں پھانسی دی جائے۔ ورنہ وہ بغاوت کر دیں گے۔

ہم نے بڑی مشکل سے ان سیاہ فام محافظوں اور جیل کے دوسرے پہرہ داروں کو رشوت دے کر اس بات پر رضامند کیا ہے کہ وہ رات کے سناٹے میں صرف رومیو کو نکل جانے کی اجازت دے دیں گے۔ اس مقصد کے لئے ہماری جانب سے ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں گے جن کی مدد سے فرار ہونے کا عمل آسانی سے انجام پا جائے گا۔ رومیو کے ساتھ آپ بھی نکل سکیں تو ہمیں خوشی ہو گی۔"

پھر رندھیر کے اسے بتایا کہ وہ پھانسی پر لٹک کر مرنے کے بجائے محافظوں کی گولیاں کھا کر مرنے پر ترجیح دے گا۔

وہ رندھیر کی بات سن کر بچوں کی طرح خوش ہو گیا۔ چہرہ دمک گیا اور سرشاری سے کہنے لگا۔

"مسٹر رندھیر۔! یقیناً آپ ایک بہادر آدمی ہیں۔ میں نے آپ کے کارنامے کوڑھیوں کے جزیرے پر سنے ہیں۔ آپ سوبھراج ہیں اور آپ نے کسی مصلحت کی بناء پر اپنا نام رندھیر رکھ لیا ہے۔ نام سے کیا مطلب۔ کام سے مطلب ہے۔ کاش! ساتھ میں آپ کے ساتھی کو بھی چھڑوا سکتے تاہم آپ ان کی فکر نہ کریں۔ چند روز بعد اسے بہرحال رہا کر دیا جائے گا۔ اس کے لئے کوئی پیغام دینا ہو تو دے دیں۔ میں اسے پہنچا دوں گا۔ مجھے ابھی اس بھیس میں کئی قیدیوں سے ملنا ہے۔"

رندھیر کے پاس اس کے سوا کوئی پیغام نہ تھا کہ زندگی رہی تو پھر ملاقات ہو گی۔

یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے رندھیر کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں میں آنسو آ گئے' رخساروں پر ڈھلک گئے۔ وہ اس لئے جذباتی ہو گیا تھا کہ اسے شیاما اور بچے بے اختیار یاد آ گئے تھے۔

پادری نے اپنے لبادے کے اندر ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹا سا پستول نکال کر اس کے حوالے کیا۔

"یہ خودکار ہتھیار ہے مسٹر رندھیر! اس میں کل چھ گولیاں ہیں۔ آپ اسے بے دھڑک استعمال کریں۔ اپنی جان بچانے کے لئے ہر حربہ آزمانے کا پورا پورا اختیار ہے۔ بلا تامل دشمن کو موت کی نیند سلا دینا۔"

وہ یہ باتیں کرتا رہا اور اس کے دونوں ساتھی اونچی آواز میں بائبل پڑھتے رہے۔ پادری نے انہیں دو چابیاں بھی دیں جن کی مدد سے وہ انہیں اور رومیو کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں کھول سکتا تھا۔ اس کے بعد وہ چلے گئے۔ رندھیر کو اس بات پر حیرت اور خوشی ہوئی تھی کہ پادری نے جو ہندوستانی زبان میں بات کی وہ بڑی صاف اور شستہ تھی۔ محافظوں کے پلے نہ پڑنے والی۔ یوں بھی اسے وہ ہندوستانی باشندے لگے تھے۔

رندھیر کو دوسری طرف اس بات پر بھی حیرت تھی کہ یہ شخص کچھ اور کھاتا ہے اور نہ پیتا ہے' آخر یہ چیز ہے کیا۔؟ پھر رومیو نے اسے اشاروں سے بتایا کہ ان کی چند گھنٹوں کے بعد رہائی ہونے والی ہے۔

رات کو پھر وہی ابلے ہوئے چاول جو نمکین تھے اور ساتھ میں جو شوربا دیا گیا وہ پانی کی طرح پتلا تھا۔ ایک گارڈ لالٹین روشن کر کے لایا اور دوسرے نے مٹی کی صراحی پانی سے بھر کر ان کے پاس رکھ دی۔ اس کے بعد چائے کا ایک ایک پیالہ بھی نصیب ہوا۔ سیاہ فام پہرے داروں کا یہ روّیہ ویسے اس کے ساتھ درشت تھا لیکن وہ رومیو کے ہر حکم کی فوراً ہی تعمیل کرتے۔ اس نے انہیں سگار لانے کے لئے کہا۔ وہ سگار لانے گئے۔ اس کے بعد اس نے اپنا کمبل ایک طرف پرے پھینک دیا۔ اس نے اپنی زبان میں جانے کیا کہا۔ چند لمحوں کے بعد اسے نیا کمبل دیا گیا۔ جب پہرے دار اپنی جگہ کھڑے ہو گئے تو رومیو نے بپھرے ہوئے چیتے کی مانند ٹہلنا شروع کیا۔ ہر بار وہ رک کر رندھیر کی طرف دیکھتا' کچھ سوچتا اور پھر ٹہلنے لگتا۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے تک وہ اس طرح ٹہلنے کے بعد اپنے کمبل پر بیٹھ گیا۔

پھر تھیلے میں سے کوکین کا پتہ نکال کر جبڑے میں دبایا اور جگالی کرنے لگا۔ رندھیر نے اندازہ کیا کہ اب شام کے سات بجے ہوں گے۔ باہر سناٹا تھا۔ دور کہیں سے کتے کے بھونکنے کی آواز آ رہی تھی۔ باہر شاید ہوا تیز ہو گئی تھی۔ کیوں کہ صحن میں لگے ہوئے بڑ کے درخت کی شاخیں شور پیدا کر رہی تھیں۔ اس نے محسوس کیا کہ دماغ نیند سے بوجھل ہو رہا ہے لیکن اس کی آنکھیں کسی طرح بند نہیں ہو رہی تھیں۔ اسے لگا کہ یہ کوکین کے پتے کا اثر تھا جو اس نے گزشتہ روز کھایا تھا۔ اسے خیال آیا اگر آج رات ہی بھاگنا ہے تو نیند ہرگز نہیں آنی چاہئے۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ عین فرار کے وقت نیند سے برا حال ہو جائے۔

رندھیر نے یہ سوچ کر رومیو سے کوکین کا پتہ مانگا۔ اس نے فوراً تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک بڑا پتہ نکالا اور آدھا توڑ کر رندھیر کی طرف بڑھا دیا۔ پھر اشارے سے اسے سمجھاتا رہا کہ پتا صرف چباتا رہے اور اس کی پیک کم سے کم نکالے تاکہ اعصاب سو نہ جائیں اور وہ حسب ضرورت چل پھر سکے۔

رندھیر نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ رندھیر کو پتے چبانے میں لطف تو آیا۔ لیکن زبان اور ہونٹ تھوڑی دیر بعد ہی سوج کر کپا ہو گئے اور پھر وہ بولنے اور بات کرنے سے عاری ہو گیا۔ رندھیر نے سوچا اس میں نقصان ہی کیا تھا؟ یہاں اس کی بات سمجھنے والا تھا ہی کون۔؟ وہ اپنی ذات میں اکیلا تھا۔

اکلوتے روشن دان سے دودھیا چاندنی جھانکنے لگی۔ شاید یہ چودھویں رات ہے؟ رندھیر نے خیال کیا۔ اس لئے چاندنی اتنی اجلی ہے۔ ساڑھے نو بجے چاند روشن دان کے بالکل اوپر آ گیا۔ وہ روشن دان کی سیاہ سلاخوں میں اسے بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ کوکین کا اثر تھا کہ چند لمحوں کے بعد اسے ایک کے بجائے آسمان پر دو چاند دکھائی دینے لگے۔ پھر دو سے تین۔ تین سے چار۔ پھر ان کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ اس نے گھبرا گھبرا کر بار بار آنکھیں بند کیں اور کھولیں۔ لیکن ہر بار چاند کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ تب رومیو نے اسے چاند کی طرف متوجہ کیا۔ اسے چاند یا چاندنی سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ پہلے تو بالکل نہ سمجھا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے لیکن سمجھ گیا تو ہنس ہنس کر دوہرا ہو گیا۔ اس نے رندھیر کو بتایا کہ اسے ایک ہی چاند نظر آ رہا ہے اور اسے چاہئے کہ وہ اٹھ کر ایک گلاس پانی پی لے۔ اس نے پانی پیا' لیکن وہ کیفیت بدستور قائم رہی۔

رندھیر کو احساس ہوا کہ کوکین کا نشہ چاندنی میں قیامت برپا کر دیتا ہے۔ تیز اور گہرا ہوتا چلا جاتا ہے۔

رندھیر نے منہ پھیر لیا اور دیوار کی طرف مڑ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اسے احساس ہی نہیں ہو سکا کہ اس عالم میں کتنی دیر گزری۔ ایک گھنٹہ۔؟ ایک رات یا صدی۔ پھر سپنا ایستھر کا تھا۔ ایستھر اس پر جھکی ہوئی تھی۔ اس کے رسیلے ہونٹ رخساروں کو جھلسا رہے تھے۔ اس پر اپنے جسم کا سارا بوجھ ڈالے۔ ایک پہاڑی کے دامن میں سرسبز وشاداب قطع پر۔ پہاڑی کی چوٹی پر شیاما بچوں کے ساتھ کھڑی تھی۔ وہ جذباتی لہجے میں چیخ رہی تھی۔ میرے پتی درتا' میرے دیوتا' یہ تم

کس ڈائن کی آغوش میں ہو' میں تمہاری ہوں' تم میرے ہو۔ اپنے بچوں کی طرف دیکھو۔ بچے
رو رہے ہیں۔ چیخ رہے ہیں۔ پتا جی۔ پتا جی۔ آیئے نا۔

جب اسے ہوش آیا تو نہ اس کی بیوی تھی اور نہ بچے تھے' نہ وہ ایستھر کی آغوش میں تھا۔
فرش پر تھا۔ روشن دان کی طرف دیکھا۔ چاندنی غائب تھی۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ بارش
کا پانی بوچھاڑ کی صورت میں روشن دان سے نہ آتا تو وہ اسے بھی کوکین کا اثر خیال کرتا۔ اس
نے ایک پل کے لئے سوچا۔ یہ کوکین بھی کیا چیز ہے۔ وہ سپنے میں سمجھ رہا تھا کہ ایستھر اس کے
بازوؤں میں ہے۔ اس کا لطیف اور انوکھا حسن محسوس کر رہا ہے۔ ہوش میں آنے کے بعد اسے
لگا کہ ایستھر کسی بیل کی طرح اس کے وجود سے لپٹی ہوئی ہے۔ لیکن نہیں۔ ایستھر کا وجود نہیں
ہے۔ آسمان پر بادل گرج رہا تھا۔ بجلی کڑک رہی تھی اور دھنوشال مینہ پڑ رہا تھا۔ موسم خنک اور
خواب ناک ہو گیا تھا۔

رومیو اٹھ کر اس کے قریب آیا اور اس نے ٹوٹی ہوئی ہندوستانی زبان میں ایک لفظ ایسا
کہا جس کا مطلب وہ سمجھتا تھا ''تیار۔ میں تیار ہوں۔

پھر رومیو نے سلاخوں سے باہر جھانکا دونوں مسلح محافظ نہ جانے کہاں پناہ لئے ہوئے
تھے یا پھر وہ جان بوجھ کر چلے گئے تھے۔ رومیو نے دونوں ہاتھ آگے بڑھائے۔ رندھیر نے
چابی نکال کر اس کی ہتھکڑیاں کھولیں پھر بیڑیاں اتاریں۔

اس کے بعد اس نے رندھیر کو زنجیروں سے آزاد کیا۔ ٹین کی چھتوں پر بارش کا پانی اس
زور سے پڑ رہا تھا کہ جیسے کسی بڑے کارخانے میں دیوپیکر مشین پوری رفتار سے چل رہی ہو۔

رومیو نے آزاد ہو کر دروازہ ٹٹولا۔ رندھیر کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب اس نے دیکھا
کہ دروازہ فوراً کھل گیا ہے۔ اس سے تین فٹ کے فاصلے پر دوسرا دروازہ تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا
کہ اس میں بھاری قفل پڑا ہے۔ یہ دروازہ لوہے کی پون انچ موٹی سلاخوں سے بنایا گیا تھا۔
دونوں سلاخوں کے درمیان پانچ پانچ انچ کا فاصلہ تھا۔

رومیو نے اپنے اس تھیلے میں ہاتھ ڈالا۔ رندھیر نے دل میں اسے گالی دی کہ اس نازک
موقع پر بھی اس حرامی کو نشے کی سوجھ رہی ہے؟ لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے فولاد کی ایک
چھوٹی اور بالکل نئی ریتی نکالی۔ یہ ریتی دیکھ کر رندھیر سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ یہ غالباً پادری نے
ہی بہم پہنچائی ہو گی۔ حیرت انگیز سرعت اور قوت سے رومیو نے ایک سلاخ پر ریتی رگڑنی
شروع کر دی۔ پندرہ منٹ کے اندر اندر اس نے سلاخ کاٹ ڈالی لیکن اب بھی وہ اس میں

سے نکل نہیں سکتے تھے۔ چناں چہ اس نے دوسری سلاخ کاٹنے کا اسے اشارہ کیا۔ پندرہ بیس
منٹ رندھیر نے بھی ریتی چلائی اور سلاخ اوپر نیچے دونوں طرف سے کاٹ ڈالی۔ اب پھر
رومیو نے ریتی سنبھالی اور پہلی والی سلاخ پر ہاتھ چلانا شروع کیا۔ یہ کام ایسا مشقت طلب تھا
کہ وہ پون گھنٹے ہی میں سردی کے باوجود پسینے پسینے ہو گئے تھے۔ بارش اس رفتار سے ہو رہی
تھی۔ بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک نے انہیں سہارا دیا تھا۔ سلاخوں پر ریتی رگڑنے کی آواز
اس بے پناہ شور نے جذب کر لی تھی۔

کوٹھری سے باہر نکلنے کا لمحہ رندھیر کے لئے ناقابل فراموش تھا۔

اگرچہ پادری کا دیا ہوا پستول اس کے ہاتھ میں تھا' لیکن ہر آن یوں محسوس ہو رہا تھا' کہ
جیسے ابھی چاروں طرف سے ان پر گولیوں کی بوچھاڑ ہونے والی ہے اور جیل کے کونے
کھدروں میں چھپے ہوئے سیاہ فام مسلح پہرے داران کا جسم چھلنی کرنے کے لئے تیار ہیں۔

رومیو نے رندھیر کا ہاتھ تھاما اور گھپ اندھیرے میں بارش کی بوچھاڑ میں بھاگتے ہوئے
وہ صحن میں داخل ہوئے۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ البتہ قیدیوں کی اس بڑی بارک جہاں گوتم بند تھا
روشن دانوں کے اوپر سے مدھم روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ رومیو کی بصارت حیرت انگیز حد تک
تیز تھی۔ بندر مانند وبلّا' لپکتا مڑتا' بل کھاتا وہ اسے اپنے ساتھ گھسیٹے لے جاتا تھا۔ آناً فاناً جیل
کی سات فٹ اونچی دیوار کے پاس پہنچ کر وہ لمحہ بھر کو رکے۔ پھر اس نے رندھیر کا ہاتھ چھوڑ کر
بندر کی طرح جست کی اور دیوار پر چڑھ گیا۔ پھر جھک کر اس نے رندھیر کا ہاتھ تھاما اور اپنی
بے پناہ قوت کے زور پر اسے اوپر کھینچ لیا۔ جیل والوں نے دیوار پر ٹوٹے ہوئے شیشے جما
رکھے تھے۔ دفعتاً رندھیر کو یوں احساس ہوا جیسے بائیں ہتھیلی میں خنجر گھونپ دیا گیا ہو اور ایک
نوکیلا شیشہ ہتھیلی کو لہولہان کر گیا تھا۔ لیکن اس کے چیخنے یا کراہنے کا موقع نہ تھا اور نہ ہی کچھ
سوچنے سمجھنے کا۔

رومیو نے ادھر پرلی طرف چھلانگ لگائی اور ادھر رندھیر نے بھی اس کی پیروی کی۔ پرلی
طرف بارش کا پانی جمع تھا۔ رندھیر اس پانی اور کیچڑ میں منہ کے بل گرا اور اس کی آنکھوں کے
سامنے چنگاریاں سی اڑنے لگیں۔ رومیو نے پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور وہ دونوں اس
موسلا دھار بارش میں تیزی سے ایک طرف بھاگنے لگے۔ رندھیر کو کچھ خبر نہ تھی کہ اس کا ساتھی
کدھر جا رہا ہے۔ وہ اندھا دھند اس کی تقلید کرنے پر مجبور تھا۔ بہت جلد معلوم ہو گیا کہ اس
جزیرے کے گاؤں میں سے گزر رہے ہیں۔ ہر طرف گھپ اندھیرا تھا جسے آسمان پر چمکنے والی

بجلی ایک ثانیے سے بھی بہت کم وقفے میں دور کرتی اور اس معمولی وقفے میں اسے اپنی آنکھوں سے کام لینا پڑتا تھا۔

رومیو تمام راستوں سے خوب واقف تھا۔ وہ تیز رفتاری سے لکڑ بگے کی مانند اچھلتا کودتا مسلسل دوڑ رہا تھا۔ گاؤں کی گلیاں، پتلی، کچی اور تیڑھی میڑھی تھیں۔ جابجا بارش کا پانی کھڑا تھا اور کہیں کہیں ٹخنوں ٹخنوں دلدل۔ رندھیر کا خیال تھا کہ رومیو کے ساتھی جیل سے نکلتے ہی ان کی مدد اور رہنمائی کو موجود ہوں گے لیکن کوئی بھی نہ تھا۔

دوڑتے دوڑتے رومیو نے اپنے تھیلے میں سے کوکین کا پتہ نکال کر اسے دیا اور رندھیر نے منہ میں رکھ لیا۔

اس کی تاثیر عجیب تھی۔ جونہی اس کا گیلا عرق حلق سے اترا جسم میں ایک نئی جہت اور قوت بھر گئی اور چند لمحے کی خستہ حالت یک لخت دور ہو گئی۔ اب وہ بھی دنیا ومافیہا سے بے پروا ہو کر اور کسی قسم کے خطرے سے بے نیاز دیوانہ وار رومیو کے ساتھ بھاگ رہا تھا۔ اب رندھیر کو یاد آتا ہے کہ وہ ساری رات اسی طرح دوڑتے رہے اور ایک منٹ کے لئے آرام کیا نہ ستائے تھے۔ بارش اس طرح ہوتی رہی۔ اس جزیرے کا گاؤں بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ اور نہ جانے وہ کس کس آبادی اور کون کون سے علاقوں سے گزر کر ایک گھنے جنگل میں داخل ہو گئے تھے۔ تھکن کا احساس ناپید تھا بلکہ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ ساری زندگی اسی طرح دوڑتا رہے۔ اس رات کی بھیانک مہم مرتے دم تک، یاد رہے گی۔ رندھیر نے سوچا تھا۔

جنگل سے نکل کر ایک پر پیچ پہاڑی راستے میں داخل ہوئے۔ آہستہ آہستہ بارش تھمنے لگی اور مشرق کی جانب سے صبح کے اجالے کی سنہری لکیر افق پر نظر آنے لگی۔ رندھیر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ان کے سامنے ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ یہ جزیرے کا جنوبی ساحل تھا۔ کنارے کے ساتھ ماہی گیروں کی جھونپڑیاں دور تک پھیلی ہوئی تھیں اور پانی میں بہت سی چھوٹی بڑی بادبان کشتیاں سٹیمر اور لانچیں کھڑی دکھائی دیں۔

رومیو اسے انہی جھونپڑیوں میں سے ایک کے اندر لے گیا لیکن یہ جاننے میں کوئی دقت نہ ہوئی کہ وہاں چند آدمی موجود ہیں اور وہ گہری نیند میں غرق ہیں۔ کم از کم دو آدمیوں کے خراٹوں کی آواز جھونپڑی میں گونج رہی تھی۔

رومیو نے گھستے ہی اپنی زبان میں زور زور سے کچھ کہا۔ غالباً گالیاں دی ہوں گی۔ ان گالیوں کا اچھا نتیجہ برآمد ہوا۔ سونے والے جاگ گئے۔ ایک نے شاید رومیو کی آواز پہچان لی

تھی اس لئے اس نے ٹارچ روشن کیا۔ پھر وہ اسے دیکھ کر ہیبت زدہ ہوئے اور سجدے میں گر گئے۔ رومیو نے پھر انہیں کچھ کہا اور ایک آدمی کے سر پر بڑے زور کی لات رسید کی۔ وہ الٹ کر اوندھے منہ گر گیا۔ رندھیر نے دیکھا۔ باقی تین تھر تھر کانپ رہے ہیں جیسے انہوں نے کسی بھوت کو دیکھ لیا ہو۔

کوئی دس منٹ کے بعد رندھیر اور رومیو کے ان آدمیوں کی معیت میں ایک بار پھر ساحل کی طرف جا رہے تھے۔ یہ لوگ سری لنکن تھے لیکن وہ رومیو کی زبان جانتے اور سمجھتے تھے۔ رندھیر کے علم میں جیسا کہ آیا تھا کہ جزائر جو ہندوستان اور سری لنکا کے درمیان ہیں ان میں ہندوستان اور سری لنکا کے باشندے بھی یہاں رہتے بستے ہیں۔ مچھلیاں پکڑ کر سری لنکا بھی لے جا کر فروخت کرتے ہیں اور ہندوستان بھی۔ یہ مچھلیاں پکڑنے کے فوراً ہی بعد اس کی صفائی کر کے آلائش نکال دیتے ہیں پھر نمک لگا کر رکھ دیتے ہیں۔ وہ ایک مہینے تک خراب نہیں ہوتی ہیں اور نہ ہی ان کے ذائقے میں کوئی فرق آتا ہے۔ یہاں وہ بڑی اور نایاب مچھلیاں ہوتی ہیں جو کہیں اور نہیں پائی جاتی ہیں۔ شاید اس لئے ماہی گیروں کی بستی کافی بڑی تھی۔ یہ شاید رومیو کے زیر اثر تھے۔ اس کے گروہ کے افراد یہاں رہتے تھے۔ رومیو نے اسے بتایا ہوا تھا کہ اس کے ایجنٹ کہاں نہیں ہیں اور پھر یہ ماہی گیر بڑے مالدار، خوش حال اور پرسکون زندگی گزار رہے تھے۔ شاید اس لئے بھی کہ وہ منشیات کے دھندے میں بھی ملوث تھے۔

انہیں ایک موٹر لانچ میں سوار کرایا گیا۔ فوراً ہی اس کا انجن سٹارٹ ہوا اور لانچ تیزی سے سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی شمال کی جانب چلنے لگی۔ رومیو اپنے آدمیوں سے جانے کیا کیا باتیں کرتا رہا۔ وہ سب ادب اور بڑے غور سے سنتے رہے اور ساتھ ساتھ اثبات میں گردنیں ہلاتے رہے۔ اس نے رندھیر کی طرف اشارہ کر کے انہیں شاید اس کے بارے میں تمام باتوں سے آگاہ کیا جو اس کے علم میں تھیں۔ وہ گونگوں کی طرح چپ چاپ اس شاندار لانچ میں بنے ہوئے کیبن میں بیٹھا باری باری سب کی صورتیں تک رہا تھا۔

سورج نکلنے کے چند منٹ کے بعد ان کی لانچ ایک خوب صورت جزیرے پر رکی۔ اس کے اندازے کے مطابق انہوں نے سمندر میں کامل دو گھنٹے سفر کیا۔ اس وقت تک سورج خاصا بلند ہو چکا تھا۔ اس تمام سفر میں انہوں نے کوکین کے پتوں کے سوا کچھ کھایا نہ پیا۔ رندھیر کو اس بات پر بڑی حیرت تھی کہ نہ تو پیاس لگی اور نہ بھوک۔ وہ گوتم کے بارے میں بھی سوچتا رہا تھا۔

جب وہ اس ننھے سے حسین جزیرے پر اترے تو ہر شے سنہری، تیز اور گرم دھوپ میں نہائی ہوئی تھی۔ سفر کے دوران ہی میں ان کے بھیگے کپڑے خشک ہو چکے تھے لیکن کیچڑ اور دھول کے باعث حلیہ ایسا تھا کہ جو دیکھتا وہ ڈر جاتا۔ رندھیر کے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی میں گہرا زخم آیا تھا لیکن اس میں کوئی درد یا تکلیف اسے محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اسے بتایا گیا کہ اس جزیرے کا نام الگا ہے اور یہیں سے پولیس نے گھیرا ڈال کر پولیس نے انہیں گرفتار کیا تھا۔ یہ جزیرہ اصل اس کی ملکیت ہے۔ اس نے سری لنکن حکومت سے یہ خریدا تھا۔

جونہی وہ موٹر لانچ سے اتر کے ساحل پر آئے۔ بہت سے ماہی گیروں اور دوسرے آدمیوں نے انہیں گھیر لیا۔ وہ رومیو کو دیکھ کر خوشی سے پاگل ہو گئے۔ بعض لوگوں نے رقص شروع کر دیا اور رومیو کو کندھوں پر اٹھا کر جلوس کی شکل میں دوڑنے لگے۔ رندھیر ان چار آدمیوں کے حلقے میں تھا جو موٹر لانچ لے کر آئے تھے۔ رندھیر حیران تھا کہ اتنے آدمیوں کی موجودگی میں پولیس نے رومیو کو کیسے پکڑا ہوگا؟ اسے یہ بعد میں پتا چلا کہ پولیس نے ایکا ایکی اس مکان پر شب خون مارا تھا جس میں رومیو اکیلا آرام کر رہا تھا۔ اس کے ساتھی مختلف مہموں پر گئے ہوئے تھے۔ ورنہ کیا مجال کہ پولیس ساحل پر قدم بھی رکھنے پائی۔

ایک بڑی سی عمارت میں انہیں لے جایا گیا۔ تھوڑی دیر بعد کھانے کے لئے طرح طرح کے پھل، ابلی ہوئی مچھلیوں اور گوشت کے ڈھیر ان کے سامنے رکھ دیئے گئے۔ رندھیر نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اس نے محسوس کیا کہ کوکین کا اثر بھی نرالا ہے کہ اول تو بھوک ہی نہیں لگتی۔ آدمی کھانے بیٹھ جائے تو کھاتا ہی چلا جاتا ہے۔ رندھیر کا پیٹ بھر گیا تھا لیکن ذائقہ اور لذت ایسی تھی کہ اس کا ہاتھ رک نہیں پا رہا تھا۔

رومیو جانے کہاں چلا گیا تھا۔ ایک گھنٹے کے بعد وہ اس کمرے میں آیا جہاں اسے رکھا گیا تھا۔

رندھیر اسے دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ اس کی داڑھی غائب اور سر کے بال بھی تراش دیئے گئے تھے۔ لمبے ناخن کٹے ہوئے اور لباس صاف ستھرا۔ بلاشبہ وہ ایک خوبصورت بدن کا طاقت ور آدمی تھا اور اپنے گروہ کی سرداری کے لئے ہر طرح سے لائق۔

رندھیر کو دیکھ کر وہ ہنسا اور اپنے آدمیوں سے کچھ کہا۔ اسے بتایا گیا کہ وہ چاہے تو غسل کر کے نئے کپڑے پہن سکتا ہے۔ رندھیر کو اس وقت بڑے زور کی نیند آ رہی تھی لیکن وہ کیچڑ سے بھرے لباس میں کیسے سو سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے کپڑے بدلنا مناسب ہی سمجھا۔ دو آدمی اسے

غسل خانے میں لے گئے۔ اسے پھر ایستھر کا واش روم اور ساتھ میں نہایا ہوا یاد آ گیا۔ وہاں تولیا، صابن، کنگی، شیو کا صابن اور آئینہ سب کچھ موجود تھا۔ اسے جو لباس پہننے کے لئے دیا گیا وہ مقامی تھا۔ جب اس کی زخمی ہتھیلی میں ٹیس اٹھی تو اس نے ایک آدمی کو ہتھیلی کا زخم دکھایا اور بتایا کہ زخم بہت گہرا اور درد کی شدت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ کیا کوئی مرہم یا علاج ہو سکتا ہے۔ یہ لوگ ہندوستانی زبان سے آشنا تھے۔ چند لمحوں کے بعد ایک شخص جس نے بتایا کہ وہ مدراسی ہے اور اس کی رنگت بھی سیاہ فام افریقی جیسی تھی۔ وہ اندر سے ایک تھیلا اٹھائے ہوئے آیا۔ اس نے زخم کا معائنہ کر کے رندھیر کو تسلی دی اور اشارے سے بتایا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ معمولی زخم ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ سری لنکن تھا۔ اسے ہندوستانی زبان نہیں آتی تھی۔

اس نے تھیلے میں سے عجیب عجیب رنگوں کی ڈبیاں برآمد کیں۔ ان میں نہایت بدبودار مرہم سا تھا۔ زخم پر دو تین قسموں کا مرہم باری باری لگا کر اس پر ایک زرد رنگ کا پتا رکھا۔ پھر دھجیاں سی باندھ دیں۔

شام ہوئی تو وہ آدمی آیا جو پادری کے بھیس میں جیل کی کال کوٹھری میں آیا تھا۔ جس کا دیا ہوا پستول بھی رندھیر کے پاس موجود تھا۔ رندھیر اسے دیکھ کر ایسا سرشار ہوا جیسے کوئی گہرا دوست برسوں بعد ملا ہو۔ وہ روانی سے ہندوستانی بول سکتا تھا۔ وہ بھی رندھیر کو دیکھ کر خوش ہوا۔ گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور بغل گیر ہو کر کہنے لگا۔

"میں آپ کو رہائی کی مبارکباد دیتا ہوں مسٹر رندھیر۔ لیکن یہاں زیادہ دیر تک ٹھہرنا پریشانی کا سبب بن سکتا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ رومیو سے سبھی ڈرے ہوئے ہیں اور انگریزوں نے یہاں ابھی تک اپنا تسلط اور اپنی حکومت قائم کی ہوئی ہے۔ اسے رومیو کی قوت کا اچھی طرح سے اندازہ ہے۔ وہ اسے پھانسی پر کبھی لٹکا ہی نہیں سکتے۔ لیکن محض اپنے جھوٹے وقار کی نمائش کے لئے گورنر نے اسے موت کی سزا سنائی۔ کیا آپ اس بات کا یقین کریں گے کہ جیل والوں کے اشاروں پر ہم نے رومیو کی رہائی کے لئے انتظامات کئے تھے۔ گورنر نے انہیں در پردہ ہدایت جاری کی تھی کہ آپ کو اور رومیو کو بھاگنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ کو رومیو کے ساتھ رکھا گیا ورنہ وہاں کے سیاہ فام باشندے آپ کے بے حد خلاف تھے اور اگر وہاں کی برٹش حکومت آپ کو عدم ثبوت کی بنا پر رہا کر دیتی تو کوئی نہ کوئی حبشی آپ کو ضرور ٹھکانے لگا دیتا۔ بہرحال اب فرمایئے کہ آپ کے کیا ارادے ہیں؟"

"کیا مجھے یہاں سے کہیں اور دور جانا ہوگا؟" رندھیر نے کہا۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ میرا ساتھی گوتم یہاں کسی طرح آ سکے۔؟"

رندھیر کی بات سن کر اس نے نفی میں گردن ہلائی اور اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے بولا۔

"اسے اس کے حال پر چھوڑیے۔ فی الحال آپ اپنی فکر کیجئے۔"

اس کی بات سن کر رندھیر سوچ میں پڑ گیا۔ یکا یک اس کی چھٹی حس بیدار ہوگئی۔ اندر ہی اندر ایک نامعلوم خطرے کا خدشہ ذہن میں منڈلاتا نظر آیا۔ رندھیر کو اس شخص کی باتیں بڑی پراسرار لگ رہی تھیں۔ کوئی اور ہی جذبہ کارفرما تھا اس کی تہہ میں۔ رندھیر کو یاد آیا کہ جب وہ جیل کی کال کوٹھری میں اپنے دو ساتھیوں سمیت آیا تھا تو تب اس نے کچھ اور بتائی تھی اب یہ کچھ اور کہہ رہا تھا۔ آخر ان میں سچ کیا ہے۔؟ جھوٹ کیا ہے۔؟ غلط اور صحیح کیا ہے۔ کون ہے؟ رندھیر نے محسوس کیا کہ وہ ان وحشیوں کے پھندے میں گرفتار ہو چکا ہے۔ یہ ایک مافیا تھا۔ زیرزمین دنیا کے جرائم پیشہ لوگ تھے۔ یہ ہرگز مناسب نہ تھا کہ انہیں وہ اپنا دشمن بنا کر مزید آفتیں مول لے۔ جن لوگوں سے برٹش حکومت بھی خوف کھاتی ہو ان کے سامنے ان کی حیثیت ہی کیا ہے۔ اگر وہ چاہیں تو پاؤں سے اسے چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دیں۔ رندھیر اس غور وفکر میں ڈوبا ہوا تھا کہ وہ رندھیر کی پریشانی بھانپ کر بولا۔

"مسٹر رندھیر۔! آپ جانتے ہیں کہ رومیو کا دھندا کیا ہے؟ دن رات جان ہتھیلی پر رہتی ہے۔ اس کا ہیڈ کوارٹر اٹلی میں برسلز میں ہے۔

لیکن اس کی تنظیم کی شاخیں ساری دنیا میں موجود ہیں۔ وہ اپنے ہیڈ کوارٹر میں قابل اعتماد ساتھیوں کو جانے کی اجازت دیتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کی منزل مقصود کیا ہے۔ میں صرف یہ کہوں گا کہ آپ رومیو کے گروہ میں شامل ہو جائیں تو مزے میں رہیں گے۔ پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں۔ ویسے آپ کو اپنے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کرنے میں ہماری طرف سے پوری آزادی ہے۔

رندھیر خاموش رہا۔ خزانے کے حصول کی تلاش میں سفر میں جرائم کی دنیا میں رہ کر جو کچھ دیکھا تھا جس سے واسطہ پڑا یہ اس کی سزا تھی۔؟ گوتم کے فریب میں آ کر وہ نہ نکلتا تو آج یہ دن دیکھنا نہیں پڑتا۔ رومیو جیسے قاتل اور بے رحم شخص کے گروہ میں داخل ہو کر اس تاریک خلا میں جا گرا۔ کیا خبر یہ شخص آج خوش ہے۔ کل ناراض ہو جائے تو اس کا تیا پانچہ کر ڈالے گا۔ وہ

خود کہتا ہے کہ اس نے پچاس ساٹھ قتل کئے ہیں۔ عورتوں اور لڑکیوں کی آبروریزی کر کے انہیں قتل کر دیتا ہے۔ اس نے اپنی سگی بہن کو داشتہ بنا رکھا ہے۔ اب دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ کدھر کا رخ کرے؟ کہاں پناہ لے۔ منزل مقصود کے بارے میں بتانے سے اسے کیا ملے گا۔ لیکن اسے کبھی بھی خزانے کی تمنا اور خواہش نہیں رہی تھی

بس وہ جلد از جلد گھر جانا چاہتا تھا لیکن یہ ناممکن سا تھا۔ رومیو اسے جانے نہیں دیتا۔ پورا کرۂ ارض اس کے لئے اجنبی بن چکا تھا۔ اب اس کے لئے ایک صورت رہ جاتی تھی کہ کسی صورت میں اپنے شہر کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی اس سے جان چھڑوا لے۔ لیکن اسے اس کے لئے ایک نبرد آزما اور جان لیوا انتظار کرنا تھا۔

"مسٹر رندھیر۔ کیا آپ تیرنا جانتے ہیں۔؟" اس نے اچانک غیر متوقع سوال کیا۔

رندھیر حیرت سے اس کا منہ تکنے لگا۔ اس کی کچھ سمجھ نہ آیا کہ اس غیر متعلقہ سوال سے اس کا مطلب کیا ہے؟

"میں نے کہا نہیں کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔؟" رندھیر نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "مجھے تیرنا تو بہت اچھی طرح آتا ہے۔"

"اوہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ تیرنا بھی جانتے ہیں تو پھر غوطہ خوری بھی آتی ہو گی۔"

اس کا یہ دوسرا سوال جو تھا وہ رندھیر کو اور بھی عجیب پراسرار اور شک لئے ہوئے تھا۔ وہ اس شخص کو متنبہ کر رہا تھا۔ کاش! اس وقت اسے اندازہ ہوتا کہ بظاہر اس بے ضرر سوال کے صحیح جواب میں اس کے لئے کس قدر مصیبتیں اور پریشانیاں پوشیدہ ہیں۔ لیکن وہ یہ بات اچھی طرح سے جانتا تھا کہ یہ قدرت کے وہ اسرار ہیں جن کا جواب انسان کے پاس نہیں پھر اس نے اپنے مخاطب کو تعجب کی نظروں سے دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"جی ہاں۔ اتفاق سے میں اس فن سے کچھ نہ کچھ واقف بھی ہوں۔ فرمائیے۔ کہاں غوطہ لگانا ہے؟"

ایک محض تبسم اس کے پتلے پتلے لبوں پر نمودار ہوا۔ آنکھوں کی چمک کچھ اور بڑھ گئی۔ وہ رندھیر کو ایسا درندہ دکھائی دینے لگا جو کئی روز سے بھوکا ہو جس کے سامنے اچانک شکار آ جائے۔ ایسا شکار جس میں اپنا بچاؤ کرنے کی بھی جرأت نہ ہو۔"

"بہت خوب مسٹر رندھیر! بہت خوب۔ وہ بولا"۔ آپ تو خاصے کام کے آدمی ہیں۔ میرا

خیال ہے کہ رومیو بھی یہ سن کر بہت خوش ہوگا۔ ہم بہت جلد آپ کے لئے ایک اچھا کام تلاش کر دیں گے۔ پھر آپ کو کہیں جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اچھا آپ تھکے ماندے ہیں آرام کیجئے۔ باقی باتیں پھر ہوں گی۔

اس نے گرم جوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ رندھیر حیران پریشان تھا کہ آخر وہ کون سا کام ہے جسے وہ لوگ اس کے لئے تلاش کریں گے جس کا تعلق غوطہ خوری سے ہوسکتا ہے۔؟

اسے کچھ خبر نہیں کہ وہ کب کمرے سے نکلا اور اس نے کب مصافحہ کیا۔ انتہائی تحیر انگیز روّیے نے اس کے ذہن میں شکوک وشبہات کی ایک قیامت بپا کر دی تھی۔ اس کا ذہنی سکون غارت کر دیا تھا۔

اس نے آنکھیں بند کر کے اور اپنے تھکے ہوئے جسم کو تسکین دینے کی کوشش کی۔ مگر بے سود۔ دل کی دھڑکن ہر لحہ تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ یکا یک اسے بے پناہ پیاس نے ستانا شروع کیا۔ اس نے پانی کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔

سامنے ایک طاقچے میں زرد رنگ کے مشروب سے بھری ہوئی ایک بوتل دھری تھی۔ رندھیر نے اٹھ کر اس کا کارک کھولا۔ اسے بو سے اتنا اندازہ ہوا کہ شراب کی کوئی نادر قسم ہے۔ دوسرے ہی لمحے اسے اپنے منہ سے لگالیا۔ چند گھونٹ حلق میں اترے تو احساس ہوا کہ یہ نرالا مشروب ہے۔ خوش ذائقہ' شیریں اور سرد۔ بوتل ہاتھ میں لئے وہ دوبارہ فرش پر جا بیٹھا اور اسے آہستہ آہستہ پیتا رہا۔ وہ آنکھیں جو تھوڑی دیر پہلے نیند سے طوطا چشمی کر رہی تھیں آپ ہی آپ بند ہونے لگیں۔ اس نے گردن ایک طرف ڈال دی اور پھر دنیا ومافیہا کی کچھ خبر نہ رہی۔ صرف یہ احساس زندہ تھا کہ وہ تاریکی۔ نہایت گہری تاریکی میں اترتا چلا جا رہا ہے۔

جب آنکھیں کھلیں تو اس نے اپنے آپ کو گردوپیش اس گہری تاریکی کو مسلط پایا۔ کوئی شے نظر نہ آئی تھی۔ اس نے ہاتھوں کو حرکت دینے کی کوشش کی۔ بے سود۔ اس نے سوچا کہ ہاتھ پیر ہلانے چاہئیں۔ بے کار' گردن موڑنے کی سعی بھی لاحاصل رہی۔ رفتہ رفتہ اس کی گم شدہ صلاحیتیں واپس آنے لگیں۔ پر ایک ڈراؤنے احساس نے جنم لیا۔ یہ احساس اسے اپنے ہاتھ پیروں کی جنبش کا تھا۔ اسے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ مضبوط ڈوری سے اس کے ہاتھ پیر خوب کس کر باندھ دیئے گئے ہیں۔ اس خوفناک احساس کے قوت پاتے ہی اس نے چیخنے کی کوشش کی لیکن آواز سینے میں گٹ کر رہ گئی جیسے اس کی چھاتی پر پتھر کی کوئی سل رکھ دی گئی ہو۔

لیکن اس نے محسوس کیا کہ حقیقت میں کسی سل کا وجود نہ تھا۔ البتہ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ نہ تو بول سکتا اور نہ ہی چیخ سکتا تھا۔ اس بات سے اس کے دل کو تقویت ہوئی کہ اس کی ناک اور نتھنے کو بند نہیں کیا تھا اور سانس لینے کا ایک ذریعہ باقی رہنے دیا تھا۔ ورنہ اسے اپنے پورے ہوش وحواس اور صحیح حالت میں لانے کے لئے خاص جدوجہد سے کام لینا پڑتا۔

واقعہ یہ تھا کہ اسے چھٹی حس نے خطرے کا احساس دلایا تھا۔ لیکن یہ احساس ہرگز نہ تھا کہ وہ اتنی جلدی اس حالت سے دوچار ہو جائے گا۔ کم بختوں نے اس کے ہاتھ اور بازو پشت کے پیچھے موڑ کر اس انداز سے باندھے تھے کہ وہ کوشش کے باوجود جنبش نہ کر سکتا تھا۔ اس کے نیچے گھاس' موٹی اور خشک گھاس بھی تھی۔ اس کے علاوہ کوئی اور شے ہے اس کے پاؤں اس سے مس نہ ہوئے۔ وہ کہاں پڑا تھا؟ یہ کون سی جگہ تھی۔ اس کے بارے میں کوئی اندازہ لگانا ممکن نہ تھا۔ اندھیرا اتنا گھپ کہ اسے لگا کہ وہ پاتال میں پڑا ہوا ہے۔ روشنی کی کوئی کرن بھی نظر نہ آتی تھی۔

اس نے سوچا کہ بھگوان ہی جانتا ہے کہ وہ زرد رنگ کا مشروب کیا تھا اور وہاں کس مقصد کے لئے رکھا گیا تھا؟

ممکن ہے وہ بوتل صرف اس کے لئے ہی رکھی گئی ہو۔ اگر یہ بات ہے تو ان کے ذہن میں پہلے سے اس کے بارے میں ایک خاص منصوبہ مرتب ہو چکا تھا۔ اسے یہ خبر نہ تھی کہ وہ کتنے عرصے بے ہوش رہا۔ وہ اس جزیرے پر ہے یا اسے وہاں سے کسی اور جگہ منتقل کر دیا گیا۔
پہلا خیال ہی اس نے یہ باندھا کہ اگر رومیو اور اس پادری سے اس کا آمنا سامنا ہو گیا تو وہ انہیں موت کے گھاٹ اتارے بغیر چین نہیں لے گا۔ یہ تصور اس کے لئے خاصا دل خوش کن تھا۔ اگر قتل وغارت گری ہی اس کی اپنی زندگی کا طور ٹھہرا تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔ آخر وہ غلام حبشی کو بھی تو موت کی نیند سلا چکا ہے۔

دفعتاً اسے کچھ فاصلے پر ایسی آواز سنائی دی جیسے دوڑتا ہوا گھوڑا رک گیا ہو۔

پھر یہ آواز اس کے قریب آتی گئی۔ دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے اپنے کانوں کی پوری حسیات اس آواز کو سننے اور پہچاننے میں لگا دیں۔ پھر چرچراہٹ کی سی آواز۔ اس کے بعد روشنی کا ایک سیلاب اندر گھس آیا۔ یہ سورج کی روشنی تھی جو اس کی آنکھوں پر پڑی اور اسے یوں لگا جیسے وہ اندھا ہو گیا ہو۔ اس نے آنکھیں میچ لیں۔ اور گردن اس طرح ایک طرف ڈال

دی جیسے بے ہوش ہو۔ آنے والا بالکل اس کے پاس آ کر رکا۔ پھر اس نے اپنا پاؤں اس کی پسلیوں میں مارا اور ایک نامعلوم و نامانوس کرخت زبان میں کچھ کہا۔

رندھیر نے ڈرتے ڈرتے چندھی چندھی نظروں سے اسے دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک دیو قامت وحشی قبائلی کھڑا تھا جو جنگلوں کی بستیوں میں رہتے تھے۔ ان میں اور ریڈ انڈین میں قدرے مماثلت سی ہوتی تھی۔ رندھیر کے اندازے کے مطابق اس کا قد چھ فٹ چار پانچ سے کم نہ تھا۔ چہرہ چوڑا اور اس پر خون جھلکتا ہوا۔ کھوپڑی میں سوراخ کر دینے والی چمکیلی آنکھیں، پھولے ہوئے نتھنے، موٹے موٹے ہونٹ، موٹی مضبوط گردن جس کی رگیں تنی ہوئیں، پیشانی پر سرخ پٹی بندھی، لمبے اور گھنے سیاہ بال دونوں شانوں اور پشت پر بکھرے ہوئے۔ جسم بے حد گٹھا ہوا اور سخت۔ بازوؤں کی مچھلیوں میں بے پناہ تڑپ۔ اوپر کا دھڑ برہنہ۔ نچلا دھڑ چست پاجامہ پتلون کی مانند جسے چمڑے کی کئی انچ چوڑی پیٹی سے باندھا گیا تھا۔ اس پیٹی میں تین انچ لمبے کارتوس۔ اور ایک لمبا خنجر بھی بندھا۔ دائیں ہاتھ قیمتی دونالی بندوق۔ اس کی آنکھوں سے رندھیر کے لئے نہ تو نفرت جھلک رہی تھی اور نہ ہی ہم دردی کا جذبہ عیاں ہو رہا تھا۔ بلکہ ایسی خوشی جو غلام کو دیکھ کر آقا کو ہوتی ہے۔ رندھیر نے لمحے کے لئے سوچا کہ کیا وہ خواب دیکھ رہا ہے۔ کوئی امریکی ریڈ انڈین کی فلم۔ یا پھر وہ ریڈ انڈین کے کسی علاقے میں ہے۔ کیا یہ نشے کا اثر ہے۔

رندھیر کو ہوش میں دیکھ کے لب کھلے اور وہ ہنسا۔ ایسی ہنسی جس میں فاتحانہ عنصر صاف جھلک رہا تھا۔ اس نے بندوق ہلا کر دوسری ٹھوکر اس کی پسلیوں میں دے ماری تو وہ اذیت سے دوہرا ہو گیا۔ اس نے ہاتھ دراز کر کے اس منہ میں ٹھنسا ہوا کپڑا نکال لیا اور سر کے بال پکڑ کر چہرہ اوپر اٹھایا۔

چند ثانیے تک وہ رندھیر کی آنکھوں میں جھانکتا رہا۔ پھر بال چھوڑ دیئے اور جھونپڑی کے دروازے پر جا کر زور زور سے چیخنے لگا۔ شاید کسی کو بلا رہا تھا۔ فوراً ہی بھاگتی ہوئی ایک لڑکی داخل ہوئی جو اس قبیلے کی معلوم دیتی تھی اور سیدھی وہ رندھیر کی طرف آئی۔ اس نے چند اپنی زبان میں ہدایتیں دیں۔ اس کی زبان ہندوستانی زبان کی بگڑی ہوئی شکل تھی۔ اس لڑکی نے اپنے عمل کا آغاز کر دیا۔ مرد بندوق تانے سر پر کھڑا رہا۔

لڑکی نے پہلے اس کے ہاتھ کھولے۔ پھر گردن کی رسی ڈھیلی کی۔ اس کے بعد پیر آزاد کیے۔ جونہی اس نے لڑکھڑا کر اٹھنے کی کوشش کی تو مرد نے فوراً ہی بندوق اس کی چھاتی سے لگا

کر دھکا دیا۔ وہ گر پڑا اور ہانپنے لگا۔ لڑکی بھاگی ہوئی جھونپڑی کے دوسرے کونے میں گئی اور مٹی کے بڑے سے پیالے میں پانی بھر کر لائی۔ پھر اس لڑکی نے دوزانو بیٹھ کر پانی کا پیالہ رندھیر کے لبوں سے لگا دیا۔ لڑکی اتنی قریب تھی کہ اس کا مہکتا دہکتا جوان جسم اور جسم کے انگ انگ سے پھوٹتی خوشبو اس پر نشہ بن کر چھانے لگی۔ پانی پی کر اسے تن بدن میں روح کی موجودگی کا احساس ہوا۔ رندھیر نے سارا پانی پی لیا اور لڑکی سے کہا "شکریہ!"

لڑکی ہنس پڑی۔ ہنسی کھنکتی ہوئی تھی۔ خوب صورت تھی۔ اس نے پانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا "اور پیو گے؟"

رندھیر نے نفی میں سر ہلا دیا۔ مرد اسی طرح چوکس اور ہوشیار کھڑا تھا اور بندوق تھامے ہوئے تھا جیسے اسے رندھیر سے حملہ کا خوف ہو۔ حیرت کی اور بڑی عجیب سی بات تھی کہ لڑکی اسے دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اس کی نظروں میں ہم دردی کا جذبہ بھرا ہوا تھا۔ خلوص تھا اور محبت کی نرم محبت بھی۔ ایسی محبت جو کسی مجبور اور بے بس مرد کو دیکھ کر کسی عورت کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔

رندھیر نے ایک لحظہ میں اس لڑکی کو ناقدانہ نظروں سے دیکھا۔ اس کی عمر زیادہ سے زیادہ اٹھارہ برس کی ہوگی۔ اس کے لمبے چمک دار اور سیاہ بال کمر سے بھی نیچے لٹک رہے تھے اور ان میں بڑی نفاست سے کنگھی کی گئی تھی۔ رندھیر کے اندازے کے مطابق لڑکی کا قد بھی اس کے برابر ہی ہوگا پانچ فٹ نو انچ۔ مرد کی طرح اس نے بھی پیشانی پر سرخ پٹی باندھی ہوئی تھی۔ اس کی لمبی خوبصورت صراحی دار گردن میں نیلے نیلے اور پیلے پیلے اور سرخ رنگ کے چھوٹے بڑے پتھروں اور منکوں کے کئی ہار پڑے۔ اس کا رنگ تپے ہوئے تانبے کی مانند سخت تھا۔ ناک ستواں، رخساروں کی ہڈیاں کسی قدر ابھری اور آنکھیں بڑی بڑی گہری سیاہ۔ تھوڑی سخت اور بڑی جو اس کی طبیعت کے استقلال کو ظاہر کرتی تھی۔ مرد کی طرح اس کا اوپری دھڑ بھی برہنہ تھا۔ نچلے دھڑ میں ٹخنوں تک اس نے رنگ کا کپڑا دھوتی کی مانند لپیٹ رکھا تھا۔

مرد نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اس مرتبہ لڑکی نے مجھے سہارا دیا۔ اس کی بھری بھری گداز اور عریاں بانہوں میں بڑی توانائی تھی۔ وہ اسے سہارا دیتے وقت اس کے اس قدر قریب آ گئی تھی کہ اس کا سانس بھی رندھیر کے چہرے کو چھونے لگا اور اس کے ہونٹ نشیب کو چھو گئے۔ یہ حرکت دانستہ نہیں تھی۔ لڑکی نے اس بات کو محسوس نہیں کیا تھا اور نہ ہی مرد نے دیکھا تھا۔ جب لڑکی اس کے اس قدر قریب تھی تو ایسا ہونا فطری امر تھا، لیکن اس نے کوئی سختی

جسم میں محسوس کی اور نہ ہی اس کی نظروں میں کوئی میل تھا نہ ہی خیالات پراگندہ تھے اور پھر
ان کے ہاں شاید یہ معیوب بات نہ تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو لڑکی کا اوپری دھڑ بے نیام تلوار کی مانند
نہ ہوتا۔

نامعلوم وہ کتنا عرصہ تک اس طرح بندھا پڑا رہا تھا۔ ٹخنے' کہنیاں اور کلائیاں زخمی تھیں
اور ان سے خون رس رہا تھا۔

ان دونوں کے ساتھ رندھیر جھونپڑی سے باہر آیا۔ ایک نظر اس نے باہر کی فضا پر ڈالتے
ہوئے جائزہ لیا۔ گرد و پیش اس کی نظروں کی گرفت میں تھے۔ یہ ایک ویران اور حد نظر تک
بے آب و گیا علاقہ تھا۔ جابجا اسے ان وحشی افراد کی چھوٹی بڑی جھونپڑیاں دکھائی دے رہی
تھیں۔ حیرت کی بات تھی کہ پورے علاقے میں ان لوگوں نے چھاؤں کے لئے کسی درخت کو
باقی نہ رہنے دیا تھا۔ سب کے سب درخت کاٹ ڈالے گئے تھے۔ وہ سمجھ نہ سکا تھا کہ آخر اس
میں کیا مصلحت پوشیدہ تھی۔ شاید ایندھن کے حصول کے لئے یہ کام کیا گیا ہو۔ رندھیر نے
اندازے سے شمار کیا تو جھونپڑیوں کی تعداد پچیس تیس سے زیادہ نہیں تھی۔ بڑی جھونپڑیوں میں
کئی کئی غار نما دروازے بنائے گئے تھے۔ ہر جھونپڑی مخروطی شکل کی تھی۔ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا
اور بادلوں سے صاف و شفاف آسمان پر سورج چمک رہا تھا۔ اس میں بڑی آب و تاب تھی۔
اسے حیرت ہوئی کہ وہ جس جھونپڑی میں محبوس تھا وہ اس طرح بنائی گئی تھی کہ اگر اس کے
دروازے بند کر دیئے جاتے تو سورج کی کوئی کرن اندر داخل نہیں ہو سکتی تھی اور دن ہی میں
گھپ اندھیری رات کا سماں پیدا ہو جاتا تھا۔

پہلے اسے خیال ہوا یہاں ان تینوں افراد کے سوا کوئی نہیں بستا۔ لیکن جلد ہی اس کی یہ
غلط فہمی دور ہو گئی۔

آہستہ آہستہ ان جھونپڑیوں میں آرام کرنے والے باشندے باہر نکل کر ایک جگہ جمع
ہونے لگے۔ ان میں ہر عمر کے افراد شامل تھے۔ بوڑھے' ادھیڑ' نوجوان' کم سن اور نوزائیدہ۔
بعض نے اپنے بدن رنگ برنگے کپڑوں سے ڈھانپ رکھے تھے اور بعض بالکل مادر زاد برہنہ
تھے۔ وہ سب اس کے چاروں طرف کھڑے ہوئے تھے۔ ان کی نگاہوں میں حیرت' تجسس
اور دلچسپی بھی بھری ہوئی تھی۔ بعض آدمیوں نے اس کے جسم کو اس طرح ٹٹولا جیسے قصاب ذبح
کرنے سے پہلے گائے بکرے کو ٹٹولتا ہے پھر وہ قہقہے مار کر ہنسنے لگے۔

ایک اور بھرپور نوجوان لڑکی نے آگے بڑھ کر اس کا جسم ٹٹولنا چاہا۔ لیکن ہم راہی لڑکی

نے دانت پیس کر اسے زور سے دھکا دیا اور رندھیر کو پیچھے ہٹا دیا۔ پھر اس نے اپنی مقامی زبان
میں بری طرح ڈانٹا۔ یہ ڈانٹ بالکل ایسی تھی جیسے وہ اسے اپنی ملکیت سمجھتی ہو اور کسی دوسری
لڑکی کو اس کا بدن چھونے کی اجازت دینے کے لئے تیار نہ ہو۔

"برے پھنسے ہو میری جان رندھیر!" اس نے دل میں کہا۔ "اگر یہ جنگلی وحشی تمہاری
بوٹیاں نوچ کر کھا نہ جائیں تو پھر کہنا۔"

جس لڑکی کو دھکا دیا گیا تھا اس نے اس حرکت کو اپنی توہین اور سبکی سمجھا تھا۔ وہ غیظ
وغضب سے بھری ہوئی اٹھی اور کسی خونخوار درندے کی طرح اپنے حریف کی طرف جھپٹی۔ پھر
دونوں گتھم گتھا ہو گئیں اور ایک دوسرے کو تھپڑ' گھونسے اور لاتیں مار مار کر لڑنے لگیں اور پھر
ایک دوسرے کے کپڑے بھی جو نیچے دھڑ پر ستر چھپانے کے لئے ایک برائے نام تکلف یا
فیشن تھا نوچ پھینکے۔ وہاں نوجوان لڑکیاں اور عورتیں بھی فطری حالت میں موجود تھیں۔ دیکھتے
ہی دیکھتے دونوں کے چہرے لہولہان تھے اور کوئی بھی فریق ہار ماننے کو تیار نہ تھا۔ اس کے سینے
میں سانس بری طرح پھول رہا تھا۔ پیٹ دھونکنی کی مانند حرکت کر رہے تھے۔ رخساروں' ہونٹوں
اور گردن سے خون کے فوارے ابل رہے تھے۔

رندھیر کو اب لگ رہا تھا کہ بس اب ہار جیت کا فیصلہ ہونے ہی والا ہے۔ کبھی اس کی
ہمراہی لڑکی کا پلہ بھاری ہونے لگتا۔ کبھی دوسری لڑکی حاوی ہو جاتی۔ وہ اس لڑائی میں اپنے
اپنے حربے استعمال کر رہی تھیں۔ حساس گوشوں کو بھی نوچا' مسلا اور دانتوں سے کاٹا جا رہا تھا
جس سے ان کی چیخیں اور کراہیں بلند ہو جاتیں۔ رندھیر کو حیرت اس بات پر تھی کہ اس خون ریز
جنگ کو شوق اور دلچسپی سے دیکھا جا رہا تھا اس طرح جیسے وہ کوئی مار دھاڑ سے بھرپور فلم دیکھ
رہے ہوں۔ کسی نے انہیں چھڑانے کی کوشش نہیں کی جیسے یہ لوگ چاہتے ہیں کہ یہ جنگ طویل
ہوتی جائے۔ جونہی لڑنے والیوں میں سے کسی کو کوئی تازہ زخم لگتا اور خون کا فوارہ ابلتا تماشائی
خوش ہو کر فلک شگاف قہقہے لگاتے۔ جیسے یہ جانوروں کے درمیان لڑائی ہو رہی ہو۔ رندھیر
سوچ رہا تھا کہ ان لڑکیوں پر کچھ ایسا اندھا جنون سوار ہے کہ اگر ان میں سے کسی کے پاس
چاقو یا خنجر ہوتو ان سے ایک یا دونوں ہی ہلاک ہو چکی ہوتیں۔

پندرہ منٹ تک یہ لڑائی بڑے جوش و خروش سے جاری رہی۔ اب دونوں کے برہنہ بدن
تیز دھوپ کے باعث پسینے میں نہا گئے۔ اور ہونٹوں کے کناروں سے سفید سفید جھاگ پھوٹ
نکلا۔ یکا یک رندھیر کی ہم راہی لڑکی نے ایک ہولناک چیخ مار کر اپنے سفید نوکیلے دانت اپنی

حریف کی گردن میں گاڑ دیئے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اسے کچا ہی چبا جائے گی۔ لڑکی کی گردن کے زخم سے خون کی دھار بہہ نکلی۔ اس نے ایک زوردار جھٹکا دے کر اپنے آپ کو آزاد کرا لیا۔ اس کے غیظ وغضب اور اشتعال کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے لپک کر اپنے پاس کھڑے ہوئے آدمی کے ہاتھ سے بندوق چھینی اور دھائیں سے اپنی حریف پر فائر جھونک دیا۔ دوسرے ہی لمحے ایک ادھیڑ عمر کا جنگلی اپنا برہنہ بازو پکڑ کر چلا اٹھا۔ گولی اسے جا لگی تھی۔ یہ دیکھ کر فائر کرنے والی لڑکی نے بندوق ایک طرف پھینک دی اور ادھیڑ عمر زخمی سے لپٹ کر رونے لگی۔

اور یوں اس خون ریز لڑائی کا خاتمہ ہو سکا۔ زخمی اس شکست خوردہ لڑکی کو ساتھ لے کر ایک اور جھونپڑی کی طرف بڑھ گیا۔ رندھیر کی ہم راہی لڑکی نے فاتحانہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا تو وہ مسکرا دیا۔

رندھیر کو وحشیوں کے اس مجمعے میں ایک شخص چہرے مہرے سے کسی قدر سمجھ دار نظر آیا۔ وہ بھی اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ دوسرے وحشیوں کے مقابلے میں اس کا لباس زیادہ اچھا اور نئی تہذیب سے قریب تھا۔ بندوق اس کے ہاتھ میں بھی تھی۔ رندھیر کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ یہ مرد مسلح کیوں ہے۔ پیشانی پر سرخ رنگ کی پٹی بندھی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ رندھیر کے قریب آیا اور ہنسنے لگا۔ پھر اس نے ٹوٹی پھوٹی سری لنکن زبان میں کچھ کہا۔ رندھیر نے اشارے سے بتایا کہ وہ یہ زبان نہیں جانتا ہے۔ اس نے سوالیہ انداز میں کہا ''نیپالی!'' ''نہیں۔ ہندوستانی۔'' رندھیر نے جواب دیا۔

''اچھا۔ اچھا۔'' اس نے پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے رندھیر کو دیکھا اور مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ اس کا پنجہ سخت' کھردرا اور مضبوط تھا۔ پھر وہ رندھیر سے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں بات کرنے لگا لیکن بدقسمتی سے اس کی حالت ایسی تھی کہ وہ کچھ نہ دیکھ پایا کہ یہ کون سا جزیرہ ہے۔ یہاں اب تک نئی تہذیب اور انسانیت نہیں پہنچی۔ افریقہ میں ہی نہیں یورپ میں بھی ایسے قبائل رہتے ہیں۔ مادرزاد برہنہ۔ اس نے اندازہ کیا کہ چوں کہ یہ جزیرہ بہت ہی دور افتادہ ہے اور یہاں کے باشندے دقیانوس ہیں اس لئے وہ پرانی تہذیب میں رچے بسے ہیں جبکہ دنیا کہاں سے کہاں جا پہنچی ہے۔ وہ اب ان وحشیوں میں پھنس گیا ہے جو بہت خطرناک اور جنگجو معلوم ہوتے ہیں اور اب اسے اس وقت تک یہاں رہنا ہے جب تک اس کا مالک چاہے گا۔ اسے اس کے ہر حکم کی تعمیل ایک پالتو کتے کی طرح کرنی ہوگی۔ اگر اس نے انکار اور فرار ہونے کی کوشش کی تو اس کی سزا۔ اس شخص نے اسے پہلے خنجر اور پھر بندوق

دکھلائی۔ صریحاً اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کی جان سلامت نہ رہے گی۔ رندھیر سمجھ گیا تھا کہ رومیو کے آدمی اس قبیلے کے ایک آدمی کے ہاتھ بیچ گئے ہیں اور اس کی غلامی کی عمر زیادہ سے زیادہ دو برس' کم از کم چھ ماہ کی ہوگی۔ اردگرد تمام علاقے میں وحشی قبائل بسے ہوئے ہیں۔ دو برس انگریزوں نے انہیں امریکہ سے لا کر یہاں بسا دیا تھا۔ کیوں اور کس لئے۔ اسے علم نہ ہو سکا۔ ان میں سری لنکن قبائل بھی تھے۔

رندھیر کو اس شخص نے بتایا کہ رومیو کے آدمی اسے بیچ گئے ہیں۔ اس نے ڈبڈبائی نظروں سے پوچھا۔

''آخر مجھے غلام بنانے سے کیا حاصل۔ آخر میں نے کیا جرم کیا۔ میری ذات سے کسی کو نقصان بھی نہیں پہنچا۔''

''تمہیں ہمارا غلام بننے پر اعتراض کیوں ہے۔ جب سفید فاموں نے سری لنکا اور ہندوستان کو دو برس تک غلام بنائے رکھا۔ لیکن اطمینان رکھو۔ ہم تمہارے ساتھ وہ سلوک نہ کریں گے جو سفید فام تمہاری قوم کے ساتھ کرتی آئی ہے۔ تمہارا کام سمندر کی گہرائیوں میں جا کر ہمارے لئے موتی تلاش کرنا ہوگا۔ سمجھے۔ ہم نے سنا ہے کہ تم بہت اچھے غوطہ خور ہو۔ ان دنوں ہمارے پاس غوطہ خوروں کی کمی ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ تم سمندر کی گہرائیوں سے جتنے موتی نکال کر دو گے ہم اس میں سے تمہیں حصہ دیں گے۔ اور جب تم یہاں سے آزاد ہو کر اپنے لوگوں کے پاس جاؤ گے تمہارے پاس اتنے موتی دیکھ کر حیران ہوں گے۔ تم ان موتیوں کو بیچ کر دولت مند ہو جاؤ گے۔ کیوں کہ یہاں جو موتی نکلتے ہیں وہ نہ صرف بڑے قیمتی بلکہ نایاب بھی ہیں۔''

وہ انگریزی۔ اشاروں ور زبان سے نہ جانے کیا کہہ رہا تھا۔ ادھر رندھیر کی ٹانگیں بری طرح کانپ رہی تھیں۔ اس کا دل اس خیال سے دھڑک رہا تھا کہ شاید ہی ان وحشیوں سے نجات مل سکے۔ بے شک وہ تیرنا خوب جانتا تھا۔ جب وہ بنارس یاترا کے لئے گیا تھا تب اس کی ملاقات ہندوستان کے ماہر پیراک سے ہوئی تھی۔ اس نے غوطہ خوری میں بڑی مہارت حاصل کی ہوئی تھی۔ ماہر پیراک نے کہا تھا کہ وہ غوطہ خوری میں مہارت حاصل کر کے غوطہ خور بن جائے۔ ان شہروں میں جہاں سمندر ہیں وہاں کے ساحلوں پر غوطہ خور مقرر کئے جاتے ہیں۔ اس پیراک نے اسے صرف ایک ماہ میں تربیت دے کر ماہر بنا دیا تھا۔ اس کے پتا جی دو ایک مرتبہ بھی گئے تھے۔ ساحل سمندر پر وہ تفریح کرنے گئے تھے تو ایک بچی ڈوب رہی تھی۔

تب اس نے اس بچی کو نکال لیا۔ اس بچی کے والدین نے اسے ہزار روپے کی رقم دی تھی۔ اس کے ہاں ایک بہت بڑی گہری جھیل تھی۔ وہ وہاں اس کی مشق کرتا رہتا تھا۔ اس نے جھیل میں کئی ڈوبنے والوں کو بچایا تھا۔

اس کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اسے وحشیوں کی غلامی قبول کرتے ہوئے سمندر کے گہری پانیوں میں غوطہ خوری کرنا ہوگی۔ اس کے لئے کوئی مشکل امر نہ تھا کہ سمندر سے موتی نکال کرلائے۔ اس نے بچپن میں وحشیوں کے بارے میں عجیب کہانیاں پڑھی ہوئی تھیں' سنی بھی تھیں۔ پھر ابھی اپنی آنکھوں سے دو وحشی لڑکیوں کی خون ریز جنگ دیکھنے کے بعد زندگی پر سے رہا سہا اعتبار بھی اٹھ گیا تھا۔ جن کی عورتیں اور نوجوان آپس میں لڑتے ہوئے اتنی خون خوار اور وحشی ہو جائیں۔؟ ان کے مردوں اور نوجوانوں کا کیا حال ہوگا؟

اس نے گردن موڑ کر اس دیوہیکل وحشی کی طرف دیکھا جس کی جھونپڑی میں اسے قید کیا گیا تھا۔ غالباً یہی اس کا آقا تھا۔ اسے آئندہ ایک بد تر غلام کی حیثیت سے اس کے ہر حکم کی تعمیل میں گردن خم کرنی تھی۔ اتفاق تھا یا دانستہ رومیو نے اس کی جامہ تلاشی نہیں لی تھی۔ ورنہ وہ ایک لاکھ ڈالر سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ انہوں نے اس پر ایک اور احسان یہ کیا تھا کہ آٹومیٹک پستول جو پادری نے جیل میں دیا تھا وہ بھی اس کے پاس رہنے دیا تھا۔ اسے ایک خیال آیا کہ وہ ان وحشیوں سے اپنی آزادی کی قیمت تو دریافت کرے۔ اس لئے کہ اس کے پاس رقم موجود تھی۔ ممکن ہے دو تین ہزار ڈالر لے کر اسے چھوڑ دیں۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس خدشے نے اسے روک دیا کہ کیا خبر اس سے ساری رقم ہی چھین لی جائے اور آزادی بھی نصیب نہ ہو۔

سب کچھ سوچتے ہوئے اس نے اسی وقت مصمم ارادہ کرلیا کہ مرنا تو ہر صورت میں ہے وہ ایک بار یہاں سے فرار ہونے کی کوشش ہر قیمت پر کرے گا۔ رندھیر نے یہ بات بھانپ لی تھی کہ اس کی خاطر لڑنے والی وحشی لڑکی نگاہوں ہی نگاہوں میں اسے اپنائیت کا پیغام دے چکی ہے اور اب اس پیغام اور اس لڑکی کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا اس کا کام ہے۔

رندھیر نے اسے اشارے سے بتایا کہ وہ سخت بھوکا ہے۔ اسے کھانے کے لئے کچھ دیا جائے۔ ان کم بختوں' کو اس بات کا احساس ہی نہ تھا کہ وہ بھی گوشت پوست کا بنا ہوا ہے اور اسے بھی بھوک پیاس لگ سکتی ہے۔

لیکن بعد میں پتہ چلا کہ یہاں کے قواعد وضوابط اور زندگی بسر کرنے کے اصول ہی نرالے ہیں۔ قبیلے کا کوئی فرد اس لڑکی کے سوا جس نے پہلے پہل اپنی تحویل میں لینے کا اعلان

کیا تھا اسے کچھ کھلا سکتا تھا' نہ پینے کو کچھ دے سکتا تھا۔ ایسی حرکت وہاں بہت بڑا جرم تھا۔ اس وحشی نے اسے غلامی کا مژدا سنانے کے بعد حلق پھاڑ کے آواز دی۔

''شعلہ۔ شعلہ۔''

چند لمحوں کے بعد وہی لڑکی نمودار ہوئی۔ رندھیر کو معلوم ہوا کہ اس کا نام شعلہ ہے۔ واقعی اس کا نام دہکتے شعلوں کی مانند لال کا تھا۔ اس شخص نے رندھیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ تمہارا ہندوستانی غلام سخت بھوکا ہے اور کھانے کو مانگتا ہے۔

وہ ہنسی۔ اس کی ہنسی جل ترنگ کی سی تھی اور پھر رندھیر کا ہاتھ پکڑ کر ایک وسیع وعریض جھونپڑی میں لے گئی۔ اس جھونپڑی کے تین دروازے تھے۔ ایک مشرق میں۔ دوسرا مغرب میں اور تیسرا شمال کی جانب۔ عورتیں مغربی دروازے سے اندر گئیں۔ جوان اور مسلح مرد مشرق دروازے سے اور بوڑھے شمالی دروازے سے۔ یہ حیرت انگیز رسم تھی۔ جب کہ رندھیر کو بعد میں پتا چلا کہ سختی سے اس کی پابندی کرنی پڑتی تھی۔ اگر کوئی فرد اپنا مقررہ دروازہ چھوڑ کر دوسرے دروازے سے کسی بھی جھونپڑی میں داخل ہو جائے تو اسے سزا دی جاتی تھی کیونکہ ان وحشیوں کا خیال تھا کہ نوجوان مرد چوں کہ سورج کے دیوتا کی نمائندگی کرتے ہیں اور سورج مشرق سے نکلتا ہے اس لئے انہیں مشرقی دروازے سے اپنے گھروں میں داخل ہونے کا حق ہے۔ عورتیں ان کی مددگار ہیں اور ان کے لئے اولاد کرنے کا فریضہ انجام دیتی ہیں اس لئے انہیں مغربی دروازہ استعمال کرنا ہوگا۔ چوں کہ بوڑھے اس معاشرے میں کوئی خدمت انجام دینے کے قابل نہیں۔ لہٰذا وہ شمال سے آئیں گے وغیرہ وغیرہ۔ ہاں ان بوڑھوں کو بلا تامل اور بے تکلف مار دینے کا رواج بھی تھا۔ جو بیماری' ضعیف اور عمر رسیدہ ہونے کے باعث معذور اور اپاہج ہو جاتے ہیں۔

اس جھونپڑی میں بھی خشک گھاس کا فرش تھا اور مختلف کونوں کھدروں میں جانوروں کی کھالیں پڑی تھیں۔ ایک جانب مٹی اور لوہے کے بھدے' بے ڈول اور گندے برتن بھی دکھائی دیئے۔ ان میں کوئی فرد بھی جوتے پہنے ہوئے نہ تھا اور نہ ہی جوتے ان کے لئے پسندیدہ چیز تھی۔ اس کے پاؤں میں پڑے ہوئے چرمی جوتے انہوں نے فوراً ہی اتروا لئے اور انہیں ایک طرف پھینک دیا۔ پھر انہوں نے اس کی قمیض بھی اتروا دی۔

اس کے بعد ایک عجیب بات ہوئی۔ کسی زمانے میں رندھیر نے اپنے بعض دوستوں کی دیکھا دیکھی انہیں کہ' سینے اور بازوؤں پر طرح طرح کے جانوروں کی شکلیں کھدوائی تھیں۔ یہ

شکلیں رنگ برنگی تھیں۔ مثلاً سینے پر ایک شیر ببر کی صورت۔ پشت پر مگرمچھ کی۔ اور بازوؤں پر عقابوں اور بازوؤں کی کئی چھوٹی بڑی تصویریں دیکھ کر ہر مرد اور عورت تصویر حیرت بن گئے۔

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر غور سے دیکھتے اور انگلیوں سے باری باری چھوتے۔ اس کے قوی ہیکل مالک نے بھی انہیں دلچسپی سے دیکھا اور اشارے سے پوچھا کہ اس نے یہ تصویریں کیسے بنائیں اور کیا ایسی تصویریں وہ اپنے آقا کے جسم پر بھی بنا سکتا ہے؟ رندھیر نے اثبات میں گردن ہلائی اور انہیں سمجھایا کہ اگر مطلوبہ چیزیں اسے مہیا کر دی جائیں تو ایسی تصویریں ان کے جسم پر بھی بنا سکتا ہے۔ یہ جان کر وہ بہت خوش ہوا اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس ہی بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔

شعلہ کی حریف لڑکی بھی وہیں موجود تھی اور ابھی تک اس کے زخموں سے خون رس رہا تھا‘ لیکن اس نے دھو کر صاف کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جس ادھیڑ عمر کے بازو میں گولی لگی تھی وہ بھی وہیں بیٹھا ہوا تھا البتہ اس کے بازو پر پٹی بندھی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف وہراس اور رنج کے کوئی آثار نہ تھے۔ رندھیر نے محسوس کیا کہ یہ لوگ ایسے حادثوں کے عادی ہیں اور انہیں ذرا برابر بھی وقعت نہیں دیتے ہیں۔ پھر اسے بتایا گیا کہ شعلہ کی حریف لڑکی کا نام رینو کلے‘ اور شعلہ کی سگی بہن ہے۔ یہ جان کر رندھیر کو بڑی حیرت ہوئی تھی۔ ایک غلام کے لئے دو سگی بہنیں ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہو سکتی ہیں؟ اس کا ذہن کسی طرح اس حقیقت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوتا تھا۔ شعلہ جتنی مرتبہ بھی اس کے قریب آئی رینوکا کی طرف فاتحانہ انداز سے مسکرا کر دیکھتی اور ہنسی ہوئی باہر چلی جاتی۔

مہذب وحشی رندھیر کے آقا کے دائیں ہاتھ بیٹھا تھا اور اسے رندھیر سے بات کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ اس نے بتایا کہ یہ سری لنکا کا علاقہ ہے۔ اس قبیلے کو دو سو برس قبل لا کر یہاں بسایا گیا تھا۔ اس لئے کہ ان دنوں وہ امریکہ میں رہتے تھے اور طاعون پھیلا تھا۔ وہ تفصیل میں جانے سے پہلے یہ بتانا چاہتا ہے کہ سمندر میں اس جگہ سے جنوب کی طرف کوئی پانچ میل کے فاصلے پر ہے۔ اسے روزانہ سورج نکلنے سے پہلے شعلہ کے ساتھ سمندر کی طرف جانا ہوگا۔ وہ اسے گھوڑے پر لے جائے گی۔ اسے دوپہر تک سمندر میں غوطہ لگا کر موتی تلاش کرنے ہوں گے۔

رندھیر نے جان چھڑوانے کی غرض سے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ تیرنا تو جانتا ہے‘ لیکن غوطہ نہیں لگا سکتا اور نہ ہی جانتا ہے۔ یہ سن کر وہ بڑے زور سے ہنسا اور پھر اس نے

رندھیر کے آقا کو بتایا تو یک دم اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور چہرے کے خدوخال اتنے بھیانک ہو گئے کہ رندھیر کا کلیجہ دھڑ دھڑ کرنے لگا۔ رندھیر نے دہشت سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیں جس پر بلی جست کرنے والی ہو لیکن دفعتاً وہ مسکرایا لیکن یہ مسکراہٹ بڑی سفاکانہ تھی۔ اس نے غور سے رندھیر کے بدن پر کندے ہوئے جانوروں کی تصویریں دیکھیں اور مہذب وحشی سے کچھ کہا۔ پھر اس نے رندھیر کو بتایا کہ اس کا آقا اس کی باتیں سن کر خوش نہیں ہوا۔ اس قبیلے کا سردار اس کا نام کانتو ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس غلام کے بدن پر شیر ببر کی تصویر نہ ہوتی تو وہ ابھی اور اسی وقت خنجر سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا۔ اسے غوطہ لگانا کیوں نہیں آتا؟ اس نے رومیو کو اس کام کے لئے سونے کی بہت بڑی تعداد دی ہے اور اس غلام کو خریدا ہے۔ اگر یہ کام اسے نہیں آتا ہے تو اسے سیکھنا چاہئے۔

رندھیر کے ذہن میں فوراً ہی ایک تدبیر آئی۔ اسے فرار ہونا ہے تو ان لوگوں کو خوش کرنا اور اعتماد میں لینا ہوگا خصوصاً اس شعلہ مجسم کو۔ اس نے فوراً ہی بات بدل کر کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ اس نے کبھی سمندر میں غوطہ لگا کر موتی نہیں نکالے۔ وہ کل شعلہ کے ساتھ جا کر موتی نکالنے کی کوشش کرے گا۔ اس کی بات سن کر نہ صرف سردار کانتو‘ مہذب وحشی اور شعلہ ہی نہیں بلکہ اس کی بہن رینوکا اور محفل کے تمام لوگ خوش ہو گئے۔ ماحول بڑا خوابناک ہو گیا۔

شعلہ اندر جا کر واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک بڑی سینی تھی جس میں ابلے ہوئے گوشت کے بہت سارے لوتھڑے اور چٹنی بھی تھی۔ اس چٹنی نے گوشت کا ذائقہ اور لذت بڑھا دی تھی۔ اسے بتایا گیا کہ یہ کالے ہرن کا گوشت ہے۔ کھانے کے دوران رندھیر نے یہ بات محسوس کی کہ رینوکا اس کی طرف محبت بھری اور خود سپردگی کی نظروں سے دیکھ رہی ہے۔

جب کھانا ختم ہوا تو رینوکا کے علاوہ سبھی کسی کام سے چلے گئے۔ رندھیر نے سوچا کہ رینوکا سے بھی محبت کا اظہار کر کے اسے مٹھی میں لینا چاہئے‘ لیکن اس بات کی ہوا شعلہ کو لگنا نہیں چاہئے۔ یہ ایک عجیب سی بات تھی کہ شعلہ اور رینوکا کسی قدر ہندوستانی زبان بول اور سمجھ سکتی تھیں۔

جب وہ دونوں تنہا رہ گئے تو رندھیر کو اپنے جذبات پر قابو رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ پتھر کا مجسمہ یا مٹی کا تودہ نہ تھا۔ وہ ایک نوجوان اور شباب گداز بدن کی لڑکی تھی۔ اس کے انگ انگ سے مستی ابل پڑ رہی تھی۔ اگر وہ فطری حالت میں نہ ہوتی تو خود پر قابو رکھ سکتا تھا۔ اس نے سوچا کہ غلاظت کے دلدل میں گرنے سے پہلے بہتر ہے کہ وہ یہاں سے نکل جائے۔ کسی

بہانے سے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا تو رینوکا اس کے سامنے آ کر کھڑی ہوگئی۔
"کیا تم میرے زخم صاف نہیں کرو گے۔؟" اس نے ایک کونے سے کپڑا اٹھا کر بڑھایا۔

رندھیر بھی عجب سی کشمکش میں مبتلا ہوگیا۔ وہ کپڑا لے کر پانی میں گیلا کر کے اس کے زخم صاف کرنے لگا۔ بعض زخم ایسی جگہ تھے کہ ان کا لمس اس کی رگوں میں بجلی بند کر دوڑتا اور اسے جھٹکا تا رہا۔ تاہم اس نے جلدی ان زخموں کو صاف کر دیا۔ اسے ایک دھڑکا سا لگا ہوا تھا کہ کہیں شعلہ نہ آ جائے۔ وہ اس کا چہرہ بھانپ کر بولی۔

"تم میری بہن سے ڈرتے ہو۔ وہ ابھی تین گھنٹے سے پہلے نہیں آئے گی۔ یہاں کوئی بھی نہیں آئے گا۔"

"میں نے تمہارے زخم صاف کر دیئے۔ اب تم جاؤ۔ میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

"زخم تو صاف ہو گئے' لیکن ان میں جو درد کی لہریں اٹھ رہی ہیں اس کا کیا کروں۔ وہ بھی ختم کر دو۔" وہ بولی۔

"میرے پاس درد کی کوئی دوا نہیں ہے۔" رندھیر نے کہا۔ "میرے زخم خود درد کر رہے ہیں۔"

"تمہارے پاس درد کی دوا ہے۔" وہ شوخی سے بولی۔

"کہاں ہے۔؟" اس نے پوچھا۔

رینوکا نے قریب آ کر اس کے ہونٹوں پر انگلی پھیری ان میں۔ تم میرے زخموں پر اپنے ہونٹ رکھ کر درد جذب کر دو گے تو۔"

"نہیں۔ میں ایسا نہیں کروں گا۔" رندھیر نے تکرار کی۔ "اس لئے کہ پاپ ہو جائے گا' میں بہک جاؤں گا۔"

یہاں ایک قانون یہ بھی ہے کہ عورت کی کسی بات سے انکار کرنے پر اس کی سزا یہ ہے کہ اسے زندان میں سات دن بھوکا رکھا جاتا ہے۔"

رندھیر کو اس کے حکم کی تعمیل کرنا پڑی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دونوں غلاظت کے دلدل میں گر پڑے۔ جب اس سے باہر نکلے تو وہ بولی۔

"تم یہاں سے فرار ہو کر چلے جاؤ۔ اس لئے کہ مجھے تم سے محبت ہوگئی ہے۔ میں تمہیں اپنی بہن کی آغوش میں نہیں دیکھ سکتی۔" "ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔" وہ جذباتی ہو

کر بولی۔

"میں خود بھی چاہتا ہوں۔ لیکن یہ کیسے ممکن ہے۔؟" رندھیر نے پوچھا۔

"جہاں تم موتی نکالنے جاؤ گے اس کے دوسری طرف ایک غیر آباد جزیرہ ہے۔ وہاں سے ایک موٹر لانچ سورج نکلنے کے بعد گزرتی ہے۔ وہ سری لنکا سے ہندوستان جاتی ہے۔ یہ سمگلروں کی لانچ ہے۔ وہ تمہیں ہندوستان پہنچا دیں گے۔"

"وہ شاید کچھ طلب کریں گے۔ میں کہاں سے دوں گا؟"

"میں تمہیں تین موتی اور ایک سونے کا پتھر دیتی ہوں۔" وہ بولی "تم ایک موتی انہیں دے دینا۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ تمہیں اتنی اچھی ہندوستانی کیسے آتی ہے؟ شاید یہ شعلہ بھی جانتی ہے۔" رندھیر نے پوچھا۔

"ڈیڑھ برس پہلے ایک ہندوستانی عورت سمگلروں کی لانچ الٹ جانے سے سمندر میں ڈوب رہی تھی کہ اس وقت ایک غوطہ خور ہوتا تھا اس نے اس عورت کو بچالیا۔ سمگلر اس عورت کو کہیں سے اغوا کر کے لائے تھے۔ وہ ڈیڑھ دو برس تک رہی پھر وہ ایک پراسرار بیماری میں مبتلا ہو کر چل بسی۔ اس نے نہ صرف زبان سکھائی بلکہ لکھنا پڑھنا بھی۔ ہم دونوں بہنوں کے علاوہ کسی نے یہ زبان نہیں سیکھی۔"

"بڑی پیاری' میٹھی اور آسان زبان ہے۔ ہم نے دو ماہ میں سیکھ لی تھی۔"

تھوڑی دیر بعد وہ تین موتی اور ایک سونے کا پتھر لائی جو مستطیل سا تھا۔ رندھیر کے اندازے کے مطابق اس کا وزن دو کلو کے لگ بھگ تھا۔ پھر اس کے عوض اسے رینوکا کی خواہش پوری کرنی پڑی۔ اس کی مجبوری تھی۔ اس کے سوا چارہ ہی نہیں تھا۔

طوفان گزر جانے کے بعد رندھیر نے پوچھا۔ "شعلہ کی موجودگی میں کیسے فرار ہو سکتا ہوں۔"

"بڑی آسانی سے۔" رینوکا نے جواب دیا۔ تمہیں جب لانچ شمال کی جانب سے آتی دکھائی دے گی' تب تم سمندر میں غوطہ مار کر اندر ہی اندر تیرتے ہوئے اس جزیرے کے ساحل پر پہنچ جانا پھر وہاں سے شعلہ کو ٹھینگا دکھا دینا۔"

رینوکا نے اسے بڑی اچھی تدبیر بتائی اور بولی۔ "میں رات تمہارے پاس آؤں گی۔ جب شعلہ تمہیں خوش کر کے چلی جائے گی۔"

"کیا شعلہ رات میرے ساتھ گزارے گی؟" وہ حیرت سے بولی۔ "یہ تم کیسے جانتی ہو۔؟"

"سنو۔ ہم دونوں میں صلح صفائی ہوگئی ہے اور یہ طے پایا ہے کہ جب تک تم یہاں رہو گے میں ایک رات اور وہ ایک رات۔"

"ابھی جو کچھ ہوا ہے۔" وہ بولا۔

"بہرحال اس کے اور موتیوں کے بارے میں کچھ نہ بتانا۔" رینوکا نے اسے تاکید کی۔

رات جب وہ سونے کے لئے دراز ہوا تو شعلہ آگئی تھی۔ دونوں بہنوں میں ایک ایک برس کا فرق تھا' لیکن دونوں بڑی مہربان اور فیاض ثابت ہوئی تھیں۔ شعلہ کے جانے کے بعد رینوکا آئی تھی۔ ان دونوں نے بتایا تھا کہ وہ وقتاً فوقتاً بستی کے جوانوں سے دل بہلاتی رہتی ہیں۔

رندھیر صبح کاذب کے وقت شعلہ کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر سمندر کے ساحل پر پہنچا تھا۔ شعلہ وہاں جا کر بہک سی گئی تھی۔ پھر جب اس نے ایک لانچ کو آتے دیکھا تو اس نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ وہ اندر ہی اندر تیرتا ہوا سامنے والے جزیرے کے ساحل پر پہنچا۔ اس نے شعلہ کو دیکھا جو ریت پر لیٹی گہری نیند سو رہی تھی۔ وہ جھاڑیوں کی آڑ میں تھی۔ رندھیر نے ایک سفید کپڑا لہرا کر لانچ کو رکنے کا اشارہ کیا۔ لانچ پر سوار ہونے کے بعد اس نے لانچ کے کپتان کو ایک فرضی کہانی سنائی کہ وہ سری لنکا سے ہندوستان غیر قانونی جا رہا تھا کہ اس کے پاس جو رقم تھی ایجنٹ نے چھین کر اسے یہاں اتار دیا۔ اس کی کہانی پر آنکھ بند کر کے یقین کر لیا گیا۔ اسے دوسرے دن رات کے سمے بمبئی کے ساحل پر اتار دیا گیا۔ اس کی قسمت اچھی تھی کہ اس کی جامہ تلاشی نہیں لی گئی۔

جب وہ بس سے اتر کے گھر کی طرف جا رہا تھا' تب راستے میں اس کے محلے کا آدمی مل گیا۔ اس نے بتایا کہ گوتم سات دن پہلے پہنچا ہے۔ رندھیر کو بڑی حیرت ہوئی کہ وہ کیسے اور کیوں کر پہنچ گیا۔ جب وہ گھر کے دروازے پر پہنچا تو اس نے شیاما کی آواز سنی۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"گوتم تم نے میری شرمناک تصویریں بنا کر اچھا نہیں کیا۔ وہ مجھے دے دو۔ میں اس کے بغیر ہی تمہاری ہر بات مان رہی تھی۔ اب بھی مان رہی ہوں۔ بھگوان کے لئے کچھ تو شرم کرو۔"

"میں نے یہ تصویریں اس لئے بنوائی ہیں کہ میں تمہیں ان لوگوں کے پاس بھیجوں گا جو تمہارے بڑے قدردان ہیں۔" وہ ہنس کر کہنے لگا۔ "تم جوان اور بہت حسین ہو اور تمہارا جسم بھی۔ تمہاری بھرپور جوانی۔ وہ تمہاری منہ مانگی قیمت دیں گے۔"

"کیا میں کوئی طوائف ہوں۔" وہ بگڑ کر بولی۔ "تم اس حد تک گر رہے ہو۔ میرا پتی کہاں ہے؟ سچ سچ بتاؤ۔"

"تم طوائف نہیں بلکہ ایک شریف عورت ہو۔ دو بچوں کی ماں۔ ایسی عورت کی زیادہ قیمت ہوتی ہے۔" اس نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ تمہارا پتی جیل سے فرار ہو گیا۔ میں جس خزانے کے حصول کے لئے ایک جماعت سے الگ ہو کر رندھیر کو ساتھ لے گیا تھا۔ قسمت نے ساتھ نہیں دیا۔ معلوم نہیں وہ جماعت وادی موت پہنچی یا نہیں۔ میں خالی ہاتھ واپس آگیا ہوں۔ امریکن فیلڈ کے جیمز ڈین نے مجھے یہاں اپنی بیٹی جوزفین کی سفارش پر پہنچا دیا۔ جیمز ڈین نے بڑا احسان کیا۔ میں آیا تو مجھے احساس ہوا کہ تم بھی تو ایک بیش بہا خزانہ ہو۔ میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اس جماعت اور وادی موت کے خزانے کا کیا بنا۔ وہ خزانہ بھی ہاتھ لگ گیا تو مزے آجائیں گے لیکن میں اب غلطی نہیں کروں گا۔ تین چار دن میں یا زیادہ سے زیادہ دس دن میں وادی موت پہنچ جاؤں گا۔"

"بھگوان کرے تم موت کے منہ میں پہنچ جاؤ۔" شیاما بولی۔ "میرا دل کہہ رہا ہے کہ میرا پتی واپس آنے والا ہے۔"

"تم سپنے دیکھتی رہنا۔ عورت ساری زندگی سپنے ہی دیکھتی ہے۔" وہ بولا۔ "اچھا میں اب جا رہا ہوں۔ تین دن کے بعد تمہیں ایک پرستار کے پاس لے جانے آؤں گا۔ بچوں کو نانی کے پاس چھوڑ دینا اور دلہن کی طرح بن سنور کر رہنا۔"

رندھیر کی رگوں میں خون کھولنے لگا۔ وہ گوتم کو مارنے کے ارادے سے بڑھا تو اسے نتن بوس کی بات یاد آگئی۔ وہ آدھے گھنٹے بعد گھر میں داخل ہوا تاکہ شیاما رونا موقوف کر دے اور کپڑے پہن لے۔ گوتم بھی دروازے سے نکل کر گیا تھا۔ اس کی نظر رندھیر پر نہیں پڑی تھی۔ رندھیر نے جب بیرون دروازے پر دستک دی تو شیاما نے دروازہ کھولا۔ وہ حیرت و یاس کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ شیاما اسے دیکھ کر لپٹ گئی اور رندھیر اسے اندر لے آیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"رندھیر نے اسے بتایا کہ گوتم کو کچھ نہ ملا۔ وہ لاکھوں روپے لایا ہے اب سارے دلدر

دور ہو جائیں گے۔" شیاما نے اس سے کہا کہ۔ "اسے نہ تو خزانہ چاہئے نہ دولت۔ اس کے
لئے بچی اصل دولت ہوتا ہے۔"

گوتم نے جب سنا کہ رندھیر واپس آ گیا ہے اسے یقین نہ آیا۔ رندھیر اس سے دانستہ
نہیں ملا۔ جب وہ رات، کے وقت گوتم کے گھر میں چوروں کی طرح داخل ہوا تو اتفاق سے گوتم
موجود نہ تھا۔ پھر رندھیر نے وہ تمام قرض نامے اور کاغذات نکال لئے جس سے وہ لوگوں کی
مجبوریوں سے فائدہ اٹھا رہا تھا۔ بلیک میل کر رہا تھا۔ ان کاغذات میں اسے وہ لفافہ ملا جس
میں نہ صرف شیاما کی بلکہ اور عورتوں کی شرمناک تصویریں اور ان کے نیگیٹو بھی تھے۔ پھر اس
نے تمام غلاظت اور قرض نامے نذر آتش کر دیئے۔ اس نے گھر آ کر شیاما کو کچھ نہیں بتایا۔

تیسرے دن گوتم کی لاش گھر میں پڑی تھی۔ اسے کوبرا سانپ نے ڈس لیا تھا۔ جو
دوسروں کو ڈس رہا تھا خود ڈس گیا تھا۔

پولیس، مقروض اور بلیک میل ہونے والی عورتیں حیران اور خوش تھیں کہ انہوں نے حاکم
سے نجات پالی۔ وہ کون سا نجات دہندہ تھا؟

پولیس کو اس بات پر حیرت اور غصہ تھا کہ وہ کاغذات کہاں گئے۔؟ کس نے چوری
کئے۔؟ کاش! وہ مل جاتے تو ان کی بالائی آمدنی کا ذریعہ بن جاتا۔

رندھیر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ آخری سانس تک اس راز کو معمہ ہی رہنے دے گا۔ گاؤں
میں کئی دنوں تک جشن منایا جاتا رہا۔

رندھیر نے سوچا کہ اگر وہ اس جماعت کے ساتھ وادی موت جاتا تو کیا اسے اتنی دولت
مل پاتی۔

وہ آج اور اب بھی ایستھر۔ رینوکا کو یاد کرتا ہے جن کی بدولت اسے ایک انمول خزانہ
مل گیا۔

* * *

صبح جب ان کی آنکھ کھلی تو ایک نئی پریشانی ان کے سواگت کی منتظر تھی جس کا انہیں وہم و
گمان بھی نہیں تھا۔

معلوم ہوا کہ ان کا گائیڈ تمام مزدوروں اور ایک چھولداری کے ساتھ غائب ہے۔ رات
کے پچھلے پہر جو کچھ ان کے ہاتھ لگا تھا۔ اسے خاموشی سے سمیٹ کر چمپت ہو گئے تھے۔ اس
وقت پرساد کی ڈیوٹی تھی، لیکن وہ اونگھ گیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کے نتھنوں میں گائیڈ اور
مزدوروں کی چھولداری سے ایک عجیب سی بو آئی تھی۔ اس کے بعد اس پر مدہوشی کی سی کیفیت
طاری ہو گئی پھر اسے کچھ خبر نہیں رہی۔ کب ان کا گائیڈ اپنے ساتھیوں سمیت ان کا کچھ سامان
لے کر وہاں سے کھسک گیا۔ اس کے خیال میں گائیڈ نے بے ہوش کر دیا تھا۔ یہ شاید کوئی منتر
تھا۔

پرساد کو سب سے زیادہ خوف بمل گپتا سے تھا کہ وہ نہ صرف سخت برہم ہوگا، بلکہ سرزنش
بھی کرے گا، مگر وہ غصہ ہونے کے بجائے صرف منہ بنا کر رہ گیا اور اس نے کہا۔ "مجھے گائیڈ
شروع ہی سے مشکوک لگا تھا۔ وہ موقع کی تاک میں تھا موقع ملتے ہی اس نے فائدہ اٹھا لیا۔"

جب انہوں نے بچے کھچے سامان کا جائزہ لیا تو پتا چلا کہ گائیڈ اور اس کے ساتھی نہ صرف
خوراک کا بڑا حصہ بلکہ خاصی دوائیں بھی اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ وشوا ناتھ نے تعاقب
کرنے کا خیال ظاہر کیا تو بمل گپتا نے اسے اطمینان دلایا۔

"ان کا تعاقب کرنا وقت کا ضیاع اور لاحاصل ہے۔ وہ اب تک بہت دور نکل گئے
ہوں گے۔ کیا صرف خوراک اور دواؤں کیلئے ان کا تعاقب کیا جائے؟ منزل کی فکر کریں۔
اب منزل دور نہیں ہے۔ اگر راستے میں کوئی افتاد نہیں پڑی تو ہم دوپہر تک موت کی وادی میں
قدم رکھ چکے ہوں گے۔ گائیڈ اور مزدوروں کے ہم محتاج نہیں رہے۔ اچھا ہوا انہیں میں نے
پیشگی رقم نہیں دی تھی۔"

چھولداریاں اور فالتو سامان انہوں نے وہیں چھوڑا۔ اس لئے کہ انہیں ساتھ لے جانا کسی مصیبت سے کم نہیں تھا۔ باقی سامان سفری تھیلوں میں باندھ کر پیٹھ پر لادلیا تاکہ منزل کی طرف کوچ کریں۔

رنجیت کے سینے میں نفرت اور انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ وہ رام داس کے بارے میں بمل گپتا سے کہے بغیر نہ رہ سکا۔

"میرا دل نہیں چاہتا کہ اس شخص کو ساتھ لیا جائے۔" رنجیت نے کہا۔ "اس شخص نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا ہے اسے ہم بھول نہیں سکتے۔"

"آپ لوگ میری بات سنیں۔" بمل گپتا نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔ "رام داس ہر قیمت پر ہمارے ساتھ جائے گا میں اسے اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔"

رنجیت اس کی بات کو پی گیا چونکہ منزل قریب تھی۔ اس لئے وہ سفر میں بدمزگی پیدا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ پھر وشواناتھ' پرساد اور اس نے بمل گپتا کی نظریں بچا کر آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کئے۔ اس نے وشواناتھ اور پرساد کو مصلحتاً خاموش رہنے کیلئے کہا۔

پھر وہ لوگ چل پڑے۔ دلدلی علاقے سے نکل کر وہ پہاڑی علاقے میں داخل ہوگئے تھے۔ جب انہوں نے پہاڑوں کو دیکھا تو یہ ماننا پڑا کہ اچھی خاصی کوہ پیمائی کے بغیر ان پہاڑوں کو عبور نہیں کیا جاسکتا۔ گائیڈ اور مزدوروں کے بھاگنے کی وجہ ان کی سمجھ میں آگئی تھی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ ہم کیسے پہاڑوں پر چڑھیں گے اور اتریں گے؟" پرساد نے ان پہاڑوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اگر ہم کوشش کریں تو کسی بھی پہاڑی پر چڑھ سکتے ہیں۔" بمل گپتا نے جیسے ہمت بڑھائی۔ "مگر دوسری طرف اترنا اتنا آسان نہ ہوگا۔ اگر کسی نہ کسی طرح اتر بھی گئے تو شاید واپس چڑھنا ناممکن ہو۔ آخر موت کی وادی کہلائے جانے کی کوئی وجہ تو رہی ہوگی؟ جس نے اس علاقے کو موت کی وادی قرار دیا ہے۔ وہ سو فیصد درست تھا۔"

"پھر کیا ارادہ ہے؟" وشواناتھ نے پوچھا۔ "اس گمبھیر مسئلے کو کیسے اور کیونکر حل کیا جائے؟"

"میری رائے یہ ہے کہ وہی راستہ ڈھونڈا جائے جہاں سے گوپال باہر آیا تھا۔" بمل گپتا نے کہا۔ "تاکہ ہم بھی اس راستے سے واپس آئیں' اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ گوپال پہاڑی پر چڑھ کر تو باہر نہیں آیا ہوگا۔"

"کیا گوپال نے نقشے میں کسی ایسے راستے کی نشاندہی کی ہے؟" پرساد نے سوال کیا۔ "کیا اس کی مدد سے ہم راستہ تلاش نہیں کرسکتے؟"

"نہیں۔" بمل گپتا نے جواب دیا۔ "اس نے نقشے میں ایک نشان ضرور بنایا ہے۔ شاید وہ نشان ہماری رہنمائی کرے لیکن ہم اس پر تکیہ نہیں کرسکتے۔"

"وہ راستہ تلاش کرنے پر بھی نہیں ملا تو؟" وشواناتھ بولا۔ "پھر ایک بہت مصیبت کھڑی ہوجائے گی۔"

"کیسے نہیں ملے گا؟ ضرور ملے گا۔" بمل گپتا نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "ہمیں تلاش کرنا ہوگا۔ گوپال نے جب تلاش کرلیا تھا تو ہم کیا اتنے سارے مل کر تلاش نہیں کرسکتے؟ میرا خیال ہے کہ راستہ تو شاید اور کوئی بھی ہوگا لیکن ہمیں صرف اس راستے کو تلاش کرنا ہے جس سے وہ باہر آیا تھا۔"

سب نے سر ہلا کر بمل گپتا کے خیال کی تائید کی اور اس راستے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے جس کے ذریعے وادی میں آجاسکتے تھے۔ اس راستے کو تلاش کرنا بہت ضروری تھا۔ اس لئے کہ کوہ پیمائی ہر کسی کے بس کی بات نہیں تھی اور پھر یہ پہاڑ بھی کوئی چھوٹے نہ تھے۔

بمل گپتا نے ان لوگوں کو ایک جگہ بٹھا دیا اور وہ خود راستے کی تلاش میں نکل گیا۔ جب وہ دو گھنٹے بعد واپس آیا تو اس کا چہرہ دمک رہا تھا اور اس پر ایک عجیب سی سرشاری طاری تھی۔ اس نے آتے ہی پرمسرت لہجے میں بتایا۔

"دوستو۔ آخر کار میں نے وہ راستہ تلاش کرلیا جس سے گوپال واپس آیا تھا۔ مبارک ہو کہ ہم کو کامیابی مل گئی۔"

اس کے ساتھیوں کو اعتراف کرنا پڑا کہ ہر کس و ناکس کیلئے اس راہ کا سراغ پانا ناممکن تھا۔

بمل گپتا آگے نکل گیا تھا۔ پھر غلطی کا احساس کرکے پلٹا تھا اور پھر اس کی حساس سماعت نے وہ آواز شناخت کرلی تھی جو نیچے بہنے والے نالے کے شور سے مختلف تھی۔ یہ آواز دھوکا نہیں تھی۔ بالکل صاف اور واضح تھی۔

وہ ایک کھائی کے کنارے کھڑے تھے جو بتدریج گہری ہوتی چلی گئی تھی۔ یہ کھائی ان کے اور پہاڑی سلسلے کے درمیان حائل تھی۔ دونوں طرف سبزے کی بہتات تھی۔ یہ خود

روجھاڑیوں اور جھکے ہوئے درختوں کا کارنامہ تھا کہ انہیں پہاڑی سلسلے میں موجود دراڑ نظر نہیں آئی تھی جس سے ایک چشمہ پھوٹ کر نالے میں گر رہا تھا۔ اس چشمے کے گرتے ہوئے پانی اور پہاڑی نالے کا شور اس طرح مدغم ہوگئے تھے جب تک غور سے نہ سنا جائے کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا تھا۔

آگے جانے کیلئے اس کھائی کو پار کرنا ضروری تھا۔ اس کیلئے انہیں ایک پرانے مگر غیر معمولی پھیلے ہوئے خشک درخت کے تنے پر قدم جما جما کر چلنا تھا۔ یہ غالباً بہت عرصے پہلے کسی آندھی میں اس طرح گرا تھا کہ کھائی پر پل کی شکل اختیار کرگیا تھا۔

"میرے ذہن میں کھائی پار کرنے کا ایک طریق کار ہے۔" پرساد نے بمل گپتا سے کہا۔ "اس طرح ہم باآسانی کھائی پار کرلیں گے۔"

"وہ کیا طریقہ ہے۔؟" بمل گپتا نے تجسس سے پوچھا۔ "اگر مناسب ہوتو اس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔"

"کیوں نہ ہم پہلے کھائی میں اتر جائیں کیونکہ اس جگہ کھائی بمشکل دس بارہ فٹ سے زیادہ نہ ہوگی۔" پرساد بولا۔ "دوسری طرف دراڑوں اور سوراخوں کا سہارا لے کر چڑھتے چلے جائیں گے۔ یہ درخت کے تنے پر چلنے سے زیادہ آسان ہوگا۔"

"لیکن ہم ایسا نہیں کرسکتے۔" بمل گپتا نے اس کے طریقے کی نفی کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک ناممکن سی بات ہے۔"

"کیوں نہیں کرسکتے ؟" پرساد نے ناگواری سے پوچھا۔ "آپ کو اس میں کون سی بات ناممکن دکھائی دیتی ہے؟"

"کیا تمہیں نیچے کھائی میں گھڑیال نظر نہیں آرہے ہیں؟" بمل گپتا نے ان کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

دراصل پرساد کی نگاہ ان پر نہیں پڑی تھی۔ اس نے بمل گپتا کے اشارہ کرنے پر اس سمت دیکھا تو اسے صرف دو مگرمچھ دکھائی دے رہے تھے مگر کھائی کا کچھ حصہ ایک غار کی طرح پہاڑی سلسلے کے اندر چلا گیا تھا۔ اس لئے یقین سے یہ بات نہیں کہی جاسکتی تھی کہ صرف وہاں دو ہی مگرمچھ ہیں۔ اس غار میں شاید چھ سات بھی ہوسکتے تھے۔

"دوسری طرف پہنچنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے۔" بمل گپتا نے کہا۔ "اس لئے کہ درخت کا تنا اس قدر موٹا ہے کہ اس پر دو آدمی باآسانی ایک ساتھ چل سکتے ہیں اور پھر فاصلہ

بھی دس بارہ فٹ سے زیادہ نہیں ہے لہٰذا کھائی میں سے گزرنے کی حماقت کیوں کی جائے۔"

"ہاں۔" رنجیت نے اس کی تائید کی۔ "ہمیں اب کھائی پار کرنے میں بالکل دیر نہیں کرنی چاہئے۔ سوچنے اور باتوں میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔"

بمل گپتا کے اشارہ کرنے سے پہلے ہی سوامی نے کسی بندر کی سی تیزی کے ساتھ لپک کر درخت پر قدم رکھا پھر وہ اپنا توازن قائم رکھتے ہوئے تیزی سے چلتا ہوا دوسری طرف پہنچ گیا اور اس نے وہاں سے بمل گپتا کو ہاتھ سے اشارے سے آنے کو کہا۔

اس کے بعد وشوانا تھ' پرساد اور پھر بمل گپتا نے کھائی پار کی۔ رنجیت کے پار کرنے کے بعد رام داس باقی رہ گیا تھا۔

رام داس اس کھائی کو پار کرنے میں تذبذب کا شکار تھا۔ اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوتا جارہا تھا۔ اس کی نظر نیچے کی طرف تھی اور وہ مگرمچھوں کو دیکھ دیکھ کر خائف ہو رہا تھا۔ وہ بت بنا کھڑا ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے اس میں جان ہی نہ رہی ہو۔

"رام داس!" بمل گپتا نے چیخ کر کہا۔ "جلدی کرو۔ یہ کھڑے کھڑے تم کیا سوچ رہے ہو۔"

"میں نہیں آسکتا۔" رام داس نے چیخ کر جواب دیا۔ "مجھے بلندی سے نیچے دیکھنے پر چکر آجاتا ہے۔ میں یہیں کھڑے کھڑے چکرا رہا ہوں۔ کوئی ادھر آکر مجھے سہارا دے کر پار کرا دے۔ مجھ میں اکیلے پار کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ بمل گپتا تم سوامی کو بھیج دو۔"

"سنو نیچے دیکھے بغیر پار کرنا۔" رنجیت نے چیخ کر کہا۔

"نہیں' میں ایسا نہیں کرسکتا۔" رام داس نے پریشان ہوکر کہا۔

"اچھا۔ ٹھہرو میں آکر سہارا دیتا ہوں۔" رنجیت بولا۔

پھر اس نے واپس جانے سے پہلے بمل گپتا کی طرف دیکھا کہ کہیں وہ سوامی کو نہ بھیج دے' لیکن اس نے بمل گپتا کو اس کا موقع نہیں دیا۔ وہ درخت کے تنے سے ہوتا ہوا رام داس کی طرف تیزی سے بڑھا۔ سوامی نے اس کے پیچھے جانا چاہا تو بمل گپتا نے اسے روک دیا۔

رنجیت جب رام داس کی طرف بڑھا تو وہ اس کو دیکھ کر خائف ہوگیا تھا۔ اس نے تو سوامی کو بھیجنے کے لئے بمل گپتا سے کہا تھا' لیکن اسے اس بات سے ڈھارس بندھی تھی کہ بمل گپتا موجود تھا' اس کی موجودگی میں رنجیت اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اس لئے جب رنجیت نے اس کا ہاتھ پکڑا تو اس نے مزاحمت نہیں کی۔ اس نے جھکتے ہوئے اپنا ہاتھ رنجیت

کے ہاتھ میں دے دیا اور پھر اس نے درخت کے موٹے تنے پر قدم رکھا۔ اس نے دو چار قدم ڈگمگاتے ہوئے طے کئے پھر وہ سیدھا ہو گیا تھا۔ وہ نیچے دیکھنے سے احتراز کر رہا تھا۔ اس نے ایک بار دیکھا تو چکر سا آ گیا تھا۔ جب وہ درخت کے بیچوں بیچ پہنچا تو رنجیت نے یک لخت اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ رام داس کے بدن میں یکدم سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔

”یہ تم نے میرا ہاتھ کیوں چھوڑ دیا۔“ رام داس نے گھبرا کر اس کی شکل دیکھی۔ ”ابھی تو آدھا راستہ باقی ہے میرا ہاتھ پکڑ لو۔“

”باقی راستہ تم نے خود طے کرنا ہے۔“ رنجیت نے سنجیدگی سے کہا۔ ”یہ کوئی ایسا مشکل نہیں ہے ایک بچہ بھی طے کر سکتا ہے۔“

”نہیں۔“ رام داس نے لرزیدہ سی آواز میں کہا۔ ”مجھے چکر آ رہا ہے۔ میں تمہارے سہارے کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔“

رنجیت نے اس کی بات ان سنی کر دی۔ پھر وہ مڑ کے تیزی سے چل دیا۔ اس نے ایک بار بھی اس کی طرف پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

”رام داس‘ خود کو سنبھالے رکھنا میں آ رہا ہوں۔“ بمل گپتا نے چیخ کر کہا۔ ”اپنی جگہ سے بالکل مت ہلنا۔“

وہ رنجیت کے واپس ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ یوں تو وہ رنجیت کے پاس سے گزر سکتا تھا‘ لیکن اس میں خطرہ تھا پانی میں گرنے کا۔

”کسی کو بھی اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی ضرورت نہیں۔“ رنجیت نے تیز و تند لہجے میں کہا۔ ”رام داس کوئی شیر خوار بچہ نہیں ہے جو ہم اسے گود میں اٹھائے پھریں۔“

بمل گپتا نے اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش کی‘ مگر وشواناتھ نے فوراً ہی بندوق کی نال اس کے جسم سے لگا دی۔ بمل گپتا نے سوامی کی طرف دیکھا مگر وہ بھی اس وقت بے بس نظر آیا کیونکہ پرساد نے اسے نرغے میں لے لیا تھا۔ اس نے اپنی بندوق کی نال سوامی کی کنپٹی پر رکھ دی تھی۔

”رام داس‘ نیچے مت دیکھنا۔“ بمل گپتا اسے چیخ کر ہدایت دینے لگا۔ ”آہستہ آہستہ اور اطمینان سے قدم اٹھاؤ‘ تم یقیناً ہم تک پہنچ سکتے ہو۔ فاصلہ چند قدم سے زیادہ نہیں ہے۔ شاباش ہمت کرو‘ گھبراؤ نہیں‘ جتنا ڈرو گے اتنا ہی ڈر لگے گا۔“

رام داس کو ایسا لگا یہ چند قدموں کا فاصلہ اس کے لئے میلوں کا فاصلہ بن گیا ہے۔ اگر

اس نے ذرا سی بے احتیاطی کی۔ اس کا پیر پھسلا مگر مچھ موت کی صورت پانی میں موجود ہیں۔ اس کے گرتے ہی اسے دبوچ لیں گے۔ اس خوف اور احساس نے اس کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دی تھی۔

سب دم سادھے رام داس کو دیکھ رہے تھے۔ رام داس نے اپنے حواس اور حوصلے کو جمع کیا۔ اس نے ان لوگوں کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے دانت پر دانت جما کر آہستہ آہستہ قدم اٹھانے شروع کر دیئے۔ نیچے دیکھنے سے وہ حتی الامکان احتراز کر رہا تھا۔ وہ سامنے نظریں جمائے اندازے سے آگے بڑھ رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ اس طرح درخت کے پل کو پار کر لے گا۔

رنجیت چاہتا تھا کہ رام داس کسی نہ کسی طرح پھسل کر پانی میں گر جائے اور مگرمچھوں کا نوالہ بن جائے۔ وہ دانستہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا‘ جس کی وجہ سے رام داس پانی میں گر کر مگرمچھوں کا نوالہ بن جائے۔ پھر اس کے ذہن میں ایک تدبیر آ گئی۔

ابھی تین چار قدم باقی تھے۔ رنجیت کو لمحے کی بھی دیر نہیں کرنی تھی۔ اس لئے اس نے چیخ کر وشواناتھ سے کہا۔ ”وشواناتھ۔ ذرا نیچے تو دیکھو۔ مگرمچھ منہ کھولے کتنا خوفناک لگ رہا ہے۔ میں نے کبھی اتنا خوفناک مگرمچھ نہیں دیکھا۔ او بھگوان۔ تو کرپا کر‘ اسے پار کرا دے۔“

رام داس کی نظر غیر ارادی طور پر نیچے گئی۔ اسے چکر سا آیا۔ وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا اور ڈولنے لگا۔ پھر وہ غش کھا کر کھائی میں اس طرح جا گرا جیسے اس نے چھلانگ لگائی ہو۔

”سوامی! جلدی سے اپنی رائفل سنبھالو۔“ بمل گپتا نے ایک دم چیخ کر کہا۔ ”رام داس کی جان خطرے میں ہے۔“

بمل گپتا نے وشواناتھ کی بندوق کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنی جگہ سے حرکت کی۔ پرساد جو رام داس کی طرف دیکھ رہا تھا اس سے سوامی نے فائدہ اٹھا کر اس پر حملہ کر دیا۔ اس اچانک اور غیر متوقع حملے سے پرساد اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ ایک دھکے سے وہ زمین پر جا گرا۔ سوامی اپنے کندھے سے بندوق اتارتے ہوئے برق رفتاری سے کھائی کی طرف لپکا اور بمل داس گپتا کے پاس پہنچ گیا۔

شاید وشواناتھ اور پرساد ان دونوں کے خلاف کوئی کارروائی کرتے لیکن رنجیت نے انہیں اشارے سے روک دیا۔ ”تماشا دیکھو۔“

پھر وہ تینوں نہایت مطمئن انداز سے پانی میں دیکھنے لگے۔ وہاں موجود گھڑیال تیزی

سے حرکت کرتے ہوئے رام داس پر جھپٹ پڑے تھے۔

بمل گپتا اور سوامی نے فوراً ہی اپنی رائفلیں سیدھی کر کے ان مگرمچھوں کا نشانہ لیا اور گولیاں چلا دیں۔ پے در پے فائر کر کے چند لمحوں میں ان دونوں مگرمچھوں کو ہلاک کر دیا۔ اب وہ اس بات کے منتظر تھے کہ شاید کوئی اور مگرمچھ غار سے باہر آئے۔ جب اطمینان ہو گیا کہ کوئی اور مگرمچھ غار میں نہیں ہے تو سوامی نے پانی میں چھلانگ لگا دی۔

سوامی، بے ہوش رام داس کو کندھے پر ڈال کر بمل گپتا کی پھینکی ہوئی رسی کے سہارے اوپر آیا۔

رام داس کو سوامی ایک چھوٹے سے تختے پر لٹا کر خود بھی اس کے برابر لیٹ گیا۔ وہ بے حد نڈھال ہو رہا تھا۔ سانسیں سینے میں بری طرح پھول رہی تھیں۔ بمل گپتا نے رام داس کے زخموں کا جائزہ لیا۔ پھر وہ انتہائی نفرت سے رنجیت کو گھورنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت خون اتر آیا تھا۔

"مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہو؟" رنجیت نے غصے سے کہا۔ "کیا میں نے اسے دھکا دیا تھا، اس کی اپنی غلطی تھی جس کی سزا اس نے بھگتی ہے۔"

بمل گپتا کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ حقیقت میں یہ رام داس کی غلطی تھی پھر رام داس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ مگرمچھوں نے رام داس کی ٹانگیں چبا ڈالی تھیں۔ ایک ٹانگ کا خاصا گوشت نچ گیا تھا اور دوسری ٹانگ بھی کئی جگہ سے زخمی تھی، مگر وہ زندہ تھا اور لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔ یہ دیکھ کر بمل گپتا نے اطمینان کا سانس لیا۔

* * *

سدھیر نے یوں رام داس کو دیکھا جیسے شبہ ہو کہ وہ پاگل ہو گیا ہو پھر اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تمہاری یہ ہنسی بہت خطرناک اور معنی خیز ہے۔ تم یقیناً جانتے ہو کہ امر لعل کا قاتل کون ہے اسے کس نے قتل کیا ہے؟"

رام داس نے خود کو سنبھالا اور اس کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس کا لہجہ سپاٹ اور جذبات سے عاری ہو گیا۔ وہ بولا۔ "مجھے تمہاری نااہلی پر ہنسی آ رہی ہے۔ دل یہ چاہ رہا ہے کہ زور زور سے قہقہے لگاؤں۔ تم کسی کو مارنا بھی چاہو تو نہیں مار سکتے۔"

"کیا مطلب۔؟" سدھیر نے چونک کر اسے خشمگیں نظروں سے گھورا۔ "کسی کو مارنا کون سا مشکل کام ہے۔ صرف ایک گولی کا مرہون منت ہو گا۔"

"تم نے مجھے مارنا چاہا لیکن کیا میں زندہ نہیں ہوں۔ تم نے اپنی دانست میں موت کی وادی میں سب کو ختم کر دیا تھا، مگر کیا تم یہ بات یقین اور پورے وثوق سے کہہ سکتے ہو کہ وہ مر چکا ہے؟"

"کیوں نہیں۔ بمل گپتا، سوامی اور دوسرے سبھی مر چکے ہیں۔" سدھیر نے اتنا کہہ کہ لمحاتی توقف کیا۔ پھر اس نے رام داس کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کسی ایک کے زندہ ہونے کے بارے میں شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا؟"

رام داس کا چہرہ سنجیدگی سے بھرپور تھا، جیسے وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس میں ذرہ بھر بھی جھوٹ نہیں ہے۔ سب سچ ہے۔

لیکن اس بات کو سدھیر کا دل تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ رام داس اس پر نفسیاتی دباؤ ڈال رہا ہے۔

"تمہارے چہرے سے ایسا لگ رہا ہے کہ تمہارا دل میری باتوں کو ماننے سے انکاری ہے؟" رام داس نے کہا۔

"ہاں۔" سدھیر نے بغیر کسی جھجک کے اعتراف کیا۔ "میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا جو تم کہہ رہے ہو۔"

رام داس پھر ایک بار بڑے زور سے ہنسا۔ پھر وہ مزا لیتے ہوئے آہستہ آہستہ بولا تو اس کی نگاہیں چہرے پر مرکوز تھیں۔

"کیا واقعی۔؟ اگر میں یہ کہوں کہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے ان میں سے کسی کو زندہ دیکھا ہے تو شاید تم یقین نہیں کرو گے؟"

سدھیر کا ذہن الجھ گیا۔ وہ اس کی باتوں کی تہہ میں پہنچ گیا تھا۔ رام داس اسے الجھا رہا ہے۔ نفسیاتی حربے آزما رہا ہے۔ یہ نہ صرف قیافہ شناس بلکہ شاطر اور ذہین بھی ہے۔ سازشی ذہن کا مالک ہے۔ کسی صحرائی لومڑی کی طرح ہے اسے اس کے فریب میں نہیں آنا اس نے رام داس کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا۔ "تم میرے ساتھ چوہے بلی کا کھیل، کھیل رہے ہو۔ کان کھول کر سن لو۔ مجھے یہ سب سخت ناپسند ہے تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ تم جو کچھ جانتے ہو وہ صاف صاف بتا دو۔" اس کا لہجہ تحکمانہ ہو گیا۔

رام داس نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے بے خوفی کے انداز میں ایک قہقہہ لگایا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "ورنہ تم کیا کرو گے؟ مجھے گولی مار دو گے؟ چلو مار دو، میں تمہیں

روک تو نہیں رہا ہوں میں تمہارے سامنے بے بس اور مجبور ہوں۔"

"اگر تمہاری خواہش ہے کہ اس سنسار سے ابھی اور اسی وقت دفع ہو جاؤ تو میں تمہاری آرزو پوری کردوں گا۔" سدھیر نے تیزی لہجے میں کہا۔

"تم اپنی آروز پوری کرلو لیکن جذباتی نہ بنو۔ ذرا ٹھنڈے دل سے یہ سوچو کہ بعد میں تمہیں کون بتائے گا کہ میں نے کسے اور کہاں دیکھا تھا۔؟ اور تم یقیناً یہ بات معلوم کرنا چاہتے ہو؟ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

سدھیر نے دانت پیسے۔ ایک لمحے کیلئے اسے ایسا لگا کہ جیسے وہ واقعی لبلبی دبا دے گا۔ اس نے اپنے جذبات اور غصے پر قابو پایا۔ اس نے سوچا کہ کوئی اور تدبیر کرنی چاہئے پھر فوراً ہی اس نے اپنے چہرے پر نرمی کے آثار پیدا کئے اور مسکرا کے بولا۔ "تم یقیناً خود کشی کرنے کی دل میں آروز رکھتے ہو۔ اگر میری بات درست ہے تو پھر اپنا پستول استعمال کرو۔"

"تمہیں مجھے گولی مارنے میں تامل کیوں ہے؟" رام داس نے سوال کیا۔ "خود کشی کرنے کا مشورہ کس لئے دے رہے ہو؟"

"اس لئے کہ تم اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے باز نہیں آرہے ہو۔" سدھیر کہنے لگا۔ "تم نے ابھی کہا کہ چاہو تو گولی ماردو۔ اس اجازت کے بعد میں تمہیں موت کی نیند سلا سکتا ہوں۔ اس جملے سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم مرنا چاہتے ہو۔ یہ ایک طرح کی خود کشی ہے لہٰذا تم اپنا پستول استعمال کرو۔ خود ہی اس کی لبلبی دبا لینا۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کروں گا' تم مجھے ٹانگوں کے بغیر زندہ ہی اچھے لگتے ہو۔"

رام داس نے سدھیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "تم زیادہ دن میری بے بسی اور معذوری سے لطف اندوز نہیں ہوسکو گے یہ بات اچھی طرح سوچ لو۔"

"وہ کس لئے؟" سدھیر نے چونک کر کہا۔

"اس لئے کہ امر لعل کو قتل کرنے والا تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔" رام داس نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ "وہ بہت تیز اور چالاک ہے۔"

"واقعی؟" سدھیر نے کہا۔ "وہ ہے کون جس سے تم ڈرا رہے ہو؟"

"کیا تم واقعی اس کا پتا معلوم کرنا چاہتے ہو؟" رام داس معنی خیز انداز سے مسکرا دیا۔

"ہاں۔" سدھیر نے سر ہلا دیا۔ "اس کا پتا معلوم کرنا ہے چونکہ تم خود اس سے خوفزدہ ہو ۔اس لئے اس کا نام بتانا چاہتے ہو اور نہ ہی پتا۔ یہ راز تم اپنے سینے میں لے کر مر جانے کیلئے

بے تاب ہو رہے ہو۔"

سدھیر کو رام داس کی آنکھوں میں شرارت کی چمک نظر آئی۔ کچھ مزید پوچھے بغیر ہی وہ اس کے دوبارہ بولنے کا انتظار کرنے لگا۔

"اوہ! یقیناً تم اس کا پتا معلوم کرنے کے لئے سنجیدہ اور بے چین ہو۔ اگر ایسی بات ہے تو اندھا دھند دوڑے چلے جانا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ تم وہاں سے اپنے پیروں پر واپس نہ لوٹ سکو۔ مجھے اس وقت بے انتہا خوشی ہوگی اگر تم بھی میرے جیسے ہی ہو جاؤ۔ خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔" رام داس اتنا کہہ کر ہنسنے لگا۔

سدھیر نے پوچھا۔ "کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ساری دنیا تمہاری طرح معذور اور اپاہج ہو جائے۔"

"چاہتا تو نہیں ہوں لیکن تمہارے بارے میں اس کی بڑی تمنا رکھتا ہوں" اس نے جواب دیا۔

"میرے خیال میں ہم دونوں ایک دوسرے کے درد آشنا ہو جائیں گے۔"

لبلبی پر رکھی ہوئی انگلی پر سدھیر کو کھجلی محسوس ہو رہی تھی۔ ادھر نرنجن بھی بور ہو رہا تھا' مگر صبر کے سوا چارہ نہیں تھا۔ نرنجن کو سمجھ گیا تھا کہ سدھیر کس لئے ضبط و تحمل سے کام لے رہا ہے ورنہ رام داس اب تک زندہ نہ رہتا۔ رام داس سے کام کی بات نکلوانی ضروری تھی۔

رام داس پر ہنسی کا دورہ پڑا ہوا تھا پھر یکلخت اس نے اپنی ہنسی روک لی اور بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "تیرہ جمنا داس اسٹریٹ۔ مگر یہ بات یاد رکھنا کہ کہیں تیرہ کا عدد منحوس ثابت نہ ہو وہ بہت کم لوگوں کے لئے لکی ثابت ہوتا ہے۔"

رام داس پر پھر ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔ زہرناک ہنسی جو سدھیر اور نرنجن کی سماعت پر سیسہ بن کر گر رہی تھی۔

سدھیر نے ریوالور کو ذرا سی حرکت دی اور پھر گولی چلا دی۔ سائلینسر لگے ریوالور سے نکل کر گولی رام داس کے سر کے پاس سیٹ کے پشتے میں دھنس گئی۔ سدھیر استہزائیہ انداز سے مسکرا دیا اور نرنجن بھی۔

رام داس کی ہنسی کو جیسے فوراً بریک لگ گیا۔ خوف وہ دہشت سے اس کا چہرہ سفید پڑتا چلا گیا۔

سدھیر ایک دم ہنس پڑا پھر اس نے ہنستے ہوئے اس کی خوف سے پھیلی ہوئی آنکھوں

میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''بھول گئے' میں نے کیا کہا تھا؟ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم ٹانگوں کے بغیر ہی زندہ اچھے لگتے ہو۔ کاش! میرے پاس اس وقت وڈیو کیمرہ ہوتا۔ میں ان لمحات کی عکسبندی کر لیتا جن میں تم پر ہنسی کا دورہ پڑا تھا۔ یہ فلم پورے ہندوستان میں ہٹ ہو جاتی۔ میں اس فلم کا نام رکھتا رام داس کی طلسماتی ہنسی۔ ویسے تم اپنی ہنسی کے کیسٹ بھی بنا کر بازار میں فروخت کر سکتے ہو۔''

پھر سدھیر مڑ کر اپنی گاڑی کی طرف چل دیا تو نرنجن بھی اس کے پیچھے پیچھے آ گیا۔ ''تم نے اس کی خوب خبر لی۔'' نرنجن نے کہا۔

''کیا اب ہم جمنا داس اسٹریٹ چلیں گے؟'' نرنجن نے گاڑی میں بیٹھنے کے بعد پوچھا۔ ''کیا اس نے امر لعل کے قاتل کا جو پتا بتایا ہے وہ صحیح ہوگا؟''

''صحیح یا غلط۔'' سدھیر نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔ ''ویسے مجھے ذرا برابر بھی امید نہیں کہ وہاں کوئی ملے گا۔ میرے خیال میں جا کر دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کم از کم یہ تو پتہ چل جائے گا کہ رام داس نے سچ بیانی کی ہے یا غلط بیانی۔''

سدھیر کا خیال غلط نہیں نکلا۔

تیرہ جمنا داس ایک چھوٹی سی عمارت تھی۔ اس عمارت کے نام پر ہی اسٹریٹ کا نام بھی تھا۔ اس عمارت کا نمبر اس کی پیشانی پر لکھا ہوا تھا۔

یہ عمارت باہر ہی سے غیر آباد نظر آتی تھی مگر سدھیر نے عمارت میں داخل ہونے کیلئے سیدھا راستہ اختیار نہیں کیا تھا۔ وہ پورا بلاک گھوم کر عمارت کے عقب میں پہنچے تھے۔ پھر احاطے کی دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہوئے تھے۔ ایک کھڑکی کا شیشہ توڑ کر انہوں نے کھڑکی کھولی تھی اور جب یقین ہو گیا تھا کہ دوسری طرف کوئی نہیں ہے تو کھڑکی کے راستے کمرے میں کود گئے تھے پھر کچھ دیر خاموش بھی کھڑے رہے کہ کوئی آہٹ سن کر نہ آتا ہو۔

چند لمحوں میں انہوں نے عمارت کا گوشہ گوشہ چھان مارا۔ تین کمروں کا یہ بنگلہ اس وقت خالی تھا مگر غیر آباد نہیں تھا۔ خواب گاہ میں بستر شکن آلود تھا۔ ہر چیز گرد سے صاف تھی جس سے ایسا لگتا تھا کہ روز ہی اس کی صفائی ہوتی ہے، اس لئے کمرہ چمک رہا تھا۔

پھر سدھیر کے ہاتھ ایک ایسی چیز لگ گئی جس سے رام داس کی بات کا یقین آ گیا۔

یہ خواب گاہ میں سائیڈ ٹیبل کی دراز سے برآمد ہونے والی ایک تصویر تھی۔ شہر کے ایک مشہور اور بارونق بازار کے پس منظر میں سریتا ایک خوبصورت ایک وجیہہ نوجوان کے ساتھ

کھڑی تھی۔

سدھیر نے اس رنگین تصویر کو بڑے غور اور ناقدانہ نظروں سے دیکھا۔ وہ کسی طرح بھی فوٹو گرافک ٹرک نظر نہیں آتی تھی۔ ٹرک تصویر بنانے کیلئے بھی چہرے کی تصویر ضروری ہوتی ہے۔ سریتا کی تصویر موت کی وادی میں بھی کھینچی نہیں گئی تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' نرنجن نے پوچھا۔ ''یہ کس کی تصویر ہے جو تم اتنے غور سے دیکھ رہے ہو ؟''

''یہ سریتا کی تصویر ہے۔'' سدھیر نے سرسراتی آواز میں جواب دیا۔ ''تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ سریتا زندہ ہے۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' نرنجن بھونچکا سا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

''کیوں نہیں ہو سکتا؟'' سدھیر نے جواب دیا۔ ''تمہیں اس کی موت کا یقین کیوں ہے؟''

''اس لئے کہ وہ سوامی کے ساتھ' موت کی وادی میں موت کی آغوش میں چلی گئی تھی؟'' نرنجن نے اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

سدھیر نے سریتا کی تصویر پر ایک نظر اور ڈالنے کے بعد اسے نرنجن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''وہ زندہ ہے اور اسی شہر میں موجود ہے اس تصویر کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اسے کھینچے ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے ہیں۔''

نرنجن نے اس کے ہاتھ سے تصویر لے کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا۔ پھر وہ کانپتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔ ''یہ تو واقعی سریتا ہی ہے مگر۔ سریتا واقعی زندہ ہے تو پھر؟'' اس نے اپنا جملہ نا تمام چھوڑ دیا۔

''سوامی بھی یقیناً زندہ ہے۔'' سدھیر نے طیش کے عالم میں کہا۔ ''یہ ساری شرارت اسی شیطان کی معلوم ہوتی ہے۔''

اس سے پہلے کہ نرنجن اس کی بات کے جواب میں کچھ کہتا کہ مسہری کے نیچے سے کچھ عجیب سی آوازیں سنائی دیں۔

''بے وقوف اور عقلمند میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔''

نرنجن اور سدھیر دونوں ہی ان آوازوں کو سن کر بڑے زور سے چونکے تھے۔

نرنجن نے غور سے سنا تو اسے یہ کسی کے شدید درد سے کراہنے کی آوازیں معلوم ہوئیں۔

وہ جھک کر مسہری کے نیچے جھانکنے لگا۔ اسے ایسا لگا جیسے کوئی مسہری کے نیچے زخمی حالت میں پڑا کراہ رہا ہے۔

نیچے لٹکی ہوئی چادر کی وجہ سے اسے دیکھنے میں قدرے دقت محسوس ہوئی تو اس نے چادر اوپر اٹھادی۔ ایک لمحے کیلئے اس کی آنکھوں کے سامنے دھندسی چھا گئی۔ جب دھند چھٹی تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور اس کی رگوں میں خون خشک ہو گیا۔

اگر یہ آوازیں سنائی نہ دیتیں تو پھر رام داس کا کہنا درست ثابت ہو جاتا۔

مسہری کے نیچے ایک چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈ رکھا ہوا تھا جس سے ایک تار نکل کر کمرے کے دوسرے سرے تک چلا گیا تھا۔

ایک تار ڈائنامائٹ سے بھی بندھا ہوا تھا۔ وہ ڈائنامائٹ دیکھ کر ہی خوفزدہ ہو گیا تھا۔ اس میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ اپنی جگہ سے جنبش کر سکے۔ اس نے چیخنا اور سدھیر کو بتانا چاہا لیکن اس کا حلق ایک دم خشک ہو گیا تھا اور سارا بدن پسینے میں نہا گیا تھا۔

بہ مشکل اس نے سدھیر کا کندھا ہلا کر کہا۔ ”سدھیر! جلدی سے بھاگ نکلو۔“

”وہ کس لئے؟“ سدھیر نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ”یہ تمہاری کیا حالت ہو رہی ہے چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟“

”مسہری کے نیچے جھانک کر دیکھو۔“ نرنجن تھوک نگل کر اتنا ہی کہہ پایا۔

”کیا اس کے نیچے کوئی شیطان چھپا ہوا ہے؟“

سدھیر نے دریافت کیا۔

”شیطان نہیں بلکہ اس کا باپ۔ وہاں ڈائنامائٹ اور ٹیپ ریکارڈ رکھا ہوا ہے۔“ وہ بہ دقت تمام بول پایا۔ ”اور۔“

سدھیر عقلمند تھا۔ نرنجن کی طرح بے وقوف نہ تھا۔ وہ اپنے ساتھی کی آخری بات سننے کے بعد وہاں نہیں ٹھہرا تھا۔ گڑبڑ کا احساس ہوتے ہی اس نے بجلی کی سرعت سے باہر کی طرف دوڑ لگائی تھی جبکہ نرنجن کمرے میں ہونقوں کی طرح کھڑا سوچنے لگا تھا کہ وہ کیا کرے۔ چنانچہ جب زوردار دھماکا ہوا تھا۔ وہ کمرے سے نکل کر بنگلے کے احاطے میں پہنچ چکا تھا۔ لمحے کی تاخیر بھی اس کیلئے موت کے مترادف تھی۔ دھماکا اس قدر زوردار تھا کہ زمین لرز اٹھی تھی۔ خواب گاہ کی چھت بیٹھ گئی تھی۔ نرنجن کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس وقت اگر وہ نرنجن کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا تو اس میں بھی اتنی دیر ہو جاتی کہ وہ بھی چھت کے نیچے آ جاتا۔

نرنجن کی موت کے صدمے نے اسے نڈھال کر دیا۔ اسے بڑا دکھ ہو رہا تھا کہ نرنجن کی عقل نے اس وقت کام کیوں نہیں کیا؟

سدھیر کی نظر میں وہ منظر گھوم رہا تھا جب پانچ برس پہلے موت کی وادی میں ایسا ہی خوفناک دھماکہ ہوا تھا۔ زمین کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ ہیروں کی کان اس طرح بیٹھ گئی تھی جیسے اس وقت خواب گاہ تباہ ہوئی تھی۔

وہاں کی فضا میں آج ہی کی طرح کافی دیر تک خاک اور دھول کا غبار اڑتا رہا تھا اور آسمان دکھائی نہ دیا تھا۔

* * *

بمل گپتا نے سوامی کی مدد سے ایک ڈاکٹر کی طرح مرہم پٹی کی تھی۔ سوامی کسی نرس کی طرح اس کا ہاتھ بٹاتا اور مدد کرتا رہا تھا پھر اس نے مسکن اور زخم مندمل کر دینے والے انجکشن بھی دیئے تھے۔ گائیڈ اور اس کے ساتھی اتفاق سے وہ بکس چھوڑ گئے تھے جس میں مرہم پٹی کا سامان اور انجکشن تھے یا پھر ان کی اس پر نظر نہیں پڑی تھی کیونکہ وہ عجلت میں تھے۔ شاید اسی لئے ان کی نظروں سے یہ بکس بچ گیا تھا۔

بمل گپتا اپنے کام سے مطمئن نہیں تھا۔ زخم مندمل کر دینے والی دوائیں اس کے پاس بہت کم رہ گئی تھیں۔ ان کی عدم موجودگی میں خطرہ اس بات کا تھا کہ اس کے زخم پک نہ جائیں۔ اسے وہ دوائیں بار بار یاد آ رہی تھیں جو مزدور چرا کر ساتھ لے گئے تھے۔

رام داس کی مرہم پٹی اور انجکشن دے کر فارغ ہو کر وہ رنجیت کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

اس کے چہرے سے بے پناہ غصے اور صدمے کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی رنجیت معذرت خواہانہ انداز میں بول اٹھا تھا۔

”مجھے افسوس ہے کہ یہ واقعہ رونما ہو گیا جو نہیں ہونا تھا وہ ہو گیا۔ بہرحال میں معافی چاہتا ہوں۔“

”کیا تم نے دانستہ یہ نہیں چاہا تھا کہ رام داس مگرمچھوں کی خوراک بن جائے؟“ بمل گپتا نے تلخ لہجے میں کہا۔ ”جبکہ اس نے چیخ کر کہا تھا کہ پانی میں دیکھنے سے اسے چکر آتا ہے لہٰذا کسی کو یعنی سوامی کو بھیج دیں تاکہ وہ سہارا لے کر درخت کا پل پار کر سکے۔“

”ہاں۔ اس نے یہ بات کہی تھی لیکن میرا خیال تھا کہ رام داس اس قدر بودا ثابت نہیں ہوگا۔“ رنجیت نے جواب دیا۔ ”میں اسے نصف راستے تک سہارا دے کر لایا تھا۔ میرا خیال

تھا کہ دو تین قدم کی تو بات ہے میرے سہارے کے بغیر خود ہی چل کر کھائی پار کر لے گا۔"

بمل داس گپتا کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا۔ اس نے رنجیت کو قہر آلود نظروں سے گھورتے' دانت پیس کر کہا۔ "تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔ کیا تم اس بات سے انکار کر سکتے ہو کہ تم نے رام داس کو جان بوجھ کر مارنا چاہا تھا؟"

"یہ بات تم کس بنا پر کہہ رہے ہو؟" رنجیت کو غصہ آ گیا تھا لیکن اس نے ضبط کیا۔ "کیا یہ تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے۔ اگر میں اسے مارنا چاہتا تو جس وقت وہ میرے سہارے چل رہا تھا میں اسے کسی بہانے دھکا دے کر کھائی میں گرا دیتا۔ ایسا کرنا میرے لئے کوئی مشکل نہیں تھا۔ بہت آسان تھا۔"

"اس بنا پر کہ تم نے وشوا ناتھ سے چیخ کر کیوں کہا تھا کہ مگرمچھ کس قدر خوفناک ہیں اور۔" بمل گپتا نے تیز لہجے میں کہہ کر جملہ نا تمام رہنے دیا۔

"میں نے وشوا ناتھ سے کہا تھا اس سے تو نہیں۔" رنجیت نے کہا۔ "کیا یہ حقیقت نہیں تھی کہ مگرمچھ اسے دیکھ کر منہ پھاڑے ہوئے تھے؟"

"تم کچھ بھی کہہ لو صفائی میں۔" بمل گپتا بولا۔ "تم نے اس بہانے رام داس کو گرانے کی کوشش کی اور تم اس میں کامیاب رہے۔"

رنجیت نے غور سے بمل گپتا کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ رام داس کی حمایت میں بہت سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔

رنجیت نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "اس میں دھوکے کی کوئی بات تھی اور نہ اسے گرانے کا کوئی بہانہ۔ اس کے باوجود میں اپنی غلطی تسلیم کر کے معافی چاہتا ہوں اور کیا چاہتے ہو تم۔؟"

* * *

"ہر غلطی اور جرم کی سزا ہوتی ہے۔" بمل گپتا نے اس کی بات کاٹ کر فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "تم مجرم ہو' اس کی سزا تمہیں ملنا چاہیے' تم قابل معافی نہیں ہو۔"

"اچھا۔ پھر تم مجھے کیا سزا دو گے جج صاحب؟" رنجیت کا لہجہ طنزیہ تھا۔ "لیکن یہ مت بھولیں کہ تمہیں اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ تم رہبر ہو' جج نہیں اور پھر تم رام داس کی حمایت پر کمربستہ ہو رہے ہو' وہ تمہارا کیا لگتا ہے؟"

جواب میں بمل گپتا کے داہنے ہاتھ نے تیزی سے حرکت کی۔ رنجیت کے بائیں گال پر اتنے زور کا طمانچہ پڑا کہ وہ سرخ ہو گیا۔ آواز ایسی تھی جیسے کوئی پٹاخہ چھوٹ گیا ہو۔ اس کے گال پر انگلیوں کے گہرے نشانات پڑ گئے۔

رنجیت کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا۔ وہ چاہتا تو اسی وقت بمل گپتا اور سوامی کو چشم زدن میں شوٹ کر دیتا' لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اپنا غصہ کسی کڑوی دوا کی طرح پی گیا۔ اس نے انتہائی ضبط سے کام لیا۔

وشوا ناتھ اور پرساد نے اپنی اپنی رائفلیں سیدھی کر لیں۔ اگر اسے لمحے بھر کی دیر ہو جاتی تو وہ سوامی اور بمل گپتا کو بھون کر رکھ دیتے۔ رنجیت نے فوراً ہی چیخ کر کہا۔ "نہیں' نہیں۔ خون خرابا مت کرو۔ اپنی بندوقیں نیچی کر لو۔ غصے میں مت آؤ۔"

"رنجیت۔" پرساد نے کہا۔ "اس نے تمہارے منہ پر تھپڑ کیوں مارا؟ ہم یہ بے عزتی برداشت نہیں کر سکتے۔ تم اس کے غلام تھوڑی ہو؟"

"ارے دوستو! بات صرف اتنی سی ہے کہ بھیا کو غصہ آ گیا۔" رنجیت نے قدرے شوخی سے کہا تا کہ تلخی کم ہو جائے۔ فضا میں جو تناؤ کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ وہ کسی طرح دور ہو جائے۔ وہ معاملے کی نزاکت کو سمجھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ نفرت اور غصے اور جذباتی ہونے کی وجہ سے یہاں کئی لاشیں گر جائیں گی۔ اس لئے وہ نہیں چاہتا تھا کہ منزل پر پہنچ کر بدمزگی پیدا

کرے۔" بڑے بھائیوں کے ہاتھوں سے پٹنا چھوٹوں کے لئے بھلائی ہوتی ہے۔ میں نے واقعی ایک غلطی کی تھی جس کی سزا مجھے ملی ہے۔ اس سزا نے مجھے احساس دلایا ہے کہ آئندہ بھی اگر کوئی غلطی سرزد ہوئی تو سزا بھگتنا پڑے گی۔"

رنجیت کی اس بات نے وشوانا تھ اور پرساد کا غصہ سرد کر دیا تھا۔ وشوانا تھ نے خاموشی اختیار کر لی تھی' جبکہ پرساد کی کھوپڑی گھوم گئی تھی۔ رنجیت کے اشارے نے اسے خاموش کر دیا تھا۔ اس کا خون اس لئے بھی کھول رہا تھا کہ سوامی نے اسے بڑے زور سے دھکا دے کر گرایا تھا۔

"اگلی غلطی کی سزا موت کے سوا کچھ نہیں ہوگی۔" بمل گپتا نے خشونت بھرے لہجے میں کہا۔ "یہ سوچ لینا' میں ابھی بتائے دے رہا ہوں۔"

بمل گپتا نے رنجیت کی آنکھوں میں انتہائی نفرت لہراتی دیکھی۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ اپنا ایک جانی دشمن بنا چکا ہے۔ سفر کے دوران اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ رنجیت کس قدر ذہین اور بہادر ہے۔ وہ اس کے لیے بدترین دشمن ثابت ہو سکتا ہے۔

بمل گپتا کی بات سن کر رنجیت خاموش ہو گیا۔ وہ اس سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس سے بدلہ لے کر رہے گا۔

"اگر سوامی نے بھی کوئی غلطی کی تو اسے بھی موت کی سزا ملنی چاہیے۔" پرساد نے کہا۔ "قانون سب کے لئے ایک ہونا چاہیے۔"

"اس پر بعد میں غور کیا جائے گا۔" بمل گپتا نے لاپروائی سے کہا۔ "میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"اگر آپ نے اپنے چہیتے کو سزا نہیں دی' اس کی کسی غلطی پر تو میں دوں گا۔" پرساد نے بگڑ کر کہا۔ "جب تم قانون کو ہاتھ میں لے سکتے ہو تو ہم بھی لے سکتے ہیں۔ قانون' قانون ہوتا ہے۔ کوئی بھی اس بات کو پسند نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ ناانصافی ہو۔"

"پرساد۔" اس سے پہلے کہ بمل گپتا کچھ کہتا' رنجیت نے کہا۔ "سزا غلطی کی نوعیت پر ہو گی۔ بمل گپتا ناانصافی نہیں کریں گے' تمہیں چاہیے کہ ان کا ہر حکم بڑا بھائی سمجھ کر بجا لاؤ' بدمزگی اور تلخی نہ پیدا کرو۔ ہم میں بھائی چارہ بہت ضروری ہے۔"

انہوں نے وہ رات وہیں گزاری۔ اگلے دن صبح کو آگے بڑھے۔ رام داس کی حالت بڑی خستہ تھی۔ وہ درد اور تکلیف سے کراہتا رہا تھا۔ اس حالت میں اسے چھوڑا بھی نہیں جا سکتا

تھا اور کسی کو اس کے پاس چھوڑنا مفید نہیں تھا۔ چھوڑا جاتا بھی تو کسے۔ بمل گپتا' سوامی کو وہاں چھوڑنا چاہتا تھا نہ ان تینوں میں سے کسی ایک کو۔ بمل گپتا نے اسے روانگی کے وقت درد کا ایک انجکشن دیا تا کہ وہ نارمل ہو جائے۔

سوامی نے اسے سہارا دیا اور وہ اپنی قدرے بہتر ٹانگ کے سہارے اچک اچک کر چلنے لگا۔

وہ دراڑ جس سے چشمہ بہہ کر موت کی وادی سے باہر آ رہا تھا' تنگ تھی اور کائی جمنے کی وجہ سے بہت چکنی ہو رہی تھی اور پھر پانی کا تیز بہاؤ ان کی راہ میں حائل ہو رہا تھا۔ کسی بھی شخص کا اسے تنہا عبور کرنا نہایت دشوار تھا چونکہ وہ کئی تھے۔ اس لئے ایک دوسرے کی مدد اور سہارے سے ایک ایک کر کے دراڑ کو طے کر کے دوسری طرف پہنچنے میں بالآخر کامیاب ہو گئے۔ سب سے زیادہ مشکل انہیں رام داس کے سلسلے میں پیش آئی تھی جسے کافی دور تک سوامی کے کاندھوں پر سواری کرنی پڑی تھی۔ یہ سوامی کی ہی ہمت تھی کہ رام داس موت کی وادی میں داخل ہو چکا تھا۔ کبڑے اور بے ڈول سوامی نے رام داس کے ساتھ دراڑ پار کر کے اپنی بے پناہ قوت کا کامیاب مظاہرہ کیا تھا۔

رنجیت نے سوامی کو تشویش کی نظر سے دیکھا۔ اسے اب اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ سوامی کس قدر طاقتور ہے۔ صرف طاقتور ہی نہیں بلکہ خطرناک بھی' اگر کوئی بدمزگی ہوئی تو سوامی بے حد خطرناک ثابت ہوگا۔ لہٰذا بمل گپتا کے اس شخص سے محتاط رہنا ہوگا۔

جب انہوں نے موت کی وادی کو دیکھا تو دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے تھے۔ انہیں اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا تھا۔

اسے بلاشبہ سورگ بے نظیر کہا جا سکتا تھا۔ انہوں نے اب تک بے شمار پرفضا اور خوبصورت مقامات دیکھے تھے لیکن ایسی خوبصورت جگہ انہوں نے سپنوں میں بھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ وادی ایک پیالے کی مانند تھی۔ ایک ایسے پیالے کی مانند جو ان کی طرف جھکا ہوا تھا۔ چٹانیں سبزے سے ڈھکی ہوئی اور بہت زیادہ ڈھلوان تھیں جس کی وجہ سے وادی کی سمت سے انہیں عبور کرنا تقریباً ناممکن تھا۔

جس چشمے سے گزر کر وہ وادی میں داخل ہوئے تھے اور ایک چٹان کے رخنے سے نکل کر دراڑ تک پہنچے تھے۔ وہ دو حصوں میں بٹ گیا تھا۔ ایک حصہ وادی کے باہر اور دوسرا اندر کی سمت گر رہا تھا۔ وہ باقی وادی سے قدرے بلندی پر تھے' ورنہ دراڑ کے ذریعے باہر نکلنے والے

راستے کو ہرگز نہ سمجھ پاتے۔ گوپال نے اس راستے کو شاید حادثاتی طور پر ہی دریافت کیا ہوگا۔ ورنہ اسے ساری عمر اس وادی میں گزارنا پڑتی۔

اچھی طرح سے جائزہ لینے کے بعد ان کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آ گئی کہ موت کی وادی سے واپسی کیوں ممکن نہیں۔

اگر وہ یہ دراڑ چھوڑ کر کسی دوسرے راستے سے اس وادی میں داخل ہوتے تو اس وادی میں بھٹکتے رہتے اور کبھی نہ واپس جا سکتے۔

"بھگوان نے دنیا میں بھی سورگ بنا رکھا ہے۔" وشواناتھ نے کہا۔ "میں نے کشمیر، دارجلنگ اور بنگال اور آسام کے پرفضا اور خوبصورت مقام اور وادیاں دیکھی ہیں، نیپال کی بھی سیاحت کی، لیکن ایسی وادی نہیں دیکھی، بھگوان نے اسے کتنا حسین بنا دیا ہے۔"

"میں نے جو ساری دنیا کی سیاحت کی، وہاں کسی بھی ملک میں ایسی حسین وادی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔" بمل گپتا نے کہا۔

"اگر اس وادی میں جانے کا راستہ دشوار گزار اور کٹھن نہ ہوتا تو یہ ساری دنیا کے سیاحوں کا تفریح کا مرکز بن جاتا۔" رنجیت نے کہا۔ "ہر قسم کی تفریحات ہوتیں، لوگ جوق در جوق ادھر کا رخ کرتے، جنگل میں منگل ہوتا اور میں یہاں ایک ہوٹل کھول لیتا۔"

وادی میں سبزے کی بہتات تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے سبزے کا قالین بچھا دیا گیا ہے۔ کئی چشمے پہاڑوں سے نکل کر جل ترنگ بجاتے ہوئے گزر رہے تھے۔ درخت پھل دار تھے۔ یہ عجیب وغریب لیکن بہت خوش نما اور سیب کی طرح تھے۔ رس بھرے معلوم ہوتے تھے۔ ان پھلوں کو دیکھ کر ان کی جی للچانے لگا۔ پرساد نے کھانے کے خیال سے ایک درخت سے پکا ہوا پھل توڑا تو وشواناتھ نے اسے ٹوکا۔

"اسے ذرا سا چکھ کر دیکھو، کہیں یہ زہریلا نہ ہو؟ معلوم نہیں یہ کیسا پھل ہے؟ ویسے دیکھنے میں تو زہریلا معلوم نہیں ہوتا ہے۔"

پرساد نے اس پھل کو ایک طرف سے دانتوں سے کاٹا، اسے چکھا اور بولا۔ "یہ تو آم سے بھی میٹھا ہے، ہم اسے کھا سکتے ہیں۔"

جب پرساد نے پورا پھل کھا لیا تو سبھی توڑ توڑ کر کھانے لگے۔ سوامی نے بھی دو تین پھل توڑ کر رام داس کو دیئے۔ پرساد نے غلط نہیں کہا تھا۔

چھوٹے جانور بکثرت تھے اور پرندے بھی تھے۔ اس لئے گوشت کی کمی نہیں تھی۔ وادی

میں انہیں خچر نما جانور بھی گھاس چرتے اور پتے کھاتے دکھائی دیئے۔ انہیں سواری کیلئے سدھایا جا سکتا تھا اور ان سے مال برداری کا کام بھی لے سکتے تھے۔ ایک انتہائی تعجب خیز بات یہ تھی کہ وادی میں درندوں، موذی جانوروں اور حشرات الارض کی کمی تھی، البتہ گلہریاں بہت تھیں جن سے اس وادی کی رونق بڑھ گئی تھی۔

"یہ وادی ایسی ہے کہ یہاں ساری عمر گزاری جا سکتی ہے۔" بمل گپتا نے وادی کے حسن کو سراہتے ہوئے کہا۔ "جی چاہ رہا ہے کہ یہاں سے کبھی بھی واپس نہ جایا جائے۔"

"ضرور گزارو۔" وشواناتھ نے کہا۔ "مگر ہم ضرورت سے زیادہ ایک دن کیا ایک لمحہ بھی گزارنا پسند نہیں کریں گے۔"

بمل گپتا نے اس کی بات سنی تو اس کا برا سا منہ بن گیا۔ تب رنجیت نے وشواناتھ سے کہا۔ "ہم جس مقصد سے آئے ہیں، وہ ہے خزانے کا حصول۔ دولت کے مل جانے کے بعد ہم یہاں رہ کر کیا کریں گے۔"

"وہ دیکھ رہے ہو، کیا چیز ہے؟" بمل گپتا نے ایک سمت اشارہ کرتے ہوئے وشواناتھ سے کہا۔ "اگر میری نظر دھوکا نہیں کھا رہی ہے۔ وہ چمکتی ہوئی سی شے گوپال کے تباہ شدہ طیارے کا ملبہ ہے۔ تم ذرا غور سے دیکھو، وہ ملبہ ہی دکھائی دیتا ہے نا؟"

کوئی ایک گھنٹے کے بعد وہ اس جگہ پہنچ گئے، جہاں سے ہونے والی روشنی کا انعکاس ان کی توجہ کا مرکز بنا تھا۔ بمل گپتا کا اندازہ درست ہی ثابت ہوا تھا۔ وہ تباہ شدہ طیارے کا ملبہ ہی تھا۔ تھوڑی دیر کے جائزے کے بعد یہ ثابت ہوگیا کہ اس ملبے میں کوئی کارآمد چیز نہیں تھی۔

"سوال یہ ہے کہ جس چیز کی تلاش میں ہم اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر آئے ہیں، وہ کہاں ملے گی؟" رنجیت نے آخر چڑ کر بمل گپتا سے کہا۔

"میں یہاں آ کر اس ملبے میں ہیرے تلاش نہیں کر رہا تھا؟" بمل گپتا نے قدرے تیزی سے جواب دیا۔ "نہ ہی اس خیال سے یہاں آیا ہوں۔"

"پھر کس لئے اتنی دور تک ہم سب کو لے کر آئے ہو؟" رنجیت نے کہا۔ "تم نے پہلے یہ کیوں نہیں سوچا، اس ملبے میں کچھ نہیں ملے گا؟"

"اصل بات یہ ہے کہ رام داس کو اینٹی بائیوٹک دواؤں کی ضرورت ہے۔" بمل گپتا نے ناگواری سے جواب دیا۔ "میرا خیال تھا کہ شاید مطلوبہ دوائیں مل جائیں گی، کیونکہ ہر طیارے میں اس قسم کی دواؤں کا بکس ہوتا ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ گوپال اور اس کے ساتھیوں

نے کام کی ہر چیز یہاں سے کہیں اور منتقل کر دی ہے۔ ایک خیال اور بھی ہے کہ گوپال کے ساتھیوں میں سے کوئی نہیں بچا تھا' لیکن ایک ساتھی ضرور تھا' اسی لئے گوپال وہ بکس نکال کر لے گیا ہوگا۔"

"گوپال کے ساتھی۔؟ وشواناتھ نے الجھ کر کہا۔" آپ کی باتیں بڑی متضاد ہیں' میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا' کیا وضاحت کریں گے؟"

"میرے اندازے کے مطابق گوپال کا ایک ساتھی ضرور ساتھ رہا ہوگا۔" بمل گپتا نے کہا اور ذہن پر زور دے کر سوچنے لگا۔" ایک ایسا ساتھی جس کی حفاظت اور دیکھ بھال کیلئے گوپال کو ایک نوجوان' باہمت اور شریف آدمی کی ضرورت تھی۔"

"سریتا۔؟" بے ساختہ وشواناتھ کی زبان سے نکل گیا۔" کیا اس کی حفاظت اور دیکھ بھال کے لئے۔؟"

"کیا کہا؟" بمل گپتا اس کی طرف گھوما اور پھر وہ وشواناتھ کو غور سے دیکھنے لگا۔" سریتا۔؟"

وشواناتھ نے تیزی سے سوچا۔ اس کے خیال میں گوپال کے بارے میں بتانے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ بمل گپتا نے اسے خاموش دیکھ کر کہا۔" تم مجھے گوپال کے بارے میں کچھ بتانے سے جھجک رہے ہو؟ تم اس کے متعلق کیا جانتے ہو' جو کچھ جانتے ہو' بتاؤ۔"

"میں نے آپ کو گوپال کے بارے میں تفصیل سے نہیں بتایا تھا۔" وشواناتھ کہنے لگا۔" وہ مجھے جاں بلب حال میں ملا تھا۔ اس نے مجھے نقشہ اور کاغذات دیتے ہوئے التجا کی تھی کہ میں سریتا کا خیال رکھوں اور اس کی حفاظت کروں۔"

"سریتا۔ میرے خیال میں گوپال کی سگی بیٹی رہی ہوگی۔" رنجیت نے تیزی سے اپنا خیال ظاہر کیا۔" ہمیں جس چیز کی تلاش ہے' وہ یقیناً سریتا کی تحویل میں رہی ہوگی۔ جب اس نے دیکھا کہ نقشے اور کاغذات سریتا کی تحویل میں رہنا مشکل ہے۔ اس نے تمہارے حوالے کر دیئے۔"

"آپ نے جو ابھی کہا ہے کہ گوپال کا' ایک ساتھی رہا ہوگا۔" وشواناتھ' بمل گپتا سے بولا۔" وہ اپنی جگہ درست ہے۔"

"جب گوپال تمہیں جاں بلب حالت میں ملا تھا تو کیا تم نے اسے فوری طور پر ہسپتال پہنچایا تھا؟" بمل گپتا نے پوچھا۔

"وہ بہ مشکل چند لمحے زندہ رہا۔ اس کی حالت بڑی ابتر تھی۔ وہ شدید زخمی حالت میں تھا۔" وشواناتھ نے جواب دیا۔" اس نے نقشہ اور کاغذات دینے کے بعد دم توڑ دیا۔ موت نے اسے مزید بتانے کی مہلت نہیں دی۔ وہ چند لمحے زندہ رہتا تو شاید کچھ بتا دیتا۔"

"لیکن وہ شدید زخمی حالت میں کیوں تھا؟" بمل گپتا نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔" کیا وہ کسی حادثے کا شکار ہو گیا تھا؟"

"اس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش نہیں آیا تھا بلکہ اسے بے رحمی سے قتل کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس کے جسم پر چاقو کے گہرے نشانات تھے۔" وشواناتھ نے کہا۔

"اسے کس نے قتل کرنے کی کوشش کی؟" بمل گپتا متعجب ہو گیا تھا۔" کیا تمہیں قاتل کے بارے میں علم ہے۔ اس کا قاتل کون ہے؟"

"ہاں۔ میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔" وشواناتھ نے رام داس کی طرف دیکھا جس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

بمل گپتا' رام داس کا سفید پڑتا ہوا چہرہ دیکھ کر چونک گیا۔ رام داس نے اسے اپنی طرف مشکوک نظروں سے دیکھتا پا کر جلدی جلدی اٹکتے لہجے میں اپنی صفائی پیش کی۔
"گوپال۔ میرے ہوٹل میں مقیم ایک نوجوان کو خزانے کا لالچ دے رہا تھا تا کہ اسے اپنی ٹیم کے ہمراہ لے جا سکے۔ اسے ہر طرح سے آمادہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا' لیکن اس نوجوان کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا۔ اس نوجوان نے مجھ سے گوپال کا ذکر کیا۔ جب میں نے گوپال کے بارے میں چھان بین کی تو اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ ایسا شخص نہیں جو کسی کو دھوکا دے اور نہ ہی کسی کے ساتھ فریب دہی کرنے والا شخص ہے۔ جب وہ اس نوجوان سے آخری ملاقات کے لئے نقشہ اور ہیرا لے کر آیا تو میں بھی اس سے ملا۔ پھر وہ ایک دم بھاگ نکلا۔ میں نے لالو کو اس کے پیچھے بھیجا تھا۔ آپ میری بات کا یقین کریں یا نا کریں۔ میں بھگوان کی سوگند کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے لالو سے صرف یہ کہا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح اس سے کاغذات چھین لے لیکن اس پر تشدد نہ کرے' مگر اس نے میری بات نہیں مانی۔ گوپال کے انکار اور مزاحمت پر اس نے اس کو زخمی کر دیا لیکن گوپال کی موت لالو کے چاقو کے زخموں سے نہیں بلکہ وشواناتھ کی گاڑی سے ٹکرا کر واقع ہوئی تھی۔"

"اگر اس کی موت گاڑی سے ٹکرا کر ہو گئی ہوتی تو کیا وہ لوگ جو گوپال کی مدد کیلئے آئے تھے۔ مجھے بخش دیتے؟" وشواناتھ نے نفرت اور غصے سے بھرے لہجے میں کہا۔" ذلیل آدمی'

تم نے لالو کو اس لئے بھیجا تھا کہ وہ گوپال سے ہر قیمت پر کاغذات چھین لے۔''

رام داس اور وشواناتھ ایک دوسرے کے خلاف زہر اگلنے لگے۔ وشواناتھ نے اسے خوب کھری کھری سنائیں اور اس کی بدمعاشی کا ذکر بھی کیا۔ جب وہ اپنے غنڈوں کے ساتھ اس کے کمرے میں گھس کر گن پوائنٹ پر کاغذات لے گیا تھا۔ اس واقعے کے بارے میں وشواناتھ' بمل گپتا کو بھی بتا چکا تھا۔ رام داس کو بھی تاؤ آ گیا تھا۔ وہ الٹی سیدھی بکواس کرنے لگا تھا۔ دونوں میں تو تو' میں میں ہونے لگی تھی۔ رنجیت اسے مارنے پر تل گیا۔

بمل گپتا تھوڑی دیر تک ان کی زبانی جنگ سنتا اور دیکھتا رہا تھا۔ آخر اس سے برداشت نہ ہو سکا تو وہ چیخ کر بولا۔ ''بس بند کرو' تم سب خودغرض ہو۔ تمہارے اندر کا آدمی مر چکا ہے۔ کاش! میں بھی تمہاری طرح بے حس اور بے ضمیر ہوتا تو تم سب کو گولی مار دیتا' یہ میرے لئے زیادہ آسان ہوتا اس بکواس سننے کے مقابلے میں۔ بس اب تم دونوں خاموش ہو جاؤ' میری کھوپڑی گھوم رہی ہے۔''

بمل گپتا کے چہرے سے اس کے دل کا کرب ظاہر ہو رہا تھا۔ چند لمحوں تک ایک گہرا سکوت چھایا رہا۔ وہ سب دم بخود اور بے حس و حرکت ہو گئے تھے۔

بمل گپتا کی غصے سے سانس پھول رہی تھی۔ جب اس کی سانس قابو میں آئی تو اس نے وشواناتھ سے کہا۔ ''تم نے مجھے جو تفصیلات بتائی ہیں' اس کے مطابق سریتا کو یہیں ہونا چاہیے۔ یہ میرا اندازہ ہے اور میرے اندازے بہت کم غلط ثابت ہوتے ہیں۔''

''سریتا۔ ہمیں یہاں کہاں ملے گی؟'' وشواناتھ نے کہا۔ ''ایک لڑکی کیا پرخطر سفر کر کے اس موت کی وادی میں آ سکتی ہے؟''

''وہ اس لئے یہاں نہایت اطمینان سے آ گئی ہو گی کہ اس کے باپ نے اسے بہت کچھ بتایا اور سمجھایا ہو گا۔'' بمل گپتا نے کہا۔ ''اور پھر یہ ایک چھوٹی سی وادی ہے۔ میرے خیال میں وہ ڈھونڈنے پر یقیناً کہیں نہ کہیں مل جائے گی' کیوں نہ ہم اسے تلاش کر کے دیکھیں۔''

بمل گپتا کا اندازہ درست نکلا تھا۔ وہ لوگ قیام کے لئے جگہ تلاش کر رہے تھے کہ انہیں سریتا مل گئی۔

جب انہوں نے سریتا کو دیکھا تو وہ مبہوت سے ہو گئے' جیسے سریتا نے اس پر کوئی سحر پھونک دیا ہو۔

وہ ایک نوخیز کلی تھی' معصوم اور بھولی بھالی۔ اس نے شہر میں آنکھ ضرور کھولی تھی' مگر مسموم فضاؤں سے پاک جنگل کے پرفضا ماحول میں پلی بڑھی تھی' جس نے اس کے حسن کو نکھار دیا تھا۔

پہلے تو وہ انہیں دیکھ کر ڈر گئی' مگر جلد ہی بمل گپتا کے نرم اور شفقت آمیز سلوک نے اسے مطمئن کر دیا' تب وہ ان میں گھل مل گئی۔

رسمی اور بناوٹ کی باتیں اسے بالکل نہیں آتی تھیں' نہ اس کی طبیعت میں ریاکاری تھی اور نہ ہی منافقت۔ اس کی طبیعت میں جتنی سادگی تھی۔ اتنی ہی معصومیت بھی تھی۔ اس قدر بھولی بھالی بھی تھی کہ یقین نہ آتا تھا کہ کوئی لڑکی اتنی بھولی بھالی بھی ہو سکتی ہے۔ یہ سادگی' پرکاری اور بے ریائی جنگل کی پرورش کا بیش بہا اور نادر تحفہ تھا۔

گوپال کے طیارے کو جس وقت حادثہ پیش آیا' اس کی عمر گیارہ برس تھی۔ اس کے ماں باپ دنیا سے رخصت ہو گئے تھے' بچنے والوں میں پانچ مرد تھے' ان میں سے دو زخمی تھے جو کچھ دنوں کے بعد زندگی سے محروم ہو گئے۔ باقی تین نے اس کی پرورش کی تھی۔ اسے ہر وہ چیز دینے کی کوشش کی تھی جو اس ویرانے میں کوئی اپنی بیٹی کو دے سکتا تھا۔ وہ اس کی محبت کی گھنی چھاؤں میں بہت خوش تھی۔

سریتا' کچھ عرصے بعد اپنے ماں باپ کی دائمی جدائی کو بھول گئی تھی کیونکہ ان لوگوں نے اسے والدین کا پیار دیا تھا۔ اتنا خیال رکھا کہ اس نے کبھی ان کی جدائی محسوس نہیں کی۔ جو خلا تھا وہ انہوں نے بھر دیا تھا۔ وہ ہنسی خوشی ان کے ساتھ رہنے لگی تھی۔

تباہ شدہ طیارے کے ملبے میں ان زندہ بچ جانے والوں کی ضرورت کی کافی چیزیں مل گئی تھیں۔ باقی انہوں نے جنگل سے حاصل کر لی تھیں۔ پھر انہوں نے رہائش کے لئے ایک جھونپڑی بنالی تھی' جس پر گھاس پھونس سے چھپر بھی ڈال لیا تھا۔ کپڑوں کا بھی کوئی مسئلہ نہ رہا تھا۔ انہیں طیارے کے ملبے سے مل گئے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے شکار کئے گئے جانوروں کی کھالیں بھی استعمال کی تھیں۔

سریتا کو مہذب دنیا سے روشناس کرانے کا مسئلہ بھی نہیں رہا تھا' کیونکہ ملبے سے جو اخبار اور رسائل ہاتھ لگے' ان میں بہت سے رسائل باتصویر بھی تھے۔ ان کی مدد سے سریتا کو مہذب دنیا سے متعارف اور واقفیت کرانے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ اشد ضروری تھا۔

سریتا پر سب سے زیادہ توجہ گوپال نے دی تھی' اس نے سب سے زیادہ محنت کی تھی۔

ایک دن جب گوپال اچانک غائب ہو گیا تو اسے بڑا صدمہ ہوا تھا۔ وہ کئی دنوں تک اسے یاد کر کے روتی رہی تھی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ گوپال اچانک کہاں چلا گیا۔ اس نے اسے اور اس بوڑھے کو بھی کچھ نہیں بتایا تھا جو ساتھ تھا۔ اس بوڑھے نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ شاید کسی پہاڑی پر گیا ہوگا' کسی کام سے' وہاں سے پھسل کر ختم ہو گیا ہوگا۔

اس کے پاس ایک ضعیف شخص رہ گیا تھا۔ اس نے بڑی حد تک گوپال کی کمی اور غم دور کر دیا تھا۔ لیکن یہ محبت زیادہ دنوں تک نہ رہ سکی تھی' کیونکہ ان کا ایک اور ساتھی ہیرے کی کان میں پراسرار طور پر ہلاک ہو گیا تھا۔ اس کی موت کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی تھی' جبکہ وہ بھلا چنگا ہیرے کی کان میں گیا تھا۔ بوڑھا بھی اس کی موت پر بڑا حیران اور پریشان تھا۔ اسے ہیرے کی کان سے خوف آنے لگا تھا۔ اس بوڑھے کے خیال میں اس کان میں کوئی بدروح ہے جس نے اس شخص کو ہلاک کر دیا۔ بہر حال اس کی موت معمہ بن گئی تھی۔

اس بوڑھے کی زندگی اس کے لئے بڑی غنیمت تھی' لیکن دو ماہ پیشتر سریتا کا وہ بوڑھا ساتھی بھی ہمیشہ کے لئے اس سے رخصت ہو گیا۔

سریتا نے گوپال اور اس کے ساتھیوں کی طرح گزرتے وقت کی گنتی جاری رکھی تھی۔ وہ روز صبح بیدار ہو کر سب سے پہلے ایک بوسیدہ سے پرانے کیلنڈر پر نشان لگا دیتی تھی۔ یہ کام بوڑھا انجام دیتا چلا آ رہا تھا جس سے سریتا نے سیکھ لیا تھا۔

جب اسے گوپال اور دوسرے لوگ یاد آئے تو اس کی کٹیلی آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔ بمل گپتا نے ان آنسوؤں کو رومال میں جذب کر کے کہا۔ ”سریتا بیٹی! اب تمہیں آنسو بہانے کی ضرورت نہیں' ہم تمہارا خیال رکھیں گے۔“

”آپ لوگوں کو میں نے بہت دور سے ہی دیکھ لیا تھا۔“ سریتا نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ”دل میں خوفزدہ تھی کہ نہ جانے آپ لوگ کون ہیں؟ کیسے ہیں؟ کہاں سے اور کیسے آ گئے؟ جبکہ وادی سے باہر جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ گوپال اور میرے سرپرستوں نے بہت کوشش کی تھی یہاں سے نکل جانے کی۔ انہیں کوئی راستہ ہی نظر نہیں آیا تھا۔ وہ اس وادی میں قید ہو کر رہ گئے تھے۔“

”اچھا اب تم اپنی پوری کہانی سناؤ۔“ بمل گپتا نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ”تمہاری کتھا بڑی دکھ بھری ہے۔“

سریتا بتانے لگی کہ اس پر تنہائی بہت شاق گزرتی تھی۔ گزشتہ ساٹھ دنوں میں وہ ایک

طرح سے نیم پاگل سی ہو گئی تھی۔ دن میں کئی بار وہ اپنے ساتھیوں کی سمادھیوں پر جاتی جو جھونپڑے سے کچھ دور بنائی گئی تھیں۔ یہ سمادھیاں اس کے دل میں تھیں۔ وہ ان سمادھیوں پر پھول چڑھاتی اور انہیں یاد کر کر کے دیر تک آنسو بہاتی رہتی۔ آنسو بہانے سے اس کی آتما کو بڑی شانتی ملتی تھی۔

سریتا چاقو کے استعمال میں بہت ماہر ہو گئی تھی۔ اسے گوپال نے تربیت دے کر ماہر بنایا تھا۔ وہ چھوٹے جانوروں کا شکار چاقو ہی سے کر لیتی تھی۔ جب وہ کسی جانور پر چاقو پھینکتی تو اس کا نشانہ خطا نہیں جاتا تھا اور پھر اس کی مدد سے وہ چشمے کے پانی سے مچھلیاں پکڑ لیتی تھی جن کی چشمے میں بہتات تھی۔ اس حصے میں پانی ایک چھوٹی سی جھیل کی شکل میں جمع ہو گیا تھا۔ اسے جانوروں کے گوشت کے مقابلے میں مچھلیوں کا گوشت زیادہ پسند تھا۔ وہ مچھلیوں کو آگ پر بھون کر کھاتی تھی۔

سواری کے لئے وہ خچر نما جانور استعمال کرتی تھی۔ جنہیں پکڑنے اور انہیں سدھانے میں اسے زیادہ وقت پیش نہیں آتی تھی۔

”سریتا۔ ہماری کسی مدد کے بغیر بھی برسوں اس وادی میں رہ سکتی ہے۔“ بمل گپتا نے تعریفی انداز میں اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”وہ جس طرح اور جن حالات میں زندگی گزار رہی ہے۔ اس کی جگہ کوئی مرد ہوتا تو شاید اس طرح کی زندگی نہ گزار پاتا۔ یہ بڑی بات ہے کہ اس نوجوان لڑکی نے حالات سے سمجھوتا کر لیا۔ بہر حال یہ ایک عظیم اور مثالی لڑکی ہے۔ اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔“

بمل گپتا نے یہ بات اس وقت کہی تھی' جب سریتا پانی بھرنے چشمے پر گئی ہوئی تھی۔ وہ ڈول نما برتن میں پانی بھر کے لاتی اور جھونپڑے کے سامنے بنے ہوئے حوض میں پلٹ دیتی۔ یہ حوض مٹی اور پتھروں کی مدد سے یقیناً گوپال اور اس کے ساتھیوں نے بنایا ہوگا۔

”مگر گوپال' سریتا کو یہاں چھوڑ کر کیوں چلا گیا؟“ وشواناتھ نے سوال کیا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ سریتا کو سگی بیٹی سے بھی بڑھ کر چاہتا تھا۔ کیا اس نے ایک طرح سے خودغرضی نہیں دکھائی؟ اس بے چاری پر اس نے کتنا بڑا ظلم کیا۔“

”میرا خیال ہے کہ اسے وادی سے باہر نکلنے کا راستہ اتفاقاً معلوم ہو گیا ہوگا۔“ بمل گپتا نے جواب دیا۔ ”یہ ہم سب نے ہی دیکھ لیا ہے کہ وادی میں داخل ہونے کے لئے کسی تنہا آدمی کی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی' چنانچہ اس کوشش میں ناکام ہو کر گوپال اپنے ملک کسی نہ

کسی طرح پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر اس کے لئے وادی میں لوٹ جانے کا تصور روح فرسا بن گیا یا پھر وہ منصوبہ بندی کر رہا ہو گا۔"

"اور وہ اس خطرناک، خوفناک اور گھنے جنگل سے کیسے اور کس طرح اکیلا نکل گیا؟" رنجیت نے کہا۔ "یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے۔"

"اس نے ایک دو نہیں بلکہ پورے پانچ برس جنگل کی خاک چھانی تھی۔" بمل گپتا بولا۔ "جنگل اور اس کے اسرار اس کی نس نس میں بس گئے ہوں گے اور پھر قسمت نے اس کا ساتھ دیا ہو گا یا پھر جنگل کی آبادی کے کسی آدمی نے ترس کھا کر اسے کیٹو پہنچا دیا ہو گا؟"

"لیکن اس کے پاس جو لعل تھا، کیا اس سے اس شک کو تقویت نہیں پہنچتی کہ وہ دانستہ یہاں سے فرار ہو گیا۔" وشواناتھ نے کہا۔ "شاید اس لئے کہ وہ اپنے ملک سے کسی کو ہمراہ لے کر آئے تاکہ خزانے پر ہاتھ صاف کیا جا سکے۔"

"نہیں، یہ بات نہیں۔" بمل گپتا نے نفی میں سر ہلایا۔ "شاید وہ لعل اس کی جیب میں کسی وجہ سے پڑا رہ گیا ہو گا۔ اسے وادی سے ساتھ لانے میں ارادے کو یقیناً دخل نہیں رہا ہو گا۔ اگر اس کا ایسا کوئی ارادہ ہوتا تو وہ سریتا اور اپنے دونوں ساتھیوں کو بھی ساتھ لے جاتا۔"

"اس نے سریتا اور اپنے ساتھیوں کو اس لئے ساتھ نہیں لیا ہو گا کہ سفر بڑا کٹھن اور دشوار گزار ہو گا؟" پرساد نے کہا۔

"یہ بات میرا دل قبول نہیں کرتا۔" بمل گپتا نے کہا۔ "ویسے معاملہ بے حد الجھا ہوا اور ناقابل فہم ہے۔"

"کیا اس کے ذہن میں واپسی کا کوئی پروگرام تھا کہ اس نے نقشہ بنایا؟" وشواناتھ بولا۔ "کیا وہ نقشے کے بغیر نہیں آ سکتا تھا؟"

"شاید گوپال میں تنہا واپسی کی ہمت نہیں رہی ہو گی۔" بمل گپتا بولا۔ "وہ کسی کو ساتھ لے جانا چاہتا ہو گا۔ اس لئے اس نے نقشہ بنایا کہ کہیں وہ راستہ نہ بھول جائے۔ یہ بات ماننا پڑے گی کہ گوپال نے نقشہ بنانے میں اپنی قوت مشاہدہ کا خوب فائدہ اٹھایا تھا۔ اس لئے ہمیں وادی تک پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔"

اسی وقت سریتا پانی کا ڈول لئے ہوئے ان کے سامنے سے گزری۔ وہ پانی سے بھرا ڈول حوض میں پلٹ کر پھر چشمے کی طرف چلی گئی۔

"ایشور نے دنیا میں کیسی پیاری پیاری چیزیں بنائی ہیں۔" رنجیت نے سریتا پر ایک

اچٹتی سی نگاہ ڈال کر کہا۔

بمل گپتا نے اسے گھور کر دیکھا، پھر چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں تمہاری آنکھوں میں میلا پن دیکھ رہا ہوں، لیکن ایک بات یاد رکھنا، سریتا نے اس جنگل میں پورے پانچ برس گزارے ہیں۔ وہ ہر قسم کے درندے کا مقابلہ کر سکتی ہے اور پھر اس نے کیا کہا، تم نے سنا نہیں۔؟ وہ چاقو میں بڑی مہارت رکھتی ہے۔ جب وہ جانوروں اور مچھلیوں کو چاقو سے شکار کر سکتی ہے تو آدمی کو شکار کرنا کون سا مشکل ہو گا اور ہاں۔ میری یہ بات غور سے سن لو۔ اگر تم میں سے کسی نے بھی اسے بری نیت سے ہاتھ لگایا تو مجھے یقین ہے کہ وہ نقصان اٹھائے گا۔ اگر وہ سریتا کے ہاتھ سے بچ نکلا تو میرے ہاتھ سے نہ بچ سکے گا۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

بمل گپتا کے لہجے میں کچھ ایسی سفاکی اور بے رحمی تھی کہ سننے والوں کو اپنے جسم میں کپکپی دوڑتی محسوس ہوئی۔ وہ لرز کر رہ گئے۔

"ہم یہاں جس چیز کی تلاش میں آئے ہیں۔ وہ حاصل کرتے ہی واپس چل دیں گے۔" رنجیت نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ اسے بمل گپتا کی وارننگ زہر لگی تھی۔ "ہم یہاں پکنک منانے یا وادی کا نظارہ کرنے نہیں آئے ہیں۔ اب شبھ کام میں دیر کس لئے ہو رہی ہے؟"

"یہی بہتر ہو گا۔" بمل گپتا نے جلدی سے کہا۔

"جلد سے جلد کان سے پتھر نکالو، جتنا نکال سکتے ہو نکال لو اور چلتے پھرتے نظر آؤ۔ اس لئے بھی ہمیں یہاں سے جلد چل دینا چاہیے کہ رام داس کے زخم پک رہے ہیں۔ اسے جلد سے جلد معقول طبی امداد کی سخت ضرورت ہے، ورنہ اس کے لئے ایک نئی مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔"

جب سریتا پانی بھر کے فارغ ہوئی تو رنجیت نے اس کے پاس جا کر کہا۔ "تم ہیرے کی کان کا پتا بتاؤ، وہ کہاں واقع ہے؟"

اس کی بات سنتے ہی سریتا نے ایک جھرجھری سی لی اور کانوں کو ہاتھ لگا کر سر ہلایا۔ "نہ بابا نہ۔ اس کا پتا نہ پوچھو۔"

"وہ کیوں؟" رنجیت نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا وہ کان یہاں سے بہت دور ہے یا تم بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی ہو؟"

"نہیں، نہیں۔ یہ بات نہیں۔" سریتا نے خوفزدہ لہجے میں جواب دیا۔ "گوپال بابا کہتے

تھے کہ وہ نہ صرف بہت خراب بلکہ منحوس جگہ ہے۔ بابا نے غلط نہیں کہا تھا۔ اشوک بابا کا دیہانت وہیں ہوا تھا۔ اشوک بابا کان کے اندر گئے' دیکھا اشوک بابا اس سنسار سے روٹھ کر چل دیئے ہیں۔ ان کی موت کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ مجھے ایسا لگا تھا جیسے اندر کوئی بدروح تھی جس نے اشوک بابا کا گلا دبا کر ابدی نیند سلا دیا تھا۔ پھر اس روز کے بعد سے ادھر کوئی نہیں گیا تھا اور وہاں۔ میں تمہیں وہاں جانے نہیں دوں گی' ورنہ وہ بدروح تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑے گی۔"

"تم ہماری چنتا نہ کرو۔" رنجیت اس کی باتیں سن کر بری طرح جھنجلا گیا تھا۔ "بس تم اتنی دیا کرو کہ اس کا راستہ بتلا دو۔"

"کیا تم میری بات کا یقین نہیں کر رہے ہو؟" سریتا معصومیت سے بولی۔ اس کے حسین چہرے پر گہرے ملال کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔

"ہاں۔" رنجیت نے سر ہلایا۔ اس کے لہجے میں تلخی تھی۔ "میں ان فضول باتوں پر یقین نہیں کرتا' نہ کسی بدروح سے ڈرتا ہوں۔"

"تم خود ہی کیوں نہیں تلاش کر لیتے؟" بمل گپتا نے برافروختہ ہو کر کہا۔ "یہ وادی اتنی بڑی نہیں ہے کہ تمہیں اس کان کو تلاش کرنے میں دشواری پیش آئے' وہ دور سے ہی نظر آ جائے گی۔ یہ غریب حوض میں پانی بھر کے تھک گئی ہے۔"

"نہ بابا نہ۔ آپ اس پر ناراض نہ ہوں۔" سریتا نے فوراً ہی بمل گپتا سے کہا۔ "میں کوئی تھکی ہوئی تھوڑی ہوں اور پھر وہ جگہ زیادہ دور بھی نہیں ہے' میں انہیں ابھی اور اسی وقت دکھائے دیتی ہوں۔ چلئے میرے پیچھے پیچھے آئیں۔"

سریتا نے اسی وقت رنجیت اور اس کے ساتھیوں کو اس طویل قدرتی غار تک پہنچا دیا تھا۔ وہ خواب کی سی حالت میں اسے دیکھنے لگے۔ اس غار کی اندرونی دیواروں میں قیمتی پتھر پیوست تھے' لیکن ان پتھروں کو دیوار سے الگ کرنا بہرحال ایک دشوار گزار کام تھا۔ مناسب اوزار نہ ہونے کی وجہ سے ایک ایک پتھر الگ کرنے کے سوا چارہ نہ تھا اور یہ کام کافی وقت لیتا۔

چونکہ یہ پتھر بہت قیمتی تھے۔ اس لئے وہ محنت اور مشقت سے جی چرانے سے رہے۔ کئی دن رنجیت' وشواناتھ اور پرساد نے غار کی دیواروں کو کھرچ کھرچ کر ہیرے نکالنے میں صرف کئے۔ ان کا معمول تھا کہ وہ سویرے بیدار ہو کر کان میں گھس جاتے اور صرف اس وقت باہر

آتے جب انہیں بڑے زور کی بھوک لگتی۔ شام کو جب وہ لوٹتے تو تھکن سے اتنے چور اور نڈھال ہوتے کہ ان کا جوڑ جوڑ درد کر رہا ہوتا۔ وہ بستر پر پڑتے ہی نیند کی آغوش میں چلے جاتے' پھر انہیں کسی بات کا ہوش نہیں رہتا تھا۔

یہ بستر' فرش پر نرم سوکھی گھاس بچھا کر کھالوں اور بوسیدہ ترپال سے ترتیب دیئے گئے تھے۔ اس ویرانے میں بہت آرام دہ محسوس ہوتے تھے۔

ادھر سوامی' سریتا اور بمل گپتا' رام داس کی دیکھ بھال میں لگے رہتے یا اپنی اور اپنے ساتھیوں کی خوراک کا بندوبست کرنے میں وقت گزار دیتے۔ انہیں ان ہیروں کی کوئی فکر نہیں تھی' اس لئے کہ یہ ہیروں کی کان تھی۔ بمل گپتا اس بات کو جانتا تھا کہ وشواناتھ اور اس کے ساتھی کتنے ہیرے نکال پائیں گے۔ یہ تو ہیروں کا ایک پہاڑ تھا۔ انہیں بعد میں بھی نکالا جا سکتا تھا۔ یہ کہاں بھاگے جا رہے تھے؟

بمل گپتا کو ہیروں سے زیادہ رام داس کی فکر تھی۔ اسے بڑی تشویش تھی کیونکہ اس کے زخم خراب ہوتے جا رہے تھے۔ دواؤں کے بغیر سڑ جانے والے ان زخموں کا کوئی علاج نہ تھا۔ رام داس کی دونوں ٹانگوں کے نچلے حصے گنگرین کا شکار ہو گئے تھے۔

"گنگرین۔ اعصابی ریشوں کی موت کا نام ہے۔" بمل گپتا نے بڑی سنجیدگی سے رام داس کو بتایا۔

اس وقت رام داس کا چہرہ بخار کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا۔ یہ سن کر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔

"کیا اس کا کوئی علاج نہیں ہے؟" رام داس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔ "کیا اس وادی میں زخم مندمل کر دینے والی جڑی بوٹیاں نہیں ہوں گی؟"

"صرف اس کا ایک علاج ہے۔" بمل گپتا نے جواب دیا۔ "اگر فوراً ہی متاثرہ حصوں کو کاٹ کر جدا نہ کیا گیا تو مرض پورے جسم میں پھیل جانے کا اندیشہ ہے' جس کا صاف اور واضح مطلب موت۔ موت کے سوا کچھ نہیں۔"

"تو کیا۔ میری دونوں ٹانگیں۔؟" رام داس کی آواز اس کے حلق میں اٹک گئی اور وہ موت کے خوف سے لرز اٹھا۔ اپاہج ہونے کا تصور اتنا ہی کرب انگیز تھا کہ وہ اپنا جملہ پورا نہ کر سکا۔ بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔

"اور ہاں۔" بمل گپتا نے دبی زبان میں کہا۔ "میں تمہیں اندھیرے میں رکھنا نہیں

چاہتا' اس لئے یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ اس کے باوجود تم زندہ بچ جاؤ گے۔ ایشور سے پراتھنا کرو۔ وہ شاید تمہیں نئی زندگی دے دے۔ اس سے مایوس نا ہونا۔"

"اس زندگی سے کہیں بہتر ہے کہ میں مر جاؤں۔" رام داس نے بے اختیار ہو کر کہا۔ "بھلا معذوری' محتاجی کی زندگی بھی کوئی زندگی ہوتی ہے؟"

مگر موت کا تصور معذور ہونے کے تصور سے کچھ زیادہ ہی بھیانک رہا ہوگا۔ شاید اسی لئے رام داس ایک گھنٹے تک ذہنی کرب اور اذیت سے دوچار رہا۔

ایک گھنٹے کے بعد اس نے بمل گپتا سے کہا۔ "میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ میری دونوں ٹانگیں کاٹ دو دیا مجھے۔ میں اف نہ کروں گا۔"

دوپہر کو رنجیت' وشواناتھ اور پرساد ہیرے سمیٹ کر کھانا کھانے آئے تو انہوں نے محسوس کیا کہ جھونپڑے میں بھونچال آیا ہوا ہے۔ سریتا پانی گرم کرنے میں لگی ہوئی تھی۔ سوامی چھریاں تیز کر رہا تھا۔ بمل گپتا' رام داس کے جسم کے مختلف حصوں میں مارفین کے بچے کھچے انجکشن لگا رہا تھا۔ ایک عجیب سا ماحول ساری تھا جو ان کی سمجھ سے باہر تھا۔

ان تینوں میں سے کسی نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی' چونکہ انہیں اس وقت بڑے زور کی بھوک لگی تھی۔ اس لئے انہوں نے ایک طرف رکھے ہوئے پھلوں سے پیٹ بھرا' پھر وشواناتھ کو اچانک احساس ہوا تو اس نے اپنے ساتھیوں کو واپس جانے سے روک لیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وشواناتھ کے دریافت کرنے پر بمل گپتا نے انہیں تمام صورتحال سے آگاہ کیا' تب انہوں نے بڑے خلوص اور انسانیت کے جذبے سے بمل گپتا کو اپنی خدمات پیش کیں۔ بمل گپتا کو بڑی خوشی ہوئی۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ ان کے دلوں میں ذرہ بھر بھی کھوٹ نہیں ہے۔ اس نے ان کی خدمات قبول کرتے ہوئے ہر ایک کو کوئی نہ کوئی کام سونپ دیا۔

"وشواناتھ!" بمل گپتا نے کہا۔ "ہم لوگ فہرست بناتے وقت ایک بات بھول گئے۔ کاش! اسے فہرست میں شامل کر لیتے۔"

وشواناتھ نے حیرت سے پوچھا۔ "کون سی چیز ہم ساتھ لانا بھول گئے اور اس کا فہرست میں اندراج نہیں کیا؟"

"برانڈی۔" بمل گپتا نے جواب دیا۔ "اس وقت اس کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔" وہ کف افسوس ملنے لگا۔

"برانڈی کا کیا کام؟" وشواناتھ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "کیا آپ کو اس وقت اس کی طلب محسوس ہو رہی ہے؟"

"اس کی بہت ضرورت تھی۔" بمل گپتا کہنے لگا۔ "مجھے اس کی طلب محسوس نہیں ہو رہی۔ بات یہ ہے کہ چھریوں کو جراثیم سے پاک کرنے کیلئے آگ اور الکحل سے بہتر کوئی چیز نہیں' یہ جراثیم سے پاک کر دیتے ہیں۔" بمل داس نے اتنا کہہ کر چھریوں کو آگ پر رکھ دیا۔

سریتا جو قریب کھڑی ہوئی ان کی باتیں سن رہی تھی' اس نے کہا۔ "بمل بابا! آپ پریشان نہ ہوں' آپ کی مشکل میں حل کئے دیتی ہوں۔"

"کیا؟" بمل گپتا نے حیرت اور خوشی سے بھرے لہجے میں کہا۔ "سریتا! تم واقعی سچ کہہ رہی ہو' یقین نہیں آ رہا؟"

"بمل بابا! بات یہ ہے کہ گوپال بابا اور ان کے ساتھیوں کو شراب کی کئی بوتلیں ملی تھیں۔" سریتا کہنے لگی۔ "کون سا ایسا مسافر طیارہ ہے جس میں شراب نہ ہوتی ہو۔ گوپال بابا نے انہیں اٹھا کر کسی ضرورت کے پیش نظر محفوظ کر لی تھیں' وہ چونکہ شراب نہیں پیتے تھے اور نہ ان کے ساتھی' اسی لئے وہ بوتلیں ابھی تک موجود ہیں لیکن وہ بس تین بوتلیں ہیں۔ بہت ساری بوتلیں ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔ گوپال بابا ٹھیک کہتے تھے' جانے کب اور کس وقت ان کی ضرورت پڑ جائے' میں ابھی لاتی ہوں۔"

چند لمحوں کے بعد سریتا نے شراب کی تین بوتلیں لا کر بمل گپتا کے سامنے رکھ دیں۔ "یہ لیجئے بمل بابا۔"

شراب کی بوتلیں دیکھ کر بمل گپتا کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس نے ان تینوں بوتلوں کو دیکھا جو بھری ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک قطرہ بھی کسی نے پیا نہیں تھا۔ یہ نہ صرف بہت نفیس اور عمدہ قسم کی تھیں بلکہ بہت پرانی بھی تھیں۔ بمل گپتا کے علم میں یہ بات تھی کہ شراب جتنی پرانی ہوتی ہے' اتنی ہی اچھی ہوتی ہے۔ اس کی ایک بڑی مشکل حل ہو گئی تھی۔

رنجیت نے للچائی ہوئی نظروں سے اسکاچ کی پرانی بوتل کو دیکھا۔ اس کے منہ میں پانی بھر گیا۔ گو وہ عادی شراب نوش نہیں تھا' لیکن جب بھی اسے موقع ملتا' پی لیتا تھا۔ اسکاچ تو اسے بہت پسند تھی۔ اسے یقین نہیں آیا تھا کہ یہاں اسکاچ ہو گی۔

بمل گپتا نے صرف ایک بوتل استعمال کے لئے رکھ لی' باقی دو بوتلیں واپس کر دیں تو سریتا انہیں اٹھا کر لے گئی۔ اس نے وہیں ان بوتلوں کو لے جا کر رکھ دیا جہاں سے وہ لائی تھی۔

وہ اس بات پر بہت خوش تھی کہ آج یہ بوتلیں کام آ گئیں۔

رنجیت کی نگاہ نے اس کا آخر تک پیچھا کیا تھا اور اس نے طے کر لیا تھا کہ موقع ملتے ہی وہ کم سے کم اسکاچ کی ایک بوتل ضرور اڑا لے گا۔ اسے پینے کے بعد اس میں پانی بھر کے رکھ دے گا۔ اسکاچ کی اس بوتل نے اس کا چین حرام کر دیا تھا۔ اس نے وشواناتھ اور پرساد کو اسکاچ کی بوتل کے بارے میں اعتماد میں نہیں لیا۔ اس کا موقع نہیں تھا اور نہ ہی وہ اس میں سے کسی کو حصہ دینا چاہتا تھا۔

تپتی چھریوں کو شراب سے بجھانے کے بعد گویا آپریشن کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔

رنجیت اور وشواناتھ نے رام داس کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ پرساد اور سوامی گرم پانی اور دوسری اشیاء لا کر بمل گپتا کو دینے پر مامور ہوئے۔ سریتا کو دانستہ پانی گرم کرنے پر لگا دیا گیا تاکہ وہ جھونپڑے سے باہر ہی رہے۔ آپریشن کے دل خراش منظر کو دیکھنے نہ پائے۔

یہ بمل گپتا کا ہی دل گردہ تھا کہ اس نے بڑی ہمت سے کام لیا تھا اور کسی سرجن کی طرح رام داس کی ایک ٹانگ گھٹنے سے اوپر اور دوسری گھٹنے سے ذرا نیچے کاٹ کر جدا کی۔ رام داس نے بعد میں جب ایک ہسپتال میں تجربے کار ڈاکٹروں کو بمل گپتا کے آپریشن کے بارے میں بتایا اور انہوں نے معائنہ کرنے کے بعد کہا کہ ان حالات میں بمل گپتا سے بہتر کام شاید ہی کوئی ترتیب یافتہ سرانجام دے سکتا۔

رام داس نے چھری چلتے ہی چیخنا شروع کر دیا تھا۔ سریتا اس کی پہلی ہی چیخ پر اندر گھس آئی تھی۔ بمل گپتا کے منع کرنے کے باوجود وہ کمرے سے باہر نہیں گئی۔ اس نے ایک نرس اور ڈاکٹر کی طرح پورا آپریشن دیکھا تھا جبکہ پرساد غش کھا گیا تھا۔ وشواناتھ نے زیادہ عرصے تک اپنی آنکھیں بند رکھی تھیں۔ بمل گپتا کو اندازہ نہ تھا کہ سریتا اس قدر مضبوط اعصاب کی مالک ہے۔

اس آپریشن کے بعد رام داس کی دیکھ بھال کی تمام ذمے داری سریتا نے ایک سند یافتہ نرس کی طرح سنبھال لی تھی۔ وہ بڑی مستعدی اور بڑے جذبے اور خلوص سے رام داس کی سیوا کرنے لگی تھی جیسے اس کا رام داس سے کوئی رشتہ ناتا ہو۔ وہ جنگلی جڑی بوٹیوں کو کاٹ کر لیپ تیار کرتی اور رام داس کی کٹی ہوئی ٹانگوں کو صاف کر کے اس پر یہ لیپ لگا دیتی۔ رام داس کا خیال تھا کہ اگر وہ کسی ہسپتال میں زیر علاج ہوتا تو شاید ہی کوئی نرس اس کا اتنا خیال رکھتی اور سیوا کرتی۔ سریتا نے اس کا دل جیت لیا تھا۔

دواؤں کی کمی کے باعث بمل گپتا کو یہ خدشہ تھا کہ شاید نئے زخم پک نہ جائیں مگر سریتا کی توجہ اور کوششوں سے رام داس کا بخار اگلے دن ٹوٹ گیا تھا اور پھر زخم تیسرے دن بھرنے لگے تو بمل گپتا نے سکون کا سانس لیا۔

اس اثناء میں دو مرتبہ ہیرے کی کان گڑگڑاہٹ سے لرز کر رہ گئی۔ بالکل زلزلے کی سی کیفیت تھی۔ انہوں نے اشوک بابا کی پراسرار اور المناک موت کے بارے میں سن رکھا تھا۔ سریتا نے یہ بھی کہا تھا کہ اس کان میں بدروح نے بسیرا کیا ہوا ہے۔ انہوں نے سریتا کی بات کو جو بدروح سے متعلق تھی' سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔

جب وہ کان میں تھے تو پہلے ہی جھٹکے پر رنجیت اور اس کے ساتھی بھاگ کر کان سے نکل آئے تھے۔

دوسری مرتبہ کان میں گھسے تھے تو کچھ زیادہ ہی اندر چلے گئے تھے۔ اس لئے انہیں باہر آنے میں چند لمحوں کی دیر لگی تھی۔ پرساد جو پیچھے تھا' گویا وہ موت کے منہ سے نکل تو آیا تھا۔ اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اس نے اس شدت کی تکلیف محسوس کی تھی کہ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔ بدن میں لہو خشک ہونے لگا تھا۔ وہ کس مشکل سے کان سے باہر آیا' یہ اس کا دل ہی جانتا تھا۔

جب اس نے باہر آ کر کھلی فضا میں لمبے لمبے سانس لئے تو تب کہیں جا کر اس کی حالت قابو میں آئی تھی۔

"میں نے اشوک بابا کی پراسرار موت کا راز معلوم کر لیا ہے۔" رنجیت نے کہا۔ "ان کا گلا کسی بدروح نے نہیں دبایا تھا۔"

"وہ کیسے؟" پرساد نے تجسس سے دریافت کیا۔

"کان کا عقبی حصہ یقیناً کبھی کسی آتش فشاں کا حصہ رہا ہوگا۔" رنجیت نے جواب دیا۔ "جو فی الحال دبا ہوا ہے۔"

"اس بات کا اندازہ تم نے کیسے لگایا؟" وشواناتھ بولا۔ "اس کے عقب میں جو پہاڑ ہے کیا اس سے' کہ وہ آتش فشاں رہا ہوگا؟"

"کبھی کبھی جب آتش گیر مادے کا دباؤ بڑھ جاتا ہے تو زلزلے کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔" رنجیت نے کہا۔ "زہریلی گیس غار میں بھر جاتی ہے۔ اشوک بابا چونکہ کان کے کافی اندر چلے گئے ہوں گے' زہریلی گیس نے انہیں موت کے منہ میں دھکیل دیا۔ اتنی سی بات کسی کی سمجھ میں نہ آ

سکی۔ ان کی موت کو پراسرار قرار دے دیا گیا۔ وہ دراصل دم گھٹنے کی وجہ سے مرے تھے۔"

"ممکن ہے تمہارا خیال صحیح ہو۔" بمل گپتا نے اس کی تائید کی۔ "غار میں دوسری سمت بھی کوئی سوراخ ہے' شاید تمہاری نگاہ اس پر پڑی ہو گی۔ اس سوراخ کی وجہ سے ہوا کا خاصا گزر ہے اور گیس ہوا کے ساتھ باہر نکل جاتی ہے۔ میں نے اس سوراخ سے بھی اندازہ لگایا۔ اس لئے کان میں ہر وقت زہریلی گیس موجود نہیں ہوتی۔"

* * *

"ہم نے کافی پتھر جمع کر لئے ہیں۔" رنجیت نے کہا۔ "دو تین دن اور دیکھتے ہیں پھر واپس چلنے کا پروگرام بناتے ہیں۔"

"برسات کا موسم شروع ہونے والا ہے۔" بمل گپتا نے کہا۔ "دیر کی تو واپسی مشکل ہو جائے گی' بلکہ ایک طرح سے ناممکن۔"

"صرف تین دن اور۔" رنجیت، نے کہا۔ "اس سے زیادہ ایک دن بھی نہیں' بارش شروع ہونے میں چھ سات دن تو لگیں گے نا؟"

"تین دن اور کیوں؟" بمل گپتا نے حیرت سے کہا۔ "جبکہ تم بتا رہے ہو کہ تم لوگوں نے کافی پتھر جمع کر لئے ہیں' کیا یہ کافی نہیں ہیں؟"

"اس لئے کہ ہر ایک کے حصے میں اتنے پتھر آ جائیں کہ زندگی سکون اور اطمینان سے گزر سکے۔" رنجیت نے کہا۔ "جب سامنے خزانہ ہے تو اس موقع سے فائدہ کیوں نہیں اٹھائیں۔ یہ بہتی گنگا ہے' اس میں جتنا بھی ہاتھ دھوئیں کم ہے۔"

بمل گپتا کو اس کی بات سخت ناگوار لگی۔ اس کا خیال تھا' تین دن بعد رنجیت اور اس کے ساتھی دو تین دن مزید رکنے کے لئے کہیں گے۔ گویا ان کی ہوس بڑھتی جا رہی ہے۔ ان کا بس چلے تو وہ ساری کان کے پتھر نکال کر لے جائیں جبکہ بہت زیادہ بوجھ اٹھا کر وادی اور جنگل پار کرنا مشکل ہو گا۔ بہر حال کچھ بھی ہو۔؟ بمل گپتا نے یہ سب کچھ سوچتے ہوئے فیصلہ کر لیا تھا کہ انہیں تین دن سے زیادہ کی مہلت کسی صورت میں نہیں دے گا۔

لیکن تیسرے دن اچانک زوردار طوفان آ گیا جو بڑا تباہ کن تھا جبکہ اس کی کوئی توقع نہیں تھی اور نہ ہی موسم ایسا خراب تھا۔

سریتا نے اسے بتایا تھا کہ گزشتہ برسوں میں کبھی ایسا تباہ کن طوفان نہیں آیا تھا۔ وہ پہلی بار ایسا طوفان دیکھ رہی ہے۔

اس دن رنجیت اور اس کے ساتھی وقت سے پہلے جھونپڑے میں لوٹ آئے تھے' کیونکہ انہوں نے کان میں لرزش سی محسوس کی تھی۔ انہوں نے زلزلے کے خوف سے اپنا کام ادھورا ہی چھوڑ دیا تھا۔ جب وہ واپس آئے تو جھونپڑے میں رام داس کے سوا کوئی نہ ملا۔ وہ بے خبر گہری نیند سو رہا تھا۔

موسم بے حد سہانا اور خوشگوار تھا' ٹھنڈی ٹھنڈی اور راحت بخش ہوا چل رہی تھی۔ ڈھلتی دوپہر کی سنہری دھوپ پودوں پر پڑ رہی تھی جس سے منظر بڑا دلفریب سا ہو گیا تھا۔ فضا میں ایک مستی سی چھائی ہوئی تھی۔

اس موسم نے رنجیت کے جب کو لہرا دیا تھا۔ اس نے سریتا کے ذخیرے سے اسکاچ کی بوتل نکال کر کھول لی' چونکہ سریتا موجود نہیں تھی۔ اس لئے وہ خوب جی بھر کے پینا چاہتے تھے۔ بوتل بھی خاصی بڑی تھی۔ اس میں شراب کی مقدار اتنی تھی کہ کئی سیراب ہو سکتے تھے۔ وہ کافی دن بعد پی رہے تھے۔ پرانی شراب جب دماغ کو چڑھی تو وہ تینوں مدہوش ہو گئے۔ انہوں نے خالی بوتل ایک طرف پھینک دی۔

سریتا رات کے کھانے کے لئے مچھلیاں شکار کر کے لوٹی' اس کا لباس بھیگ کر جسم سے چپک گیا تھا۔ لباس تبدیل کئے بغیر چارہ نہیں تھا۔ اسے لباس ہر صورت میں تبدیل کرنا تھا۔ اس نے دیکھا کہ وہ تینوں شراب کے نشے میں دھت پڑے ہیں۔ اس لئے اس نے ان کی پروا کئے بغیر لباس تبدیل کرنا شروع کر دیا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ لوگ اس کی موجودگی سے بے خبر ہیں۔

اسے خطرے کا احساس اس وقت ہوا جب اس نے آہٹ سنی تھی۔ اس نے سرعت سے گھوم کر دیکھا تو اسے یقین نہ آیا۔

وہ رنجیت تھا جو اس کے پاس آ کر غلط نظروں سے دیکھنے لگا۔

سریتا نے تیز لہجے میں کہا۔ "رنجیت! جب تم یہ دیکھ رہے ہو کہ میں لباس تبدیل کر رہی ہوں۔ تم ادھر کیوں آئے؟ کتنی بری بات ہے۔ جاؤ جا کر ادھر بیٹھ جاؤ' یہاں سے ہٹ جاؤ۔"

رنجیت نے ہٹنے کے بجائے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "کتنے سندر اور نازک ہیں یہ ہاتھ۔ میں چاہتا ہوں اسے ساری زندگی تھامے رہوں۔"

سریتا نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کی گرفت سے چھڑا لیا۔ پھر وہ بھاگی لیکن دو قدم چل کر ایک دم ٹھٹک گئی۔

سریتا نے اپنی راہ مسدود پائی کیونکہ وشوا ناتھ اور پرساد اس کا راستہ روکے کھڑے تھے۔ رنجیت نے آگے بڑھ کر پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور زیر زوردار شیطانی قہقہہ لگایا۔ "سریتا! یہ بہت بری بات ہے کہ تم میرا نازک دل یوں توڑ دو۔ جب سے تمہیں دیکھا ہے' دل کا حال بہت برا ہے۔"

سریتا نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑانا چاہا لیکن اس مرتبہ رنجیت کے ہاتھ کی گرفت سخت تھی۔ سریتا نے بے بس پا کر چیخنا شروع کر دیا۔

رام داس جو گہری نیند سو رہا تھا۔ سریتا کی چیخ سن کر بیدار ہو گیا۔ اسے صورتحال سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔ سریتا کی عزت خطرے میں تھی۔

رام داس نے کھڑے ہونے کی کوشش کی تو اسے خیال آیا کہ وہ تو معذور ہے۔ وہ بمشکل دیوار کے سہارے بیٹھنے میں کامیاب ہو سکا۔ اس کے قریب ہی بندوق رکھی ہوئی تھی۔ اس نے کسی نہ کسی طرح کوشش کر کے بندوق اٹھائی' پھر اس نے سانس درست کر کے بندوق سیدھی کی۔ اس کی رگوں میں خون کھولنے لگا تھا۔ اس نے ہذیانی لہجے میں چیخ کر کہا۔

"کتو۔ شیطانو! سریتا کو چھوڑ دو ورنہ میں گولی چلا دوں گا۔ خبردار جو اس کے ساتھ دست درازی کی۔"

پھر اس نے رنجیت اور اس کے ساتھیوں کے جواب کا انتظار کئے بغیر گولی داغ دی۔ وہ جواب کا انتظار کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے کہ معاملہ سنگین ہو رہا تھا۔

اس نے گولی دو باتوں کے پیش نظر چلائی تھی۔ ایک تو اسے امید تھی کہ رنجیت خوفزدہ ہو کر سریتا کا ہاتھ چھوڑ دے گا۔ دوسرے اسے یقین تھا کہ گولی چلنے کی آواز سوامی اور بمل گپتا تک پہنچ جائے گی اور انہیں جھونپڑے تک کھینچ لائے گی جو قریب کے درختوں سے پھل توڑنے گئے ہوئے تھے۔ اسے توقع سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اس کی تدبیر کام آ گئی تھی۔

گولی چلتے ہی رنجیت اچھل کر اس کی طرف سرعت سے پلٹا۔ وشوا ناتھ اور پرساد بھی ایک دم چونک پڑے تھے۔ وہ حیران تھے کہ یہ گولی کس نے چلائی۔ کمرے میں صرف رام داس تھا۔ انہیں ہرگز امید نہیں تھی کہ رام داس ان پر گولی چلانے کی جرأت کرے گا۔

اس لمحے سریتا کو فرار ہونے کی مہلت مل گئی تھی۔ سریتا نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر رنجیت کو اتنے زور کا دھکا دیا کہ وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ فرش پر کسی ٹوٹے دروازے کی طرح گر پڑا تھا۔

سریتا، رنجیت کے گرتے ہی تیزی سے باہر بھاگی۔ رنجیت نے نشے کی جھونک میں رام داس کی پروا نہیں کی۔ وہ خود کو سنبھال کر اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ چیختا چلاتا ہوا سریتا کے تعاقب میں لپکا۔ ''سنو سریتا! اس طرح مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ، ورنہ میں مر جاؤں گا۔''

وشواناتھ اور پرساد بھی اس کے پیچھے بھاگے۔ وہ اس شکار کو کسی قیمت پر ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتے تھے۔ آج ان کی قسمت نے یاوری کی تھی۔ بمل گپتا کی وارننگ اور سوامی کی وجہ سے انہوں نے اس شکار پر جال ڈالنے سے احتراز کیا تھا۔

رام داس نے بندوق سے دو گولیاں اور چلائی تھیں مگر عجلت کے سبب اس کا نشانہ خطا ہو گیا تھا۔ اس نے ان تینوں کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا جو ایک معصوم لڑکی کی عزت کے دشمن ہو گئے، بھیڑیئے بن گئے تھے۔ اس کا دل چاہا تھا کہ وہ ان بدمعاشوں کے پیچھے بھاگے مگر وہ اپنی ٹانگوں کی وجہ سے مجبور تھا۔ وہ اندر ہی اندر کھول کر رہ گیا تھا۔

چند لمحوں کے بعد سوامی اور بمل گپتا گھبرائے ہوئے آئے۔ بمل گپتا کا خیال تھا کہ ان تینوں نے رام داس کو تنہا پا کر شاید ختم کر دیا ہے۔ رام داس کو خیریت سے دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔ رام داس نے جلدی جلدی مختصر الفاظ میں تمام حالات سے آگاہ کیا پھر بمل گپتا اور سوامی ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس سمت میں لپکے جدھر وہ لوگ سریتا کے تعاقب میں گئے تھے۔

بمل گپتا کا خیال تھا کہ سریتا نے یقیناً کان کا رخ کیا ہو گا کیونکہ سریتا کے چھپنے کے لئے وہی محفوظ ترین جگہ تھی۔ کوئی اور جگہ ایسی نہیں تھی، جہاں وہ خود کو محفوظ رکھ سکے۔ اس کا اندازہ درست نکلا تھا۔

جب وہ کان کے دہانے پر پہنچا تو اسے وہاں سریتا دکھائی نہیں دی، لیکن وشواناتھ اور پرساد دکھائی دیئے جو اِدھر اُدھر سے خشک لکڑیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر کان کے دہانے پر جمع کر رہے تھے۔ رنجیت انہیں جلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

سوامی اور بمل گپتا کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی رنجیت کی کوشش بارآور ہو گئی۔ خشک لکڑیاں آگ پکڑ کر تیزی سے بھڑک اٹھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے غار کا دہانہ دہک اٹھا اور دھوئیں کے غبار میں چھپ گیا۔

بمل گپتا نے رنجیت کے پاس پہنچ کر اس کا گریبان پکڑ لیا اور پھر اسے جھٹکے دیتا ہوا کرخت لہجے میں بولا۔ ''سریتا کہاں ہے؟ یہ تم آگ کیوں جلا رہے ہو؟''

''میں نے اسے بہت ڈھونڈا، مگر وہ مجھے نہیں ملی۔ گدھے کے سر کے سینگ کی طرح غائب ہو چکی ہے۔'' رنجیت نے انگلی نچاتے ہوئے جواب دیا۔

''وہ نہیں ملی تو پھر یہ آگ کیوں جلا رہے ہو؟'' بمل گپتا غضبناک ہو گیا۔ ''کہیں وہ کان کے اندر تو نہیں گھس گئی؟''

''ہاں، ہاں۔ تم ٹھیک سمجھے۔'' رنجیت نے سر ہلایا۔ ''ذرا دھواں بھرنے دو، کھانستی ہوئی باہر نکل آئے گی۔ تم دیکھنا۔ وہ اس وقت بھیگے لباس میں ہے۔ تم اسے دیکھو گے تو دیکھتے رہ جاؤ گے۔ بھگوان قسم، اتنی حسین اور۔''

اس کی باتوں نے بمل گپتا کے تن بدن میں آگ لگا دی۔ رام داس نے جو کچھ بتایا تھا۔ وہ اس کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ پہلے ہی سے اس کا خون کھول رہا تھا۔ اس نے رنجیت پر تھپڑوں اور لاتوں کی بارش کر دی۔

ادھر وشواناتھ نے جب رنجیت کی بمل گپتا سے درگت بنتی دیکھی تو وہ ایک دم بھاگ کر آیا، تاکہ رنجیت کو بمل گپتا کے ہاتھوں پٹنے سے بچائے۔ بمل گپتا پر اس وقت خون سوار ہو گیا تھا۔ جنون میں اس نے وشواناتھ کو بھی روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیا۔ اسے اس بات کا افسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنی بندوق لے کر کیوں نہیں آیا۔ اس کے پاس بندوق ہوتی تو وہ ان تینوں کو بھون کر رکھ دیتا۔

اس لمحے انہیں پاؤں کے نیچے زمین لرزتی محسوس ہوئی اور زیر زمین گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ ایسی ہی جیسے زلزلے میں سنائی دیتی ہے۔

بمل گپتا کو جیسے اک دم سے ہوش آ گیا۔ اس نے رنجیت اور وشواناتھ کو لاتیں مار کر ایک طرف ہٹا دیا۔

وہ سرعت سے غار کے دہانے کی طرف مڑا۔ اسے شعلوں کے پیچھے کسی بھاگتے وجود کی ایک جھلک نظر آئی۔ اس نے گھبرا کر ارد گرد دیکھا۔

سوامی غائب تھا۔ بمل گپتا کو خیال آیا کہ جس وقت وہ رنجیت اور وشواناتھ کی درگت بنا رہا تھا، تب سوامی شعلوں کی طرف بڑھا تھا اور وہ شعلوں کی پروا کئے بغیر تیزی سے کان کے اندر دوڑتا چلا گیا تھا۔ وہ ان دونوں سے الجھا ہوا نہ ہوتا تو اسے روک لیتا۔

''سوامی۔ سوامی!'' بمل گپتا بڑے دکھ سے چیخے جا رہا تھا۔

دھماکے سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ موت کا فرشتہ

ان کی طرف بڑھ رہا ہے۔

کان کے دہانے سے آنے والا گرم ہوا کا جھونکا اتنا تیز تھا کہ دہانے پر جلتی ہوئی آگ ایک دم بجھ گئی۔ یہ آگ ایسی تھی کہ جو پانی سے نہیں بجھ سکتی تھی لیکن ہوا نے بھڑکانے کے بجائے اسے بجھا دیا تھا۔ ان کے لئے یہ بڑی حیرت کی بات تھی۔

دیر تک گرتے ہوئے پتھروں کی آوازیں آتی رہی تھیں۔ اردگرد جو غبار تھا' وہ گہرا ہو کر پھیلتا جا رہا تھا۔

بمل گپتا کو سوامی اور سریتا پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ سریتا کہیں اور بھی چھپ سکتی تھی یا پھر چاقو سے ان کا کام کر دیتی یا اس قدر زخمی کر دیتی کہ وہ کسی قابل نہ رہتے۔ پھر سوامی کو کان میں گھسنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا وہ ذرا سا اندر جا کر سریتا کو آوازیں دے کر بلا نہیں سکتا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ان دونوں میں کسی ایک کو بھی کوئی نقصان پہنچا تو ان تینوں کو موت کی نیند سلا دے گا۔ کافی دیر بعد جب گرد بیٹھی تو پتا چلا کہ کان کا بڑا حصہ بیٹھ گیا تھا اور کان بند ہو گئی تھی۔

اندر کسی کے زندہ بچے رہنے کی کوئی امید نہیں تھی۔

* * *

سدھیر نے کئی دن تک رام داس کا کھوج لگانے کی سرتوڑ کوشش کی لیکن اس مرتبہ ایسا لگتا تھا کہ رام داس نے جیسے شہر ہی نہیں بلکہ ملک ہی چھوڑ دیا ہو یا پھر کسی چوہے کی طرح بل کھود کر اس میں گھس گیا ہو۔

چونکہ وہ ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں تھا۔ اس لئے ہمت نہیں ہاری۔ اس نے بھی تہیہ کیا ہوا تھا کہ وہ رام داس کو تلاش کئے بغیر نہیں رہے گا۔ وہ دنیا کے کسی بھی کونے میں کیوں نہ ہو' تلاش کر کے رہے گا۔ اس کا خیال تھا کہ رام داس زیادہ دیر تک چھپ کر بیٹھ نہیں سکتا' کیونکہ اس کا بہت بڑا کاروبار فی الحال تو اس کے ملازمین سنبھالے ہوئے تھے' مگر اس طرح اس کی گاڑی زیادہ دن نہیں چل سکتی تھی۔ سدھیر نے ایسا انتظام کیا ہوا تھا کہ جونہی وہ اپنے منیجر یا کسی ملازم سے رابطہ کرے گا۔ اسے فوراً ہی اطلاع مل جائے گی۔

دراصل سدھیر کا خیال تھا کہ نرنجن کی المناک موت میں کسی نہ کسی طرح رام داس کا ہاتھ ضرور تھا۔ وہ اپاہج ضرور تھا مگر اس کی دولت اس کے لئے کئی مضبوط ٹانگیں خرید سکتی تھیں۔ وہ کئی مضبوط کارندے خرید سکتا تھا۔ دولت آخر ہوتی کس لئے ہے۔؟

اگر رام داس بے قصور تھا تو پھر یقیناً سارا کیا دھرا سوامی کا تھا۔

وہ کبڑا سارا کام تنہا انجام دے سکتا تھا اور پھر سریتا بھی تو اس کے ساتھ ہی تھی۔ وہ دونوں مل کر اس کے دو دوستوں کو ختم کر چکے تھے اور اب یقیناً اس کے لئے جال بچھا رہے تھے۔ لہٰذا کسی بھی جگہ اچانک ان سے ٹکراؤ ہو سکتا ہے۔

اگر یہ ٹکراؤ ان لوگوں کے کسی منصوبے کے مطابق ہوا تو اس کے لئے خود کو بچانا بڑا مشکل ہو گا۔ سدھیر نے سوچا۔

اب اس کے لئے بے حد ضروری ہو گیا تھا کہ وہ ٹکراؤ سے پہلے ہر ممکن کوشش کر کے اپنے خطرناک دشمن کا کھوج لگا لے اور ہر لمحے چوکنا اور محتاط رہے۔ معلوم نہیں کب اور کس سمت سے دشمن اس پر حملہ آور ہو جائے۔

وہ دشمن کی تلاش میں فکر مند تھا لیکن خوفزدہ اور ہراساں نہیں تھا۔ وہ ہر قسم کے حالات سے نبرد آزما ہوتا آیا تھا۔ اسے اپنی صلاحیتوں پر بڑا اعتماد تھا اور اسے اس بات کا پختہ یقین تھا کہ وہ آخر کار اپنے دشمنوں کو ٹھکانے لگانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

وہ بے وقوف نہیں تھا کہ اتنی تیزی' طراری کے زعم میں احتیاطی تدابیر ترک کر دیتا۔ ہر وقت اپنی آنکھیں کھلی رکھنا' اس کی دانست میں کامیابی کے لئے پہلی شرط تھی جبکہ عجلت پسندی اکثر نقصان دہ ثابت ہوتی تھی۔

اس نے ایک دو مرتبہ رام داس کے ہوٹل کے ملازم سے رابطہ کر کے رام داس کے بارے میں دریافت کیا تھا۔

"کیا رام داس واقعی منیجر سے فون پر بھی رابطہ نہیں کرتا ہے؟ کیا تم نے رام داس کے بارے میں کسی بہانے معلوم کیا تھا؟"

"جی ہاں۔" اس نے بتایا تھا کہ ایک مرتبہ اس نے اپنے منیجر سے کہا تھا کہ وہ مالک سے ملنا اور بات کرنا چاہتا ہے۔ اسے اپنی بہن کی شادی کے لئے دس ہزار کی رقم کی اشد ضرورت ہے۔ اسے قرض چاہیے' وہ اپنی تنخواہ سے ہر ماہ کٹوا دے گا۔ منیجر نے اس سے کہا کہ وہ خود بھی نہیں جانتا ہے کہ مالک کہاں ہے۔ اسے خود مالک سے ایک کام تھا۔ مالک نے فون پر رابطہ کرنا بند کر دیا ہے۔"

پھر اسے سریتا کا خیال آیا' پھر اس کی تصویر کا جو وہ لے آیا تھا۔ اس کی وہ تصویر معاون ہو سکتی تھی جو اسے رام داس کے دیئے ہوئے پتے پر ہاتھ لگی تھی۔ اس نے بھاگتے وقت بھی

اس تصویر کو تھامے رکھا تھا۔ اسے یقین تھا کہ تصویر میں سریتا جس مرد کے ساتھ کھڑی تھی۔ وہ شہر کی کوئی جانی بوجھی شخصیت ہے۔ اب اس شخصیت کو تلاش کرنا اس کے لئے نہ صرف اہم تھا بلکہ نہایت ضروری بھی۔

کیونکہ اس شخص کے ذریعے سریتا کا پتا بآسانی معلوم کیا جا سکتا تھا۔ وہ شخص کون تھا؟ کون ہو سکتا ہے؟ اسے کسی ایسے شخص کو تلاش کرنے کی ضرورت تھی جو اس آدمی کو پہچانتا ہو' پھر اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں رہتی۔

* * *

سدھیر کے لیے یہ بڑی عجیب وغریب اور حیرت انگیز بات تھی کہ وہ جس کی تلاش میں سرگرداں اور پریشان تھا' وہ نہیں ملا لیکن جس کے بارے میں سوچ اور پروگرام بنا رہا تھا' تلاش کے لیے' وہ کسی پیاسے کے پاس کنویں کی طرح آ گئی تھی۔

یعنی سریتا خود ہی اس کے سامنے آ گئی تھی۔

سدھیر کا شمار شہر کے معززین میں ہوتا تھا۔ اسے ایسی تقریبات میں اکثر شرکت کی دعوت ملا کرتی تھی جو عام طور پر کسی غیر ملکی' سربراہ یا وفد کے دورے کے موقع پر دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ بڑی نجی اور ہر قسم کی سرکاری تقریبات میں بھی اسے ضرور مدعو کیا جاتا تھا۔

وہ بھی ایک ایسی دعوت تھی جو ایک غیر ملکی اخبار نویس کے اعزاز میں دی گئی تھی۔ عام حالات میں اس تقریب میں سدھیر ہرگز شرکت نہ کرتا مگر دعوت نامہ لانے والی ایک لڑکی تھی۔ وہ ایک ہفت روزہ جریدے کی نمائندہ تھی۔ اس نے سدھیر سے وعدہ لیا کہ وہ اس تقریب میں ضرور شرکت کرے گا۔

اس تقریب میں اسے سریتا دکھائی دی۔ اس نے چونک کر نہ صرف اردگرد نظر دوڑائی بلکہ ایک ایک مرد مہمان کو بڑے غور سے دیکھا شاید کہیں سوامی بھی موجود ہو لیکن سوامی اس تقریب میں شریک نہیں تھا۔ سریتا تنہا تھی۔

سدھیر اسے ایک اتفاق سمجھ کر اپنی خوش قسمتی پر ناز کرنے لگا۔ اسے ایک سنہری موقع ملا تھا کہ وہ سریتا سے غیر محسوس انداز سے رام داس کے بارے میں دریافت کرے۔ سریتا چونکہ سیدھی سادی اور ایک معصوم سی لڑکی تھی۔ اس لئے اسے امید تھی کہ وہ رام داس کے بارے میں ضرور بتا دے گی۔

لیکن اس کی خوش فہمی کی دیوار بہت جلد ڈھا گئی تھی۔ اس کی ساری امید خاک میں مل گئی

تھی۔

سدھیر کا کارڈ دینے والی لڑکی ارملا چوہدری نظر آئی۔ جب وہ سریتا کا بڑے محبت بھرے انداز سے ہاتھ تھام کر اس کی طرف بڑھنے لگی تو سدھیر چونک گیا۔ اب سدھیر کے نزدیک اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں رہا تھا کہ یہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی سکیم ہے' سازش ہے' کوئی منصوبہ ہے۔ اس خیال کے آتے ہی اسے خطرے کی گھنٹی سنائی دی۔ اس کی تمام صلاحیتیں جاگ اٹھیں۔ اب وہ پوری طرح یوں چوکنا ہو گیا جیسے اس کے لئے بارودی سرنگ بچھائی گئی ہو۔ اس کے قدم بڑھاتے ہی اس کے پرخچے اڑ جائیں گے۔

"سریتا کھنہ! سریتا آپ ہیں' مسٹر سدھیر کوہلی' شہر کے ایک ممتاز رئیس جن سے تم ملنا چاہتی تھیں۔" ارملا چوہدری نے ان کا آپس میں تعارف کرایا' پھر بولی۔ "بھائی جان اس وقت چیف گیسٹ کے ساتھ ہیں۔ وہ جیسے ہی ان سے فارغ ہوں گے۔ انہیں تمہارے پاس بھیج دوں گی۔ فی الحال میں تمہیں سدھیر صاحب کے حوالے کر رہی ہوں تاکہ آپ دونوں ایک دوسرے کو کمپنی دیں۔"

سریتا نہ صرف بڑے تپاک بلکہ پرخلوص انداز میں ملی۔ اس نے نہایت گرم جوشی سے مصافحہ کیا جو ایک طرح سے خوشی کا اظہار تھا۔

سدھیر نے سریتا کو ناقدانہ نظروں سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر اب بھی معصومیت تھی اور بھولا پن تھا۔ وہ سیدھی سادی دکھائی دیتی تھی مگر اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں ایک دلفریب سی شوخی ہوتی تھی۔ وہ اب موجود نہیں تھی۔ جیسے چھین لی گئی ہو۔ اس کا فطری حسن ہلکے میک اپ سے دو آتشہ ہو گیا تھا۔ سریتا کے رکھ رکھاؤ اور گفتگو میں اتنی تبدیلی آ گئی تھی کہ کوئی اسے دیکھ کر ہرگز یہ کہہ نہیں سکتا تھا کہ اس نے ایک طویل عرصہ جنگل میں گزارا ہے' وہیں پلی بڑھ کر جوان ہوئی تھی۔

"بابا! آپ نے اپنا نام بدل کر سدھیر رکھ لیا ہے کیا؟" سریتا نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

"آپ بتانا پسند کریں گے کہ کیوں؟ نام بدلنے کی کوئی خاص وجہ ہے کیا۔؟"

سدھیر کو اس سوال کی توقع نہیں تھی لیکن سریتا نے جو سوال کیا تھا' شاید اپنا تجسس دور کرنے کے خیال سے کیا تھا۔

"ہاں' مگر تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتی تھیں؟"

سدھیر نے چونک کر اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ’’اور ہاں تم موت کی وادی سے زندہ کیسے بچ نکلی؟‘‘ سدھیر نے آخری جملہ سرگوشی کے انداز میں کہا تھا۔

’’قسمت کی دیوی مہربان تھی‘ زندگی مہربان تھی‘ اس لئے موت شکست کھا گئی۔‘‘ سریتا نے جواب دیا۔ ’’ایشور نے بچالیا۔‘‘

’’لیکن ذرا وضاحت سے بتاؤ۔‘‘ سدھیر نے کہا۔ ’’تم سے مل کر کتنی خوشی ہو رہی ہے‘ بیان سے باہر ہے۔‘‘

’’سوامی بابا کی تیزی‘ پھرتی اور ان کی حاضر دماغی۔ بس انہوں نے کسی نہ کسی طرح اپنی جان پر کھیل کر مجھے بچالیا تھا۔‘‘ سریتا نے مسکرا کر کہا۔

’’تمہیں نئی زندگی مبارک ہو۔‘‘ سدھیر نے کہا۔ ’’ایسا لگ رہا ہے کہ میں کوئی سندر سا سپنا دیکھ رہا ہوں۔‘‘

’’ویسے بابا‘ تمہاری صحت پہلے سے بہت بہتر ہو گئی ہے۔‘‘ سریتا نے اسے ناقدانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ’’چہرے پر بھی سرخی آ گئی ہے۔‘‘

’’سوامی کہاں ہے؟‘‘ سدھیر نے پھر ایک بار مہمانوں میں متلاشی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

’’کیا آپ کو سوامی بابا کے بارے میں کسی سے کوئی اطلاع نہیں ملی؟‘‘ سریتا نے حیرت سے اپنی لمبی پلکیں جھپکائیں۔

’’نہیں۔‘‘ سدھیر نے نفی میں سر ہلا دیا۔

’’مجھے سوامی کے بارے میں کوئی خبر نہیں ہے‘ نہ ہی کسی نے بتایا‘ سوامی کو کیا ہوا؟‘‘

’’ان کا دیہانت ہو گیا۔‘‘ سریتا نے بڑی افسردگی سے جواب دیا۔ اس کا چہرہ بجھ سا گیا۔

’’کیسے اور کب؟‘‘ اس نے سریتا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

’’ایک مہینہ گزرا۔‘‘ سریتا نے بڑی اداسی سے جواب دیا۔ ’’ایک حادثے میں وہ چل بسے۔‘‘ سریتا کی آواز غم سے کپکپا رہی تھی۔

’’تم جھوٹ بول رہی ہو سریتا۔‘‘ سدھیر نے مشکوک لہجے میں کہا۔

’’جانے کیوں مجھے سوامی کی موت کا یقین نہیں آ رہا۔‘‘

’’کاش! ایسا ہی ہوتا۔‘‘ سریتا نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔ ’’کاش اخبار بھی جھوٹ

بولا کرتے اور پولیس بھی۔‘‘

سدھیر کو سریتا کی اس بات پر ذرا بھی یقین نہیں آیا تھا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے قدرے تیز لہجے میں پوچھا۔ ’’کیا پولیس سے اس حادثے کی تصدیق ہو سکتی ہے؟ میں اس کی موت کی تصدیق کروں گا تا کہ جھوٹ‘ سچ کا اندازہ ہو جائے۔‘‘

’’بے شک‘ آپ جس طرح بھی چاہیں‘ اپنی تسلی اور اطمینان کر لیں‘ مگر فی الحال اس قصے کو چھوڑیں۔‘‘ سریتا نے جواب دیا۔

’’اچھا اب تم کس کے ساتھ رہ رہی ہو؟‘‘

سدھیر نے بھی موضوع بدلا۔ ’’تمہارا سرپرست کون ہے؟‘‘

’’سوامی بابا کی ناگہانی موت کے بعد میں اتنی بڑی دنیا میں تنہا رہ گئی تھی۔ اگر شنکر نہ ہوتے تو شاید میں اب تک خودکشی کر چکی ہوتی۔‘‘ سریتا نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ ’’انہوں نے مجھ پر جو دیا کی ہے وہ شاید ہی کوئی کر سکتا۔‘‘

’’شنکر کون ہیں؟‘‘ سدھیر نے چونک کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

’’اس پارٹی کے میزبان‘ مشہور پریس رپورٹر شنکر رانا۔ دیکھیں وہ اسی طرف آ رہے ہیں۔‘‘ سریتا بولی۔

سدھیر نے مڑ کر دیکھا۔ اس نے اپنی طرف بڑھتے ہوئے نوجوان کو فوراً ہی پہچان لیا۔ سریتا کے ساتھ تصویر میں وہی کھڑا تھا۔

سریتا نے ان دونوں کا آپس میں تعارف کرایا۔ ان دونوں نے بڑی گرم جوشی سے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا۔

شنکر نے چونک کر سریتا کی طرف دیکھ کر کہا۔

’’کیا بات ہے سریتا‘ یہ تم نروس کیوں ہو رہی ہو‘ کیا طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟‘‘

’’مجھے سوامی بابا یاد آ رہے ہیں۔‘‘ سریتا نے جواب دیا۔ ’’میرا دل بیٹھا جا رہا ہے‘ میں زیادہ دیر تک کھڑی نہیں رہ سکتی۔ کیا میں کہیں بیٹھ نہیں سکتی؟ پلیز مجھے کہیں بٹھا دو‘ ایسا نہ ہو کر چکر کھا کر گر پڑوں؟‘‘

شنکر نے ایک خالی میز کی طرف اشارہ کیا جس کے گرد چار کرسیاں تھیں۔ سریتا انہیں باتیں کرتا ہوا چھوڑ کر اس میز کی طرف بڑھی اور اس پر جیسے بے دم سی ہو کر گر پڑی تھی۔

’’سدھیر صاحب! سریتا بہت سادہ لڑکی ہے۔‘‘ شنکر نے کہا۔ ’’اس اجنبی شہر میں اس پر

مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ اسے اپنے سوامی بابا سے بڑا جذباتی لگاؤ تھا۔ ان کی یاد آتے ہی وہ فوراً ہی جذباتی ہو کر رونے لگتی ہے۔"

"کیا اس کے سوامی بابا اس سنسار سے منہ موڑ گئے؟" سدھیر نے نہ چاہتے ہوئے بھی سوال کیا۔

"ہاں! بڑا دردناک حادثہ تھا۔" شنکر نے جواب دیا۔

"آخر ہوا کیا تھا؟" سدھیر نے کہا۔ "یہ کس نوعیت کا حادثہ تھا' کیا آپ تفصیل سے بتائیں گے؟"

"بڑا دردناک حادثہ پیش آیا تھا۔" شنکر افسردگی سے کہنے لگا۔ "جھٹپٹے کے وقت ایک تیز رفتار ٹرک ان کو کچل گیا۔ آپ جانتے ہیں' یہ ٹرک ڈرائیور کس قدر تیز رفتاری سے گاڑی چلاتے ہیں' چونکہ یہ نشے میں ہوتے ہیں' اس لئے انہیں کسی بات کا ہوش نہیں رہتا۔ پتا نہیں کتنی دیر تک ان کی لاش ویران اور سنسان سڑک پر پڑی رہی۔ اتفاق سے میں ادھر سے گزرا تو ان کی لاش دیکھ کر پولیس کو اطلاع دی۔"

"کیا لاش کی شناخت ہو گئی تھی؟" سدھیر نے پوچھا۔ دراصل وہ ہر طرح سے اپنی تسلی کرنا چاہتا تھا۔

"جسم بری طرح کچلا گیا تھا مگر جاننے والے تو کسی نہ کسی طرح' کسی نہ کسی چیز سے پہچان لیتے ہیں۔" شنکر نے کہا۔ "لباس میں پاسپورٹ اور کاغذات ملے' وہ شناخت کے لئے کافی تھے۔ پھر سریتا کو بلایا گیا۔ اس کے بے حد جذباتی اور بے اختیارانہ ردعمل نے بھی تصدیق کر دی۔ وہ سوامی بابا کی لاش دیکھ کر غش کھا گئی تھی۔ اس نے لاش کلیم کر کے اس کی آخری رسومات کی ذمے داری قبول کر لی۔ بے چاری سریتا۔ اس نے بڑی بہادری سے اس صدمے کو سہہ لیا' اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی' سہہ نہ پاتی۔ وقت بڑا مرہم ہے' بڑے سے بڑے گھاؤ اور گہرے سے گہرے زخمی بھی مندمل کر دیتا ہے' لیکن ویسے اب بھی سوامی بابا کے تذکرے پر اس کی حالت غیر ہو جاتی ہے۔ کیا آپ نے اس سے سوامی بابا کا ذکر چھیڑ دیا تھا؟"

"جی ہاں۔" سدھیر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "مجھے اس کے دکھ اور صدمے کا اندازہ نہ تھا۔ مجھے کیا معلوم کہ وہ اس قدر جذباتی لڑکی ہے۔"

سدھیر کے چہرے پر ہی نہیں' دل میں بھی شک وشبے کا تاثر تھا۔ وہ اس بات کو کیسے اور

کیونکر مان لیتا کہ سوامی جیسا شخص ایک عام حادثے کا شکار ہو کر اس آسانی کے ساتھ مر سکتا ہے اور پھر وہ جھٹپٹے کے وقت ویران اور سنسان سڑک پر پیدل کیوں اور کہاں جا رہا تھا؟ کیا وہ سڑک کے بیچ چل رہا تھا اور پھر وہ کوئی بچہ اور اندھا تو نہیں تھا؟

اگر سوامی زندہ نہیں تھا تو پھر وہ کون شخص تھا جو اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا تھا؟ سریتا تو تنہا یہ سب کچھ نہیں کر سکتی تھی' مگر کیا پتا اس دنیا میں کون سی بات ناممکن ہے؟ سریتا نے ایک طویل عرصہ جنگل میں گزارا تھا اور ایک جنگلی بلی' عام بلی سے ہزار گنا خطرناک ہوتی ہے۔ شیر بھی اس سے ڈرتا ہے۔ اس لئے اسے شیر کی خالہ کہا جاتا ہے۔

اس نے سریتا سے تنہائی میں ملنے کی بڑی کوشش کی تھی' مگر اسے موقع نہیں ملا تھا کیونکہ اس تقریب میں ارملا چوہدری اسے ادھر ادھر لئے پھر رہی تھی اور اپنی سہیلیوں سے ملا رہی تھی اور پھر سریتا بھی ایک طرح سے اس محفل میں آ کر محظوظ ہو رہی تھی۔

محفل سے رخصت ہوتے سریتا نے اس سے دوبارہ ملنے کا وعدہ لے لیا۔ اس نے بڑے خلوص سے دعوت دی تھی۔

سریتا' شنکر کے خاندان میں رہ رہی تھی۔ سدھیر کو وہاں سریتا سے ملنے میں کسی قسم کا کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس لئے کہ شنکر ایک صحافی تھا اور پھر شنکر نے اپنی سادگی اور شخصیت سے اسے بے حد متاثر کیا تھا۔

"اچھا اب بتائیں کہ آپ کس دن اور کب ملنے کے لئے آ رہے ہیں؟" سریتا نے دوبارہ پوچھا۔ "تاکہ میں آپ کا انتظار کروں؟"

"میں اگلے دن شام کے وقت حاضر ہو جاؤں گا۔" سدھیر نے جواب دیا۔ "تمہارے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے پیئوں گا۔"

اس نے شام کا وقت اس لئے چنا تھا کہ شنکر گھر پر ہوگا۔ شنکر نے اسے بتایا تھا کہ وہ گھر سہ پہر کے وقت ہی پہنچ جاتا ہے۔

"صرف چائے ہی نہیں ہوگی' بلکہ گرم گرم پکوڑے اور سموسے بھی ہوں گے۔" سریتا نے مسکرا کر کہا۔ "میرے ہاتھ میں بڑا ذائقہ ہے۔"

اگلے دن جب وہ سریتا سے ملنے گیا تو وہ سوامی کی موت اور حادثے کی تصدیق کر چکا تھا۔ اسے اس بات کا بڑی حد تک یقین آ گیا تھا لیکن اس کے ذہن میں ساتھ ہی یہ خیال جم گیا تھا کہ رام داس ہی دراصل اس کے ساتھیوں کی موت کا ذمے دار ہے۔ یقیناً اس نے

کرائے کے آدمیوں کے ذریعے وشواناتھ اور نرنجن کو ختم کرایا تھا۔ اب وہ اسے پھانسنے کے لئے جال بن رہا تھا۔

سریتا سے ملنے وہ محض اس تجسس میں آ گیا تھا کہ آخر وہ اس سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟ اس ملاقات کے پیچھے کون سا جذبہ کارفرما ہے؟ اس نے ہر پہلو پر بہت غور کیا لیکن اسے اس کی وجہ سمجھ میں نہ آ سکی' لیکن وہ اتنا ضرور سمجھ گیا کہ اب وہ موت کی وادی والی سریتا نہیں رہی ہے۔ کوئی بھید ضرور ہے۔ اس سے ملاقات کے بعد ہی بلی تھیلے سے باہر آئے گی۔ لیکن جب بلی تھیلے سے باہر آئی تو سدھیر بھونچکا ہو کر رہ گیا۔ اس پر بجلی سی آ گری تھی۔ چند لمحے سناٹا سا طاری رہا تھا۔

سریتا نے اس سے تنہائی میں ملاقات کی تھی۔ سریتا نے اسے یقین دلایا تھا کہ گھر میں صرف شنکر کی ماتا جی موجود ہیں۔ وہ بھی مکان کے دوسرے حصے میں۔ انہیں اس کی موجودگی کا پتا چل سکتا ہے اور نہ ہی اس کے درمیان ہونے والی گفتگو وہ سن سکتی ہے۔

"تم غار کے حادثے سے زندہ کیسے بچیں؟"

سدھیر نے کہا۔ "اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو یہ سمجھتا کہ تم سریتا کی روح ہو۔"

"جب قسمت دیا کرتی ہے اور ایشور سلامتی چاہے تو آدمی زندہ رہتا ہے۔" سریتا بتانے لگی۔

"تم نے جو آگ غار کے دہانے پر جلائی تھی' شاید وہی کام آئی' مصیبت نعمت بن گئی۔ سوامی بابا کا کہنا تھا کہ زلزلے کی وجہ سے جو گیس زمین کی دراڑوں سے باہر نکلی تھی' اس نے غار میں پوری طرح پھیلنے سے پہلے ہی آگ پکڑ لی تھی۔ ہم غار کے جس حصے میں تھے۔ وہ اس دھماکے سے نہیں بیٹھا تھا۔ البتہ باہر نکلنے کا راستہ مسدود ہو گیا تھا۔ ہم نے نہایت سراسیمگی سے غار کے اندرونی حصے کا جائزہ لیا' وہ سرنگ کی طرح اندر ہی اندر چلا گیا تھا اور آخر کار ایک تنگ سے سوراخ کی شکل میں وادی کے باہر نکلا تھا۔ ہم بہ مشکل اس سوراخ سے باہر نکلے جس کی ہمیں ذرا برابر بھی امید نہیں تھی۔ ہمارا یہ خیال تھا کہ ہم سوراخ سے نکل نہ پائیں گے لیکن سوامی بابا نے سوراخ اتنا بڑا کر دیا کہ ہم کسی نہ کسی طرح نکل آئے۔

جب باہر آئے تو سامنے جنگل تھا۔ بہت دنوں تک جنگلوں کی خاک چھانی' پیدل مسافت طے کی' کتنی مصیبتیں جھیلیں' کیا کیا پریشانیاں اٹھائیں' یہ بتانے کے لئے کئی دن درکار ہوں گے۔ تم جانتے ہو کہ جنگل کتنے خطرناک ہوتے ہیں۔ قدم قدم پر موت منہ کھولے کھڑی

ہوتی ہے۔ آخر ٹھوکریں کھاتے کھاتے مہذب دنیا میں پہنچے تو یقین نہ آیا۔ ایسا لگا کہ یہ کوئی سپنا ہے۔"

سریتا نے سانس لینے کے لئے توقف کیا تو سدھیر نے سوال کیا۔ "میرے اندازے کے مطابق تم پانچ برس کے بعد یہاں آئی ہو؟"

"ہاں۔" سریتا نے سر ہلایا۔ "یہاں آنے کے لئے ہمارے پاس پھوٹی کوڑی نہ تھی۔ ہندوستان سو دو سو میل ہوتا تو ہم دونوں پیدل مسافت طے کر لیتے لیکن ہزاروں میل دور اپنا دیس تھا۔ اس کے لئے بڑی رقم درکار تھی کہ ہوائی جہاز سے واپس جائیں۔ ایک بڑی رقم جمع کرنے کے لیے ہم نے پانچ برس بڑی محنت اور مشقت کی' پھر اس قابل ہو سکے کہ ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے یہاں آ سکیں۔"

"کیا بمل گپتا زندہ ہیں؟" سدھیر نے پوچھا۔ "مہذب دنیا میں آنے کے بعد ان کے بارے میں کچھ معلوم کیا تھا؟"

"وہ زندہ نہیں ہیں۔" سریتا نے جواب دیا۔ "ہمیں اس بات کا علم ہوا۔"

"کیسے علم ہوا؟" سدھیر نے حیرت سے کہا۔

"ان کی موت کے بارے میں کس نے بتایا تھا؟"

"سوامی بابا نے اپنے بہت ہی قریبی دوستوں کو خط لکھا تھا۔ ان سے معلوم ہوا کہ بمل گپتا وادئ موت سے نہیں لوٹے ہیں۔"

"اس سے تم نے کیسے فرض کر لیا کہ بمل گپتا زندہ نہیں ہے؟" سدھیر بولا۔ "شاید وہ وادی میں رہ گئے ہوں' کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ یہ وادی اور اس کے نظارے اس قدر حسین ہیں کہ واپس جانے کو دل نہیں چاہ رہا ہے' ہو سکتا ہے کہ وادی میں بسیرا کر لیا ہو۔"

"نہیں۔ سوامی بابا کے جس دوست نے بتایا تھا' اس نے باقاعدہ تصدیق کر کے بتایا تھا اور پھر وہ وادی میں اکیلے رہ کر کیا کرتے' پھر اس شخص نے آپ کے ساتھی کے بارے میں بتایا کہ اس نے کسی طرح وشواناتھ کا پتا چلا لیا ہے' پھر آپ کے بارے میں بھی علم ہوا اور یوں ہمیں اندازہ ہوا کہ بمل گپتا کے حصے کی رقم آپ ہی کے پاس ہے۔ میں ان کا حصہ آپ سے وصول کرنے کے لئے ملنا چاہتی تھی۔"

"کیا تمہاری ملاقات رام داس سے نہیں ہوئی؟" سدھیر نے بے یقینی کی کیفیت میں پوچھا۔

سریتا کے آخری جملے نے اسے چونکا دیا تھا۔

"اچھا تو کیا رام داس بابا زندہ ہیں؟" سریتا نے چونک کر پوچھا۔ اس کے حسین چہرے پر گہرا استعجاب ابھر آیا۔ "یہ میرے علم میں نہیں ہے۔"

"کہیں تم اداکاری تو نہیں کر رہی ہو؟" سدھیر نے اسے مشکوک نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔ "مجھے تمہاری بات کا یقین نہیں آیا۔"

"کیا رام داس بابا سے واقفیت کا اظہار میرے لئے کسی نقصان کا باعث ہو سکتا ہے؟" سریتا نے اس سے الٹا سوال کر دیا جس کی اسے توقع نہیں تھی۔

سدھیر نے اس کی اس بات پر ایک لحہ غور کیا۔ وہ کچھ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا پھر اس نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "ہاں وہ زندہ ہے اور حیرت کی بات ہے کہ تمہیں اس کے بارے میں علم نہیں ہے کہ وہ زندہ ہے؟ جانتی ہو اس نے مجھے تمہاری اور شنکر کی تصویر دی تھی۔ سوال یہ ہے کہ اس کے پاس تمہاری تصویر کیسے آ گئی؟ اس بات کی تمہیں کوئی خبر نہیں؟"

"کون سی تصویر؟" سریتا نے متعجب نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "کیسی تصویر؟"

سدھیر نے اس کی تصویر جیب سے نکالی جو اسے اس مکان سے ملی تھی جس کا پتا رام داس نے بتایا تھا۔

سریتا نے اس کے ہاتھ سے تصویر لے کر اس پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالی۔ اس کے چہرے پر سرخی کی ایک لہر آ گئی۔ پھر اس نے کہا۔ "یہ تصویر تو ارملا چوہدری نے کھینچی تھی۔ ارملا، شنکر کی بہن ہے، شنکر رانا چوہدری کی بہن۔ مجھے اس بات پر بڑی حیرت ہو رہی ہے کہ یہ تصویر رام داس بابا تک کیسے پہنچی؟ شاید رام داس بابا نے اس سٹوڈیو سے لے لی ہو گی، جہاں ہم نے فلم دھلوائی تھی؟ سریتا نے قدرے تفصیل سے اسے یہ بات بتائی۔

"لیکن ذہن تمہاری اس بات کو تسلیم نہیں کرتا۔" سدھیر نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔ "تم غلط بیانی کر رہی ہو۔"

"اس میں غلط بیان کی کیا بات ہے؟" سریتا کی خوبصورت اور بڑی آنکھیں منجمد سی ہو گئیں۔

"میں کیوں غلط بیانی کروں گی؟"

"کیا یہ غلط بیانی نہیں ہے کہ رام داس نے اس سٹوڈیو سے یہ تصویر حاصل کی ہے، جہاں فلم رول دھلوائی گئی تھی۔ کیا رام داس کو کسی کی آتما نے آ کر بتایا تھا کہ اس سٹوڈیو میں ارملا

چوہدری ایک فلم رول دھلوا رہی ہے جس میں تمہاری تصویر ہے، وہ جا کر تم لے لو۔ رام داس کو تمہاری تصویر کی کیا ضرورت پڑ گئی تھی جو وہ وہاں سے لے گیا؟" سدھیر نے کہا۔

"اصل بات میں تمہیں بتاتی ہوں۔" سریتا کہنے لگی۔ "سٹوڈیو والے کرتے یہ ہیں کہ جب کوئی غیر معمولی تصویر ہوتی ہے تو وہ اجازت لے کر تصویر ڈسپلے کر دیتے ہیں، یہی ہماری تصویر کے ساتھ ہوا ہو گا، انہوں نے تصویر ڈسپلے کر دی ہو گی۔ رام داس وہاں آئے ہوں گے، انہوں نے میری تصویر دیکھ کر پہچان لی ہو گی اور پھر انہوں نے سٹوڈیو والے کو پیسے دے کر بنوا لی ہو گی۔"

سدھیر نے سریتا کی بات پر جتنا غور کیا، اسے یقین ہوتا گیا کہ ساری شرارت رام داس ہی کی ہے۔ اگر وہ بھی نرنجن کی طرح چند لمحے وہاں رک جاتا تو اس وقت اس کی روح پرلوک میں ہوتی اور اس کی زندگی کا باب بند ہو چکا ہوتا۔

"تو تم دوبارہ وادی میں نہیں گئیں؟" سدھیر نے لمبا سانس لے کر کہا۔ "اس لئے تمہیں کچھ پتا نہیں کہ بمل گپتا کے ساتھ کیا ہوا؟"

"کیا ہوا تھا؟" سریتا نے ایک دم چونک کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے تیز لہجے میں پوچھا۔

"وہ بھی سوامی کے پیچھے کان میں داخل ہوا تھا۔ دوسرے پل ایک زوردار دھماکا ہوا اور وہ ملبے میں دب کر رہ گیا۔" اس نے افسردہ سا منہ بنایا۔

"مجھے اس بات کا یقین نہیں۔ بہرحال بمل گپتا کی موت کے ذمے دار تم نہیں ٹھہرتے ہو۔ لہٰذا اب یہ بتائیں کہ سوامی بابا اور بمل بابا کے حصے کی رقم مجھے دے رہے ہو یا نہیں یا پھر۔" سریتا نے دانستہ اپنا آخری جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

سدھیر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو سریتا اس وقت اسے یکسر بدلی ہوئی لگی۔ "تم نے کیا کہا۔ کس بات کا حصہ؟"

"تم جس انداز اور لب و لہجے میں بات کر رہے ہو۔ اس کی وجہ سے مجھے کوئی دوسری راہ اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔" سریتا کے لہجے میں تیزی آ گئی۔

"گویا تمہیں دولت کی ہوس ہو رہی ہے؟"

سدھیر نے کہا۔ "تمہاری بات سے یہی اندازہ ہو رہا ہے۔ تم کیا مجھ سے بمل گپتا کا بدلہ لو گی؟"

"دولت کی ضرورت ہے، ہوس نہیں۔ اس لئے کہ میں اس کی حقدار ہوں۔" سریتا زہر خند کہنے لگی۔ "مجھے یوں بھی دولت سمیٹنے سے زیادہ بمل بابا کی موت کا بدلہ لینا ہے تاکہ نہ صرف مجھے مزا آئے گا، بلکہ میرے دل کو شانتی بھی ملے گی۔ میں آج تک تمہاری اس بدتمیزی کو بھولی ہوں اور نہ ہی آخری سانس تک بھولوں گی، جو تم نے مجھ سے وادی میں کی تھی۔" سریتا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"مگر تم کیا بگاڑ سکتی ہو سریتا؟" سدھیر نے اس کا عندیہ معلوم کرنے کی غرض سے پوچھا۔ "تم مجھے چیلنج کر رہی ہو؟"

"میں کیا کر سکتی ہوں؟ میں نے اپنی آپ بیتی لکھ کر رکھی ہوئی ہے۔" سریتا نے جواب دیا۔ "یہ ایک سچا بیان ہے جسے میں آج شنکر کے حوالے کر دوں گی۔ میں نے اس میں اتنی تبدیلی کر دی ہے کہ تم نے میرے سامنے بمل بابا کا گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا اور پھر میرے پیچھے بھاگے، اس لئے کہ تمہارے دل میں میل آ گیا تھا۔ سوامی بابا مجھے لے کر غار میں گھس گئے تو تم نے آگ جلا کر ہمیں زندہ جلانا چاہا تھا۔"

"یہ سراسر جھوٹ ہے، بہتان ہے۔" سدھیر نے احتجاجاً کہا۔ "چونکہ میں نشے میں تھا، اس لئے تمہیں غلط فہمی ہوئی تھی۔"

"یہ تم پولیس کو ضرور بتانا کہ تم نے اپنا نام کیوں اور کس لئے بدلا ہے۔ پولیس کو سمجھاؤ گے تو شاید پولیس اس جواز کو تسلیم کر لے۔" سریتا طنزیہ انداز میں بولی۔ سدھیر کو اپنی پوزیشن کی کمزوری اور نزاکت کا احساس تھا۔ وہ سریتا کے جال میں پھنس چکا تھا۔ اس نے تیزی سے سوچا، پھر اس نے بے بسی سے اپنے کندھے اچکا کر لجاجت آمیز لہجے میں پوچھا۔ "تمہیں کتنی رقم کی ضرورت ہے؟"

"ضرورت کی بات نہیں۔" سریتا کا انداز ایک کاروباری شخص جیسا ہو گیا۔ "یہ بتاؤ کہ کتنا حصہ بنتا ہے، میرا خیال ہے کہ کم از کم دس لاکھ روپے ضرور بنتا ہو گا، ہو سکتا ہے زیادہ بنتا ہو، چلو تم دس لاکھ ہی دے دو۔"

"دس لاکھ؟" سدھیر کے منہ سے سیٹی کی سی آواز نکل گئی۔ "دس لاکھ بہت بڑی رقم ہے۔ تم اس طرح مانگ رہی ہو جیسے دس ہزار کی رقم ہو۔ اس پر نظر ثانی کرو۔" سدھیر نے مفاہمانہ انداز سے کہا۔

"میں جانتی ہوں کہ تمہارے پاس بہت دولت ہے۔" سریتا بولی۔ "یہ اس کا دس فیصد

بھی نہیں ہو گا۔ اس لئے میں دس لاکھ سے ایک پائی بھی کم نہیں لوں گی۔"

سدھیر نے تحیر زدہ انداز سے سریتا کی طرف دیکھا۔ وہ سنجیدہ نظر آ رہی تھی لیکن دس لاکھ کی رقم بہت بڑی تھی۔ وہ کس طرح اتنی بڑی رقم سے ہاتھ دھو لیتا۔ وہ تو دس ہزار روپے بھی دینے کو تیار نہ تھا۔ اس کا ذہن تیزی سے تدبیر سوچنے لگا۔

"تم مجھے کتنی مہلت دو گی؟" اس نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد پوچھا۔

"زیادہ سے زیادہ چوبیس گھنٹے۔" سریتا نے بڑے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"نہیں۔" سدھیر نے سر ہلا دیا۔ وہ چوبیس کیا، چار گھنٹے میں اتنی بڑی رقم ادا کر سکتا تھا، چونکہ اس کی نیت میں فتور تھا اور اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اسے رقم نہیں دے گا۔ اس لئے اس نے کہا۔ "اتنی قلیل مدت میں اتنی بڑی رقم اکٹھی کرنا ناممکن ہے۔ اس کے لئے کم از کم ایک ہفتہ تو دو۔"

"اگر ایسی بات ہے تو میں دو دن سے زیادہ مہلت نہیں دے سکتی۔" سریتا نے بات ختم کرنے کے انداز میں کہا۔ "اور اچھی طرح سوچ لو۔ اگر تم نے کوئی شرارت کی تو نقصان اٹھاؤ گے۔ اوّل تو میں اس مکان سے آج کے بعد قدم نہیں نکالوں گی اور اگر کسی طرح تم مجھے نقصان پہنچانے میں کامیاب بھی ہو گئے تو میں نے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ پولیس کو میرے سلیف ڈپازٹ کی چابی پہنچا دی جائے گی جس میں تمہارے بارے میں تفصیلات موجود ہوں گی۔"

"اگر کسی وجہ سے مجھے رقم جمع کرنے میں دیر ہو گئی تو؟" سدھیر نے اپنا جملہ ناتمام چھوڑ دیا۔

"زیادہ سے زیادہ صرف چوبیس گھنٹے لگیں گے اور پولیس تمہاری تلاش شروع کر دے گی۔" سریتا نے جواب دیا۔

* * *

سدھیر نے پھر ایک باہر گہری نظروں سے دیکھا۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی وہ کر بھی سکتی تھی۔ نہ صرف اس کے چہرے بلکہ اس کی آنکھوں سے بھی صاف ظاہر تھا کہ وہ عمل کرنے کا تہیہ کر چکی ہے۔

سریتا نے کہا۔ ''دس لاکھ کا چیک میرے نام کاٹو' تمہارے لئے کیا مشکل ہے؟''

''رقم چونکہ کاروبار میں لگی ہوئی ہے اور بینک بیلنس اتنا نہیں ہے کہ اتنی بڑی رقم کا چیک کاٹ دوں۔'' سدھیر نے جواب دیا۔ ''دوسرے آج کل میں بہت پریشان ہوں۔''

''کیا کاروبار میں گھاٹا ہو رہا ہے جو تم پریشان ہو؟'' سریتا نے کہا۔

''میں اس لئے مشکل میں پھنسا ہوں کہ کوئی میرے دو ساتھیوں کو قتل کر چکا ہے۔'' سدھیر نے کہا۔ ''اب وہ میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہوا ہے۔''

''یہ خطرناک دشمن کون ہو سکتا ہے؟'' سریتا نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔ ''تمہیں کسی پر شک ہے؟''

''پہلے میرا خیال تمہاری طرف گیا تھا اور پھر سوامی کی طرف۔'' سدھیر نے کہا۔

سریتا بولی۔ ''کیا تمہیں ہمارے زندہ ہونے کا یقین تھا؟''

سدھیر بتانے لگا۔ ''اصل میں تمہاری تصویر کے ملنے اور رام داس کی باتوں سے مجھے شک ہوا تھا کہ یہ کھیل سوامی کھیل رہا ہے اور شاید تم بھی اس کھیل میں شریک ہو۔ تم سے زیادہ میرا شبہ سوامی پر تھا۔ لیکن تم سے ملنے کے بعد اب مجھے رام داس مشکوک نظر آ رہا ہے' اس نے میرے دونوں ساتھیوں کو قتل کیا ہے۔''

''رام داس بابا؟'' سریتا نے متعجب لہجے میں کہا۔ ''لیکن وہ تو چلنے پھرنے سے معذور ہے' وہ کیسے قاتل ہو سکتا ہے؟''

''وہ معذور ہوا تو کیا ہوا' دولت مند تو ہے' دولت کے بل پر کیا کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ

اپنی دولت سے پیشہ ور قاتلوں کی خدمات حاصل کر سکتا ہے' اس نے شاید کرائے کا قاتل خرید لیا ہے' اب وہ میرے قتل کا سامان کرتا پھر رہا ہے۔''

''تمہارے دشمنوں میں اور بھی لوگ ہو سکتے ہیں۔'' سریتا بولی۔ ''تم رام داس کو کیوں دوش دے رہے ہو' بمل بابا بھی تو تمہارے دشمنوں میں ہو سکتے ہیں۔'' سریتا نے کہا۔ ''کیا پتا وہ بھی ہماری طرح بچ نکلے ہوں۔''

سدھیر اس کی بات سن کر بڑے زور سے چونکا اور اس کے چہرے پر نگاہیں جما دیں۔ چند لمحوں کے بعد سدھیر نے ایک لمبا سانس لیا اور بولا۔ ''بمل گپتا کے بارے میں' میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ زندہ نہیں ہے۔''

سدھیر کی نظروں کے سامنے برسوں پرانا وہ منظر گھوم گیا جب اس نے بمل گپتا کی گردن تن سے جدا کی تھی اور اس نے بمل گپتا کا سر اور دھڑ دو مختلف گڑھوں میں ڈال کر پتھروں کی مدد سے بند کر دیا تھا۔

* * *

شاید غار کے گرتے ہوئے پتھروں میں کوئی پتھر بمل گپتا کے لگا۔ اس کا سر چکرا گیا' آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ اگر وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ نہ جاتا تو غش کھا کر گر جاتا تاہم اس نے خود پر قابو پانے کے لئے بڑی کوشش کی تھی۔

جب وہ تھوڑی دیر بعد اٹھا تو فضا میں پھیلا ہوا غبار بیٹھ چکا تھا۔ اس نے کان کے دہانے کو دیکھا جو بھاری پتھروں سے بند ہو چکا تھا۔ وہ اس وقت خود کو بے حد تنہا اور کمزور محسوس کر رہا تھا کیونکہ سوامی کی موت کا صدمہ ایسا نہ تھا جو کم ہو جائے۔ اس نے کبھی کسی موت پر ایسا دکھ محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ اس کا دیرینہ ساتھی اور بے حد مخلص اور بے غرض دوست تھا' اس کا دست و بازو تھا۔ اس نے زندگی کے مختلف نازک مرحلوں پر بمل گپتا کی مدد کی تھی۔

بمل گپتا کان کے سامنے کھڑا اس کو اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی سمادھی ہو۔ سوامی کان میں دفن ہو گیا تھا۔ ہیروں کی یہ کان اس کا مدفن بن گئی تھی۔ سوامی اب زندہ ہو کر نہیں آ سکتا تھا۔ وہ اب اسے کبھی دیکھ نہیں سکتا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے سوامی کی موت کا صدمہ غیظ وغضب میں تبدیل ہو گیا تھا۔ وہ غصے کے عالم میں پیچ و تاب کھاتا ہوا جھونپڑے کی طرف بڑھا۔ اس کا خیال تھا کہ رنجیت اپنے ساتھیوں کو لے کر اس طرف گیا ہوگا۔

"رنجیت کہاں ہے؟" بمل گپتا نے دھاڑتے ہوئے پوچھا۔

رنجیت اس کے بہت قریب تھا اور بمل گپتا کے جملے کے پورا ہوتے ہی حرکت میں آ گیا تھا۔ بمل گپتا کو اس کی خبر نہ تھی۔ رام داس نے چیخ کر اسے بتانا چاہا مگر اب دیر ہو چکی تھی۔ اس وقت تک رنجیت اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے لکڑی کا بھاری کندا بمل گپتا کے سر پر گھما چکا تھا۔ چوبی کندا بمل گپتا کے کندھوں پر پڑا۔ رام داس کی وارننگ کے باعث وہ تیزی سے رنجیت کی طرف گھوما تھا جس کی وجہ سے بمل گپتا کا سر اس کی زد سے نکل گیا تھا۔

ضرب شدید تھی اس لئے بمل گپتا فرش پر گر پڑا۔ چند لمحوں کے لئے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اب کبھی نہ اٹھ سکے گا لیکن وہ کسی نہ کسی طرح اٹھ کھڑا ہوا اور فوراً ہی رنجیت سے لپٹ گیا۔ اس کے ہاتھ رنجیت کے گلے پر پہنچے اور وہاں جم گئے۔ رنجیت کو اس دم ایسا لگا جیسے اس کا آخری وقت آ گیا ہو۔ اس کا دم گھٹنے لگا اور اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیر چھانے لگا۔

چند لمحوں کے بعد اس کی گردن آزاد ہوئی اور اس کی آنکھوں کے سامنے سے اندھیرا دور ہوا تو اس نے بمل گپتا کو وشوا ناتھ اور پرساد سے نبرد آزما پایا۔ اسے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ اگر اس کے ساتھی بمل گپتا پر حملہ کرنے میں چند لمحوں کی تاخیر کر دیتے تو وہ واقعی موت کی آغوش میں آ چکا ہوتا۔ موت اس کے قریب سے اسے چھوتی گزر گئی تھی۔

وہ بمل گپتا کا تھپڑ نہیں بھولا تھا' جو اس نے کھائی کے پاس مارا تھا۔ اس نے بمل گپتا سے بدلہ لینے کی ٹھان لی تھی اور آج اس نے سریتا کو ہاتھ سے نکلنے نہیں دیا تھا۔ اسے گالیاں دی تھیں اور مکوں' لاتوں اور جوتوں کی بارش کر دی تھی۔ وہ اسے نہ روکتا تو وہ کان کے اندر جا کر سریتا کو لے آتا۔ سریتا کا حسن وشباب یاد آتے ہی اس پر جنون طاری ہو گیا۔

اس نے چوبی کندا پھر اٹھایا اور اندھا دھند جھونپڑے کے وسط میں ایک دوسرے سے الجھتے ہوئے ان تینوں پر پل پڑا۔

پہلی چوٹ پرساد نے کھائی جو بڑی شدید تھی۔ وہ درد اور تکلیف سے چیختا ہوا ایک طرف ہٹ گیا۔

جب وشوا ناتھ نے دیکھا کہ رنجیت کی کیفیت کسی وحشی درندے جیسی ہو رہی ہے تو اس نے گھبرا کر بمل گپتا کو چھوڑ دیا اور جھونپڑی کی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ بمل گپتا' وشوا ناتھ سے الگ ہو کر یوں کھڑا جھول رہا تھا جیسے کٹی شاخ ٹوٹ کر گرنے سے پہلے جھولتی ہے۔ پھر رنجیت نے بمل پر دوسری ضرب لگائی' پھر یکے بعد دیگرے ضربیں پڑتی چلی گئیں تو وہ بے جان

سا ہو کر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ رنجیت نے لکڑی کا کندا ایک طرف پھینک کر بمل گپتا کی نبض دیکھی کہ زندہ ہے یا مر گیا پھر اس نے چلا کر وشوا ناتھ سے کہا۔ "یہ بہت سخت جان ہے' ایسے نہیں مرے گا۔ چھری لاؤ۔"

وشوا ناتھ نے وہ چھری اٹھا کر رنجیت کی طرف بڑھا دی جس سے سریتا پھل کاٹتی' جانور ذبح کرتی اور مچھلی کے قتلے بناتی تھی۔

رام داس دہشت زدہ انداز میں چیخا۔ "نہیں' نہیں۔ اس پر ایسا ظلم نہ کرو' اسے جان سے نہ مارو' اگر اسے مار دو گے تو پھر کبھی یہاں سے واپس نہ جا سکو گے۔" بھگوان کے لئے اس پر رحم کھاؤ۔"

اس کی بات پر رنجیت نے دھیان نہیں دیا لیکن وشوا ناتھ کو رام داس کی بات کا ادراک ہو گیا تھا جس طرح بمل گپتا انہیں یہاں لایا تھا اسی طرح وہ واپس بھی لے جا سکتا تھا لیکن اب دیر ہو چکی تھی' تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

رنجیت نے بلا جھجک چھری بمل گپتا کے گلے پر رکھ دی تو رام داس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ یہ دل خراش منظر کیسے دیکھ سکتا تھا۔

وہ بمل گپتا کی گردن پر اس وقت تک چھری پھیرتا رہا جب تک گردن تن سے الگ نہ ہو گئی۔ اب اس کی گردن ایک طرف پڑی تھی اور سر بریدہ لاش دوسری طرف۔

"اس کا کیا کریں؟" پرساد نے رام داس کی طرف دیکھتے ہوئے رنجیت سے کہا۔ "کیا اسے بھی ذبح کرو گے؟ یہ اس قابل تو ہے کہ۔"

"ہاں' ہاں! مجھے بھی مار دو۔" رام داس نے پرساد کی بات کاٹ کر غصے سے بھرے لہجے میں کہا۔ "لیکن میری ایک بات سن لو' زندہ تم لوگ بھی نہیں بچو گے۔ جنگل کے درندے تمہیں چیر پھاڑ کر کھا جائیں گے۔ واپسی کا راستہ صرف میں اور بمل گپتا جانتے ہیں۔ ایک تو مر گیا دوسرا زندہ ہے۔ تم میں سے کسی کو ایک قدم چلنے کا تجربہ نہیں' جنگل میں سمت کا تعین کرنا تم کیا جانو۔"

رام داس بے ربط انداز سے بولتا گیا۔ اس کے سینے میں سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ اس کے پاس بندوق نہیں تھی۔ بندوق ایک کونے میں رکھی ہوئی تھی' جو اس سے دس قدم دور تھی۔ وہ اٹھاتا کیسے۔ اٹھانے جاتا تو اس کا قصہ ختم کر دیا جاتا۔

رنجیت نے خون آلود چھری اٹھائی۔ وہ اس کی دھار دیکھتا ہوا رام داس کی طرف اس

انداز سے بڑھا جیسے وہ اسے بھی بمل گپتا کی طرح ذبح کردے گا۔ وہ اسے ایک قصاب کی نظروں سے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں درندگی تھی پھر اس نے رام داس کی نظروں کے سامنے چھری لہرائی اور کہا۔ ''تم بے فکر رہو' میں تمہیں ذبح نہیں کروں گا بلکہ تمہارے تجربے سے ہم فائدہ اٹھائیں گے دوست۔ سیدھی سی بات ہے' تم ہماری مدد کرو اور ہم تمہاری مدد کریں گے۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ ہیں نا؟''

رام داس نے جواب دینے کے بجائے آنکھیں بند کرلیں۔ اسے کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔ وہ صرف اس وقت تک زندہ تھا جب تک رنجیت اور اس کے ساتھیوں کو اس کی ضرورت تھی۔ بس اسے ایک امید تھی کہ شاید اس سے پہلے ہی کہ انہیں ضروری پوری ہونے کا احساس ہو وہ ان کے چنگل سے گلوخلاصی حاصل کرلے مگر ٹانگوں سے محروم اپاہج اپنی کامیابی کی جتنی امید کر سکتا تھا بس اتنی ہی امید رام داس کو تھی۔

موت کی وادی سے واپسی کے لئے انہیں کسی لمبی چوڑی تیاری کی حاجت نہیں تھی۔ سفر کے دوران انہیں خورونوش کی ضرورت پڑسکتی تھی۔ انہوں نے پھلوں اور خشک گوشت نمک مرچ لگا کر خشک کر کے جو رکھا تھا وہ وافر مقدار میں تھا۔ انہوں نے تھیلے بھر کے سریتا کے تربیت یافتہ خچر پر لاد لئے' اس پر رام داس کو سوار کرایا پھر وہ وادی سے چل پڑے۔

باہر نکلنے کے لئے چشمے والی دراڑ مشکل ثابت نہیں ہوئی تھی جتنی داخل ہوتے وقت محسوس ہوئی تھی۔ ساری مشکل رام داس اور خچر کو کھائی پار کرانے میں پیش آئی تھی۔ اتنی مشکل پیش آئے گی' اس کا انہیں اندازہ نہ تھا۔ انہیں پہلے کھائی میں اترنا پڑا تھا پھر دوسری طرف سے انہیں رسیوں کی مدد سے کھینچا گیا تھا۔ رام داس کو کھینچنا اتنا مشکل نہیں تھا مگر خچر کو کھینچنا ایک تکلیف دہ امر ثابت ہوا۔

باقی سفر آسان رہا جس کی انہیں امید نہیں تھی۔ ان کا خیال تھا کہ دلدلی علاقہ پار کرنا اور پھر راستے میں سانپوں سے واسطہ پڑے گا لیکن انہیں راستہ صاف ملا۔ وہ بہت خوش تھے کہ رام داس انہیں صحیح سمت لے جارہا ہے اور ایسے راستے سے لے جارہا ہے کہ جہاں خطرات نہیں تھے۔

ادھر رام داس کا ذہن سفر کے دوران ایسی تدبیر سوچتا رہا تھا کہ ان کے چنگل سے نکلنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔ وہ تینوں واپس جا کر پرتعیش زندگی کے سپنے دیکھ رہے تھے اور اس کے متعلق باتیں کرتے رہے تھے۔ ایک طرح سے وہ اس سے غافل تھے لیکن رام داس یہ دیکھ

رہا تھا کہ جنگل کب اور کتنی دیر میں ختم ہوگا۔ اس کے ذہن میں ان تینوں سے جان بچانے کی تدبیر آگئی تھی۔

جیسے ہی رام داس کو اندازہ ہوگیا کہ جنگل ختم ہونے میں زیادہ فاصلہ باقی نہیں رہا اس نے گھوڑے کی طرح خچر کو دوڑایا۔ خچر کو چونکہ سریتا نے بہت اچھی طرح سدھایا ہوا تھا اس لئے وہ ایک گھوڑے کی طرح سرپٹ بھاگا کہ وہ دیکھتے اور چلاتے رہ گئے۔

''رنجیت!'' پرساد ہذیانی انداز سے چیخا۔ ''یہ کمینہ بھاگ نکلا' وہ دھوکا دے گیا' میں نہ کہتا تھا کہ اس پر بھروسا نہ کرو۔''

جب تک رنجیت اس کا نشانہ لینے کے لئے بندوق سیدھی کرتا' رام داس کا خچر دھول اڑاتا' درختوں اور جھاڑیوں کے پیچھے غائب ہوچکا تھا۔ رنجیت نے فائر کرنے سے احتراز کیا کیونکہ دھول اور جھاڑیوں کی وجہ سے صحیح سمت کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔

وشوانا تھ نے کہا۔ ''میں اور صفدر اس کے تعاقب میں جارہے ہیں۔ تم یہ سامان سنبھالو' وہ زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔''

''تمہارا خیال درست نہیں ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خچر کس تیز رفتاری سے دوڑا جیسے ریس کا گھوڑا ہو۔'' رنجیت نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ اس نے اب تک میل ڈیڑھ کی مسافت طے کرلی ہوگی' اب تعاقب کرو گے تو اس کی گرد بھی نہیں پاسکو گے۔''

''یہ بہت ہی برا ہوا۔'' وشوانا تھ نے فرش پر بڑے زور سے پیر پٹخا۔ ''یہ ہماری غلطی سے ہوا' ہم یہ سمجھ کر اس سے غافل ہوگئے تھے کہ وہ معذور ہے اور ہمیں ذرہ برابر بھی یہ خیال نہیں آیا کہ وہ خچر پر سوار ہے اور ہمیں کسی وقت بھی جل دے کر فرار ہوسکتا ہے۔''

''زیادہ افسوس نہ کرو۔'' رنجیت نے ہنس کر کہا۔ ''وہ نالی میں رینگنے والے کیڑے کی طرح ہے' ہم سے بچ کر کہاں جائے گا؟''

''افسوس کیوں نہ کریں؟'' پرساد نے تکرار کے انداز میں کہا۔ ''وہ صاف بچ کر نکل گیا اور تم نہ جانے کس خوش فہمی میں مبتلا ہو؟ رام داس کو بچہ نہ سمجھو' وہ بڑا گھاگ قسم کا ہے' اتنا بڑا کاروبارہ ایسے ہی نہیں چلا رہا۔ اب وہ ہماری دسترس سے نکل چکا ہے۔''

''اس کا پاسپورٹ اور تمام کاغذات ہمارے پاس موجود ہیں۔'' رنجیت معنی خیز انداز سے مسکرایا۔ ''ان کے بغیر وہ یہاں سے نہیں جاسکتا۔''

انہیں تو بعد میں پتا چلا تھا کہ رینگنے والا کیڑا پہلے ہی ہاتھ کی صفائی دکھا چکا تھا اور ان کے

فرشوں کو بھی خبر نہ ہو سکی تھی۔ کسی وقت جب وہ گہری نیند سو رہے تھے تو رام داس نے ان کے سامنے کی تلاشی لے ڈالی تھی۔ ان کی اپنی اپنی چیزوں کے علاوہ اس نے بڑی خوبصورتی سے ہیروں کی ایک تھیلی بھی اڑالی تھی۔

* * *

''بمل گپتا کی موت کے یقین کی وجہ؟'' سریتا نے پوچھا۔

سدھیر نے جواب دینے سے قبل ایک لمحے سوچا۔ کیا وہ سارا قصہ سریتا کو سنا دے۔ نہیں۔ وہ اس سے سخت متنفر ہو جائے گی' بمل گپتا کی موت کا انتقام لے گی۔ اس نے بمل گپتا کو جس درندگی اور بے رحمی سے ذبح کیا تھا اسے کوئی بھی شخص سن کر نفرت اور غصے کا اظہار کرے گا۔

''میں بتاتا ہوں۔'' سدھیر نے ایک لمبا سانس لیا۔ ''بمل گپتا کی لاش ہم نے پتھروں سے نکال کر اس کی سمادھی بنادی تھی جو آج بھی وہاں ہوگی۔''

سریتا نے کچھ کہنے کے ارادے سے منہ کھولا تھا کہ اسے سدھیر کی بات کا یقین نہیں آیا ہے۔ اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ بمل بابا کی موت کان کے پتھروں سے واقع نہیں ہوئی ہوگی' انہیں رنجیت نے یقیناً قتل کر دیا ہوگا بلکہ ان کی موت میں ان کے ساتھیوں کا بھی ہاتھ ہوگا کیونکہ بمل بابا نے ان بھیڑیوں سے اس کی عزت بچائی تھی۔

''تو پھر دو دن کی مہلت دے رہی ہو؟'' سدھیر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''کہیں ایسا تو نہیں کہ تم سے دو دن بھی صبر نہ ہو سکے؟ مجھے یقین نہیں آرہا۔''

''تم دو دن کے لئے مجھ پر بھروسا کر سکتے ہو۔'' سریتا نے اسے یقین دلایا۔ ''میں تمہیں زبان دے چکی ہوں' میں زبان کی پکی ہوں۔''

سدھیر' سریتا کے ہاں سے رخصت ہو کر گھر پہنچا۔ اس نے راستے میں ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ پھر ایک بار اپنا نام اور شہر بدل لے گا۔ ہندوستان بہت بڑا ملک ہے۔ کسی بڑے شہر میں روپوش ہو جانے پر سریتا کے فرشتے بھی اسے تلاش نہیں کر سکیں گے۔

اس نے اپنا بیشتر سرمایہ قیمتی تمسکات میں لگا رکھا تھا جس سے اسے ایک لگی بندھی آمدنی ہو جاتی تھی۔ ایک آسانی اور سہولت یہ تھی کہ وہ ان تمسکات کو کسی بھی وقت نقدی میں تبدیل کر سکتا تھا۔ تمسکات کسی بھی بینک میں کیش کرائے جا سکتے تھے البتہ اسے انہیں بینک لاکرز سے نکالنا ضروری تھا اسی لئے لاکر اس نے اپنے نام سے لیا ہوا تھا۔

اس کا بزنس ایسا تھا کہ وہ کھڑے کھڑے اس کا سودا کر سکتا تھا لیکن عجلت کی صورت میں اسے نقصان ہوتا یعنی رقم کم ملتی مگر خوش قسمتی سے ایک پارٹی اس کے کاروبار میں دلچسپی لے رہی تھی۔ صرف دو دن قبل اس پارٹی نے اسے جو آفر دی تھی اس میں نقصان نہیں بلکہ منافع تھا۔

سریتا نے اسے جو دو دن کی مہلت دی تھی وہ سرمایہ سمیٹنے کے لئے کافی تھی۔ وہ اپنا سارا کاروبار فروخت کر کے اس شہر سے نکل سکتا تھا۔ اگر ان دو دنوں میں رام داس کا پتہ چل گیا وہ اس سے نمٹ لے گا' حساب بے باق کر لے گا۔ یہ بہت ضروری تھا ورنہ اس کے سینے میں ایک پھانس چبھی رہے گی۔ رام داس سے دو دو ہاتھ کرنے اور نئی شخصیت اختیار کرنے کے بعد تو وہ تمام خطرات پرانی شخصیت کے ساتھ زندہ چھوڑ جاتا۔ اس نے اگلے دو دن سرمایہ یکجا کرنے میں مصروف کئے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ سریتا کی بھی تفتیش کرنے میں لگا ہوا تھا کیونکہ اس کے دل کے کسی کونے میں یہ شک پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں سریتا ہی ان شرارتوں کی ذمہ دار نہ ہو جو اچانک اس کے ساتھیوں کے لئے مشکلات کا سبب بن گئی تھیں مگر اس کی چھان بین سے یہ بات صاف ہو گئی کہ سریتا ایک ماہ سے شنکر کے یہاں مقیم تھی۔ وہ شاذ نادر ہی مکان سے باہر نکلتی تھی۔ جب بھی وہ نکلتی' اکیلی نہ ہوتی تھی' اس کے ساتھ ارملا چوہدری یا شنکر ہوتے البتہ وہ کبھی کبھی ٹیلی فون پر اپنے ملازم کو ہدایات دیتی رہتی تھی جو اس کے کرائے پر لئے ہوئے مکان کی دیکھ بھال اور جھاڑ پونچھ کرتا تھا۔

اس مکان کے بارے میں سدھیر نے جو معلومات حاصل کی تھیں وہاں ملازم کے سوا مہینے بھر سے محلے اور اڑوس پڑوس والوں کو کوئی اور نظر نہیں آیا تھا' نہ انہوں نے کسی کی آمد و رفت دیکھی تھی۔ جب اس کا اطمینان ہو گیا تو وہ خود سٹوڈیو گیا تاکہ یہ دیکھ سکے کہ سٹوڈیو میں سریتا اور شنکر کی تصویر ڈسپلے ہے یا نہیں؟ تصویر کے بارے میں سریتا نے جو کچھ کہا' اس میں مبالغہ نہیں تھا۔ اس نے سٹوڈیو کے ڈسپلے کاؤنٹر پر اس کی اور شنکر کی تصویر نمایاں دیکھی تھی۔ اس نے سٹوڈیو والے سے اس تصویر کے بارے میں بات کی تو اس نے کہا تھا کہ وہ اجازت کے بغیر اس شرط پر دے سکتا ہے کہ اسے اپنا نام' پتا دینا ہوگا' اسے رشتے داری بھی ظاہر کرنی ہوگی۔ یہ سن کر وہ چلا آیا تھا۔

دوسرے دن جب اس کی تیاری تقریباً مکمل ہو چکی تھی اور وہ نئے نام سے اگلے دن کے لئے ریلوے کی نشست بک کرا کے لوٹا۔ اس نے مدراس شہر کا انتخاب کیا تھا جو یہاں سے

ڈیڑھ ہزار میل دور تھا۔ اب مدراس کا نام چنائے ہو گیا تھا۔ اس نے منصوبہ بنایا کہ وہاں کچھ دنوں کے بعد پاسپورٹ بنوا کر کولمبو چلا جائے گا جو سری لنکا کا دارالخلافہ ہے لیکن دوسری طرف اس کا دل ہندوستان سے کہیں اور جانے کو نہیں کر رہا تھا۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ مخبر کا فون آیا۔ اس نے رام داس کے بارے میں بتانے کے لئے فون کیا تھا۔ "کیا اطلاع ہے؟" اس نے پوچھا۔

"آج رام داس صاحب کا فون آیا تھا۔" رام داس کے ہوٹل کے سوئچ بورڈ کے آپریٹر نے کہا۔ "اس نے جنرل منیجر سے بات کرنی چاہی تھی' وہ کسی کام سے کہیں گئے ہوئے تھے اس لئے صاحب نے مجبوراً اپنا ٹیلی فون نمبر میرے پاس چھوڑ دیا اور تاکید کی کہ ان کے آتے ہی رابطہ کرا دوں۔"

"مجھے ان کا فون نمبر نہیں بلکہ پتا چاہئے۔" سدھیر نے برہمی سے کہا۔ "فون نمبر میرے لئے کسی کام کا نہیں۔"

"میں وہی آپ کو بتا رہا ہوں' نمبر ہماری ایک ساحلی ہٹ کا ہے' اس لئے مجھے پتا نہیں کرنا پڑا۔" آپریٹر جلدی سے بولا۔ "رام داس جب کبھی وقت گزاری کے لئے جانے کا سوچتے ہیں تو وہ اسی ہٹ میں جا کر قیام کرتے ہیں۔"

پھر آپریٹر نے اس ہٹ کا نمبر بتا دیا اور وہاں کا فون نمبر بھی لکھوا دیا تھا لیکن اسے فون نمبر کی قطعی ضرورت نہ تھی۔

سدھیر نے ریسیور رکھ دیا۔ اسے اس وقت تردد ہو رہا تھا۔ وہ ایک دوراہے پر آ کھڑا ہوا تھا۔ ایک طرف اس کا دل کہتا تھا کہ وہ سریتا اور رام داس سے متعلق ساری اگلی پچھلی باتیں بھول جائے اور رات آرام سے گزار کر جس شہر کو جا رہا ہے وہاں چلا جائے۔ کل کی صبح اس کی نئی زندگی کا آغاز کرے گی۔ اس کے پاس اتنی دولت ہے' وہ اس کی دو پشتوں کے لئے بھی کافی ہے۔

مگر رام داس نے اسے پے در پے جو بے وقوف بنایا تھا وہ ایسا زخم تھا جو اس وقت مندمل نہیں ہو سکتا تھا جب تک وہ اس کو موت سے ہم کنار نہ کر دے۔ جنگل میں جب وہ اسے اپنا محتاج سمجھ رہے تھے اور وہ موقع پا کر بھاگ نکلا تھا اور ہیرے بھی لے گیا تھا جو لاکھوں کی مالیت کے تھے۔ اگر وہ نہ بھاگتا تو جنگل کے ختم ہوتے ہی اسے مار کر کسی گڑھے میں لاش دفن کرنے کا منصوبہ بنا چکے تھے لیکن پنچھی اڑ گیا تھا اور پھر اس نے اپنے آدمیوں کی مدد سے اس

کے دو پرانے ساتھیوں کو موت کی نیند سلا دیا تھا۔ کون جانے وہ اسے بھی چھوڑے گا یا نہیں۔ جب تک رام داس زندہ ہے' اسے ہمیشہ دھڑکا لگا رہے گا۔ وہ مدراس' بنگال اور آسام کیا سری لنکا بھی کیوں نہ چلا جائے وہ اس کی نئی شخصیت کا پتا چلا لے گا اور اسے بھی ٹھکانے لگا دے۔ رام داس کو بھی اس کی طرف سے جان جانے کا خطرہ ہے۔ وہ ڈرتا ہے کہ کہیں اسے بھی رنجیت' بمل گپتا کی طرح ذبح نہ کر دے۔

بڑی دیر تک سوچ بچار کے بعد اس نے رام داس کو ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کام کے لئے اس سے بہتر موقع اور کیا ہو سکتا تھا۔ رام داس اپنی دانست ایک چوہے کی مانند بل میں گھسا بیٹھا تھا۔ یہ درست ہے کہ رام داس کی حفاظت کے لئے تین چار بدمعاش محافظ بنے ہوئے ہوں گے۔ ہوا کریں' وہ پچاس بدمعاشوں کی حفاظت میں کیوں نہ ہو' تب بھی وہ اس کے ہاتھوں سے بچ نہ سکے گا۔ اس کے ذہن میں ایک ایسی تدبیر آئی تھی جس سے سانپ بھی مر جائے گا' لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔

سدھیر نے جلدی جلدی دو تین جگہ ضروری فون کئے پھر اس نے تمسکات اور نوٹوں سے بھرا ہوا سوٹ کیس آہنی سیف میں محفوظ کر دیا۔ ریوالور نکال کر اسے لوڈ کیا اور گولیوں کا پیکٹ جیب میں رکھ کر گاڑی کی طرف چل دیا جو بنگلے کے کمپاؤنڈ میں کھڑی تھی۔

سمندر کی طرف جانے والی سڑک پر ایک درخت کے نیچے کھڑی ہوئی گاڑیوں میں دو افراد بیٹھے تھے' وہ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اس نے دونوں کو فوری طور پر ہدایات دیں۔ وہ دونوں آدمی اس قسم کے کاموں میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور ہر طرح سے قابل بھروسا تھے۔

سمندر کے قریب جا کر اس نے ایک ہٹ کے عقب میں اپنی گاڑی پارک کر دی۔ وہ ہٹ خالی تھا' اس کی گاڑی بھی محفوظ تھی پھر وہ دس منٹ میں دوڑتا ہوا مطلوبہ ہٹ کے عقب میں پہنچ گیا اور اپنی سانس پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔

اس نے ایک ایسی جگہ پوزیشن لے لی جہاں سے سڑک دور تک نظر آ رہی تھی۔ یہ ہر لحاظ سے بہترین پوزیشن تھی۔ اس کا منصوبہ تھا کہ جیسے ہی اس کے ساتھی رام داس کے ہٹ کے قریب پہنچیں گے وہ ہٹ کی عقبی کھڑکی سے اندر اتر جائے گا جو اسے دور سے ہی کھلی نظر آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے گاڑی کی ہیڈ لائٹس دیکھیں جو تیزی سے ہٹ کی طرف آ رہی تھیں۔ اس کے دل میں دھڑکن بڑھ گئی اور پیشانی پر پسینہ چھلک آیا کیونکہ عمل کا وقت آ گیا تھا۔ ایسے وقت اسے ہمیشہ ایک سنسنی آمیز جوش کا احساس ہوتا تھا جو اسے اپنے سارے جسم

میں بجلی کی لہر کی رو کی مانند دوڑتا محسوس ہوتا اور وہ مستعد ہو جاتا تھا۔

لیکن فوراً ہی اس کا سارا جوش ایک دم سے سرد پڑ گیا تھا۔

اچانک گاڑی کے بریک چرچرائے اور وہ بنگلے سے تقریباً نصف فرلانگ ہی ادھر رک گئی۔ یہ کیا۔؟ وہ حیران تھا۔

پھر اس نے دیکھا' گاڑی کی ہیڈ لائٹس میں اس نے کسی کو گاڑی کے سامنے کھڑا دیکھا۔ دور سے ہی سدھیر کو ایسا لگا تھا جیسے وہ آدمی ایک طرف دوڑتا چلا گیا ہو لیکن چند لمحوں کے بعد ایک دھماکے سے اس کی گاڑی کے پرخچے اڑ گئے۔

پھر سدھیر کو سمجھنے میں دیر لگی کہ دوڑتے آدمی کے ہاتھوں نے یقیناً حرکت کی ہو گی۔ گاڑی کو اڑانے کے لئے دستی بم استعمال کیا گیا تھا۔ یہ دھماکے کی آواز سے صاف ظاہر تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے گاڑی آگ کے شعلوں میں گھر گئی تھی۔ اسی آگ کی روشنی میں اسے بم پھینکنے والا پراسرار آدمی ایک مرتبہ پھر گاڑی کے پاس نظر آیا۔ وہ شاید یہ اطمینان کرنا چاہتا ہو گا کہ اس نے جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ بحسن وخوبی انجام پا گیا ہے یا نہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ کوئی کسر رہ گئی ہو' کوئی کسر اگر رہ گئی ہے تو اسے پوری کر لے۔

ایک لمحے کے لئے سدھیر کو ایسا لگا جیسے وہ آدمی ٹھٹک کر اس کی طرف مڑا ہو۔ اس نے اس پراسرار آدمی کا انداز بھی واہمہ سمجھا تھا اس لئے کہ اتنی دور سے اس کی موجودگی کا احساس کرنا خاصا مشکل تھا۔

گاڑی کے آگ کے شعلوں نے دن کا سا اجالا کر دیا تھا اور اس روشنی میں سدھیر نے اسے اچھی طرح پہچان لیا تھا۔ یہ واہمہ نہ تھا' پھر وہ اسے پہچان کر سناٹے میں آ گیا تھا۔ اسے لگا جیسے اس پر کوئی بجلی سی گری ہو۔ وہ سکتے کی سی حالت میں اسے دیکھ رہا تھا اور اسے اپنی رگوں میں خون جمتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

گویا وہ اب تک اندھیرے میں تھا۔ اچھا ہوا' آج وہ نظر آ گیا۔ اب اسے بہت ہوشیار اور چوکنا رہنا تھا۔

اس کا دشمن اپنے مخصوص انداز میں تیزی سے دوڑتا ہوا درختوں کی آڑ میں غائب ہو گیا۔

چند لمحوں کے بعد ایک گاڑی ان درختوں کی آڑ سے نکلی۔ اس کی رفتار تیز تھی اور پھر وہ

اسی تیز رفتاری سے شہر کی طرف چلی گئی لیکن سدھیر اپنی جگہ سے ہلا اور نہ ہی اس نے جنبش کی' اس لئے کہ دشمن کا کوئی بھروسا نہیں تھا' وہ پلٹ بھی سکتا تھا۔

تھوڑی دیر تک وہ انتظار کرتا رہا کہ شاید دشمن لوٹ کر آئے' اس لئے اس نے ریوالور بھی نکال لیا تھا۔ جب اسے اطمینان ہو گیا کہ اس کا خطرناک ترین دشمن لوٹ کر نہیں آئے گا تو وہ جیب میں ریوالور ٹھونستا ہوا گاڑی کی طرف لپکا جو تھوڑے ہی فاصلے پر اس نے چند منٹ پہلے چھوڑی تھی۔ اسے اس بات کی کوئی جلدی نہیں تھی کہ اس کا دشمن اس کے ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا۔ وہ جلد بازی سے معاملہ خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ کہاں جائے گا؟ اس لئے وہ جب چاہے اسے پکڑ سکتا تھا۔

اسے سریتا کے بنگلے کا پتا معلوم تھا جو اس نے کرائے پر لے رکھا تھا اور وہ اس علاقے سے اچھی طرح واقف تھا جہاں وہ بنگلہ واقع تھا۔ اس نے علاقے میں داخل ہوتے ہی گاڑی قدر دور چھوڑ دی اور پھر پیدل ہی اس بنگلے پر پہنچا۔

بنگلہ تاریکی کی آغوش میں سمٹا ہوا تھا۔ پورچ میں اسے گاڑی نظر نہیں آئی مگر اس کا دشمن چونکہ ایک خطرناک آدمی تھا اس لئے جتنی بھی احتیاط کی جاتی' کم تھی۔ اسے پھونک پھونک کر قدم رکھنا تھا۔ اس نے اچھی طرح سے جائزہ لیا۔ اسے خیال آیا کہ کہیں اندر روشنی گل کر کے کوئی سو تو نہیں رہا۔ یہ معلوم کرنا اشد ضروری تھا۔

وہ عقبی حصے سے بنگلے میں اترا اور اس نے ایک ایک کمرا چیک کیا۔ اس نے باہر سے ہی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تھا۔ اب اسے مجبوراً اپنے دشمن کی واپسی کا انتظار کرنا تھا اس لئے وہ گھات لگا کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ دشمن کو موت کے گھاٹ اتارے بغیر جانا نہیں چاہتا تھا۔

اذیت اور کربناک انتظار کی گھڑیاں طویل ہوتی گئیں۔ کئی بار اس نے مایوس ہو کر سوچا کہ شاید وہ اپنا وقت ضائع کر رہا ہے۔ اسے یہ خیال بھی آیا کہ شاید دشمن کو بنگلے میں اس کی موجودگی کا پتا چل گیا ہے اس لئے فی الوقت ادھر کا رخ نہیں کر رہا۔ وہ اسے پھانسنے اور مارنے کے لئے جال بچھا رہا ہے۔ پھر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ تھوڑی دیر اور انتظار کر کے چلا جائے گا۔ نہیں' نہیں۔ اس کے اندر سے آواز آئی۔ ایسا ہرگز مت کرنا' تمہارا دشمن موذی سانپ سے کہیں زیادہ خطرناک ہے' وہ زندہ رہا تو پھر تم زندہ نہ رہ سکو گے۔

وہ ان سوچوں میں غرق تھا کہ آخر کار اسے باہر گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اس کا اندازہ درست ثابت ہوا تھا کہ دشمن یہاں ہی آئے گا۔

کوئی گاڑی سے اترا تھا' پھر قدموں کی چاپ بیرونی دروازے تک پہنچی' دروازے کے تالے میں چابی گھومنے کی آواز سنائی دی' پھر دروازہ ہلکی سی آواز سے کھلا اور کوئی کمرے میں داخل ہوا۔

سدھیر کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی' اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی تھی' اس نے ریوالور پر اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کی اور اپنے دشمن کو چھاپ لینے کے لئے تیار ہو گیا۔

اگلے لمحے قدموں کی چاپ خواب گاہ کے دروازے تک پہنچ گئی' پھر دروازہ کھلا اور کسی نے اندر جھانکا۔

سدھیر دیوار سے چپک گیا اور اس نے سانس روک لی۔ چند لمحوں کے بعد اسے ایسا محسوس ہوا کہ ساری کائنات پر ایک بوجھل سا سکوت چھا گیا ہے' پھر دروازے کی چٹخنی چڑھانے کی آواز آئی اور کمرا روشنی میں نہا گیا۔

سوامی مسہری پر بیٹھا ہی تھا کہ سدھیر کی کرخت آواز سن کر اس طرح اچھل پڑا جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔

''اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو سوامی۔'' سدھیر نے اسے حکم دیا۔

''اوہ تو۔ تم نے مجھے پا ہی لیا؟'' سوامی نے خوفزدہ ہونے کے بجائے مسکرا کر کہا۔ ''مجھے یقین تھا کہ تم وشوا ناتھ اور پرساد کی طرح آسانی سے نہیں مرو گے۔ دیکھو میرا اندازہ کتنا درست نکلا۔''

''میں قدرتی موت مرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔'' سدھیر نے جواب دیا۔ ''اس لئے اب تک زندہ ہوں۔''

''ارادہ تو ان دونوں کا بھی یہی تھا لیکن آدمی نہیں جانتا کہ اس کی موت کس طرح ہو گی مگر وشوا ناتھ کا گلا غیر قدرتی انداز میں کٹا۔ پرساد کے چیتھڑے بھی غالباً غیر قدرتی انداز میں نہیں اڑے تھے۔''

سوامی نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

''تم نے اور سریتا نے مل کر مجھے خوب بے وقوف بنایا۔'' سدھیر نے خشونت آمیز لہجے میں کہا۔

''اس نے تمہیں کیا بے وقوف بنایا؟'' سوامی نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ ''وہ گڑیا تو بڑی سیدھی سادی اور معصوم سی ہے۔''

''وہ کتنا فطری انداز میں تمہارے مرنے کا ذکر کر رہی تھی اور مجھے اس کی بات کا یقین کرنا پڑا۔'' سدھیر نے جواب دیا۔

سوامی کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا' اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ غضبناک ہو کر بولا۔ ''تہذیب تو تمہیں چھو کر بھی نہیں گئی' ایک معصوم لڑکی کو گالیاں دیئے بغیر بھی اس کے متعلق کچھ کہہ سکتے تھے۔''

''معصوم؟''

سدھیر طنزیہ انداز میں ہنسا۔

''ہاں سریتا اس لئے معصوم ہے کہ اسے نہیں معلوم کہ میں زندہ ہوں۔'' سوامی نے بڑے وثوق سے کہا۔

سدھیر نے غیر یقینی نظروں سے اسے دیکھا اور بولا۔

''کیا تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو؟''

''رنجیت عرف سدھیر۔ تم بہت تیز اور شاطر ہو۔''

سوامی نے منہ بنا کر کہا جیسے کڑوی گولی نگل رہا ہو۔ ''میں نے پہلی مرتبہ تمہیں دیکھ کر اندازہ لگا لیا تھا لیکن یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ میں سریتا سمیت موت کی وادی سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ میرا دوبارہ گزر موت کی وادی میں نہیں ہوا مگر میں نے یقین کر لیا تھا کہ تم تینوں بدمعاشوں کا مقابلہ میرا شریف ساتھی نہیں کر سکے گا۔ پانچ برس' پورے پانچ برسوں سے انتقام کی آگ سینے میں دبائے سلگتا رہا۔ میں نے اپنے دوست کو خط لکھ کر اپنے شبہے کی تصدیق کر لی پھر میں نے تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی تفصیل لکھ بھیجی۔ اس نے کچھ عرصے بعد ہی رام داس کا پتا چلا لیا۔ واپس آتے ہی میں نے اس سے رابطہ قائم کیا تو ان زیادتیوں کا علم ہوا جو تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے میرے دوست کے ساتھ کی تھیں۔

رام داس نے مجھے بتایا تھا کہ تم نے کس بے رحمی اور درندگی سے میرے پیارے دوست کو ایک جانور کی طرح ذبح کیا' تمام باتیں معلوم ہونے کے بعد میں نے تم سے بھیانک انتقام لینے کے لئے جامع منصوبہ بنایا' اس پر نہایت ہوشیار سے عمل کرنا ضروری تھا' ذرا سی بھی غلطی سے یقیناً میں اور سریتا خطرے میں پڑ جاتے کیونکہ تم ایک خطرناک اور بدترین دشمن تھے' سریتا کو خطرے میں ڈالنا مجھے کسی قیمت پر منظور نہ تھا اس لئے میں نے موت کا ڈرامہ کھیلا' ایک تازہ لاوارث لاش ایک سرکاری ہسپتال سے خریدی گئی' اسے اپنا لباس پہنا کر اچھی طرح کچلا گیا کہ

وہ شناخت کے قابل نہ رہے۔

حسب توقع ڈرامہ کامیاب رہا۔ اس چکر میں سریتا اور شنکر قریب آ گئے تو میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا۔ دونوں ایک دوسرے کو شدت سے چاہتے ہیں۔ وہ ایک اچھا جوڑا ثابت ہوں گے۔ شہر میں دشوانا تھ کا پتا معلوم کرنا مشکل نہ تھا۔ امرلعل کا نام اس پاسپورٹ میں درج تھا جس نے ایکویڈور کا سفر کیا تھا۔ پہلے دن سر کٹے بھوت کا ڈرامہ اس لئے کھیلا گیا تھا کہ دشوانا تھ یا امرلعل خطرہ محسوس کر کے تمہیں بلا لے یا خود تمہاری طرف دوڑ پڑے پھر بھی یہ ضروری تھا کہ اس کی موت اس طرح ہو جس طرح بمل گپتا کی موت واقع ہوئی تھی۔ مطلب یہ کہ اس کا گلا بھی دھڑ سے الگ ہو۔ اس میں انتقامی جذبے کی شدت کا بھی دخل تھا اور تمہیں خوفزدہ کرنا بھی مقصود تھا۔

لاش کے لباس میں ٹیپ ریکارڈ چھپا دیا گیا تھا تا کہ تم فوری طور پر سوچنے لگو کہ دشوانا تھ یا امرلعل کو قتل کرنے والا وہیں تھا۔ دھماکے کی ضرورت اس لئے تھی کہ تم وہاں سے بوکھلا کر بھاگو۔ تمہیں ایک لمحے کے لئے بھی یہ خیال نہ آئے کہ تمہارا کوئی پیچھا بھی کر سکتا ہے۔ بے شک میں یہ سب کچھ کرنے کے لئے وہیں ٹھہرا رہا تھا مگر میرے ساتھی نے بڑی ہوشیاری سے تمہارا پیچھا کیا تھا۔ دیکھو میری ترکیب کیسی کامیاب رہی' تم چکر میں آ گئے' سر بریدہ لاش دیکھ کر تمہارا دھیان فوراً ہی رام داس کی طرف گیا' تمہاری دانست میں وہی ایک ایسی زندہ شخصیت تھی جسے سر بریدہ لاش کی کہانی معلوم تھی اور کوئی دوسرا نہیں جانتا تھا۔" سوامی سانس لینے کے لئے رکا تو رنجیت نے کچھ کہنا چاہا تو سوامی نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا اور بولا۔

"پہلے تم میری پوری بات سن لو۔" پھر اس نے لمبا سانس لینے کے بعد ٹھہر ٹھہر کر کہنا شروع کیا۔ "میں نے رام داس کو ہوشیار کر دیا تھا اور اسے ایک پتا بھی بتا دیا تھا تا کہ وہ اگلے ڈرامے کے لئے سٹیج تیار کرے' وہ تم لوگوں سے جلا ہوا تھا' اس کے دل میں تم لوگوں سے انتقام لینے کی آگ جھڑک رہی تھی چنانچہ وہ بآسانی مجھ سے تعاون پر آمادہ ہو گیا۔ تمہیں پتا بتا کر اس نے مجھے فون کر دیا اور اس نے سریتا کی تصویر خواب گاہ میں رکھ کر مسہری کے نیچے ٹیپ اور ڈائنامیٹ رکھ دیا اور خود ایسی جگہ چھپ گیا جہاں سے وہ اس خواب گاہ پر نظر رکھ سکتا تھا۔ میرا ارادہ تم میں سے ایک کو ختم کرنا تھا کہ دوسرا اس دولت تک رسائی کر سکے جو تمہارے مشترکہ تصرف میں تھی۔ میرے اندازے کے مطابق پرساد زیادہ بے وقوف ثابت ہوا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ تمہیں قانون کا بھی خوف دلایا جاتا۔" سوامی نے اپنی بات جاری رکھی تھی۔ "اس

سلسلے میں مجھے مجبوراً سریتا کو استعمال کرنا پڑا' میرے دوست نے اس سے مل کر اسے تمہارے بارے میں بتایا اور پٹی پڑھائی کہ اگر وہ تم سے مل کر بلیک میل کرنے کی کوشش کرے تو تم یقیناً دس لاکھ رقم لے کر اس کے پاس جاؤ گے اور میرا دوست اپنے ایک جاننے والے پولیس افسر کے ہاتھوں تمہیں رنگے ہاتھوں پکڑوا دے گا۔ سریتا سے دس لاکھ کی رقم کا مطالبہ اس لئے کرایا گیا تھا کہ تم رقم ادا کرنے پر تیار نہ ہو سکو اور اس میں عافیت سمجھو کہ جو کچھ ہاتھ لگے وہ لے کر نکل جاؤ۔"

"اس سے تمہیں کیا فائدہ ہو سکتا تھا؟" سدھیر نے دھڑکتے دل سے سوال کیا۔ اچانک اسے اپنی جمع پونجی کا خیال آ گیا تھا' جو اس کے بنگلے کے سیف میں موجود تھی مگر کیا وہ واقعی محفوظ تھی؟

"فائدہ ہو بھی گیا۔" سوامی نے ہنستے ہوئے کہا تو اسے لگا کہ جیسے اس کے خدشات کی تصدیق ہو گئی ہے۔ سوامی نے کہا۔ "مجھے یہاں پہنچنے میں دیر اس لئے ہو گئی کہ میں تمہارا سیف توڑ رہا تھا جو کچھ زیادہ ہی مضبوط تھا۔"

"تو......تو......تم نے میری ساری دولت۔" سدھیر کا چہرہ صدمے سے سفید پڑ گیا۔ وہ اپنی بات پوری نہ کر سکا۔

"وہ سب دولت میں نے اپنے دوست کے سپرد کر دی ہے جو اپنا کمیشن کاٹ کر باقی رقم میری امانت کے طور پر آہستہ آہستہ سریتا کے نام منتقل کر دے گا۔"

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا کمینے۔" دانت پیس کر رنجیت عرف سدھیر غرایا۔

"وہ تو ظاہر ہے۔ آج جب میں نے تمہاری گاڑی اڑائی تھی تو جلتی لاشوں میں تمہاری لاش مجھے نظر نہیں آئی تھی۔ میں نے اس وقت اپنی زندگی سے ہاتھ دھو لئے تھے مگر اے ذلیل اور سانپ کی طرح زہریلے آدمی۔ میں تجھے ساتھ لئے بغیر نہیں جاؤں گا' ہم ایک ساتھ ہی جائیں گے۔" سوامی نے بڑے اعتماد سے کہا۔

سدھیر نے حیرت سے سوامی کی طرف دیکھا مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ سکا کہ وہ کیا کرنے والا ہے۔

سوامی نے ایک ہاتھ فضا میں بلند کیا۔ اس میں ایک چھلا سا تھا جس کے ساتھ ڈوری بندھی ہوئی تھی۔ سوامی نے اس سے کہا۔ "یہ چھلا تمہیں نظر آ رہا ہے۔ یہ ایک مضبوط ڈور کے ساتھ بم کی پن سے جڑا ہوا ہے۔ میں نے اسے پکڑ کر کھینچا اور بم پھٹا۔"

"خبردار! اپنا ہاتھ اونچا ہی رکھو۔" سدھیر نے چیخ کر کہا۔

مگر سوامی نے بڑے اطمینان سے سرخ چھلے میں انگلی ڈالی اور اسے کھینچ دیا۔ ڈوری کے سرے پر باندھا ہوا پن سدھیر نے صاف دیکھا۔ اس نے سوامی پر پے در پے کئی گولیاں چلائیں اور مڑ کر پاگلوں کی طرح دروازے کی چٹخنی کو گرانے لگا۔

سوامی لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا اور اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر بے جان لاش کی طرح جھول گیا۔

سدھیر نے سوامی کے مردہ جسم کو اپنے سے جدا کرنا چاہا مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوتا' اس کا وقت پورا ہو گیا۔

موت کی وادی کے آخری شکار۔ بم کے دھماکے سے چیتھڑے کی شکل میں بکھر گئے۔

(تمت بالخیر)